مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (سوم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات



بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوۃ

زکوۃ کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ زکوۃ کے لغوی معنی ہیں پاکی اور بڑھنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی"۔چونکہ زکوۃ کی برکت سے نفس انسانی بخل کے میل سے پاک و صاف ہوتا ہے،نیز اس کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے اس لئے اسے زکوۃ کہتے ہیں۔زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور اسکے شرائط:اسلام،آزادی،عقل،بلوغ اور قرض سے مال کا خالی ہونا ہے لہذا کافر،غلام،بچے اور دیوانے پر زکوۃ فرض نہیں۔حق یہ ہے کہ زکوۃ کا اجمالی حکم ہجرت سے پہلے آیا اور اس کی تفصیل ۲ھ میں بیان ہوئی لہذا آیات قرآنیہ میں تعارض نہیں۔کُل چار مالوں میں زکوۃ فرض ہے:سونا چاندی،مال تجارت،جنگل میں چرنے والے جانور،زمینی پیداوار۔(از مرقاۃ و اشعہ)تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھو۔پیداوار کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصّہ ہے،باقی مال تجارت و سونے چاندی کا چالیسواں حصّہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف روانہ کیا ۱؎ تو فرمایا کہ تم اہلِ کتاب قوم کے پاس جارہے ہو ۲؎ تو انہیں اس گواہی کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اللہ کے رسول ہیں ۳؎ اگر وہ اس میں فرماں برداری کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائیں ۴؎ پھر اگر وہ یہ بھی مان جائیں تو انہیں سکھانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے ۵؎ جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقیروں پر لوٹائی جائے گی ۶؎ پھر اگر یہ بھی مان لیں تو ان کے بہترین مالوں سے بچنا ۷؎ اور ستم رسیدہ کی بددعا سے ڈرنا کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی آڑ نہیں ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بناکر بھیجا اور خود بنفس نفیس انہیں ثنیۃ الوداع تک پہنچانے گئے حضرت معاذ بحکم سرکار سواری پر تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل،ان سے جدا ہوتے وقت فرمایا کہ اب تم

میری قبر پر آؤ گے اور مجھے نہ پاؤ گے جس پر حضرت معاذ بہت روئے۔خیال رہے کہ حضرت معاذ یمن پر جہاد کرنے نہیں جارہے تھے وہ تو پہلے ہی قبضہ میں آچکا تھا بلکہ وہاں کے حاکم بن کر۔

۲؎ اگرچہ یمن میں اہل کتاب بھی تھے اور مشرکین بھی مگر چونکہ اہل کتاب مشرکین سے بہتر ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

۳؎ یعنی صرف مشرکین کو"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ"کی دعوت دو اور تمام کفار کو"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ"کی کیونکہ مشرکین توحید کے منکر ہیں اور باقی موحد،کفار و اہل کتاب توحید کے تو قائل ہیں مگر رسالت مصطفوی کے منکر۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہر کافر کو مسلمان بناتے وقت وہ ہی چیز پڑھائی جائے جس کا وہ منکر ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار شرعی احکام کے مکلّف نہیں اور یہ کہ کفار کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے گا"لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ"اور یہ کہ تبلیغ نرمی و خوش اخلاقی سے چاہیئے اور یہ کہ ذمی کفار کو تبلیغ اسلام کرنا سنت ہے اور حکام اور آفیسران صرف ملکی انتظام ہی نہ کریں بلکہ دینی تبلیغ بھی کریں حاکم مبلغ بھی ہونا چاہیئے اور یہ کہ آفیسران و حکام خود بھی شرعی احکام سے واقف ہونے چاہئیں ورنہ وہ تبلیغ نہیں کرسکتے۔

۴؎ یعنی جب وہ مسلمان ہوجائیں تو انہیں نماز کے احکام سناؤ سکھاؤ،چونکہ اسلام میں سارے احکام سے پہلے نماز کا حکم آیا،نیز یہ عبادت بدنی ہے،نیز یہ ہر مسلمان پر فرض ہے اس لیے کلمہ پڑھانے کے بعد ہی اس کا ذکر فرمایا۔خیال رہے کہ یہاں نماز جنازہ،عیدین،وتر وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا صرف پانچ نمازوں کا فرمایا یا تو اس وقت ان کا حکم نہ ہوا تھا یا وہ تمام چیزیں پانچ نمازوں کے تابع فرمادی گئیں یا یہاں تمام احکام شرعیہ کا ذکر نہیں ہے خاص خاص کا ہے اسی لیے روزے کا ذکر نہیں زکوۃ کا ہے حالانکہ روزہ زکوۃ سے پہلے فرض ہوچکا تھا۔لہذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نماز عید یا وتر واجب نہیں اور نہ یہ حدیث حنفیوں کے خلاف ہے۔

۵؎ یہاں اِنْ بمعنی اِذَا ہے یعنی جب وہ نماز کے احکام سیکھ لیں تو زکوۃ کے احکام سکھاؤ،آہستگی سے تبلیغ کرو کہ انہیں سکھانا مقصود ہے نہ صرف بتادینا۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ مسلمان ہونے کے بعد نماز کو فرض مان لیں تب تو زکوۃ سکھانا اور اگر نماز کی فرضیت سے انکار کردیں تو زکوۃ نہ سکھانا کیونکہ مسلمان کا نماز سے انکار کرنا ارتداد ہے اور کسی کو مرتد ہوجانے کی اجازت نہیں لہذا حدیث پر کوئی بھی اعتراض نہیں اور زکوۃ کے لیے نماز شرط ہے۔

۶؎ یعنی ہم ٹیکس کی طرح تم سے زکوۃ وصول کرکے مدینہ منورہ نہ لے جائیں گے اور خود نہ کھائیں گے تاکہ تم سمجھو کہ اسلام کی اشاعت کھانے کمانے کے لیے ہے بلکہ تمہارے مالداروں سے زکوۃ لے کر تمہارے ہی فقراء کو دے دی جائے گی۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱)ایک یہ کہ کافر زکوۃ نہیں دے سکتے۔(۲)دوسرے یہ کہ بلاسخت مجبوری ایک جگہ کی تمام زکوۃ دوسری جگہ منتقل نہ کی جائے۔(۳)تیسرے یہ کہ مالدار صاحب نصاب زکوۃ نہیں لے سکتا جیسا کہ لفظ **فقراء** اور **ضَمِیْرُھُمْ** سے معلوم ہوا۔ضرورۃً زکوۃ کو منتقل کرنا بالکل جائز ہے جیسے کہ غنی کے اہل قرابت فقیر دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا دوسری جگہ سخت فقرو تنگدستی ہو یا دوسری جگہ صدقہ کا ثواب زیادہ ہو لہذا اپنی کچھ زکوۃ مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ بھیجوانا جیسا کہ آج کل رواج ہے بالکل جائز ہے۔خیال رہے کہ یہاں **اغنیاء** سے مراد بالغ عاقل مالدار مراد ہیں کیونکہ نماز کی طرح زکوۃ بھی بچے اور دیوانے پر فرض نہیں،یہ بھی خیال رہے کہ باطنی مال یعنی سونے چاندی

وغیرہ کی زکوۃ خود غنی ہی ادا کرے گااور ظاہری مال جانور پیداوار کی زکوۃ حاکم اسلام وصول کرکے اپنے انتظام سے خرچ کرے گا،یہاں تُؤۡخَذُ میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔

۷؎ یعنی زکوۃ میں ان کے بہترین مال نہ وصول کرو بلکہ درمیانی مال لوہاں اگر خود مالک ہی بہترین مال اپنی خوشی سے دے تو ان کی مرضی ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ"۔اس جملہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ہلاک شدہ مال کی زکوۃ نہ لی جائے گی کیونکہ اموالھم ارشاد ہوا۔

۸؎ یعنی اے معاذ! تم حاکم بن کر یمن جارہے ہو وہاں کسی پر ظلم نہ کرنا،نہ بدنی ظلم،نہ مالی نہ زبانی کیونکہ اللہ تعالٰی مظلوم کی بہت جلد سنتا ہے۔اس میں درحقیقت تاقیامت حکام کو عدل کی تعلیم ہے ورنہ صحابہ کرام ظلم نہیں کرتے،حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی نے کہا تھا"لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ" کہیں تم اے چیونٹیو حضرت سلیمان اور ان کے لشکر سے کچلی نہ جاؤ اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ پیغمبر کے صحابہ چیونٹی پر بھی ظلم نہیں کرتے لہذا اس حدیث سے صحابہ کا ظلم ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی سونے چاندی والا نہیں جو اس کا حق(زکوۃ)ادا نہ کرے ۱؎ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے آگ کے پتر ے بنائے جائیں گے پھر ان پر دوزخ کی آگ میں دھونکا جائے گا۲؎ جس سے اس کے پہلو پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی۳؎ جب بھی لائے جائیں گے تو لوٹائے جائیں گے۴؎ یہ دن بھر ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتی کہ بندوں میں فیصلہ کردیا جائے۵؎ تو یہ جنت یا دوزخ کا اپنا راستہ دیکھے۶؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اونٹ۷؎ فرمایا ایسا کوئی اونٹ والا نہیں جو ان کا حق ادا نہ کرے اور ان کا حق انہیں دوھنا بھی ہے انہیں گھاٹ پر لانے کے دن۸؎ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ان اونٹوں کے سامنے کھلے میدان میں اوندھا ڈالا جائے گا جن میں سے ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا یہ اونٹ اسے اپنے سم سے روندیں گے اور اپنے منہ سے کاٹیں گے ۹؎ جب اس پر پہلا اونٹ گزرے گا تو پچھلا اونٹ واپس ہوگا۱۰؎ یہ اس دن ہوتا رہے گا جس کی	

مقدار پچاس ہزار برس ہے حتی کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے تو یہ اپنا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھے عرض کیا گیا یارسول اللہ پھر گائے بکریاں ۱۱فرمایا ایسا کوئی گائے اور بکریاں والا نہیں جو ان کا حق(زکوۃ)نہ دیتا ہو۱۲ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے سامنے کھلے میدان میں الٹا ڈالا جائے گا جن میں سے کوئی جانور کم نہ ہوگا ان میں نہ تو کوئی ٹیڑھے سینگ والاہو نہ نبڈا ۱۳یہ اسے اپنے سینگوں سے گھونپیں اور کھروں سے روندیں گے۱۴جب بھی پہلا گزرے گا تو پچھلا واپس ہوگا یہ اس دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے حتی کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے۱۵تو یہ اپنا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھے عرض کیا گیا یارسول اللہ تو گھوڑا فرمایا کہ گھوڑے تین طرح کے ہیں۱۶ایک کے لیے گھوڑا گناہ ہے دوسرے کے لیے آڑ تیسرے کے لیے ثواب۱۷جس کے لیے گھوڑا گناہ ہے وہ تو وہ شخص جو دکھلاوے شیخی اور مسلمانوں کی عداوت کے لیے گھوڑا باندھے اس کے لیے گناہ ۱۸اور جس کے لیے گھوڑا پردہ ہے وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں مسلمانوں کے لیے گھوڑا باندھے ۱۹پھر اس کی پیٹھ میں اللہ کا حق نہ بھولے۲۰نہ ان کی گردنوں میں ۲۱وہ گھوڑے اس کا پردہ ہیں۲۲لیکن وہ گھوڑے جو اس کے لیے ثواب ہیں وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں مسلمانوں کے لیے کسی چراگاہ یا باغ میں باندھے۲۳تو وہ گھوڑے اس چراگاہ یا باغ میں کچھ نہیں کھاتے مگر جس قدر کھاتے ہیں اسی قدر اس کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ان کے لید وپیشاب کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۲۴اور ایسا نہیں ہوتا کہ وہ گھوڑے اپنی رسی توڑ کر ایک دو ٹیلوں پر چڑھ جائیں مگر اللہ ان کے نشان قدم اور لید کی بقدر نیکیاں لکھتا ہے ۲۵اور ان کا مالک انہیں لے کر کسی

	نہر پر نہیں گزرتا جس سے وہ کچھ پی لیں حالانکہ مالک پلانے کا ارادہ بھی نہ کرتا ہو مگر اللہ ان کے پینے کی بقدر نیکیاں لکھتا ہے ۲۶؎عرض کیا گیا یارسول اللہ تو گدھے فرمایا گدھوں کے متعلق اس جامع آیت کے سوا کچھ حکم نازل نہ ہواجو ذرہ بھرنیکی کریگا اسے دیکھے گا اور جو ذرہ بھر برائی کریگا وہ دیکھے گا۔(مسلم)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ حق سے مراد زکوۃ مفروضہ ہے کیونکہ فطرہ،قربانی یا حقوق العباد ادا کرنے پر وہ وعید نہیں جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎یعنی اس کا سونا چاندی اوّلًا سخت گرم پتر بنائے جائیں گے جو گرمی کی وجہ سے گویا آگ ہی ہوں گے پھر ان گرم پتروں کو اور بھی گرم کرنے کے لیے دوزخ کی آگ میں رکھ کر دھونکا جائے گا اس کی تشریح قرآن کریم میں یوں ہے"یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡہَا فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ"لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آگ کے پترے نہیں ہوتے،نیز آگ کے پتروں کو پھر آگ میں دھونکنا سمجھ میں نہیں آتا۔

۳؎چونکہ یہ بخیل فقراء سے منہ موڑ لیتا تھا انہیں دیکھ کر پہلو پھیرکر چل دیتا تھا اس لیے ان دونوں مقام ہی پر داغ لگائے جائیں گے جیسے چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں کہ اس نے ان سے ہی چوری کی۔

۴؎یعنی یہ پترے جب بھی اس کا بدن داغ کر دوزخ میں پھر لائے جائیں گے تو تپا کر پھر اس کے بدن پر ہی لوٹائے جائیں گے بار بار گرم کرکے لگائے جائیں گے۔

۵؎یعنی یہ داغا جانا قیامت کے دن،دن بھر ہوتا رہے گا لوگ اپنے حساب و کتاب میں مشغول ہوں گے اوریہ سزا بھگت رہا ہوگا بعد قیامت سزا جزا علیحدہ ہے اور اس تکلیف کی وجہ سے اسے یہ دن پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا نیک کاروں کو بقدر چار رکعت نماز۔

۶؎یعنی بعد قیامت اپنا راستہ جنت یا دوزخ کا دیکھے یا دکھایا جائے۔یری معروف ہے یا مجہول یعنی یہ عذاب تو زکوۃ نہ دینے کا ہوا اب اگر اورگناہ نہ ہوں یا ہوں تو رب تعالٰی بخش دے تو جنت میں بھیج دےاور اگر نہ بخشے تو ان گناہوں کی سزا میں کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں بھیج دے اس جملہ کی یہ ہی توجیہ قوی ہے۔

۷؎یعنی سونے چاندی تو بخیل کو تپا کر لگائے جائیں گے اگر اونٹوں کی زکوۃ نہ دی ہو تو ان کی سزا کیا ہے اونٹ تو تپائے نہیں جاتے۔

۸؎عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو ہفتہ میں ایک دو بار پانی پلانے کے لیے گھاٹ یا کنوئیں پر لے جاتے تھے،اس دن فقراء کا وہاں مجمع لگ جاتا تھا،اونٹ والے اونٹنیاں دوہ کر ان فقراء اور مسافروں کو دودھ پلادیتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہےہیں کہ یہ دودھ پلانا بھی ان اونٹوں کا حق ہے۔خیال رہے کہ جانوروں کی زکوۃتو فرض ہےمگر یہ دودھ پلانا مستحب ہے اور مستحب چھوڑنے پر عذاب نہیں ہوتا لہٰذایا تو اس سے مضطر فقراء کو دودھ پلانا مراد ہے جن کی بھوک سے جان نکل رہی ہو یا پہلے یہ فرض تھا اب مستحب ہے جیسے تنگی کے زمانہ یعنی شروع اسلام میں قربانی کا

گوشت صرف تین دن رکھنا جائز تھا۔مرقات نے فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیاسی اونٹنیوں کو نہ دوہو صرف گھاٹ پر لانے کے دن پانی پلا کردوہو،یہ بھی خشک سالی کے زمانہ کے احکام میں سے ہے۔

۹؎یعنی اس بخیل کی سزا یہ ہوگی کہ اسے ہموار میدان میں اوندھا ڈال کر اس پر اس کے سارے اونٹوں کو گھمایا جائے گا،یہ سب بہت اونچے اور موٹے ہوں گے اسے اپنے پاؤں سے روندیں گے۔

۱۰؎یعنی یہ روندنے والے اونٹ لمبی قطار میں نہ ہوں گے کہ اس پر یہ قطار روندتی گزر جائے اور اس کا چھٹکارا ہوجائے بلکہ گول دائرہ کی شکل میں حلقہ باندھے ہوں گےاور آخری اونٹ کے گزرنے پر پھر پہلا اونٹ اس پر آجائے گا،اصل عبارت اس کے برعکس تھی یعنی اخری کا ذکر پہلے تھا اولیٰ کا بعد میں جیساکہ مسلم کی بعض روایات میں ہے۔مبالغہ کے لیے آخری کو اولیٰ فرمادیا گیا یعنی اس طرح لگاتار ہوکر اس پر گھومیں گے کہ گویا پچھلا اونٹ پہلا ہوجائے گا اور پہلا پچھلا،چونکہ اس کا بخل بھی دائمی تھا اس لیے یہ سزا بھی دائمی ہوئی،درمیان میں وقفہ نہ ہوا کہ اسے کچھ آرام مل جائے۔

۱۱؎ ان کا کیا حکم ہے جو شخص بقدر نصاب ان کا مالک ہو پھر ان کی زکوۃ نہ نکالے تو اس کی سزا کیا ہے۔

۱۲؎ مِنْهَا میں مِنْ بمعنی اجل یا بمعنی لام ہے یعنی بکریوں کی وجہ سے جو زکوۃ فرض ہوئی وہ ادا نہ کرتا ہو لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ جانور کی زکوۃ میں جانور ہی دیا جائے بلکہ جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔(مرقات)

۱۳؎یعنی اگرچہ دنیا میں اس کی بعض گائے بھینسیں ٹوٹے سینگ والی بھی تھیں اوربعض بالکل نبڈی مگر قیامت میں سب کے نوکیلے سینگ ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں ہر چیز اپنے دنیاوی حالت پر اٹھے گی،رب تعالٰی فرماتا:"اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ"پھر بعد میں ان کے حالات بدلیں گےلہذا یہ جانوردنیا میں جیسے تھے ویسے ہی اٹھیں گے،بعد میں سب کو سینگ ملیں گےلہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۴؎عربی میں گائے بھینس کے کھر کو ظلف کہتے ہیں،جمع اظلاف۔اور گھوڑے کی ٹاپ کو سُم یعنی بخیل کے یہ جانور اسے سینگ بھی گھونپیں گے اور کھروں سے بھی روندیں گے۔غرضکہ قربانی کے جانور پر سخی خود سوار ہوگا اور بے زکوتے جانوربخیل پر سواری کریں گےجیسے اچھے معدے والا جو بقدرضرورت کھانا کھائے تو وہ کھانے پر سوار ہوتاہے اور زیادہ کھا جانے والے پر کھانا سوار ہوجاتا ہے جسے یہ اٹھائے پھرتا ہے۔

۱۵؎اس کی شرح پہلے گزر چکی یعنی قیامت کے دن دوران حساب میں تمام مخلوق تو حساب و کتاب دیتی ہوگی مگر یہ بخیل اس عذاب میں مبتلا ہوگا۔

۱۶؎خیال رہے کہ احناف کے نزدیک سائمہ گھوڑوں میں بھی زکوۃ فرض ہے،شوافع کے ہاں نہیں لہذا ہمارے ہاں اس جواب کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑے میں علاوہ زکوۃ کے اور بھی پابندیاں ہیں جو آگے مذکور ہیں یعنی ان میں فقط زکوۃ کا سوال نہ کرو بلکہ غیر سائمہ یعنی گھر کھانے والا گھوڑا سواری کے لیے بھی ہو جس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اس کا بھی یہ حکم ہے اور اگر گھوڑے میں زکوۃ فرض نہ ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خچر گدھوں کی طرح یہاں بھی فرمادیتے کہ ان کے متعلق مجھ پر کوئی خاص حکم نہیں آیالہذا اس حدیث سے شوافع یہ دلیل نہیں پکڑسکتے کہ گھوڑے میں زکوۃ

نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب بطریق حکیمانہ ہے جیسے صحابہ کرام نے سوال کیا تھا کہ ہم کیا خیرات کریں تو رب تعالٰی نے جواب دیا فلاں فلاں جگہ خیرات کرو۔(قرآن کریم)یعنی جواب سوال کے مطابق نہیں بلکہ سائل کے حال کے مطابق ہے۔

۱۷؎ یعنی پالتو گھوڑا جو تجارت کے لیے نہ ہو وہ کسی کے لیے ثواب کا باعث ہے اور کسی کے لیے نہ ثواب نہ عذاب یا ایک ہی گھوڑا ایک ہی شخص کے لیے اس کی نیت کے اعتبار سے کبھی ثواب ہے کبھی عذاب اور کبھی کچھ نہیں،جیسی نیت ویسا پھل یہ ہی حکم عمارتیں بنانے اعلٰی لباس پہننے کا ہے۔

۱۸؎ یعنی جو گھوڑا اس نیت سے رکھے کہ لوگوں پر میری بڑائی ظاہر ہو،دوسرے مسلمان میرے سامنے ذلیل و خوار نظر آئیں اور اگر کسی مسلمان سے میری لڑائی ہوجائے تو اس گھوڑے پر سوار ہوکر اس کے خلاف جنگ کروں،چوری ڈکیتی اسی کے ذریعہ کروں جیساکہ عام نمبردار چوہدری اور چور،ڈاکو گھوڑے اسی لیے رکھتے ہیں ان کے لیے گھوڑا رکھنا سخت عذاب کا باعث ہے۔

۱۹؎ یہاں اللہ کی راہ سے مراد جہاد نہیں یہ تو تیسری قسم میں آئے گا بلکہ اللہ کی راہ سے مراد اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنا ہے کیونکہ مسلمان کا دنیا کمانا بھی سبیل اللہ ہے یا تجارت کے لیے پالنا مراد ہے کہ تجارت بھی سبیل اللہ ہے دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۲۰؎ اس طرح کہ ضرورت کے وقت کسی مسلمان بھائی کو چند روز کے لیے عاریۃً گھوڑا دے دے جس سے وہ اپنا کام نکال لے یا کسی کی گھوڑی پر اپنا گھوڑا بلامعاوضہ چھوڑ دے کہ اس میں مسلمان بھائی کا کام نکالنا ہے۔خیال رہے کہ نر گھوڑے،بیل،بھینسے اور بکرے کا اجرت لے کر مادہ پر چھوڑنا منع ہے وہ اجرت ناجائز ہے جیساکہ آئندہ آئے گا۔

۲۱؎ گھوڑے کی پیٹھ کا حق تووہ تھا جو اوپر ذکر ہوا،اس کی گردن کا حق یہ ہے کہ اگر تجارت کے لیے ہو تو اس کی قیمت میں چالیسواں حصہ زکوۃ دے فی سینکڑہ ڈھائی روپے،یہ جملہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ سائمہ اور تجارتی گھوڑے میں زکوۃ ہے جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کی گردن کا حق فرمایا،دوسرے حقوق تو اس کی پیٹھ کے حق میں آگئے تھے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن پر اس کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ نہیں وہاں گھوڑے سے مراد یا تو غازی کا گھوڑا ہے یا وہ گھوڑا جو گھر میں گھاس چارہ کھاتا ہو۔اس مسئلہ کی پوری تحقیق لمعات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ کریں۔خیال رہے کہ صرف گھوڑوں یا صرف گھوڑیوں میں زکوۃ نہیں بلکہ مخلوط میں زکوۃ ہے کہ یا تو ہر گھوڑے سے ایک دینار(اشرفی)دیدے یا اس کی قیمت لگا کر ہر ستاون روپے سے چالیسواں حصہ زکوۃ نکال دے۔چنانچہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ گھوڑے والوں کو یہ اختیار دو۔(ہدایہ،کفایہ وغیرہ)

۲۲؎ یعنی آج اس کے اور لوگوں کی حاجت کے درمیان پردہ ہیں کل قیامت میں اس کے اور آگ کے درمیان پردہ ہوں گے یہ کلمہ دونوں کو شامل ہے۔

۲۳؎ یعنی جہاد کی نیت سے بغرض ثواب گھوڑا پالے،چونکہ جہاد کا نفع مسلمانوں کو پہنچتا ہے اس لیے لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ بھی فرمایا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں بندگانِ خدا کی خدمت کی نیت کرنا عبادت کو ناقص نہیں کرتا بلکہ اسے کامل

ترکردیتا ہے جیساکہ قرآن کریم کی صریح آیت سے ثابت ہے۔عربی میں مرج اس وسیع میدان کو کہتے ہیں جس میں گھاس چارہ وغیرہ بکثرت ہو۔

۲۴؎کیونکہ اس کھانے اور پیشاب ولید وغیرہ سے ان گھوڑوں کی بقاہے اور جیسے نیکی کے اسباب جمع کرنا عبادت ہے ایسے ہی ان کی حفاظت بھی عبادت ہے،نیز یہ چارہ و گھاس مالک نے اپنے مال سے کھلایا اور یہ لید پیشاب اس چارہ سے بنا۔معلوم ہوا کہ نیکی متغیر ہونے کے بعد بھی نیکی ہی رہتی ہیں۔

۲۵؎یہ گھوڑے کیل سے بندھے ہوئے جو حرکت کریں یا کھائیں پئیں وہ تو اس مالک کے لیے نیکیاں ہیں ہی، اگر مالک کے بغیر ارادہ رسی کو توڑا کر بھاگ جائیں اور اس حالت میں زمین پر ان کے قدم پڑیں یا وہ لید پیشاب کریں تب بھی مالک کو ثواب ہے۔خیال رہے کہ ثواب کے لیے اگرچہ نیت ضروری ہے مگر ہر آن نئی نیت لازم نہیں،مسجد بنانے والا مر بھی جائے تو اسے قبر میں ثواب پہنچتا رہتا ہے بناتے وقت کی نیت قیامت تک کام آتی ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"۔خیال رہے کہ لیدوپیشاب کا ذکر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب آلۂ جہاد یعنی گھوڑوں کی گندی چیزیں بھی ثواب میں شامل ہوجاتی ہیں تو اصل گھوڑے کا کیا پوچھنا اور پھر مالک کے درجہ کا کیا کہنا،گھوڑا صرف مثال کے لیے ہے اب گولی،بارود،بندوق،توپ،ہوائی جہاز اور راکٹ جو جہاد کے لیے ہوں سب کا یہ ہی حکم ہے۔

۲۶؎یعنی یہ سب کام کرتا ہے گھوڑا اور نیکیاں پاتا ہے اس کا مالک اگرچہ مالک نے ارادہ بھی نہ کیا ہو اس کی وجہ ابھی بیان ہوچکی۔

۲۷؎یعنی گدھوں میں زکوۃ واجب نہیں بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کے ماتحت ان میں ثواب ہے کہ اگر گدھے،خچر وغیرہ نیک نیتی سے پالے گئے تو ان میں ثواب ہےاور اگر بدنیتی سے پالے گئے تو عذاب اور اگر دنیوی کاروبار کے لیے ہیں تو نہ ثواب نہ عذاب،چونکہ اس آیت کے الفاظ تھوڑے ہیں اور مضامین واحکام بہت زیادہ اس لیے اسے **جامعہ** فرمایا گیا اور چونکہ اس مضمون کی یہ ایک ہی بے مثال آیت ہے اس لیے اسے **فاذۃ** فرمایا گیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں میں زکوۃ ہے،گدھوں اور خچروں میں نہیں جیساکہ اوپر عرض کیا گیا،ہاں اگر گدھے و خچر تجارتی ہیں تو ان میں زکوۃ تجارت ہوگی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ مال دے۱؎ پھر وہ اس کی زکوۃ نہ دے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے سامنے گنجے سانپ کی شکل میں ہوگا جس کے دو گیسو ہوں گے ۲؎ قیامت میں اس کا طوق ہوگا پھر اس کے دونوں جبڑے پکڑے گا پھر کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں پھر حضورانور نے یہ آیت تلاوت کی جو بخل کرتے

	ہیں،الایہ۳(بخاری)

۱؎ وہ مال جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور دے بھی بقدر نصاب جس میں وجوب زکوۃ کی ساری شرطیں موجود ہوں جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر مال پر زکوۃ واجب ہو۔

۲؎ جب پتلے زہریلے سانپ کی عمر زیادہ ہوجاتی ہے تو اس کے پھن پر قدرتی بال جم جاتے ہیں اور جب بہت زیادہ عمر ہوتی ہے تو اس کا زہر اتنا تیز ہوجاتا ہے کہ اس کی گرمی اور خشکی سے اس کے یہ بال جھڑ جاتے ہیں اسے اردو زبان میں گنجا سانپ کہتے ہیں اور عربی میں شجاع اقرع،ان میں سے خبیث ترین وہ ہوتا ہے جس کی آنکھوں پر دو کالے داغ ہوتے ہیں،اس کے زہر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کی سانس سے گھاس جل جاتی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ بے زکوتا مال قیامت کے دن اس سانپ کی شکل کا ہوگا۔چونکہ یہ بخیل بھی اپنے مال پر سانپ کی طرح بیٹھ گیا تھا کہ کوئی غریب اس کے مال کی ہوا بھی نہ پاسکتا تھا اس لیے آج وہ مال اس کے لیے سانپ بن گیا۔حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،دنیا میں بھی مال بشکل سانپ خواب میں نظر آتا ہے،بعض لوگ جب مایہ دفن کرتے ہیں تو اس پر آٹے کا سانپ بناکر بٹھا دیتے ہیں مشہور یہ ہے کہ پھر اس میں قدرتی جان پڑ جاتی ہے۔

۳؎ قیامت کے مختلف مقامات ہیں اور ان کے مختلف حالات۔کبھی بخیل کا سوناچاندی اور سارا مال اس کے گلے کا سانپ ہوگا اور کبھی اس کا سونا چاندی آگ میں تپایا جائے گا جس سے اس کے پہلو اور پیشانی داغے جائیں گے یا بعض مال سانپ بنے گا اور بعض سے داغ لگے گا لہذا یہ حدیث اور مذکورہ آیت شریف داغ والی احادیث اور آیات کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ یہ سانپ اس کے جبڑے چبائے گا اور اس میں اپنے زہر کا ٹیکہ دے گا جس سے اس بخیل کو تکلیف سخت ہوگی مگر جان نہ نکلے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی شخص نہیں جس کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں جن کا حق ادا نہ کرتا ہو۱ مگر وہ جانور قیامت کے دن اتنے بڑے اور موٹے جتنے ہوسکتے ہیں کرکے لائے جائیں گے وہ اپنے کھروں سے اسے روندیں گے اور اپنے سینگ گھونپیں گے جب بھی آخری گزر جائے گا تو پہلا لوٹایا جائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے ۲(بخاری ومسلم)

۱؎ یہاں حق سے مراد شریعت کا حق فرضی ہے یعنی زکوۃ کیونکہ نفلی حق کے ترک پر عذاب نہیں ہوتاجو کبھی بھی زکوۃ ادا نہ کرے اس کی بھی یہی سزا ہے اور گنڈے دار زکوۃ دیتا ہو کہ کبھی دی کبھی نہ دی یا پوری نہ نکالی اس کی بھی یہی سزا کیونکہ یہاں لَایُؤَدِّیْ مطلق ہے۔

۲؎ اس کی سزا پہلے گزر چکی،یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ یہ وہی دنیا کے جانورہوں گے مگر جو دبلے تھے وہ موٹے ہوکر،جو بے سینگ تھے وہ سینگ والے ہوکر اس بخیل پر مسلط ہوں گے اوربخیل کو یہ عذاب دوران حساب میں ہوگا کہ لوگ حساب دے رہے ہوں گے اور یہ پڑا ہوا کچلا جارہا ہوگا،دوزخ کا عذاب اگر ہوا تو اس کے علاوہ ہوگا۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ قیامت میں جن و انس کی طرح جانور بھی زندہ کئے جائیں گے مگر دوزخ یا جنت میں بھیجنے کے لیے نہیں کیونکہ دوزخ صرف جن و انس کے لیے ہے اور جنت صرف انسانوں کے لیے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کا بدلہ دینے کے لیے،فاسق مالکوں کو سزا دینے اور متقی مالکوں کی خدمت کرنے کے لیے۔حدیث شریف میں ہے کہ قربانی کا جانور مالک کی سواری ہوکر اسے پلصراط سے اتارے گا اس کے بعد یہ جانور مٹی کردیئے جائیں گے۔دوسرے یہ کہ اگر ایک جانور چند شخصوں کی ملکیت میں رہا تھا اور وہ سب بخیل تھے تو ان تمام مالکوں کو اپنے قدموں سے روندیں گے اور اگر کوئی جانور پہلے بخیل کی ملکیت میں رہا،پھر دوسرے مالک کے پاس قربانی میں ذبح ہوا تو بخیل کو روندے گا اور اس کے بعد قربانی والے کی سواری بنے گا۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے والا آئے ۱؎ تو وہ تم سے راضی ہو کر لوٹے ۲؎ (مسلم)

۱؎ مال ظاہری یعنی جانوروں اور پیداوار کی زکوۃ سلطان اسلام وصول کرتے اور اسے صحیح مصرف پرخرچ کرتے تھے۔یہ زکوۃ وصول کرنے کے لیے بہت آدمی ملازم رکھے جاتے تھے انہیں مصدق بھی کہتے تھے اور عامل بھی۔سرکار فرمارہے ہیں کہ ہمارا یا ہمارے بعد اسلامی عادل بادشاہوں کا زکوۃ وصول کرنے والا آدمی تمہارے پاس آئے۔

۲؎ اس طرح کہ تم اس سے خندہ پیشانی سے ملو اور سارا ظاہری مال اسے دکھادو تاکہ وہ آسانی سے حساب کرکے زکوۃ وصول کرے اسے دیکھ کر غمگیں نہ ہو،مال چھپانے کی کوشش نہ کرو ٹال مٹول سے کام نہ لو بلکہ باطنی مال یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوۃ بھی خوشدلی سے دی جائے اور مسکین کو خوش کرکے دی جائے۔خدا کا شکر کیا جائے کہ اس نے ہمیں دینے کے قابل کیا نہ کہ لینے کے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی قوم اپنا صدقہ لاتی ۲؎ تو آپ فرماتے الٰہی فلاں کی اولاد پر رحمتیں نازل کر ۳؎ میرے والد اپنا صدقہ لائے تو آپ نے فرمایا الٰہی ابی اوفی کی اولاد پر رحمت کر ۴؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا صدقہ لاتا تو آپ فرماتے الٰہی اس پر رحمت کر۔

۱؎ یہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں اور یہ عبداللہ کوفہ کے آخری صحابی ہیں جنہوں نے وہاں وفات پائی۔(اشعہ)
۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد سونے چاندی وغیرہ باطنی مالوں کی زکوۃ ہے کیونکہ ظاہری مالوں کی زکوۃ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عامل جاکر خود ان کے گھروں سے لاتا تھا،صحابہ کرام کی عقیدت یہ تھی کہ ہمارے صدقات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے خیرات فرمائیں تاکہ اس ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمائے۔اب بھی مسلمان ایصال ثواب کرتے وقت پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لیتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔
۳؎ اَللّٰھُمَّ صَلِّ درود ہے۔حق یہ ہے کہ غیرنبی پر مستقلًا درود پڑھنا منع ہے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ درود شریف آپ کا حق ہے آپ جس کو چاہیں اپنا حق دیں۔بعض نے فرمایا یہاں صلوۃ لغوی معنے میں ہے مگر پہلا قول قوی ہے۔(مرقات ولمعات)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس آیت پر عمل تھا"وَصَلِّ عَلَیۡہِمۡ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمۡ"۔سنت یہ ہے کہ زکوۃ وصول کرنے والا دینے والے کو دعائیں دے اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ زکوۃ دینے والا اس وقت دعا کے لیے بھی نہ کہے کہ کہیں یہ دعا کرانا اس صدقہ کا عوض نہ بن جائے،دیکھو یہ صحابہ اس وقت حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لیے نہیں کہتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے تھے تو وہ ایسے کریم ہیں کہ عطا کرکے دعا دیتے ہیں۔شعر

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا ۔۔۔ خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتے کا بھلا ہو

۴؎حضرت عبداللہ فخریہ طور پر خدا کا شکر ادا کررہے ہیں کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہمیں اور ہمارے والد کو بھی مل چکی ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہاں لفظ آل زائد ہے مگر حق یہ ہے کہ آل اپنے معنے ہی میں ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان لوگوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے بال بچوں سارے گھر والوں کو بھی دعائیں دیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو صدقہ پر عامل بناکر بھیجا عرض کیا گیا کہ ابن جمیل ۱؎ اور خالد ابن ولید اور عباس نے نہ دیا۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل تو صرف اس لیے انکارکرتا ہے کہ وہ فقیر تھا اللہ رسول نے اسے غنی کردیا۳؎ لیکن خالد پر تم زیادتی کرتے ہو انہوں نے اپنی زرہیں اللہ کی راہ میں وقف کردیں۴؎ رہے عباس تو ان کی زکوۃ ساتھ میں اتنی اور میرے ذمہ ہے۵؎ پھر فرمایا اے عمر کیا تمہیں خبر نہیں کہ انسان کا چچا اس کے باپ کے برابر ہوتا ہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ مصنف رحمۃاللہ علیہ نے فصل صحابہ میں فرمایا کہ ابن جمیل کا ذکر صرف کتاب الزکوۃ میں آیا اس کے نام کا پتہ نہیں،فتح الباری میں ہے کہ اس کا نام عبداللہ یا حمید تھا،پہلے یہ غریب آدمی تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مالداری کی دعا کرائی پھر مالدار ہوکر منافق ہوگیا اور زکوۃ کا انکار کرنے لگا اسی کے بارے میں یہ آیت کریمہ آئی"وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ"یہ شخص عہد مرتضوی میں منافقت پر ہی فوت ہوا۔خیال رہے کہ ابن جمیل نے صراحۃً زکوۃ کا انکار نہ کیا تھا ورنہ مرتد اور واجب القتل ہوجاتا بلکہ حیلے بہانے بنائے جس سے اس کی کبیدگی خاطر محسوس ہوئی۔

۲؎ ابن جمیل نے تو بلاوجہ اور ان دو بزرگوں نے کسی معذوری سے۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم یا استاد سے رعایا شاگردوں کی پس پشت شکایات کرنا جائز ہے یہ غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

۳؎ یعنی ابن جمیل کا زکوۃ نہ دینا محض کفرانِ نعمت کی بنا پر ہے کسی مجبوری سے نہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلوں کا حال جانتے ہیں۔دیکھو یہاں بظاہر تینوں صاحبوں سے ایک فعل واقع ہوا مگر ملامت صرف ایک پر کی گئی جس کے دل میں کھوٹ تھا۔دوسرے یہ کہ یہ کہہ سکتے ہیں اللہ رسول غنی کرتے ہیں اللہ رسول دونوں جہان کی نعمتیں بخشتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"اور فرماتا ہے:"اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ"۔اسے شرک کہنے والے ان آیات واحادیث پر غور کریں۔

۴؎ یعنی خالد اتنے سخی ہیں کہ انہوں نے نفلی طور پر اپنا سامان جنگ تک وقف کردیا ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ زکوۃ فرضی ادا نہ کریں ان پر زکوۃ فرض ہوگی ہی نہیں تم نے غلطی سے ان سے مطالبہ کیا یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ حتی کہ سامان جنگ بھی وقف کردیا اور مال وقف میں زکوۃ نہیں ہوتی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کچھ وقف کردینے سے نصاب کی زکوۃ کیسے معاف ہوگئی۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ منقول چیزوں کا وقف مطلقًا جائز ہے یہی امام اعظم کا قول ہے،شیخین کے نزدیک منقول چیز غیر منقول کے تابع ہوکر وقف ہوسکتی ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ واقف کا موقوف کو اپنے قبضہ میں رکھنا درست ہے جیسے بعض واقفین اپنی زندگی بھر تولیت اپنے لیے مقرر کرلیتے ہیں۔

۵؎ اس جملے کی تفسیر میں بہت قول ہیں:بعض نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کی زکوۃ پیشگی وصول فرماچکے تھے،بعض نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے وصول کرلیں گے ہم اس کے ضامن ہیں مگر یہ تفسیر اگلے جملہ کے موافق نہیں۔ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زکوۃ اپنے ذمہ لے لی اور فرمایا ان سے مت مانگنا ان کی زکوۃ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی صدقہ نفلی ان کی طرف سے ہم ادا کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ مالی عبادتوں میں نیابت جائز ہے یعنی ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرسکتے ہیں۔حضرت عباس حضور علیہ السلام کے احسانات کے پہلے ہی عادی تھی انہیں خبر تھی کہ حضور انور میری زکوۃ ادا کردیں گے۔

۶؎ لہذا حضرت عباس جو میرے چچا ہیں وہ میرے والد حضرت عبداللہ کی مثل ہیں اس لیے مجھ پر ان کی خدمت لازم ہے،ان کی زکوۃ ادا کرنا یہ بھی ان کی خدمت ہے اور اے عمر تم ان پر نہ تقاضا کرنا نہ ملامت بلکہ میرے اس رشتہ کی وجہ سے ان کا ہمیشہ ادب کرنا۔(ازمرقاۃ ولمعات)خیال رہے کہ صِنْوُ ایک جڑ کے دو درختوں کو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ"چونکہ چچا اور والد دادا کی اولاد ہوتے ہیں اس لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صِنْوُ فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو حمید ساعدی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو جنہیں ابن لتبیہ کہا جاتا تھا صدقہ پر عامل بنایا۱؎ جب وہ واپس ہوئے تو بولے یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیۃً دیا گیا۲؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اللہ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا حمد وثناء کے بعد سنو کہ ہم تم میں سے بعض کو ان چیزوں پر عامل بناتے ہیں جن کا اللہ نے ہمیں والی بنایا۳؎ تو ان میں سے بعض آکر کہتے ہیں کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ نذرانہ دیا گیا تو وہ اپنے ابا اماں کے گھر کیوں نہ بیٹھ رہا پھر دیکھتا کہ اسے نذرانہ ملتا ہے یا نہیں۴؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی شخص اس میں سے کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھا کے لائے گا ۵؎ اگر اونٹ ہے تو وہ بلبلاتا ہوگا یا گائے ہے تو وہ چیختی ہوگی یا بکری کہ ممیاتی ہوگی ۶؎ پھر حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے حتی کہ ہم نے حضور کی بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر عرض کیا الٰہی کیا میں نے تبلیغ کردی اے مولٰی کیا میں نے تبلیغ کردی ۷؎ (مسلم،بخاری)خطابی نے فرمایا کہ حضور انور کے اس فرمان میں کہ وہ اپنی ماں کے گھر یا باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا کہ دیکھتا کیا اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں اس کی دلیل ہے کہ جسے ممنوع کام کا ذریعہ بنایا جائے وہ بھی ممنوع ہے۸؎ اور جو چیز عقدوں میں داخل ہو اس میں غور کیا جائے کہ	

آیا اس کا علیحدہ کا حکم دوسرے سے ملنے کے حکم کی طرح ہے یا نہیں ۹شرح سنہ میں یوں ہی ہے۔	

۱؎ ان صاحب کا نام عبداللہ ہے،قبیلہ بنی لتب کے ہیں جو قحطان کا مشہور قبیلہ ہے۔(مرقات ولمعات)

۲؎یعنی ان کے پاس وصول کردہ زکوۃ سے زیادہ مال تھا جو زکوۃ دینے والوں نے انہیں بطور ہدیہ علاوۂ زکوۃ دیا تھا۔یہ ان صحابی کی انتہائی دیانتداری ہے کہ اس ہدیہ کو گھر نہ رکھ گئے سب کچھ بارگاہ شریف میں پیش کردیااور اصل واقعہ بیان کردیا۔

۳؎یعنی صدقات و زکوۃ وصول کرنا ہمارے ذمہ ہے تم لوگ ہمارے نائب ہوکر جاتے ہو اور ہمیں تو صدقہ دینے والوں سے ہدیہ لینا منع ہے تو تمہیں کیوں جائز ہوگا۔

۴؎یعنی یہ نذرانہ نہیں ہے بلکہ رشوت ہے کہ اس کے ذریعہ صاحب نصاب آئندہ اصل زکوۃ سے کچھ کم کرانے کی کوشش کریں گے،نیز جب اس کام کی اجرت پوری ہم دیتے ہیں تو یہ ہدیہ کیا چیز ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ حکام کے نذرانے اور خاص دعوتیں رشوت ہیں،ہاں حاکم عام دعوت ولیمہ وغیرہ کھا سکتا ہے،نیز جو نذرانے، ہدیہ اور ڈالیاں اس کے حاکم بننے کے بعد شروع ہوں وہ سب رشوتیں ہیں،ہاں جن لوگوں کے ساتھ اس کا پہلے ہی سے لین دین ہو اور اس کے معزول ہونے کے بعد بھی وہی لین دین رہے وہ رشوت نہیں جیسے عزیزوں اور قدیمی احباب سے نیوتے بھاجی وغیرہ،ان مسائل کی اصل یہ حدیث ہے۔

۵؎یعنی جو عامل زکوۃ میں چوری یا خیانت کرے یا زکوۃ دینے والوں سے رشوت وصول کرے۔غرضکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ جس طرح بھی خفیۃً یا علانیۃً کچھ لے،لفظ **منه** ان سب کو شامل ہے۔(مرقات)غرضکہ یہاں زکوۃ کی چوری ہی مراد نہیں کیونکہ ان صاحب نے کوئی چوری نہ کی تھی۔خیال رہے کہ یہاں توگردن کے اٹھانے کا ذکر ہے مگر قرآن شریف میں پیٹھوں پر لادنے کا کہ ارشاد ہوا "**وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ**"کیونکہ آیت میں کفار کا ذکر ہے اور یہاں گنہگار مسلمان کا،چونکہ کفار کے گناہ زیادہ اور بھاری ہوں گے اس لیے وہ پیٹھوں پر لادیں گے اورمسلمان گنہگار کے گناہ ان سے کم اور ہلکے ہوں گے اس لیے گردن پر اٹھائیں گے،یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیٹھ کی انتہا گردن ہے لہذا گردن پر اٹھانا گویا پیٹھ پر ہی اٹھانا ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۔

۶؎یعنی اگر خیانۃً یا رشوۃً اونٹ،گائے،بکری یا کوئی اور جانور بھی لیا ہوگاتو اسے بھی اپنی گردن پر اٹھائے پھرے گا وہ بوجھ سے دبے گا بھی اوران آوازوں کی وجہ سے سارے محشر میں بدنام بھی ہوگا۔معلوم ہوا کہ نیکیوں پر قیامت میں انسان سوار ہوگااور بدیاں انسان پرسوار ہوں گی۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ گناہ نہ کھولے گا ستاری فرمائے گا مگر جو بے غیرت دنیا میں علانیہ گناہ کریں اور ان پر فخر بھی کریں وہ ضرور کھلیں گے لہذا یہ حدیث عیب پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۷؎ **سبحان اللہ**! کیا پاکیزہ عرض ومعروض ہے رب تعالٰی سے کہہ رہے ہیں بندوں کو سنا رہے ہیں کہ میں اپنے فرض تبلیغ سے فارغ ہوچکا،اب کسی مجرم کو یہ عذر نہ ہوگا کہ مجھے خبر نہ تھی تاقیامت ہرمسلمان پر بقدر ضرورت دینی مسائل

سیکھنا فرض ہے،اب اگر کوئی خود نہ سیکھے اور بے خبر رہے تو اس کا اپنا قصور ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوتاہی نہیں۔

۸؎ یعنی جو کام بذات خود تو اچھا ہے مگر اس کے ذریعہ سے حرام کا ارتکاب کیا جائے تو یہ اچھا کام بھی حرام ہوجائے گا کیونکہ عامل بن کر جانا یا حاکم بننا اچھا کام ہے لیکن اگر رشوتیں لینے کے لیے کیا جائے تو حرام ہوگا جیسے کسی غریب کو قرض دینا نیکی ہے یا ضرورۃً کسی مقروض کی کوئی چیز رہن(گروی)رکھ لینا بھلائی ہے لیکن اگر قرض پر سود لیا جائے اور گروی مکان سے نفع لیا جائے تو یہ قرض بھی حرام ہوجائے گا۔

۹؎ یعنی جو عقد علیحدہ رہ کر حرام ہوگا وہ حلال سے مل کر بھی حرام ہوگا اور جو علیحدہ ہوکر حلال ہوگا وہ حلال سے مل کر بھی حلال رہے گا۔یہ قاعدہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو شرعی حیلے ناجائز کہتے ہیں مگر ہمارے ہاں ضرورۃً شرعی حیلے جائز ہیں لہٰذا ہمارے ہاں یہ قاعدہ کلیہ نہیں،ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ردّی کھجوریں زیادہ دے کر کھری کھجوریں کم لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سود ہوگیا تمہیں چاہیئے تھا کہ یہ ردّی کھجوریں روپے کے عوض بیچتے پھر اسی روپے کے عوض خریدار سے کھری کھجوریں لے لیتے،دیکھو حرام سے بچنے کا یہ حیلہ ہے۔غرضکہ ناجائز عقد جائز عقد سے مل کر کبھی تو خود جائز بن جاتاہے اور کبھی جائز کردیتا ہے،یہ قاعدہ خوب یاد رکھا جائے۔ناپاک پانی پاک پانی میں مل کر کبھی خود پاک ہوجاتا ہے جیسے تالاب میں ڈالا جائے اور کبھی اسے بھی ناپاک کردیتا ہے جیسے کنوئیں میں۔

1780 - [9](صَحِیح) وعن عدی بن عمیرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " من استعملناہ منکم علی عمل فکتمنا مخیطا فما فوقہ کان غلولا یأتی بہ یوم القیامۃ ". رواہ مسلم	روایت ہے حضرت عدی ابن عمیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم تم میں سے جسے کسی کام پر عامل بنائیں پھر وہ ہم سے سوئی یا اس سے زیادہ چھپالے تو یہ بھی خیانت ہے جسے وہ قیامت کے دن لائے گا ۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی خیانت چھوٹی ہو یا بڑی قیامت میں سزا اور رسوائی کا باعث ہے خصوصًا جو خیانت زکوۃ وغیرہ میں کی جائے گی کیونکہ یہ عبادت میں خیانت ہے اور اس میں اللہ کا حق مارنا ہے اور فقیر وں کو ان کے حق سے محروم کرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ"۔خیال رہے کہ مَافَوْقَہٗ سے مراد یا سوئی سے کم چیز ہے یا سوئی سے زیادہ۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے

	ہیں،الایۃ۔تو مسلمانوں پر بہت بھاری پڑا ۱؎ تو حضرت عمر بولے کہ تمہاری اس تنگی کو میں کھولتا ہوں ۲؎ آپ چلے عرض کیا یا نبی اللہ یہ آیت حضور کے صحابہ پر بھاری ہے حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے زکوۃ اس ہی لیے فرض فرمائی کہ تمہارے باقی مالوں کو پاک کردے ۳؎ اور میراثیں اسی ہی لیے فرض فرمائیں(اور کچھ کلام کیا)تاکہ وہ پاک مال تمہارے بعد والوں کا ہو ۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے تکبیر کہی ۵؎ پھر حضور نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ بہترین چیز نہ بتاؤں جو آدمی جمع کرے وہ اچھی بیوی ہے کہ جب اسے دیکھے تو پسند آئے اور جب اسے حکم دے تو وہ فرماں برداری کرے اور جب مرد غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے ۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ کیونکہ مسلمانوں نے کنز کے لغوی معنے مراد لیے یعنی مطلقًا جمع کرنا اور یہ سمجھے کہ سونے چاندی کو جمع کرنا بہرحال حرام ہے اور قیامت کے دن داغ کا باعث ہے حالانکہ بغیر کچھ جمع کئے دنیوی کاروبار نہیں چل سکتے۔

۲؎ یعنی آیت کے ظاہری معنے مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ اسلام درمیانی دین ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور قرآن کریم میانہ روی سکھانے والی کتاب،یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس دین میں مال جمع کرنا مطلقًا حرام ہوجائے پھر جہاد کیسے ہونگے اور زکوۃ کس چیز کی دی جائے گی ہماری سمجھ میں غلطی ہے۔

۳؎ یعنی یہاں کنز کے اصطلاحی معنے مراد ہیں کہ مال جمع رکھنا،اس سے اللہ کے حق نہ نکالنا،فقراء کے حقوق ادا نہ کرنا۔خیال رہے کہ زکوۃ نکالنے سے مال ایسا ہی پاک ہوجاتاہے جیسے جانور کا خون نکل جانے سے گوشت یا کیلے اور آم وغیرہ کا چھلکا علیحدہ کردینے سے مغز کھانے کے قابل ہوجاتاہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا"۔

۴؎ یعنی اگر مال جمع کرنا مطلقًا حرام ہوتا تو اس میں سے زکوۃ کیوں دی جاتی اور مالک کے مرنے کے بعد بطور وارثت دوسروں کو کیسے ملتا۔ان احکام سے معلوم ہورہا ہے کہ مال کا جمع کرنا منع نہیں بلکہ عبادت ہے کیونکہ بہت سی عبادتوں کا موقوف علیہ ہے اور عبادت کا موقوف علیہ بھی عبادت ہوتا ہے،زکوۃ جب ادا ہو جب سال بھر مال مالک کے پاس جمع

رہے اور میراث جب بٹے جب مرتے وقت تک مال مالک کے پاس جمع رہے۔خیال رہے کہ **وذکر کلمۃ** راوی کا قول ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اور بھی فرمایا جو مجھے یاد نہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بعد والوں کو مال ملے۔

۵؎ یعنی مسئلہ حل ہوجانے پر جناب فاروق اعظم کو خوشی ہوئی اور خوشی میں **اللہ اکبر** کہا۔اس سے معلوم ہوا کہ دینی مسئلہ معلوم ہونے پر خوش ہونا اور خوشی میں **اللہ اکبر** کا نعرہ لگانا سنت صحابہ ہے۔

۶؎ یعنی اے عمر اگرچہ مال جمع کرنا جائز ہے مگر تم لوگ اسے اپنا اصل مقصود نہ بنالو اس سے بھی بہتر مسلمان کے لیے نیک بیوی ہے کہ صورت بھی اچھی ہو اور سیرت بھی کہ اس کے نفع مال سے زیادہ ہیں کیونکہ سونا چاندی اپنی ملک سے نکل کر نفع دیتے ہیں اور نیک بیوی اپنے پاس رہ کر نافع ہے،سوناچاندی ایک بار نفع دیتے ہیں اور بیوی کا نفع قیامت تک رہتا ہے مثلًا رب تعالٰی اس سے کوئی نیک بیٹا بخشے جو زندگی میں باپ کا وزیر بنے اور بعدموت اس کا خلیفہ۔حدیث شریف میں ہے کہ نکاح سے مرد کا دو تہائی دین مکمل و محفوظ ہوجاتاہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جمیلہ عورت کا چہرہ جمال الٰہی کا آئینہ ہوتا ہے اور اس کی نیک خصلت صفات الٰہی کا مظہر ہوتی ہے۔**سبحان اللہ**! سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کتنا جامع ہے عورت کی سیرت دوکلموں میں بیان فرمادی کہ جب خاوند گھر میں موجود ہو تو اس کی ہر جائز بات مانے اور جب غائب ہو یعنی سفر میں ہو یا مرجائے تو اس کے مال،عزت و اسرار کی حفاظت کرے یعنی آمنہ امینہ ومامونہ ہو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس غیر پسندیدہ سوار آیا کریں گے تو وہ جب آئیں تم انہیں خوش آمدید کہو اور جو وہ چاہتے ہوں ان کے سامنے حاضر کردو ۲؎ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر ظلم کریں تو انہیں مضر ہے تمہاری زکوۃ کی تکمیل ان کا راضی ہوناہے چاہیئے کہ وہ تمہیں دعائیں دیں ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ انصاری ہیں اور مشہور صحابی ہیں،آپ کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے،باقی سارے غزوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،عمر شریف ۹۱ سال ہوئی، ۶۱ ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی آئندہ زمانہ میں کچھ سخت دل اور بداخلاق حکام بھی ہوں گے تم ان کی بداخلاقی کی بنا پر زکوۃ کے انکاری نہ ہوجانا کہ تمہاری زکوۃ اللہ کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے بلکہ انہیں دیکھ کر خوش ہونا کہ ان کے ذریعہ تمہارا فریضہ ادا ہوگا،بعض دیندار غنی زکوۃ دیتے وقت فقیر کا احسان مانتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ہمارا فرض ادا ہوا۔

۳؎ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظاہر ظہور ظلم کریں کہ زکوۃ سے زیادہ لیں یا زکوۃ کے ساتھ رشوت مانگیں اور تم دے دو کیونکہ ظلم پر امداد بھی ظلم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کا کوئی فعل تمہیں ظلم معلوم ہو مگر واقع میں

ظلم نہ ہو تو تم اپنی رائے پر عمل نہ کرو ان کے حکم پر عمل کرو مثلًا زکوۃ میں درمیانہ جانور لینا چاہیئے ایک جانور کو تم اعلیٰ سمجھتے ہووہ درمیانہ یا پیداوار کا دسواں حصہ دیناچاہیئے،تم ایک ڈھیڑ کو سو'' من سمجھتے ہو تو وہ سوا سو من ہے تو تم ان کی بات مان لو،اب اگر واقعی وہ زیادہ لے گئے ہیں تو اس کے جواب دہ وہ ہوں گے نہ کہ تم یا یہ کلام بطریق مبالغہ ہے کہ فرض کرو کہ واقع میں وہ ظالم بھی ہوں تو بھی تم ان کا مقابلہ نہ کرو گےاس میں سلطان اسلام کی بغاوت ہوگی جس کے دبانے کے لیے وہ قوت خرچ کریں گے جس سے کشت و خون و فساد ہوگا بلکہ ان کے ظلم کی شکایت بادشاہ سے کرو اور ان کے خلاف قانونی کاروائی کرو لہذا حدیث بالکل ظاہر ہےاس میں ظلم کی اجازت نہیں دی گئی مگر پہلے معنے راجح ہیں کیونکہ ان سے دعا لینے کا حکم دیا گیاظلم سے دعا کب لی جاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ کچھ دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ زکوۃ وصول کرنے ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم پر ظلم کرتے ہیں حضور نے فرمایا کہ اپنے زکوۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو وہ بولے یارسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں فرمایاانہیں راضی کروا گرچہ تم ظلم کئے جاؤ[1] (ابوداؤد)

[1] اس کی شرح پہلے گزرچکی۔یہ بدوی حضرات شرعی مسائل سے پورے واقف نہ تھےاور زکوۃ وصول کرنے والے عامل جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر ہوتے تھے وہ قریبًا تمام مسائل سے خصوصًا زکوۃ کے مسائل سے پورے خبردار ہوتے تھے،یہ دیہاتی حضرات اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ عاملین ہم پر زیادتی کررہے ہیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ تم ان کے جائز عمل کو ظلم ہی سمجھتے رہو مگر انکی بات مانو اور ان کے کہے پر عمل کرو،انہیں راضی کر کے واپس کرو کیونکہ میرے صحابہ ظالم نہیں ہوسکتے،وہ میرے صحبت یافتہ و تعلیم یافتہ ہیں اور بشہادت قرآن کریم وہ سب عادل ہیں،لہذا اس حدیث میں نہ تو حکام کو ظلم کی اجازت ہے اور نہ اس سے صحابہ کا ظالم و فاسق ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔خیال رہے کہ جو کسی صحابی کو ظالم مانے وہ چیونٹی سے بھی زیادہ بے وقوف ہے،قرآن کریم فرماتاہے کہ چیونٹی نے اپنی سہیلیوں کو لشکر سلیمانی سے خبردار کرتے ہوئے یہ کہا"لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ"یعنی ایسا نہ ہو کہ تم لشکر سلیمانی یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابہ کے پاؤں تلے روندی جاؤ اور انہیں خبر نہ ہو۔مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات جان بوجھ کر چیونٹی کو بھی نہیں کچلتے،صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں"وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ"کے ماتحت ہوئیں،دیکھو یہاں حضور علیہ السلام نے ان لوگوں سے ظلم کی تفصیل نہ پوچھی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ ظلم کرتے ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت بشیر ابن خصاصیہ سے[1] فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ زکوۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں تو کیا ہم ان کی زیادتی کی بقدر اپنے

	مال چھپالیا کریں فرمایا نہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کے والد کا نام معبد یا یزید ہے،ان کی کنیت خصاصیہ ہے،خصاصیہ ان کی ماں کا نام تھا کیونکہ وہ قبیلہ خصاص کی تھیں جو خاندان ازد کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عاملوں کی شکایت کرنے والوں کا منشاء یہ تھا کہ انہیں کچھ نصاب چھپالینے اور زکوۃ پوری ادا نہ کرنے کی اجازت دے دی جائے اور اگر اجازت دے دی جاتی تو یہ سلسلہ ایسا بڑھ جاتا کہ دنیا سے زکوۃ ہی مٹ کر رہ جاتی اس لیے فرمایا گیا چھپاؤ مت،اگر وہ زیادہ مانگیں تو ان سے مسئلہ شرعی پوچھو نہ مانیں تو ان کے خلاف قانونی کارروائی کرو۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زکوۃ کا سچا عامل اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے حتی کہ اپنے گھر واپس آجائے ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ یعنی جیسے مجاہد جاتے آتے ہر حال میں عبادت کا ثواب پاتا ہے ایسے ہی انصاف والا عامل ہر حال میں ثواب پائے گا کیونکہ مجاہد اسلام کے پھیلانے کا ذریعہ ہے اور یہ عامل اسلامی قانون پھیلانے،مالداروں کو ان کے فریضہ سے فارغ کرنے اور فقراء کو ان کا حق دلانے کا ذریعہ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نیت خیر ہو تو دینی خدمت پر تنخواہ لینے کی وجہ سے اس کا ثواب کم نہیں ہوتا،دیکھو ان عاملوں کو پوری اجرت دی جاتی مگر ساتھ میں یہ ثواب بھی تھا۔چنانچہ مجاہد کو غنیمت بھی ملتی ہے اور ثواب بھی،حضرات خلفائے راشدین سواء حضرت عثمان غنی کے سب نے خلافت پر تنخواہیں لیں مگر ثواب کسی کا کم نہیں ہوا،ایسے ہی وہ علماء یا امام و مؤذن جو تنخواہ لے کر تعلیم،اذان،امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں اگر ان کی نیت خدمت دین کی ہے تو ان شاءاللہ ثواب بھی ضرور پائیں گے۔ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرعی مسئلہ بتانے کی اجرت لینا حرام ہے مگر فتویٰ لکھنے کی اجرت لینا جائز،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَہِیۡدٌ"۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا نہ مال ایک جگہ منگانا جائز ہے نہ دُور لے جانا لوگوں کے صدقات ان کے گھروں میں ہی لیے جائیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ خیال رہے کہ عمرو ابن شعیب کی اسناد والی احادیث مسلم،بخاری نے ہرگز نہ لیں کیونکہ یہ ہر جگہ اسی طرح اسناد کرتے ہیں،حالانکہ ان کی ملاقات اپنے دادا محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے نہیں اور نہ ان محمد کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لہذا یہ اسناد منقطع ہے متصل نہیں،یہ بحث پہلے بھی ہوچکی ہے۔(مرقات)

۲؎یعنی نہ تو عامل کو یہ جائز ہے کہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور لوگوں سے کہے اپنے اپنے مال جانور وغیرہ یہاں لاکر مجھے دکھاؤ اور حساب سے زکوۃ دو کیونکہ اس میں مال والوں کو سخت دشواری ہوگی اور نہ مال والوں کو یہ جائز کو اپنے جانور وغیرہ بکھیردیں،دور دور بھیج دیں کہ عامل انہیں گننے کے لیے دوڑا پھرے کہ اس میں عامل کو بہت تکلیف ہے بلکہ عامل لوگوں کے ریوڑوں اور باغوں وکھیتوں میں جاکر ہر ایک کی زکوۃ وصول کرے۔سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مال حاصل کرے تو اس میں زکوۃ نہیں حتی کہ اس پر سال گزر جائے ۱؎(ترمذی)اور ایک جماعت نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر پر موقوف کیا۲؎

۱؎ یعنی ادائے زکوۃ اور وجوب زکوۃ کے لیے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں جیساکہ پنجاب میں ماہ رجب کے اور کاٹھیاواڑ میں ماہ رمضان کو زکوۃ کا مہینہ سمجھا گیا ہے بلکہ جب مال پر سال گزرے گا زکوۃ واجب ہوگی۔خیال رہے کہ سال گزرنا زکوۃ کے لیے شرط وجوب ہے لہذا اگر کوئی مالک نصاب ہوتے ہی زکوۃ دیناشروع کردے اور سال پر حساب کرے یا چند سالوں کی زکوۃ ایک دم ادا کردے تو جائز ہیں اس حدیث کے خلاف نہیں،نیز اصل نصاب پر سال گزرنا ضروری ہے زائد پر ضروری نہیں،لہذا اگر کسی کے پاس گیارہ مہینے تک ہزار روپے رہے اور بارھویں مہینہ دس ہزار روپے اور آگئے تو یہ گیارہ ہزار کی زکوۃ دے گا اگرچہ اس دس ہزار پر تیس دن ہی گزرے ہیں کیونکہ اصل نصاب یعنی ہزار پر سال گزر چکا،یہ مسئلہ بھی اس حدیث کے خلاف نہیں۔اس کی پوری بحث فتح القدیر اور مرقات میں اسی مقام پر دیکھو،اگر ہر پیسہ پر الگ سال گزرنا شرط ہوتو تاجروں کو مصیبت آجائے کیونکہ ان کے پاس روزانہ سینکڑوں روپے آتے جاتے رہتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مَنِ اسْتَفَادَ میں بڑی وسعت ہے،مال جیسے بھی حاصل ہو کماکر وراثت سے یا کسی کے عطیہ سے بہرحال سال کے بعد اس میں زکوۃ ہے کمانے ہی کی شرط نہیں۔

۲؎یعنی خود ان کا قول نقل کیاحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہ کیا اور ہم یہ عرض کرچکے ہیں کہ ایسی موقوف حدیثیں جن میں قیاس کو دخل نہیں مرفوع کے حکم میں ہیں،یعنی ان صحابی نے حضور علیہ السلام سے سن کر ہی کہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوۃ فرض ہونے سے پہلے ادا کردینے کے متعلق پوچھا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دی ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ اور دارمی)

۱؎ یعنی اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال آگیاتو سال گزرنے سے پہلے اس کی زکوۃ دے سکتے ہیں کیونکہ سال گزرنا زکوۃ کے لیے شرط وجوب ہےاس کا سبب مال ہے،اسی طرح فطرہ کہ عید سے پہلے ادا کیا جاسکتا ہے،نماز کے لیے وقت

وجوب کا سبب ہےاس لیے وہ وقت سے پہلے نہیں ہوسکتی۔امام مالک کے ہاں زکوۃ بھی سال گزرنے سے پہلے نہیں دے سکتے،یہ حدیث امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کی دلیل ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا تو فرمایا کہ جو کسی یتیم کا والی ہو جس کے پاس مال ہو تو وہ اس میں تجارت کرے اسے چھوڑے نہ رکھے کہ زکوۃ کھاجائے[1](ترمذی)فرمایا ترمذی نے کہ اس کی اسناد میں کچھ گفتگو ہے کیونکہ مثنٰی بن صباح ضعیف ہے۔	

[1] اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و مالک و احمد نے فرمایا کہ نابالغ بچے کے مال میں زکوۃ واجب ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ولی کو حکم دیا کہ یتیم کا مال تجارت سے بڑھاؤایسا نہ ہوکہ ہر سال اس میں زکوۃ نکلتی رہے اور مال ختم ہو جائے،امام اعظم کے نزدیک بچے اور دیوانے کے مال میں زکوۃ نہیں کیونکہ زکوۃ بھی نمازروزہ کی طرح محض عبادت ہے جب اس پر نماز روزہ اور حج نہیں تو زکوۃ بھی نہیں۔ابوداؤد،نسائی اور حاکم نے باسناد صحیح روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں:سونے والا حتی کہ جاگ جائے،بچہ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے،دیوانہ تاآنکہ عاقل ہوجائے۔امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابن مسعود سے روایت فرمائی آپ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں،اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔رہی یہ حدیث وہ چند طرح مجروح ہے کیونکہ تدلیس ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ نہ عمرو ابن شعیب نے اپنے دادا محمد ابن عمرو کو دیکھا اور نہ ان کے دادا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی مگر طریقۂ بیان ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے دونوں ملاقاتیں ثابت ہیں یعنی غیر متصل معلوم ہوتی ہے اسی کو تدلیس کہتے ہیں، نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ مثنے ابن صباح راوی ضعیف ہیں اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں،دار قطنی نے اس کی دو اسنادیں نقل کیں اور دونوں کو ضعیف کہا۔ بہرحال یہ حدیث قابل حجت نہیں،مذہب حنفی نہایت قوی ہے۔خیال رہے کہ محض عبادت بچے پر فرض نہیں لیکن ٹیکس اور خراج بچے کے مال سے لیے جائیں گے کیونکہ وہ محض عبادت نہیں ان پر زکوۃ کو قیاس نہیں کرسکتے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور دیہاتیوں میں جو کافر ہوئے وہ ہوئے[1] تو حضرت عمر ابن خطاب نے حضرت	

ابو بکر سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے جنگ کیسے کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا حتی کہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ تو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنی جان و مال بچالیے مگر حق اسلام کے ماتحت اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۲ تو حضرت ابو بکر نے فرمایا رب کی قسم میں اس پر جہاد کروں گا جو نماز و زکوۃ میں فرق کرے کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے۳ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس منع کرنے پر ان سے جہاد کروں گا۴ حضرت عمر فرماتے ہیں خدا کی قسم میرا یہ حال ہوا کہ میں نے یہ یقین سے جان لیا کہ اس جہاد کے لیے ابو بکر کا سینہ رب نے کھولا ہے میں پہچان گیا کہ یہ جہاد برحق ہے۵ (مسلم،بخاری)	

۱خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبیلہ غطفان فزارہ،بنی سلیم وغیرہ نے وجوب زکوۃ کا انکار کردیا اور بولے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِهِمۡ صَدَقَةً"یارسول اللہ ان کے مال کی زکوۃ آپ وصول کرو جب وصول کرنے والے تشریف لے گئے تو زکوۃ بھی ختم،حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں مرتد قرار دیا اور ان پر جہاد کی تیاری فرمائی،اسی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا تھا"وَمَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ"الایۃ۔یہ صدیقی جماعت ہی وہ جماعت ہے جو ان مرتدین کی سرکوبی کے لیے رب تعالٰی کی طرف سے مقرر ہوئی،یہ خدا کو پیاری خدا اسے پیارا۔خیال رہے کہ اسی عہد صدیقی میں بہت سے لوگ مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے لگے اور مرتد ہوگئے،پہلے مرتدین پر آپ نے لشکر کشی کی ہی تھی کہ وہ توبہ کر گئے مگر ان دوسرے مرتدین سے بہت گھمسان کارن پڑا جس میں اکثر قاری اور حافظ صحابہ شہید ہوگئے جس پر جمع قرآن کی ضرورت پیش آئی اور حضرت صدیق نے قرآن پاک جمع فرمایا،اس موقعہ کی قرآن کریم نے اس طرح خبردی"قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِيۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ يُسۡلِمُوۡنَ"الخ۔

۲فاروق اعظم اولًا منکرین زکوۃ پر جہاد کے مخالف تھے ان کی دلیل اس حدیث کے ظاہری الفاظ تھے کہ کلمہ گو پر جہاد کیسا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری کلمہ پڑھنے والے منافقین پر جہاد نہ فرمایا تو یہ مانعین زکوۃ تو دل سے کلمہ

پڑھ رہے ہیں اور زکوۃ کے سوا تمام فرائض کے معتقد ہیں تو ان پر آپ جہاد کیسے کرسکتے ہیں۔فاروق اعظم کی پیش کردہ حدیث کی پوری شرح مکمل بحث کے ساتھ کتاب الایمان کے شروع میں ہوچکی کہ یہاں حتی بمعنی کے ہے۔

۳؎ صدیق اکبر کا یہ جواب نہایت جامع اور مختصر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اے عمر تم نے اپنی حدیث میں یہ لفظ نہ دیکھا اِلَّابِحَقِّهٖ یعنی کلمہ گو کو حق اسلام کی وجہ سے قتل کیا جاسکتا ہے،نماز بھی حق اسلام ہے اور زکوۃ بھی،جوان دونوں میں فرق کرے کہ نماز کو مانے زکوۃ کا انکارکرے وہ یقینًا مستحق جہاد ہے۔رہے منافقین ان کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں فرمایا"وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ"یعنی ہم دل سے بحث نہ کریں گے جو کوئی بظاہر اسلام کے سارے ارکان کا اقرار کرے ہم اس پر جہاد نہ کریں گے،دل میں اس کے کچھ بھی ہو،منافقین کسی رکن اسلامی کے زبان سے منکر نہ تھے سبحان اللہ! کیا پاکیزہ استدلال ہے۔

۴؎ یعنی اے عمروجوب زکوۃ کا انکار تو بڑی چیز ہے اگر وہ لوگ ظاہری مال یعنی پیداوار اور جانوروں کی زکوۃ ہمارے بیت المال میں داخل نہ کریں تب بھی تو وہ سرکوبی کے مستحق ہیں کیونکہ اس میں ایک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدہ ودانستہ انکارہے۔اس جگہ مرقات میں ہے کہ اگر کوئی قوم اذان دینا چھوڑ دےتو سلطان اسلام ان سے بھی جنگ کرے گا کیونکہ اس میں شعار اسلامی کا بندکرنا ہے۔خیال رہے کہ اب چونکہ بادشاہ عمومًا لاپرواہ اور حکام فاسق ہوگئے جن سے امید نہیں کہ زکوتوں کو ان کے مصرفوں پر صرف کریں لہذا اب انہیں کوئی زکوۃ نہ دی جائے اسی لیے صدیق اکبر نے مَنَعُوْنِیْ فرمایا یعنی مجھے اور مجھ جیسے عادل سلطان اسلام(جس کے سارے حکام منصف ہوں)کو زکوۃ نہ دیں تو ان پر جنگ ہوگی۔مرقات نے اس جگہ فرمایا کہ عثمان غنی کے زمانہ میں لوگوں کا حال بدل گیا تھا اس لیے آپ نے زکوۃ وصول کرنے میں سختی نہ فرمائی بلکہ مال والے اپنی زکوتیں خود دینے لگے اور کسی صحابی نے آپ کے اس عمل پر انکار نہ کیا۔خیال رہے کہ وجوب زکوۃ کا انکار کفر ہے ایسے لوگوں پر اسلامی جہاد ہوگا اور اس زمانہ میں خلیفۃ المسلمین کو زکوۃ نہ ادا کرنا بغاوت تھی جس پر ان کے خلاف تادیبی کاروائی حتی کہ جنگ بھی کی جاسکتی تھی لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے اور اس کے شروع میں"كَفَرَ مَنْ كَفَرَ"فرمانا بالکل درست ہے۔مرقات میں یہاں ہے کہ احناف کے نزدیک حاکم کو جبرًا زکوۃ وصول کرنے کا حق نہیں،شوافع کے ہاں ہے،یہ حدیث چونکہ منکرین زکوۃ کے متعلق ہے اس لیے احنا ف کے خلاف نہیں۔

۵؎ یعنی میں نے حضرت صدیق کی رائے کی طرف رجوع کرلیا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صدیق اکبر بعد نبی تمام مخلوق سے بڑے عالم اور بڑے سیاست دان تھے،انہی کے علم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن اپنے حجرے میں ہوا،انہی کے علم پر حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا مال وقف بنا،انہی کے علم پر اس جہاد کی تیاری ہوئی،اگر آج آپ تھوڑی نرمی کرتے تو فرائض اسلامی کے انکار کا دروازہ کھل جاتااسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت آپ ہی کو جانشین امام نماز بنایا،انہی کی سیاست سے حجاز بلکہ عرب میں امن و امان بحال ہوا اور فاروقی فتوحات کے لیے راستہ صاف ہوا۔دوسرے یہ کہ ایک شعار اسلامی کا انکار بھی ایسا ہی کفر ہے جیسے سارے ارکان کا انکار۔تیسرے یہ کہ کلمہ گو مرتدین پر جہاد کیا جائے گا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہرایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ ہوگا جس سے اس کا مالک بھاگے گا اور مال اسے ڈھونڈے گا حتی کہ اس کی انگلیوں کو لقمہ کرے گا[1](احمد)

[1] اس کی پوری شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی،چونکہ زکوۃ ہاتھ سے ادا کی جاتی ہے جس سے یہ بخیل محروم رہااس لیے وہ سانپ اس کی انگلیاں بھی چبائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال کی زکوۃ نہ دے مگر اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں اسے سانپ بنا کر ڈالے گا[1] پھر آپ نے ہم پر اس دلیل میں قرآن شریف سے یہ آیت پڑھی کہ جو لوگ اللہ کے دیئے ما ل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں،الایہ [2](ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

[1] اس طرح کہ پہلے یہ مال سانپ بن کر اس کے پیچھے بھاگے گا،پھر اسے پکڑ کر اس کے گلے میں طوق بن کر پڑ جائے گا،انگلیاں بھی چباتا رہے گا اور ڈستا بھی رہے گا،چونکہ گلے کا ہار ہر وقت نظر آتا ہےاور جیب کے اندر کی چیز ہر وقت نظر نہیں آتی اس لیے یہ سانپ گلے میں پڑے گا تاکہ مالک دیکھ کر ہر وقت ڈرتا رہے اور محشر کے دوسرے لوگ پہچان جائیں کہ کنجوس یہ ہے،یہ واقعہ مسلمان کی عیب پوشی کے خلاف نہیں جیسے کہ ابھی عرض کیا جاچکا۔

[2] صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بخل صرف مال میں ہی نہیں ہوتابلکہ مال،کمال،اعمال،احوال،افضال سب میں ہوتا ہے۔لفظ مِنۡ فَضۡلِہٖ سب کو شامل ہے۔عالم اور صوفی کو چاہیئے کہ لوگوں میں علم و ہدایت پھیلائیں ورنہ ان کی پکڑ مالی بخیل سے زیادہ ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَكْتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْكِتٰبِ"۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کبھی زکوۃ مال میں مخلوط ہوگی تو اسے ہلاک ہی کردے گی[1] (شافعی اور بخاری نے اپنی تاریخ میں)اور حمیدی نے یہ زیادتی بھی کی کہ فرمایا ایسا ہوتا ہے کہ تم پر زکوۃ فرض ہو اور تم نہ نکالو تو حرام حلال کو ہلاک کردے[2] اسی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے جو زکوۃ کو عین

	مال کے متعلق مانتے ہیں،یوں ہی منتقیٰ میں ہے۳؎اور بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ان کی اسناد حضرت عائشہ تک ہے۔امام احمد نے مخلوط ہونے کے تفسیر یہ کی کہ کوئی شخص زکوۃ لے لے حالانکہ وہ خود مالدار غنی ہو زکوۃ تو غریبوں کے لیے ہے ۴؎

۱؎ مال میں زکوۃ مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ صاحبِ نصاب جس پر خود زکوۃ فرض ہووہ فقیر بن کر لوگوں سے زکوۃ لے اور اپنے مال میں ملا کر بڑھائے۔دوسرے یہ کہ آدمی زکوۃ نہ نکالےجو مال زکوۃ میں نکلنا چاہیئے تھا وہ اپنے مال ہی میں رکھے،پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اور دوسرے معنے زیادہ قوی۔ہلاک کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ زکوۃ کے مخلوط ہونے کی وجہ سے سارے مال کی برکت مٹ جائے اور کچھ دنوں میں مال ختم ہوجائے یا کوئی ناگہانی آفت آپڑےجس سے سارا مال برباد ہوجائے جیسے بیماری، مقدمہ،چوری،ڈکیتی یا حرق و غرق یعنی جلنا ڈوبنا۔دوسرے یہ کہ یہ سارا مال اگرچہ رہے تو مگر اس سے نفع لینا جائز نہ ہوکیونکہ حرام اور حرام سے مخلوط چیز ناقابل انتفاع ہے۔دوسرے معنے ہی کی بنا پر صاحب مشکوٰۃ کا آئندہ کلام ہے۔

۲؎ قال کا فاعل امام بخاری ہیں یعنی حمیدی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کی یہ شرح فرمائی۔

۳؎خیال رہے کہ امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ مالک کے ذمہ میں واجب نہیں ہوتی بلکہ عین مال میں ہوتی ہے لہذا ان کے ہاں ہر مال کی زکوۃ اسی سے ادا کرنا پڑے گی۔اس کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا مال زکوۃ میں نہیں دیا جاسکتا،بکریوں کی زکوۃ میں بکری ہی دی جائے گی اور سونے کی زکوۃ میں سونا اور چاندی ہی۔وہ زکوۃ کو قربانی یا ہدی پر قیاس کرتے ہیں کہ ان کی قیمت نہیں دی جاتی۔(لمعات)ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کی زکوۃ مالک کے ذمہ میں ہوتی ہےچاہے اس مال میں سے دے یا دوسرے مال میں سے یا قیمت حتی کہ سونے چاندی کی زکوۃ میں خودسوناچاندی یا اس کی قیمت یا اس قیمت کی روٹیاں، کوئی جانور،کپڑا،صابن وغیرہ دے سکتا ہےکیونکہ زکوۃ کا منشاء فقیر کو رزق پہنچانا اور اس کی حاجت روائی ہے، ان بزرگوں کا اس حدیث سے دلیل پکڑنا کچھ ضعیف ہی سا ہےکیونکہ ان حضرات نے لفظ خلط سے استدلال کیا ہے کہ خلط مال کا ہوتا ہے نہ کہ ذمہ کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے اسی لیے خود صاحب مشکوٰۃ اگلا کلام فرمارہے ہیں۔

۴؎اس توجیہ نے حدیث کو بالکل واضح کردیا کہ جو مال زکوۃ بن کر امیر کے پاس سے نکل چکا اسے گویا غیر مستحق زکوۃ لے کر اپنے مال سے ملالےاب خلط کے معنے بالکل واضح ہوگئے۔

باب مایجب فیہ الزکوۃ

باب کس چیز میں زکوۃ واجب ہے [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] خیال رہے کہ جانور،سونا چاندی اور تجارتی مالوں میں بالاتفاق زکوۃ واجب ہے،البتہ سبزیاں میوے جو سال تک نہ ٹھہر سکیں ان میں اختلاف ہے،امام اعظم کے ہاں ان میں مطلقًا زکوۃ ہےاور دیگر اماموں کے ہاں نہیں،نیز کھجوروں اور چھوہاروں وغیرہ میں امام اعظم کے ہاں مطلقًا زکوۃ واجب ہے خواہ کتنے ہی پیدا ہوں اور صاحبین کے ہاں جب پانچ وسق ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ وسق چھوہاروں سے کم میں صدقہ واجب نہیں[1] اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں صدقہ واجب نہیں[2] اور پانچ عدد اونٹوں سے کم میں صدقہ واجب نہیں[3] (مسلم،بخاری)

[1] وسق،صاع،رطل عرب کے پیمانوں کے نام ہیں۔ایک وسق ساٹھ صاع کا ہےاور ایک صاع ہمارے ۸۰ تولے والے سیر سے قریبًا ساڑھے چار سیر ہوتا ہے تو اس حساب سے ایک وسق چھ من تیس سیر ہوا اور پانچ وسق ۳۳ من ۳۰ سیر تقریبًا ہوئے تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قریبًا ۳۴ من سے کم میں زکوۃ نہیں،یہ حدیث امام شافعی وغیرہم کی دلیل ہے،امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مطلقًا پیداوار میں زکوۃ ہے کم ہو یا زیادہ،امام اعظم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے"وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ"اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے"مَآ اَخۡرَجَتۡہُ الۡاَرۡضُ فَفِیۡہِ الۡعُشۡرُ"اور بخاری کی وہ روایت ہے"فِیۡمَا سَقَتِ السَّمَآءُ اَوِالۡعُیُوۡنُ اَوۡکَانَ عَشَرِیًّا الۡعُشۡرُ وَفِیۡمَا سُقِیَ بِالنَّضۡحِ نِصۡفُ الۡعُشۡرِ"اور مسلم شریف کی وہ روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"فِیۡمَا سَقَتِ الۡاَنۡھَارُ وَالۡغَیۡمُ الۡعُشۡرُ وَفِیۡمَا سُقِیَ بِالنَّضۡحِ نِصۡفُ الۡعُشۡرِ"۔اس آیت اور احادیث میں مطلقًا ما فرمایا گیا یعنی جو بھی زمین سے پیدا ہو اس میں دسواں یا بیسواں حصہ زکوۃ ہے،نیز عبدالرزاق نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز مجاہد اور ابراہیم رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ یہ سب حضرات فرماتے ہیں:"فیما انبتت الارض من قلیل وکثیر العشر"زمین کی ہر تھوڑی بہت پیداوار میں دسواں حصہ ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلہ وغیرہ کے تاجروں پر زکوۃ تجارت پانچ وسق سے کم میں نہ ہوگی کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم تھی تو پانچ وسق کی قیمت دو سو[200] درہم ہوئی،چاندی کا نصاب زکوۃ دوسو درہم ہی ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث میں پیداوار

کی ہی زکوۃ مراد ہے تو احادیث متعارض ہوں گی اور تعارض کے وقت احتیاط اسی میں ہے کہ کم کی بھی زکوۃ نکالی جائے۔خیال رہے کہ زکوۃِ تجارت اور ہے زکوۃِ پیداوار اور۔اس کی پوری تحقیق فتح القدیر میں اور اسی جگہ مرقات میں دیکھو۔ خیال رہے کہ ان اماموں کے نزدیک سڑگل جانے والے پھلوں اور سبزیوں میں بھی زکوۃ نہیں جو سال بھر ٹھہر سکے اس میں زکوۃ ہے۔امام اعظم کے نزدیک ان میں بھی زکوۃ ہے ان کے دلائل وہی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے۔

۲؎ ایک اوقیہ۴۰ درہم کا پانچ اوقیہ۲۰۰درہم ہوئے اور دس درہم سات مثقال کے اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اس حساب سے دو سو درہم باون تولہ چھ ماشہ ہوئے یہ چاندی کا نصاب ہے،درہم کی قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا لحاظ ہے۔

۳؎جانوروں کی زکوۃ کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے جب کہ وہ سائمہ ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل میں چریں مالک پر ان کے چارے کا خرچ نہ ہو۔خیال رہے کہ **ذود** کے معنے ہیں عدد یا نفر،یہ تین سے دس تک بولا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان پر۱؎ نہ تو اس کے غلام میں صدقہ واجب ہے نہ اس کے گھوڑے میں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اس کے غلام میں زکوۃ تو نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ مسلمان کی قید سے معلوم ہوتاہے کہ کفار پر زکوۃ فرض نہیں اسی لیے کوئی کافر مسلمان ہوجانےپر زمانہ کفر کی نہ نمازیں قضا کرتا ہے نہ زکوۃ دیتا ہے،ہاں قیامت میں کفار کو عبادات نہ کرنے کی بھی سزا ملے گی،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ دوزخی کہیں گے"قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیۡنَ"الخ لہذا حدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔

۲؎ تجارتی گھوڑوں اور غلاموں میں تمام اماموں کے نزدیک زکوۃ ہے اور سواری کے گھوڑے اور خدمت کے غلام میں کسی کے ہاں زکوۃ نہیں ہاں جو گھوڑے سواری و تجارت دونوں کے لیے نہ ہوں ان کی مادہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک زکوۃ ہے کہ مالک یا تو فی گھوڑی ایک اشرفی دے دے یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ نکال دے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں سواری کا گھوڑا اور خدمت کا غلام مراد ہے۔فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ گھوڑے اور غلام میں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہے کہ ان میں زکوۃ نہیں اسی طرح مرقات میں ہے۔خیال رہے کہ خدمت کے غلام کا فطرہ مالک پر واجب ہے اس کی زکوۃ نہیں،نوکر چاکروں کا فطرہ آقا پر نہیں کیونکہ یہ اس کے غلام نہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ حضرت ابوبکر نے جب انہیں بحرین بھیجا۱؎ تو انہیں یہ فرمان نامہ لکھ کر دیا مہربان رحمت والے اللہ کے نام سے یہ زکوۃ کا فریضہ	

ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمایا اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ۲؎ تو جس مسلمان سے اس فہرست کے مطابق مانگا جائے وہ دے دے اور جس سے زیادہ کا مطالبہ کیا جائے تو نہ دے۳؎ چوبیس اور اس سے کم اونٹوں کی زکوۃ بکری ہے کہ ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ۴؎ پھر جب یہ اونٹ پچیس کو پہنچیں تو پینتیس تک ایک سالہ مادہ اونٹنی ہے ۵؎ پھر جب چھتیس تک پہنچیں تو پینتالیس تک میں دو سالہ مادہ اونٹنی ہے ۶؎ پھر جب چھیالیس کو پہنچیں تو ساٹھ تک میں چار سالہ اونٹنی یعنی اونٹ کی جست کے لائق ۷؎ پھر جب اکسٹھ کو پہنچیں تو پچھتّر تک میں ایک پنج سالہ اونٹنی ۸؎ پھر جب چھہتر کو پہنچیں تو نوے تک میں دو عدد دو سالہ اونٹنیاں ۹؎ پھر جب اکیانوے کو پہنچیں تو ایک سو بیس تک دو چارسالہ اونٹنیاں نر اونٹ کی جست کے لائق ۱۰؎ پھر جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی ہے اور ہر پچاس میں چار سالہ ۱۱؎ اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہاں اگر مالک چاہے ۱۲؎ جب پانچ کو پہنچیں تو اس میں ایک بکری ہے اور جس کے اونٹوں کی زکوۃ پنجسالہ اونٹنی تک پہنچے اور اس کے پاس پنجسالہ ہو نہیں بلکہ چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ ہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں اگر میسر ہوں یا بیس درہم ۱۳؎ اور جس کے اونٹوں کی زکوۃ چہار سالہ کو پہنچے اور اس کے پاس چہار سالہ ہے ہی نہیں بلکہ پنجسالہ ہو تو اس سے پنجسالہ ہی وصول کرلی جائے اور زکوۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے ۱۴؎ اور جس کے اونٹوں کی زکوۃ چہار سالہ کو پہنچے مگر اس کے پاس دو سالہ ہی ہو تو اس سے دو سالہ ہی وصولی کرلی جائے اور مالک دو بکریاں یا بیس درہم بھی دے

اور جس کی زکوۃ دو سالہ کو پہنچے مگر مالک کے پاس چہار سالہ ہو تو اس سے چہار سالہ ہی وصول کرلی جائے اور اسے عامل بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے اور جس کی زکوۃ دو سالہ کو پہنچے اور دو سالہ اس کے پاس ہو نہیں بلکہ اس کے پاس یکسالہ ہو تو اس سے یکسالہ ہی وصولی کرلی جائے اور اس کے ساتھ مالک بیس درہم یا دو بکریاں دے ۱۵؎اور جس کی زکوۃ یکسالہ کو پہنچے اور اس کے پاس یکسالہ ہو نہیں بلکہ اس کے پاس دو سالہ ہو تو اس سے وہ ہی وصول کرلی جائے اور اس کو عامل بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے اور اگر مالک کے پاس زکوۃ کے مطابق یکسالہ مادہ ہو نہیں بلکہ اس کے پاس یکسالہ نر ہو تو اس سے وہ ہی لے لیا جائے اور اس کے ساتھ اور کچھ نہیں ۱۶؎اور بکریوں کی زکوۃ میں ۱۷؎یعنی جنگل میں چرنے والیوں میں جب چالیس ہوں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے ۱۸؎پھر جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں ہیں اور جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں جب تین سو سے زیادہ ہوجائیں تو ہر سینکڑے میں ایک بکری ہے ۱۹؎پھر جب کسی کی جنگل میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں لیکن اگر مالک چاہے تو(خیرات دیدے)۲۰؎اور زکوۃ میں نہ تو بڑھیادی جائے نہ کانی ۲۱؎اور نہ بکرا مگر یہ کہ عامل چاہے(تولے لے)۲۲؎اور نہ تو متفرق مال کو جمع کیا جائے اور نہ زکوۃ کے ڈر سے جمع مال کو متفرق کیا جائے ۲۳؎اور جو نصاب دو شریکوں کے درمیان ہو تو وہ آپس میں برابر برابر ایک دوسرے سے لے لیں ۲۴؎اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے اور اگر صرف ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ زکوۃ نہیں مگر یہ کہ مالک چاہے(تو دیدے)۲۵؎(بخاری)	

۱؎ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت انس کو بحرین کا حاکم بناکر بھیجا تو انہیں جو قوانین لکھ کر دیئے ان میں زکوۃ کا قانون حسب ذیل تھا۔خیال رہے کہ بحرین عرب کا ایک صوبہ ہے جو بصرہ سے قریب ہے،چونکہ یہ علاقہ دو دریاؤں کے بیچ میں ہے اس لیے اسے بحرین کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی زکوۃ کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور کسی حکم پر بغیر تفصیل معلوم ہوئے عمل نہیں ہوسکتا اس لیے بعد ہجرت زکوۃ دینا فرض ہوئی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ زکوۃ کا حکم ہجرت سے پہلے آیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بعد ہجرت بیان کی۔چنانچہ مکی آیتوں میں ملتا ہے"وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ"۔حضرت صدیق کا منشاء یہ ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ اپنے اجتہاد یا قرآن و حدیث میں تاویل سے نہیں بلکہ اللہ کے صریح حکم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی بیان سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ فرضیت اور حرمت کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی جاسکتی ہے،یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز وروزہ فرض کیا یا شراب و زنا حرام کیا۔

۳؎ یعنی اگر عامل یا حاکم مالک سے ظلمًا زیادہ مانگیں تو زیادتی نہ دی جائے بلکہ اس تحریر کے مطابق ادا کی جائے یا ایسے ظالم کو بالکل زکوۃ نہ دی جائے مالک خود فقراء کو دے کیونکہ فاسق بادشاہ اور حاکم کا خلاف شرع حکم نافذ نہیں۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز قانون یا حاکم کے ناجائز حکم پر عمل کرنا شرعًا واجب نہیں بلکہ اگر قدرت ہو تو ایسے قوانین اور احکام کو توڑ دے۔وہ جو پہلے گزر چکا کہ عاملوں کو راضی کرو اگر چہ وہ ظلم ہی کریں اس کے تین چار مطلب پہلے بیان کئے جاچکے ہیں یعنی جو چیز تمہیں ظلم معلوم ہو اور واقع میں ظلم نہ ہو تو اس میں عامل سے نہ جھگڑو قانونی کارروائی کرو وغیرہ لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴؎ یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں،پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہے،دس اونٹوں میں دو بکریاں،پندرہ میں تین اور بیس میں چار۔خیال رہے کہ اونٹ کا یہ نصاب پانچ ہے اور زیادتی معافی ہے لہٰذا اگرکسی کے پاس نو اونٹ تھے اور زکوۃ دینے کے وقت چار ہلاک ہوگئے تب بھی پوری بکری ہی دے گا اس سے کچھ کم نہ کرے گا،یہی حق ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

۵؎ یعنی چوبیس تک اونٹوں کی زکوۃ بکریاں سے دی جائے گی کہ ہر پانچ میں ایک بکری اور اس کے بعد خود اونٹ سے ہی دی جائے گی اور زکوۃ میں اونٹ کی مادہ لی جائے گی نہ کہ غیر۔بنت مخاض وہ اونٹنی ہے جو ایک سال کی ہوکر دوسرے سال میں قدم رکھ دے،چونکہ اس وقت اس کی ماں دوسرے بچے سے حاملہ ہوجاتی ہے اس لیے اسے بنت مخاض کہتے ہیں یعنی حاملہ کی بچی۔مخاض حمل کو بھی کہتے ہیں اور دردزہ کو بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاَجَآءَہَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ"یعنی حضرت مریم کو ان کا حمل یا دردزہ درخت کھجور کے پاس لایا۔

۶؎ یعنی بکریوں کی حالت میں پانچ پر نصاب بڑھتا تھا اور اب دس پر بڑھے گا۔بنت لبون وہ دو سالہ اونٹنی ہے جو تیسرے سال میں قدم رکھ دے،چونکہ اس وقت اس کی ماں دوسرے بچے کو دودھ پلاتی ہوتی ہے اس لیے اسے بنت لبون کہتے ہیں یعنی دودھ پلانے والی کی بچی۔لبون لبن سے ہے،بمعنی دودھ۔

۷؎ یعنی چھیالیس سے ساٹھ اونٹوں کی زکوۃ تین سالہ اونٹنی ہے جو چوتھے سال میں داخل ہوجائے،چونکہ اس وقت اونٹنی بوجھ اٹھانے کے لائق بھی ہوجاتی ہے اور نر کی جفتی کی مستحق بھی اس لیے اسے حقہ کہتے ہیں یعنی مستحق جفتی،اسی سے حقیق ہے،بمعنی لائق،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**حَقِيۡقٌ عَلٰۤى اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ**"۔

۸؎ یعنی اس نصاب میں وہ اونٹنی واجب ہوگی جو پانچ کی ہوکر چھٹے سال میں قدم رکھ دے۔خیال رہے کہ **جذع** کے معنے ہیں اگنا اسی لیے درخت کی جڑ کو **جذع** کہتے ہیں کہ اس پر شاخیں اُگتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "**فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ**"۔چونکہ اس وقت اونٹنی کے سارے دانت اگ آتے ہیں اس لیے اسے **جذع** کہا جاتا ہے۔

۹؎ ان عبارات سے پتہ لگ رہا ہے کہ دو نصابوں کے بیچ کی کسروں میں کچھ واجب نہیں لہذا اگر ان میں سے کچھ گھٹ جائے تو زکوۃ گھٹے گی نہیں۔

۱۰؎ فتح القدیر میں ہے کہ زکوۃ کے نصاب نماز کی رکعتوں کی طرح توقیفی چیز ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں۔خیال رہے کہ اونٹ کی زکوۃ میں صرف مادہ یا اس کی قیمت لی جائے گی،گائے اور بکریوں کی زکوۃ میں مادہ اور نر دونوں لیے جاسکتے ہیں۔

۱۱؎ اس کے ظاہری معنی پر بہت سے علماء کا عمل ہے کہ وہ ایک سو بیس اونٹوں کے بعد چالیس تک زکوۃ میں کچھ زیادتی نہیں کرتے،چالیس پر ایک بنت لبون بڑھاتے ہیں مگر امام نخعی اور سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم ایک سوبیس اونٹوں کے بعد پھر پہلے کی طرح زکوۃ میں زیادتی کرتے چلے جاتے ہیں۔چنانچہ ان کے ہاں ایک سوپچیس اونٹوں میں دو حقے ایک بکری اور ایک سوتیس میں دو حقے دو بکریاں اسی طرح پہلی ترتیب کی مطابق زیادتی ہوگی،ان بزرگوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب اونٹ ایک سوبیس سے زیادہ ہوجائیں تو"**ترد الفرائض الی اولھا**"اور وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن حزم کو زکوۃ،دیّتوں وغیرہ کا فرمان نامہ لکھ کردیا جس میں اونٹ کی زکوۃ کے بارے میں تحر فرمایا:"**ان الابل اذا زادت علی عشرین ومائۃ استونفت الفریضۃ**"۔فتح القدیر نے اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی بہت تحریریں نقل فرمائیں جن میں سے بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ حضرت عمر فاروق کی تحریر اور بحوالہ نسائی **باب الدیات** اور بحوالہ مراسیل،ابوداؤد وعمرو ابن حزم کی تحریر نقل فرمائی۔شرح کنز میں بہت سی احادیث جمع کی ہیں جن سب میں یہی ہے کہ ایک سوبیس کے بعد نئے سرے سے زکوۃ واجب ہوگی۔یہ حدیث اگرچہ بخاری کی ہے مگر وہ احادیث بھی بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں اور امام بخاری کی پیدائش سے پہلے ہی اجتہاد مجتہدین کی بنا پر قوی ہوچکی تھیں،اگر کسی کی اسناد میں بعد کو ضعف پیدا ہوا ہو تو ان مجتہدین کو مضر نہیں۔ (ازمرقات)

۱۲؎ یعنی اگر مالک چاہے تو چار اونٹوں سے ہی صدقہ نفلی ادا کردے۔کتنا ادا کرے یہ اسے اختیار ہے۔

۱۳؎ کیونکہ چار سالہ اونٹنی کی قیمت کم ہوتی ہے پنج سالہ کی زیادہ،مالک نے چونکہ واجب سے کم زکوۃ دی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے یا ساتھ میں دو بکریاں دے یا بیس درہم یعنی پانچ روپے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں عموماً چار

سالہ اور پنجسالہ میں اتنا ہی فرق ہوتا تھا اور بکری کی قیمت ڈھائی روپے ہی تھی اس لیے یہ فرمایا گیا اب یہ حساب نہ ہوگا،اب تو ایک بکری چالیس پچاس روپے کی ہوتی ہے،اب آج کے حساب سے زیادتی کمی لی جائے گی۔

۱۴؎اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی یہ اس زمانہ کی قیمتوں کے حساب سے ہے۔

۱۵؎خلاصہ یہ ہے کہ اگر عامل نے زکوۃ سے زیادہ قیمتی جانور وصول کرلیا ہے تو بقدر زیادتی مالک کو واپس کرے اور اگر اس سے کم لیا ہے تو کمی پوری کرنے کے لیے کچھ اور بھی ساتھ لے مگر لین دین میں حساب برابر رکھا جائے گا کیونکہ انصاف کرنا ہے۔

۱۶؎یعنی اونٹ کی زکوۃ میں مادہ ہی واجب ہے لیکن اگر مادہ نہ ہو تو اس سے اونچی عمر کا نر لیا جائے گا تاکہ انوثیت کا بدلہ زیادتی عمر سے ہوجائے۔خیال رہے کہ مادہ نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مادہ موجود ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ موجود تو ہے مگر بیمار یا دبلی ہے یا موجود تو ہے مگر بہت فربہ موٹی،نہایت اعلیٰ درجہ کی ہےاور زکوۃ میں درمیانی لی جاتی ہے ان تینوں صورتوں میں زیادہ عمر کا نر لیا جائے گا۔(مرقات)

۱۷؎عربی میں بکری کو غنم کہتے ہیں کیونکہ اس کے پاس دشمن سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں اس لیے اسے ہر دشمن غنیمت کی طرح آسانی سے لے لیتا ہے۔بھیڑ اور دنبے بکریوں کے حکم میں ہیں۔

۱۸؎جنگل میں چرنے والی وہ بکری ہے جو سال کا اکثر حصہ جنگل کی قدرتی پیداوار کھاکر پلے اگر زیادہ حصہ گھر کے چارے پر گزارے تو اسے علوفہ کہیں گے اس میں زکوۃ نہیں ہاں اگر تجارت کی بکریاں ہیں تو ان میں تجارتی زکوۃ ہے گھر چریں یا جنگل میں۔خیال رہے کہ اگر بکریوں کے دودھ کی تجارت کرتا ہو نہ کہ عین بکری کی تو ان میں تجارت کی زکوۃ نہیں۔

۱۹؎خلاصہ یہ ہے کہ بکری کا نصاب چالیس ہے خواہ خالص بکریاں ہوں یا بکری بکرے مخلوط،خالص بکروں میں زکوۃ نہیں کیونکہ ان کی نسل نہیں چلتی پھر پہلی کسر ۸۰ ہے جس میں زکوۃ نہیں بڑھتی یعنی ایک سوبیس تک ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے،ایک سو بیس کے بعد پھر ۸۰ کسر ہے جس سے زکوۃ نہیں بڑھتی،دو سوتک دو بکریاں ہی واجب ہوتی ہیں،پھر سو کسر ہے جن سے زکوۃ نہیں بڑھتی تین سو تک تین ہی بکریاں رہتی ہیں تین سو کے بعد بھی سو ہی کسر ہے،چارسو پر ۴ بکریاں واجب ہوں گی،عام علماء کا یہی قول ہے البتہ امام نخعی اور حسن ابن صالح رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر تین سو پر ایک بکری بھی زیادہ ہوگی تو چار بکریاں واجب ہوں گی مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے،ظاہری حدیث اسی کی تائید کررہی ہے۔

۲۰؎یہاں رجل سے مراد ہر بالغ عاقل مسلمان ہے مرد ہو یا عورت یعنی چونکہ بکری کا نصاب چالیس ہے لہذا اگر انتالیس بکریاں بھی ہوں تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی،ہاں اگر مالک کچھ صدقہ نفلی دیدے تو اسے اختیار ہے۔

۲۱؎بوڑھی میں بیمار بھی داخل ہے اور کانی میں ہر اس عیب والی جس سے قیمت کم ہوجائے،یہ حکم جب ہے جب مالک کے پاس جوان یا بے عیب بھی ہوں لیکن اگر اس کے پاس ساری بوڑھی یا عیب دار ہی ہوں تو انہی میں سے درمیانی بوڑھی یا عیب دار لی جائے گی۔(مرقات)

۲۲؎ صحیح یہ ہے کہ یہاں مصدق سے مراد صدقہ لینے والا عامل ہے نہ کہ دینے والا اور یہ استثناء صرف بکرے کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی زکوۃ میں بکرا نہ لیا جائے گا،ہاں اگر عامل بکرے ہی کو فقراء کے لیے مفید سمجھے تو لے لےکیونکہ وہ فقراء کا وکیل ہے ان کی بھلائی کا لحاظ کرے کبھی بکرا خصوصًا خصی قیمت میں بکری سے زیادہ ہوتاہے۔اس جملہ کی اور بہت سی شرحیں کی گئی ہیں لیکن فقیر کی یہ شرح سیدھی صاف اور بے گردو غبار ہے۔

۲۳؎ یہ جملہ بہت جامع ہے جس کے بہت معنے ہوسکتے ہیں اگر اس میں عامل کی طرف روئے سخن ہے تو معنے یہ ہوں گے کہ نہ تو عامل زکوۃ لینے کے لیے چند شخصوں کا تھوڑا مال ملا کر نصاب بنالے مثلًا دو شخصوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہیں تو ان کو ملاکر چالیس بنالے اور زکوۃ لے لے یہ ناجائز ہے اور نہ زکوۃ بڑھانے کے لیے ایک شخص کے ایک مال کو متفرق کردے مثلًا کسی کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہیں جن میں ایک بکری واجب ہوتی ہے عامل انہیں چالیس کے تین نصاب بنالے اور تین بکریاں لے لے یہ ناجائز ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنے کئے اور اگر روئے سخن مالک کی طرف ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مالک تمام زکوۃ کم کرنے یا بچنے کے لیے متفرق مال جمع نہ کرے مثلًا دو شخصوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں جن میں الگ الگ ایک بکری واجب ہوتی ہے مگر یہ دونوں عامل کے سامنے اسے شرکت کا مال قرار دے کر ایک بکری دیں یہ جرم ہے یا دو آدمیوں کی شرکت میں چالیس بکریاں ہیں جن میں ایک بکری واجب ہوتی ہے مگر عامل کے سامنے یہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے شرکت توڑ دیں اور اگر شرکت توڑ دیں اور الگ الگ بیس بیس بکریاں دکھا کر زکوۃ سے بچ جائیں یہ توجیہ امام شافعی کی ہےاور ہوسکتا ہے کہ روئے سخن مالک اور عامل دونوں کی طرف ہو یعنی مالک تو صدقہ سے بچنے یا کم کرنے کے لیے مجتمع کو متفرق نہ کرےاور عامل صدقہ بڑھانے یاواجب کرنے کے لیے متفرق کو جمع نہ کرے،خوف صدقہ دونوں کو شامل ہے۔مالک کو صدقہ واجب ہونے یا بڑھ جانے کا خوف ہوتا ہےاور عامل کو صدقہ واجب نہ رہنے یا گھٹ جانے کااور بھی اس کی بہت شرحیں ہوسکتی ہیں۔یہ ہے اس افصح الفصحاء کی جامع البیانی کہ دو لفظوں میں بہت صورتیں بیان فرمادیں،صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۴؎ یعنی اگر ایک مال کے دو مشترک مالک ہوں اور ان پر بقدر حساب شرعی زکوۃ واجب ہو جائے تو زکوۃ مشترکہ دے دیں،بعد میں حساب کرلیں مثلًا دو شخصوں کی دو سو بکریاں مشترک ہیں اسطرح کہ چالیس ایک کی ہیں اور ایک سو ساٹھ ایک کی،جس کی دو بکریاں بطور زکوۃ دی گئیں تو چالیس والا بھی اپنے ذمہ ایک بکری لے گا اور ایک سو ساٹھ والا بھی ایک بکری،یہ نہ ہوگا کہ دو بکریاں کا 1/5 چالیس والا دے اور 4/5 ایک سو ساٹھ والا،برابری سے یہی مراد ہے۔(لمعات وغیرہ) یہاں مرقات نے بہت بڑی بحث کی مگر جتنا فقیر نے عرض کردیا وہ کافی ہے۔خیال رہے کہ نصاب میں شرکت کی چند صورتیں:ایک یہ کہ ایک آدمی کے دو بیٹوں کو میراث ملی جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی۔دوسرے یہ کہ دو شخصوں نے اپنے مال مخلوط کرکے ان سے مشترکہ کاروبار شروع کردیا وغیرہ۔

۲۵؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ چاندی سونے کی زکوۃ وزن پر ہوتی ہے نہ کہ قیمت پر اور اس کا ادنی نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے،چالیسواں حصہ زکوۃ ہے یعنی سو روپے پر ڈھائی روپے اور ہزار پر پچیس۔اس کی پوری بحث کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا اس زمین میں

	جسے آسمان یا چشمے سیراب کریں یا ہو فارغ۱اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے ۲ (بخاری)

۱عربی میں عثری وہ زمین کہلاتی ہے جو پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے خود بخود تر رہتی ہو اور اس کا مالک اسے پانی دینے سے فارغ ہو۔حدیث شریف میں ہے کہ عثری آدمی برا ہے یعنی جو دین و دنیا سے فارغ ہو کر کچھ کام نہ کرے وہ بُرا ہے۔(ازمرقات و اشعہ)نیز جس درخت کی جڑیں گہرائی میں پہنچ کر زمین کی قدرتی تری خود لے لیں اسے عثری کہتے ہیں۔

۲خلاصہ یہ ہے کہ جس کھیت میں پانی دینے پر مالک کا خرچ ہو اس کی زکوۃ بیسواں حصہ ہے ورنہ دسواں۔کھینچنے میں کنوئیں سے،نہر سے،دریا سے کھینچنا سب شامل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جانوروں کا زخم باطل ہے ۱ اور کنواں باطل ہے اور کان باطل ہے ۲اور کان میں پانچواں حصہ ہے ۳(مسلم،بخاری)

۱یعنی اگر کسی کا کوئی جانور گھوڑا،گائے،بھینس بدک کر مالک سے چھوٹ جائے اور کسی کو زخمی کردے تو مالک پر اس زخم کا قصاص یا تاوان نہ ہوگا کیونکہ یہاں مالک بے قصور ہے ہاں اگر مالک کی غفلت یا اس کے قصور سے جانور نے کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا تو مالک ذمہ دار ہے جیسے کوئی اپنا کٹ کھنا کتا دن میں کھلا چھوڑے اور وہ کسی کو زخمی کردے یا کسی کا جانور ماردے۔ان شاءاللہ اس کی پوری تحقیق کتاب القصاص میں آئے گی۔

۲یعنی اگر کوئی شخص کسی کے کنوئیں یا کان میں گر کر مرجائے تو کنویں اور کان والے پر ضمان نہیں کہ وہ بے قصور ہے،ہاں اگر کوئی شخص راستہ میں کنواں یا گڑھا کھود دے جس میں کوئی گر کر مرجائے اب یہ ذمہ دار ہے کیونکہ مجرم ہے۔

۳یعنی اگر کسی کی زمین میں سونے چاندی یا کسی دھات کی قدرتی کان نکل آئے وہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کو دے گا اور چار حصہ اپنے خرچ میں لائے گا۔خیال رہے کہ رکاز رکز سے بنا جس کے معنے ہیں چھپنا یا خفیہ ہونا اسی لیے پاؤں کی آہٹ کو رکز کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا"۔جانور کے لات مار دینے کو بھی رکز کہتے ہیں۔اصطلاح میں رکز کان کو بھی کہتے ہیں اور دفینہ یعنی گاڑھے ہوئے خزانہ کو بھی۔امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں رکاز سے کان مراد ہے اور امام شافعی کے ہاں دفینہ،امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا رکاز کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ سونا جسے رب تعالٰی نے زمین میں قدرتی پیدا فرمایا۔(بیہقی عن ابی ھریرہ)نیز یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز کا ذکر معدن کے ساتھ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی معدن ہی ہے۔مرقات نے فرمایا کہ کان سے بعض چیزیں گل جانے والی پیدا ہوتی ہیں جیسے سونا چاندی،لوہا اور باقی دھاتیں اور

بعض تپلی جیسے پانی،تیل اور تار کول اور بعض چیزیں خشک نہ گلنے والی جیسے چونا،ہڑتال،ہرقسم کے پتھر،یاقوت،نمک وغیرہ۔امام اعظم کے ہاں صرف دھاتوں میں خمس واجب ہے اور امام شافعی کے ہاں صرف سونے چاندی میں،وہ باقی دھاتوں کو شکار کے جانور کی مثل مانتے ہیں جس کو مل جائے اسی کی۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ کی تو معافی دے دی۱؎ مگر چاندی کی زکوۃ دو ہر چالیس میں ایک درہم ہے اور ایک سونوے میں کچھ نہیں جب دوسو کو پہنچیں تو ان میں پانچ درہم ہیں۲؎(ترمذی و ابوداؤد)اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت حارث ابن اعور سے ہے۳؎ وہ حضرت علی سے راوی زہیر کہتے ہیں مجھے خیال ہے حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۴؎ کہ آپ نے فرمایا کہ چالیسواں حصہ دو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے اور تم پر کچھ نہیں حتی کہ دو سودرہم پورے ہوجائیں تو جب دو سو درہم ہوجائیں تو ان میں پانچ درہم میں جو اس پر زیادہ ہو تو اسی حساب پر ہے۵؎ اور بکریاں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۶؎ ایک سو بیس تک کہ اگر ایک زیادہ ہوجائے تو دو بکریاں دو سو تک اگر زیادہ ہوں تو تین بکریاں تین سو تک پھر اگر تین سو پر زیادہ ہوں تو ہر سینکڑے میں ایک بکری،اگر بکریاں انتالیس ہوں تو ان کا تم پر کچھ نہیں ۷؎ اور گایوں میں ہر تیس میں ایک سالہ بچہ ہے ۸؎ اور چالیس میں دو سالہ بچہ اور کام کاج کے جانوروں میں کچھ نہیں ۹؎

۱؎ گھوڑے سے مراد سواری کا گھوڑا اور غلام سے خدمت کا غلام مراد ہے یہاں گھوڑا اور غلام مثالًا بیان فرمایا گیا ورنہ حاجت اصلیہ میں گھرے ہوئے کسی مال کی زکوۃ نہیں یعنی میں نے ان چیزوں کی زکوۃ معاف کردی یہاں مرقات میں

ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ کے مالک ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے معاف کردی یعنی اگر چاہتا تو ان سب کی زکوۃ واجب کردیتا۔

۲؎ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے جس سے کم میں زکوۃ واجب نہیں،پھر دوسو کے بعد انتالیس درہم تک معافی چالیس پر ایک درہم اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ چاندی سونے کی زکوۃ میں دو نصابوں کے درمیان نصاب کے پانچ حصہ سے کم معاف رہتا ہے اور پانچویں حصہ پر زکوۃ بڑھتی ہے۔چنانچہ ساڑھے سات تولہ سونے کے بعد ڈیڑھ تولہ سے کم میں معافی ہوگی اور ڈیڑھ تولہ پر زکوۃ بڑھے گی،چاندی میں ساڑھے باون تولہ کے بعد سوا دس تولہ تک معافی اور ساڑھے دس تولہ پر زکوۃ بڑھے گی۔

۳؎ ان کا نام حارث ابن عبداللہ ہمدانی ہے،کنیت ابو زہیر ہے،تابعی ہیں۔مشہور یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں،بعض محدثین نے آپ میں جرح کی ہے،آپ نے حضرت علی سے کل چار حدیثیں روایت کی ہیں۔(مرقات وغیرہ)

۴؎ یعنی زہیر جو راوئ حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں بلکہ گمان ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں،حضرت علی کا خود اپنا قول نہیں ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

۵؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی۔خیال رہے کہ چاندی کی زکوۃ میں سکہ رائج الوقت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن ملحوظ ہے مگر تجارتی سامان کی زکوۃ میں سکہ رائج الوقت معتبر ہے کیونکہ چاندی میں خود اس پر زکوۃ ہے مگر تجارتی مال میں اس کی قیمت پر ہے لہذا دو سو درہم کا لفظ بہت وسیع ہے،چوری کی سزا میں بھی مسروقہ مال کی قیمت کا اعتبار ہے۔(مرقاۃ)اس حدیث کی بنا پر صاحبین فرماتے ہیں کہ دوسو درہم کے بعد ہر درہم پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ **مَازَادَ** عام ہے مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ چالیس درہم سے کم میں زکوۃ نہیں،یہاں **مَازَادَ** سے مراد چالیس درہم ہیں جیسا کہ اوپر کے جملہ سے معلوم ہوا اور دوسری احادیث نے اس کی تصریح فرمادی،نیز ابوداؤد کی اس دوسری حدیث کی اسناد میں حارث وعاصم ہیں ان دونوں پر محدثین نے سخت جرح کی ہے لہذا یہ حدیث قابل سند نہیں۔غرضکہ **فمازادفعلی حساب ذالك** کی عبارت مجروح ہے لہذا حق یہ ہی ہے کہ دوسو درہم کے بعد چالیس درہم سے کم پر زکوۃ نہ ہوگی۔

۶؎ یہ جملہ بھی تمام احادیث صحیحہ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتاہے کہ ہر چالیس بکریوں سے ایک بکری زکوۃ دی جائے تو ایک سوبیس میں تین بکریاں واجب ہوں،حالانکہ چالیس کے بعد ایک سو بیس تک زکوۃ نہیں بڑھتی۔مرقات نے فرمایا کہ لفظ **کُلُّ** زائد ہے،بعض نے فرمایا کہ یہ **کُلُّ** افرادی نہیں بلکہ بیان صنف کے لیے ہے یعنی بکری،بھیڑ دنبہ وغیرہ ان تمام میں چالیس پر زکوۃ ہے لہذا یہ آئندہ حدیث کے بھی خلاف نہیں اور دیگر احادیث کے بھی مخالف نہیں۔

۷؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے۔خیال رہے کہ بکریوں کی زکوۃ میں بکری کا چھوٹا بچہ نہ دیا جائے گا بلکہ جوان بکری یا بکرا جسے بکری کہہ سکیں مگر اس میں اونٹ و گائے کی طرح عمر مقرر نہیں کہ اتنے سال یا اتنے ماہ کی بکری۔

۸؎ یعنی تیس گائیوں میں یکسالہ بچھڑی یا بچھڑا واجب ہے۔یکسالہ بچھڑے کو تبیعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت بچہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے،اونٹ کی زکوۃ میں صرف مادہ ہی وصول کی جاتی ہے مگر گائے کی زکوۃ میں فرمایا وہ دونوں لیے جاسکتے ہیں کیونکہ بعض لحاظ سے مادہ اچھی ہے کہ نسل دیتی ہے اور بعض وجوہ سے نر اچھا کہ کھیتی باڑی میں کام آتا ہے۔

۹؎اسی طرح اگر اونٹ کام کاج کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں پھر علوفہ یعنی گھر چارہ کھانے والی میں زکوۃ نہیں۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن میں بھیجا۱؎ تو حکم دیا کہ گائے میں ہر تیس سے ایک سالہ نر یا مادہ وصول کریں اور ہر چالیس سے دو سالہ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،دارمی)

۱؎وہاں کا حاکم بناکر،چونکہ اس زمانہ میں اسلامی حکام لوگوں کے ظاہری مال یعنی جانوروں اور زمینوں کی زکوۃ بھی وصول کرتے تھے جو بعد میں اپنے مصرف پر بہت احتیاط سے خرچ کردی جاتی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ تلقین فرمائی۔

۲؎ **بقر** کے معنی ہیں چیرنا پھاڑنا،چونکہ بیل زمین میں ہل چلاتے ہیں جن سے زمین چر جاتی ہے اس لیے اسے **بقر** کہتے ہیں،**بقرہ** میں تاتانیث کی نہیں،وحدۃ نوعی یا صنفی کی ہے لہذا یہ لفظ بیل پر بولا جاتا ہے،چونکہ عرب میں بھینس نہیں ہوتی اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا ورنہ بھینس کی زکوۃ بھی گائے کی طرح ہے۔خلاصہ یہ کہ گائے بھینس کا نصاب تیس ہے تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہے،پھر چالیس تک زکوۃ نہ بڑھے گی اور چالیس میں دوسالہ بچھڑا یا بچھڑی واجب،ساٹھ میں دو تبیعے اور ستر میں ایک تبیعہ اور ایک مسنہ۔غرضکہ ہر تیس پر تبیعہ واجب ہوتا رہے گا(یکسالہ)اور ہر چالیس پر مسنہ(دو سالہ)چالیس کے بعد ساٹھ سے کم میں بہت اختلاف ہے،صاحبین کے ہاں اس زیادتی سے زکوۃ نہ بڑھے گی،امام اعظم سے اس میں تین روایتیں ہیں۔اس کی تحقیق ہدایہ کی شرح میں دیکھو،یہ حدیث اگرچہ منقطع ہے کیونکہ اس میں مسروق نے حضرت معاذ سے روایت کی مگر انہوں نے معاذ سے ملاقات نہیں کی لیکن چونکہ بہت احادیث سے اسے تقویت پہنچ چکی ہے اس لیے قابل عمل ہے اسی لیے ترمذی نے اسے احسن فرمایا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زکوۃ میں حد سے تجاوز کرنے والا زکوۃ نہ دینے والے کی طرح ہے۱؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎اس حدیث کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو عامل زکوۃ وصول کرنے میں زیادتی کرے کہ یا زیادہ لے یا بہترین مال لے وہ ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوۃ نہ دینے والا یا جو مالک زکوۃ دینے میں زیادتی کرے کہ یا تو کم دینے کی کوشش کرے یا ناقص یا ٹال مٹول کرے وہ ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوۃ نہ دینے والا۔علماء فرماتے ہیں کہ زکوۃ خوشدلی سے دو،اسے عبادت سمجھو ٹیکس نہ سمجھو،مستحق کو دو،جان بوجھ کر غیر مستحق کو نہ دو،دے کر احسان نہ جتاؤ،اگر اپنے عزیزفقیر کو دی ہے تو اسے طعنہ نہ دو بلکہ اس کاذکر کبھی بھی نہ کرو کہ ان سے صدقہ باطل ہوجاتاہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى"۔اور یہ سب حد سے بڑھنے میں داخل ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانوں اور کھجوروں میں زکوۃ نہیں

حتی کہ پانچ وسق کو پہنچیں۱(نسائی)	

۱؎اس حدیث کی مکمل شرح بھی کچھ پہلے ہوچکی کہ امام اعظم کے ہاں یہاں زکوۃ سے زکوۃ تجارت مراد ہے،چونکہ اس زمانہ میں ایک وسق یعنی ساٹھ صاع چالیس درہم کا ہوتا تھا اور پانچ وسق دوسو درہم کے اس لیے پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہ تھی،زکوۃ پیداوار مراد نہیں کہ یہ تو ہر تھوڑے زیادہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت موسیٰ ابن طلحہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت معاذ ابن جبل کی کتاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے فرمایا کہ انہیں حضور نے یہ حکم دیا کہ وہ گیہوں،جو کشمش،کھجور سے زکوۃ لیں۲؎(شرح سنہ)	

۱؎آپ کا نام موسیٰ ابن طلحہ ابن عبداللہ ہے،تمیمی ہیں،قرشی ہیں،تابعی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا تو ہوئے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے،آپ کا نام موسیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھا،آپ کے والد طلحہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎یہ حدیث ظاہری معنے سے امام اعظم کی دلیل ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں ان چیزوں کا وزن مقرر نہ کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں مطلقًا زکوۃ واجب ہے کم ہو یا زیادہ۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ فرمارہے ہیں ہمارے پاس معاذ ابن جبل کی ہی مضمون کی کتاب بھی ہے اور ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر بھی پہنچی ہے۔اس صورت میں یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ تابعی نے بغیر ذکر صحابی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کردی،اسی معنے کی بنا پر مصنف نے اسے مرسل فرمایا اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ کی وہ کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو حضرت معاذ نے لکھ لیا تھا،اس صورت میں یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ متصل ہے۔

روایت ہے حضرت عتاب ابن اسید سے۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوۃ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا یوں ہی اندازہ لگایا جائے جیسے کھجور کا لگایا جاسکتا ہے پھر اس کی کشمش سے یوں ہی زکوۃ دی جائے جیسے کھجور سے چھوہاروں کی دی جاتی ہے۲؎(ترمذی و ابوداؤد)	

۱؎آپ قرشی ہیں،اموی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا حاکم بنایا،صدیق اکبر نے اپنی خلافت میں آپ کو اس عہدہ پر بحال رکھا،صدیق اکبر کی وفات کے دن آپ کی مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی،وہیں دفن ہوئے،کل پچیس سال عمر پائی،بڑے صالح متقی تھے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہر ہے کہ انگور کے باغ کا مالک سارے انگور توڑ کر وزن کرکے زکوۃ نہ نکالے بلکہ پہلے تو یہ اندازہ لگائے کہ کل پھل کتنا ہوگا،پھر یہ کہ کشمش ہوکر کتنا رہے گا اس کا دسواں یا بیسواں حصہ زکوۃ نکالے،چونکہ خیبر پہلے ۷ ہجری میں فتح ہوچکا تھا جہاں کھجور کے باغات ہیں وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کو اندازہ لگانے کے لیے بھیجا تھا اور طائف بعد میں فتح ہوا جہاں انگور کے باغات بکثرت تھے اس لیے حضور انور نے انگور کی زکوۃ کو کھجور کی زکوۃ سے تشبیہ دی۔(از مرقات)

	روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جب تم اندازہ لگاؤ تو تہائی چھوڑ دو اگر تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی تو ضرور چھوڑ دو ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہ حکام کو حکم ہے یعنی اے حاکمو!جب تم باغوں یا کھیتوں میں زکوۃ لینے جاؤ تو خود بھی اور دوسرے واقف کاروں کی مدد سے بھی اندازہ لگاؤ کہ اس میں کل پھل یا دانہ کتنا ہے،اس کی زکوۃ کا حساب لگاؤ اور تہائی یا چوتھائی زکوۃ چھوڑ دو تاکہ وہ مالک خود اپنے ہاتھ سے اپنے غریب قرابت داروں وغیرہ کو دے اور دو تہائی یا تین چوتھائی خود لے آؤ۔خیال رہے کہ امام شافعی و ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم خراج میں ہے زکوۃ پوری عامل وصول کرے گا،ان کے ہاں یہ حکم خیبر کے حکام کو تھا جو خیبر کے یہودیوں سے پیداوار کا نصف وصول کرنے جاتے تھے کیونکہ ان لوگوں سے اس پر صلح ہوئی تھی کہ پیداوار کا آدھا تمہارا ہوگا اور آدھا مسلمانوں کا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے کرم حکم دیا کہ اپنے اندازے سے کچھ کم کرکے اس کا آدھا لوتاکہ ہماری طرف ان کا حق نہ آجائے ہمارا ان کی طرف رہ جائے تو حرج نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو ۱؎ یہود(خیبر)کی طرف بھیجتے تھے تو وہ کھجوروں کا اندازہ لگاتے تھے پکنے کے وقت کھائے جانے سے پہلے ۲؎ (ابوداؤد) ۳؎

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ مشہور صحابی ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہیں،غزوہ موتی میں شہید ہوئے،آپ کے ذمہ وہ خدمت تھی جو آگے آرہی ہے۔

۲؎ گزشتہ حدیث میں عرض کیا گیا کہ یہود خیبر سے اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ کھجوروں کے باغات مسلمانوں کے ہوں گے اور محنت ان یہود کی،پیداوار آدھی آدھی،حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھل پکنے کے وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو اندازہ لگانے کے لیے خیبر بھیجتے تھے کیونکہ وہ اندازہ لگانے میں ماہر تھے۔چنانچہ آپ ان یہود سے فرمادیا کرتے تھے کہ اس باغ میں اتنے پھل ہیں تم یا اس کے آدھے پھل ہم سے لے لو اور باغ ہمیں چھوڑ دو یا آدھے پھل

ہمیں دے دو اور باغ تمہارا اس فیصلہ پر یہود بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ وہ عدل ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں،مسلمانوں کے عدل و انصاف کے کفار بھی قائل تھے۔

۳؎ یہ حدیث ابوداؤد میں دو جگہ آئی ہے کتاب الزکوۃ میں اور کتاب البیوع میں،پہلی کی اسناد میں ایک مجہول شخص ہے،دوسری کی اسناد میں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے،تمام راوی ثقہ ہیں لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے بارے میں کہ ہر دس مشک میں ایک مشک ہے ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ اس کی اسناد میں کلام ہے اور اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ منقول نہیں ۲؎	

۱؎ شہد کی زکوۃ کا مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے،تین اماموں کے ہاں اس میں زکوۃ نہیں،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں زکوۃ ہے،پھر اس کے نصاب کے بارے میں خود امام صاحب سے کئی روایتیں ہیں:ایک یہ کہ اگر شہد عشری زمین سے حاصل ہوا تو اس میں مطلقًا زکوۃ ہے تھوڑا ہو یا زیادہ کیونکہ سرکار فرماتے ہیں"مَاۤ اَخۡرَجَتۡهُ الۡاَرۡضُ فَفِیۡهُ الۡعُشۡرُ"اور ایک روایت میں یہ ہے کہ شہد کی قیمت پر زکوۃ ہے،ایک روایت یہ ہے کہ اگر دس مشکیزے ہوں تو ایک مشکیزہ اس کی زکوۃ،یہ حدیث اس تیسرے قول کی دلیل ہے امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا۔

۲؎ یعنی محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔خیال رہے کہ محدثین کی یہ جرح امام اعظم کو مضر نہیں کیونکہ یہ حدیث امام صاحب کو صحیح ملی تھی اس لیے کہ آپ کا زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہے،ان محدثین کو ضعیف ہوکر ملی،بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہ ہوگا،نیز یہ حدیث بہت روایتوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد سے عشر وصول فرمایا ہے،بعض احادیث میں یوں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شہد کا عشر لیا جاتا تھا،ہدایہ نے حدیث یوں نقل کی کہ بنی شبابہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو شہد کا عشر دیتے تھے،تعدد اسناد کی وجہ سے متن حدیث قوی ہوگیا۔

روایت ہے حضرت زینب زوجہ عبداللہ(ابن مسعود) سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا فرمایا کہ اے بیبیو خیرات دو اگرچہ اپنے زیور ہی سے ہو کیونکہ قیامت میں تم زیادہ دوزخی ہوگی ۱؎(ترمذی)۲؎	

۱؎ یعنی پہننے کے سونے چاندی کے زیور میں بھی زکوۃ واجب ہے،یہاں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جیساکہ اگلی حدیث میں صاف آرہا ہے۔خیال رہے کہ پہننے کے ان زیوروں پر امام اعظم کے ہاں زکوۃ واجب ہے،امام شافعی کے قول جدید میں اور امام احمد کے ہاں اس میں زکوۃ نہیں،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے اس کا کچھ ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہے اور اس کے راوی سارے قوی،نیز اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے"وَالَّذِیۡنَ یَكْنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّةَ"الایہ۔رب تعالٰی نے سونے چاندی میں تجارت کی قید نہ لگائی۔معلوم ہوا کہ پہننے کا زیور بھی اسی حکم میں داخل ہے لہذا سونے چاندی کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہے جب کہ ان کا وزن نصاب کو پہنچ جائے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن(کڑے)تھے ان سے حضور انور نے فرمایا کہ تم ان کی زکوۃ دیتی ہو ۱؎ وہ بولیں نہیں تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے ۲؎ وہ بولیں نہیں فرمایا تو ان کی زکوۃ دیا کرو(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث مثنی ابن صباح نے روایت کی عمرو ابن شعیب سے اس کی مثل اور مثنی ابن صباح اور ابن لہیعہ حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ۳؎

۱؎ یہ سونے چاندی کے کنگن پہننے کے لیے تھے،تجارتی نہ تھے،وزنی تھے کہ ساڑھے سات تولہ ان کا وزن تھااس لیے ان بیبیوں سے پوچھا گیا،یہ سوال فرمانا آئندہ حکم کی تمہید ہے جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے،کیوں پوچھا؟آئندہ کلام کی تمہید کے لیے لہذا اس سوال سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت نہیں ہوسکتی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کے ہر ایک عمل سے خبردار ہیں،دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے کس امتی کے اعمال آسمان کے تاروں کے برابر ہیں تو فرمایا عمر فاروق کے،رضی اللہ تعالٰی عنہ۔معلوم ہوا کہ ہر امتی کے اعمال بلکہ ان کے ٹوٹل کی بھی خبر ہے۔

۲؎ اس وعید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں زکوۃ سے مراد شرعی فرضی زکوۃ ہے نہ کہ نفلی صدقہ کیونکہ نفل ادا نہ کرنے پر سزا یا وعید نہیں ہوتی۔

۳؎ شاید امام ترمذی کو یہ حدیث صحیح ہو کر نہ ملی تو وہ اپنے علم کی بنا پر یہ فرما گئے ورنہ اصل حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ بلکہ خود ترمذی نے بھی حضرت علی سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندی کی زکوۃ ہر چالیس درہم سے ایک درہم ادا کرو،نیزابوداؤدونسائی نے روایت کی کہ ایک عورت اپنی لڑکی کو لے کر حاضر بارگاہ نبوی ہوئی جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے تو فرمایا کہ کیا ان کی زکوۃ دیتی ہو

عرض کیا نہیں فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ کل تم کو دوزخ میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں تو اس نے فورًا کنگن اتار کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینک دیئے اور بولی یہ اللہ رسول کے لیے صدقہ ہیں یہ حدیث بالکل صحیح الاسناد ہے،نیز ابوداؤد نے عبداللہ ابن شداد ابن الہاد سے روایت کی کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں ہاتھوں میں کنگن پہنے بیٹھی تھی تو فرمایا اے عائشہ کیا ان کی زکوۃ دیتی ہو میں بولی نہیں تو فرمایا دوزخ میں جانے کے لیے یہ کافی ہیں،اسے حاکم نے بھی نقل فرمایا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔غرضکہ زیور پر زکوۃ واجب ہونے کی صحیح احادیث بہت ہیں اور قرآنی آیات سے ان کی تائید ہے،اگلی حدیث بھی آرہی ہے۔(فتح القدیر،مرقات)خیال رہے کہ ابن لہیعہ کو امام ترمذی نے ضعیف کہا مگر امام طحاوی نے ان کی توثیق کی ہے،امام اعظم کا مذہب نہایت قوی ہے اور استعمالی زیوروں پر زکوۃ فرض ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں سونے کے کنگن پہنا کرتی تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی خزانہ کرنا ہے ۱؎ فرمایا جو وجوب زکوۃ کی حد کو پہنچے تو تم اس کی زکوۃ دیتی رہو تو خزانہ نہیں ۲؎(مالک وابوداؤد)	

۱؎ خزانہ سے مراد وہ خزانہ ہے جس کی برائی قرآن کریم میں ہے"وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَالۡفِضَّۃَ"الایہ۔سوال یہ فرما رہی ہیں کہ اس سونے کی تجارت تو کرنا نہیں ہے صرف پہننے کے لیے ہے تو کیا یہ بھی اس آیت کریمہ کی زد میں آیا ہے،وہ سمجھی یہ تھیں کہ جیسے پہننے کے کپڑوں میں زکوۃ نہیں تو ہوسکتا ہے کہ پہننے کے زیور میں بھی نہ ہو،انہیں یہ خیال نہ رہا کہ کپڑا ضروریات زندگی کی چیز ہے زیور ایسا نہیں۔

۲؎ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ استعمالی زیور پر زکوۃ ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔میرک نے فرمایا کہ اس کے راوی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں،اسے حاکم اور ابن قطان نے بھی نقل فرمایا ابن قطان نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(مرقاۃ)مطلب یہ ہے کہ اگر زیور کی زکوۃ نہ دی جائے تو یہ بھی کنز میں داخل ہے جس پر قرآن کریم میں سخت وعید آئی اگر زکوۃ دی جائے تو کنز نہیں۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ اس مال کی زکوۃ دیں جو تجارت کے لیے رکھتے ہیں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی سونے چاندی میں تو بہرحال زکوۃ ہے تجارت کے لیے ہو یا پہننے کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے مگران دونوں کے علاوہ دوسرے مالوں میں زکوۃ جب ہوگی کہ تجارت کے لیے ہوں اس قاعدہ کلیہ میں تمام مال داخل ہیں حتی کہ کپڑے،زمین،غلہ،جانور بھی۔خیال رہے کہ جانوروں میں سائمہ کی زکوۃ اور ہے تجارتی کی زکوۃ کچھ اور،سائمہ کی زکوۃ تو وہ

ہے جو پہلے ذکر ہوئی کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری،دس میں دوالخ،مگر تجارتی اونٹ میں قیمت اگر دو سو درہم تک پہنچے تو چالیسواں حصہ،اسی طرح پیداوار کی زکوۃ اور ہے مگر دانہ،پھلوں کی زکوۃ کچھ اور۔پیداوار کی زکوۃ بیان ہوچکی کہ تھوڑی یا بہت زکوۃ واجب ہے دسواں یا بیسواں حصہ مگر ان کی تجارتی زکوۃ چالیسواں حصہ ہوئی جب کہ دوسو درہم کو پہنچیں لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں کہ یہاں تجارتی زکوۃ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن سے وہ چند راویوں سے راوی[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال ابن حارث مزنی کو[2] قبیلہ کی کانیں جاگیر دیں[3] قبیلہ مقام فرع کے اطراف میں واقع ہے تو ان کانوں سے آج تک زکوۃ کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا ہے[4] (ابوداؤد)

[1] یعنی حضرت ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن نے جو بڑے مشہور تابعی ہیں جن کا لقب ربیعہ رائے ہے بہت سے صحابہ سے یہ حدیث نقل فرمائی۔

[2] بلال ابن حارث صحابی ہیں،مزنیہ کے وفد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اسلام لائے،اسی ۸۰ سال عمر پائی،۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

[3] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بلال کو مقام فرع کے پاس جو مکہ و مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے مدینہ منورہ سے پانچ منزل پر ہے وہاں نمک کی کانیں تھیں عطافرمائیں بطریق معافی جاگیر کہ وہاں سے سونا چاندی نکالیں اور اپنا گزارہ کریں،قبیل بھی ایک جگہ کا نام ہے۔معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام کسی کو کوئی زمین بطور جاگیر دے سکتا ہے۔

[4] یعنی کان سے نکلنے والی دھات میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے(خمس) مگر ان کانوں کے سونے چاندی میں خمس واجب نہیں ہوا بلکہ زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں جاگیر کی کان سے جو برآمد ہو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خمس ہی واجب ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے،حضرت امام اعظم کی دلیل وہ گزشتہ حدیث کہ "**وفی الرکاز الخمس**"یہ حدیث منقطع ہے لہذا اس سے دلیل نہیں پکڑ ی جاسکتی۔(مرقات)یا یہ حضرت بلال کی خصوصیات میں سے ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت علی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو سبزیوں میں زکوۃ[1] ہےاور نہ عرایا(عاریۃً) میں[2] اور نہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ[3]

	ہے نہ کام کاج کے جانور میں زکوۃ ہے۴؎ اور نہ پیشانیوں میں،امام صقر نے فرمایا کہ پیشانی سے مراد گھوڑے اور خچر اور غلام ہیں۵؎(دارقطنی)

۱؎ امام اعظم کے نزدیک سبزیوں میں عشر یا بیسواں حصہ ہے،صاحبین کے ہاں نہیں،یہ حدیث صاحبین کی دلیل ہے،امام اعظم قدس سرہ کے ہاں اس سے زکوۃ تجارت مراد ہے،اس کی بحث پہلے ہوچکی۔سبزیوں سے مراد تمام نہ ٹھہرنے والی چیزیں ہیں جیسے ترکاریاں،پھول،بینگن،کدو وغیرہ۔

۲؎ عرایا یا عریہ کی جمع ہے۔عریہ وہ درخت ہے جوکسی کو ایک دو فصلوں کے لیے عاریۃً دے دیا جاوے کہ وہ اس کے پھل کھایاکرے،اصل درخت مالک کا ہو،کبھی کسی سے خشک کھجوریں لےکر اس کے عوض درخت کی کھجوریں دے دیتے ہیں اسے بھی عریہ کہا جاتاہے۔اس کی پوری بحث کتاب البیوع میں ہوگی ان شاءاللہ۔

۳؎ اس کی بحث پہلے ہو چکی کہ امام اعظم کے نزدیک یہاں زکوۃ سے تجارتی زکوۃ مراد ہے،چونکہ اس زمانہ میں ایک وسق چالیس درہم کا ہوتا تھا تو پانچ وسق دوسو درہم کے ہوئے اس لیے یہ ارشاد ہوا ورنہ پیداوار کی زکوۃ ہر تھوڑی بہت پر ہوگی۔دلائل اسی باب میں ابھی کچھ پہلے عرض کیئے گئے۔

۴؎ یعنی کام کاج کے اونٹ گایوں وغیرہ میں زکوۃ نہیں کیونکہ یہ تجارتی مال نہیں اسی طرح علوفہ یعنی گھر کا چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوۃ واجب نہیں،یہ مسئلہ بھی پہلے گزر چکا۔

۵؎ کہ جب یہ تجارت کے لیے نہ ہوں خدمت کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں،ہاں اس غلام کا فطرہ آقا پر واجب ہوگا۔

	روایت ہے حضرت طاؤس سے کہ حضرت معاذ ابن جبل کے پاس نصاب سے کم گائیں لائیں گئیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہیں دیا۱؎ (دارقطنی،شافعی)اور امام شافعی نے فرمایا کہ وقص وہ عدد ہے کہ نصاب کو نہ پہنچے ۲؎

۱؎ کیونکہ وجوب زکوۃ کے لیے مال کا بقدر نصاب ہونا شرط ہے اونٹ کا نصاب پانچ ہے،گائے کا تیس،بکریوں کا چالیس،اس کا پہلے ذکر ہوچکا۔

۲؎ اول ہی سے نصاب کو نہ پہنچے وہ بھی وقص ہے اور دو نصابوں کے درمیان کی کسر بھی وقص ہے،یہاں پہلی صورت مراد ہے کیونکہ انہوں نے اس کی بالکل زکوۃ نہ لی۔(مرقات و اشعہ وغیرہ)

باب صدقة الفطر

صدقہ فطر کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱فطرہ یا **افطار** سے ہے یا **فطرة** سے،چونکہ یہ ماہ رمضان گزر جانے اوگر عید کے دن افطارکرنے پر واجب ہوتا ہے اس لیے فطرہ کہاجاتاہے یا بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی طرف سے باپ پر ادا کرنا واجب ہوجاتاہے لہذا فطرہ ہے۔اصطلاح شریعت میں عید کے دن جو مالدار پر رمضان کا صدقہ واجب ہوتا ہے وہ فطرہ ہے۔احناف کے ہاں فطرہ واجب ہے،امام شافعی و احمد کے ہاں فرض،امام مالک کے ہاں سنت مؤکدہ،امام شافعی کے ہاں ہر اس امیروغریب پر جو ایک دن کی روٹی پر قادر ہو فطرہ فرض ہے،امام مالک کے ہاں نصاب پر فطرہ سنت مؤکدہ ہے نصاب نامی یعنی بڑھنے والا ہو یا نہ ہو۔نصاب میں احناف کا مذہب بھی یہ ہے۔فطرہ کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع ۱جو ہر غلام،آزاد،مرد،عورت چھوٹے اور بڑے مسلمان پر ۲مقرر فرمایا ۳اور حکم دیا کہ لوگوں کے عید گاہ جانے سے پہلے ادا کردیا جائے ۴(مسلم،بخاری)

۱صاع عرب شریف کا مشہور پیمانہ ہے(ٹوپا)جس سے دانے ماپ کر فروخت ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں ہر علاقہ کا سیر مختلف ہے،ایسے ہی عراق،حجاز اور یمن کے صاع بھی مختلف ہیں،فطرہ میں حجازی صاع جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروج تھا معتبر ہے۔تحقیق یہ ہے کہ وہ صاع تین سوا اکیاون۳۵۱ روپیہ بھر ہے یعنی ہمارے پاکستانی اسی۸۰ روپیہ کے سیر کے چار سیر،ڈیڑھ پاؤ ایک تولہ لہذا اگر فطرہ میں جَو دے تو ایک شخص کی طرف سے اتنے دے اور اگرگیہوں دے تو آدھا صاع یعنی دو سیر تین چھٹانک چھ ماشہ۔اس کی تحقیق فتاویٰ رضویہ شریف میں ملاحظہ کریں۔

۲خیال رہے کہ صدقہ فطر ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے کہ ایک بدنی عبادت روزے کی تکمیل کے لیے ہے اسی لیے غلام پر بھی واجب ہوا جیسے نماز روزہ اور دوسرے لحاظ سے مالی عبادت ہے کہ وہ مال سے ادا ہوتا ہے اس لیے غلام کا فطرہ اس کے مولیٰ پر واجب ہوا نہ کو خود غلام پر،تیسری حیثیت سے یہ مالی ٹیکس کی حیثیت رکھتا ہے جیسے پیداوار کا خراج اس لیے نابالغ بچے پر بھی واجب ہوا مگر بچے کا فطرہ باپ دے گا،ہاں اگر بچہ خود غنی ہو تو اس کے اپنے مال سے دیا جائے گا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب بچے پر روزہ،نماز،زکوۃ فرض نہیں تو فطرہ کیوں واجب ہوا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

وجوب فطرہ کا سبب بدنی علم ہے نہ کہ مال،مسلم مال تو وجوب فطرہ کی شرط ہے کیونکہ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کی طرف نسبت دی۔

۳؎ اس حدیث سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے دو مسئلے ثابت فرمائے ہیں:ایک یہ کہ فطرہ فرض ہے کیونکہ یہاں لفظ **فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ** ہے۔دوسرے یہ کہ ہر امیروغریب پر فرض ہے جس کے پاس ایک دن کے کھانے سے بچا ہوا ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں غنی کی قید نہ لگائی۔امام اعظم ابوحنیفہ پہلے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں فرض لغوی معنے میں ہے یعنی مقرر فرمائی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ**"۔اور اگر شرعی فرض ہی مراد ہو یعنی لازم کردینا تب بھی حدیث ظنی ہے اور فرضیت کے لیے دلیل قطعی چاہیئے،لہذا اس فرض سے وجوب ثابت ہوگا نہ کہ فرضیت اور دوسرے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس اطلاق سے تو یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں ایک دن کی روٹی ہے زائد ملکیت کا بھی ذکر نہیں چاہیے کہ ہر آزاد و غلام پر فطرہ واجب ہو حتی کہ فقیر بے نوا بے دست و پا بھیک مانگ کر فطرہ دے،پھر لطف یہ ہے کہ جب ہر فقیر پر فطرہ دینا فرض ہوا تو فطرہ لے گا کون،امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے تعلیقًا بخاری شریف میں نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**لاصدقۃ الا عن ظھر غنی**"صدقہ تونگری سے واجب ہوتا ہے اب تونگری کی کوئی حد ہونا چاہیے وہ نصاب کی ملکیت ہے۔

۴؎ یہ حکم استحبابی ہے۔بہتر یہ ہے کہ فطرہ عید کے دن نکالے اور عید گاہ جانے سے پہلے دے،اگر نماز عید کے بعد دیا تب بھی جائز ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے دے دیا جب بھی درست ہے۔چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر کی ایک دراز روایت نقل کی جس کے آخر میں"**وکانوا یعطون قبل الفطر بیوم او یومین**"یعنی صحابہ عید سے ایک دو دن پہلے فطرہ دے دیتے تھے مگر عید کے دن نماز سے پہلے دینا بہتر ہے تاکہ فقراء بھی عید منالیں۔(ازمرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم صدقہ فطر ایک صاع غلہ ۱؎ یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش نکالتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حق یہ ہے کہ یہاں **طعام** سے مراد گندم کے علاوہ دوسرا غلہ ہے جوار،باجرہ،مکئی وغیرہ کیونکہ گندم کا آدھا صاع فطرہ ہوتا ہے نہ کہ پورا صاع اور اگر گندم مراد ہو تو آدھا صاع فطرہ ہوگا اور آدھا صدقہ نفلی لہذا یہ حدیث نصف صاع گندم کی احادیث کے خلاف نہیں۔شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ اس زمانہ میں حجاز میں جوار کا زیادہ استعمال تھا۔

۲؎ یہ **اَوْ** اختیار دینے کے لیے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینے والے کو اختیار ہے کہ فطرہ ان میں سے کسی چیز سے دے لیکن اگر پیسے یا کپڑا یا صابن وغیرہ فطرہ میں دے تو سوا دو سیر گندم کی قیمت کا اعتبار کرے،اس قیمت کی یہ چیزیں دے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ نے رمضان کے آخر میں فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو یہ صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا ہے ایک صاع کھجور یا جو یا آدھا صاع گندم ۱؎ہر آزاد یا غلام مرد یا عورت چھوٹے یا بڑے پر ہے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ عید کے دن سے پہلے میں فطرہ دے سکتے ہیں،دیکھو حضرت ابن عباس نے آخر رمضان میں ہی فطرہ نکالنے کا حکم دیا۔دوسرے یہ کہ گندم کا آدھا صاع فطرہ میں دیا جائے نہ کہ پورالہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ مملوک غلام کا فطرہ مولٰی دے گا غلام مسلمان ہو یا کافر،اسی طرح چھوٹے بچے کا فطرہ باپ پر ہے اگر بچے کے پاس اپنا مال نہ ہو ورنہ خود بچے کے مال سے دیا جائے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطرہ لازم فرمایا روزوں کو بے ہودگی اور فحش سے پاک کرنے اور مسکینوں کو کھانا دینے کے لیے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی فطرہ واجب کرنے میں دو حکمتیں ہیں:ایک تو روزہ دار کے روزوں کی کوتاہیوں کی معافی اکثر روزے میں غصہ بڑھ جاتا ہے تو بلاوجہ لڑ پڑتا ہے،کبھی جھوٹ،غیبت وغیرہ بھی ہوجاتے ہیں،رب تعالٰی اس فطرے کے برکت سے وہ کوتاہیاں معاف کردے گا کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔دوسرے مساکین کی روزی کا انتظام۔بچوں پر اگرچہ روزے فرض نہیں مگر دوسری حکمت وہاں بھی موجود ہے لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر بچوں پر فطرہ کیوں ہے وہ تو روزہ رکھتے نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں منادی بھیجا ۱؎ کہ خبردار رہو صدقہ	

	فطر واجب ہے ہر مسلمان مرد،عورت،آزاد،غلام،چھوٹے بڑے پر گیہوں وغیرہ سے دومد۲ یا اس کے ماسوا غلہ کا ایک صاع۳ (ترمذی)

۱؎ یہ اعلان فتح مکہ کے بعد ہواکیونکہ اس سے پہلے وہاں اسلامی احکام کے اعلان کی کوئی صورت ہی نہ تھی،چونکہ مدینہ کے مسلمانوں کو ہر وقت صحبت محبوب میسر تھی اس لیے انہیں اس اعلان کی ضرورت نہ تھی،مکہ معظّمہ کے اکثر مسلمان نو مسلم بھی تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دور بھی اس لیے یہ اعلان کرائے گئے۔

۲؎ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے تو دو مد کا آدھا صاع ہوا یعنی گندم سے فطرہ آدھا صاع فی کس واجب ہے اور **کل مسلم** سے مراد ہر صاحبِ نصاب غنی مسلمان ہے جیساکہ پہلے عرض کیا گیاکہ صدقہ غنی کے بغیر واجب نہیں ہوتا اور آزاد وغلام چھوٹے بڑے سے مراد بلاواسطہ اور بالواسطہ ہے یعنی بالغ آزاد غنی تو اپنا فطرہ خود دے اور غنی کے غلام و چھوٹے بچوں کا فطرہ وہ غنی دے لہذا یہ حدیث نہ تو دیگر احادیث کے خلاف ہے نہ احناف کے مخالف۔

۳؎ یہاں طعام کو گندم کے مقابل فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ اس سے سواء گندم دوسرے غلے مراد ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی گویا شرح ہے جہاں فرمایا گیا تھا کہ طعام کا ایک صاع واجب ہے۔خیال رہے کہ فطرہ میں اصل گندم وجو،جوار ہیں،اگر ان کے سواء کسی اور غلہ یا دوسری چیز سے فطرہ دیا گیا تو ان مذکورہ دانوں کی قیمت کا لحاظ ہوگا لہذا چاول باجرہ آدھے صاع گیہوں کی قیمت کے دینے ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ثعلبہ سے یا ثعلبہ ابن عبداللہ ابن ابی صُعیر سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک صاع گندم دو شخصوں کی طرف سے ہے چھوٹے یا بڑے آزاد یا غلام مرد عورت لیکن ۲؎ تم میں کے مالدار اللہ اسے تو پاک فرمادے گا اور لیکن تمہارا فقیر اللہ اسے دیئے سے زیادہ دے گا۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ عبداللہ ابن ثعلبہ ابن ابی صعیر ہیں،آپ تابعی ہیں مگر آپ کے والد ثعلبہ صحابی ہیں جن سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،صعیر کی وفات ۸۷ھ یا ۸۹ھ میں ہوئی،قریبًا نوے سال عمر پائی اور عبداللہ ابن ثعلبہ ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۹ھ میں فوت ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مگر کچھ سماعت ثابت نہیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی چھوٹے بڑے آزاد غلام سب کا فطرہ یکساں ہے آدھا صاع گندم۔

۳؎ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فقیر پر بھی فطرہ واجب ہے مگر یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ اس کے اسناد میں نعمان ابن راشد ہے جو سخت ضعیف ہے،امام بخاری نے فرمایا کہ یہ وہمی ہے،امام احمد نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں پھر ان راوی کے نام میں بہت گفتگو ہے،عبدالرزاق نے یہ حدیث **بسند صحیح ابن جریج عن ابن شہاب عن**

عبداللہ ابن ثعلبہ روایت کی تو اس میں فقیر وغنی کا ذکر نہیں،صرف یہ ہے کہ ایک صاع گندم دو کی طرف سے ادا کرو۔اس کی پوری اور نفیس تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو،نیز اگر ہر فقیر و غنی پر صدقہ فطر دینا واجب ہوجائے تو پھر فطرہ لینے والا کون ہوگا کیونکہ یہ تو اصول اسلام کے خلاف ہے کہ فقیر فطرہ دے بھی اور دوسروں کا فطرہ لے بھی۔

باب من لا تحل لہ الصدقۃ

باب جن لوگوں کے لیے زکوۃ حلال نہیں ١

الفصل الاول

پہلی فصل

١ یعنی کن شخصوں کو صدقہ واجبہ،زکوۃ،ہدیہ،فطرہ نہیں دے سکتے۔یہاں چند مسائل خیال میں رکھنے چاہئیں: ایک یہ کہ صدقہ وہ مال ہے جو محض ثواب کے لیے کسی کو دیا جائے اور ہدیہ وہ مال ہے جو کسی کے احترام و رضاء کے لیے اسے دیا جائے،صدقہ میں دوسرے پر رحم ہے اور ہدیہ میں اس کی تعظیم، دوسرے یہ کہ چند شخصوں کو زکوۃ وغیرہ منع ہے:کافر،غنی مسلمان،بنی ہاشم،اپنی اولاد،اپنے اصولی یعنی صدقہ دینے والا جن کی اولاد میں ہے،شوہر یا زوجہ کو۔تیسرے یہ کہ کافر ذمی کو صدقہ واجبہ نہیں دے سکتےصدقہ نفلی دے سکتے ہیں اگرچہ وہ بھی مسلمان فقیر کو دینا بہتر ہے،چونکہ زکوۃ نہ لے سکنے والوں کو بتادینے سے لے سکنے والوں کا پتہ خودبخود لگ جاتا ہے اس لیے نہ لینے والوں کا ذکر کیا کہ یہ تھوڑے ہیں۔چوتھے یہ کہ ہدیہ کی تین قسمیں ہیں: نذرانہ جو چھوٹا بڑے کو دے،عطیہ جو بڑا چھوٹے کو دے،ہدیہ جو برابر والا دے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ایک کھجور پر سے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اسے کھالیتا ١ (مسلم،بخاری)

١ یعنی خطرہ یہ ہے کہ یہ کھجور زکوۃ کی ہو جو مالک کے ہاتھ سے گر گئی ہو اس لیے ہم اسے نہیں کھاتے،اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو ہم اسے کھالیتے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کی اولاد پر تاقیامت زکوۃ لینا حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کے ہاتھ و مال کا میل ہے ان ستھروں کو کیونکر جائز ہوسکتاہے جیساکہ آگے عرض ہوگا۔دوسرے یہ کہ لقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز اگر معمولی ہوجس کی تلاش مالک نہ کرے گا نہ اس کے مالک کو ڈھونا ضروری ہے نہ اس کے سنبھالنے اور اعلان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ فورًا اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔لقطہ کی احادیث قیمتی چیز کے متعلق ہیں جن کی مالک تلاش کرے۔تیسرے یہ کہ فتویٰ اور تقویٰ میں فرق ہے فتویٰ محرمات سے بچنے کا ہے مگر تقویٰ یہ ہے کہ شبہات سے بھی بچے مگر شبہ اور وہم میں فرق ہے وہمیات کا اعتبار نہیں۔ولایتی کپڑے کے تھان بازار میں فروخت ہوتے ہیں ان میں شبہ کرنا یہ گندے پانی سے دھوئے گئے ہوں گے تقویٰ نہیں وہم ہے، صحابہ کرام غنیمت میں کفار کے لباس پاتے تھے اور بے تکلف استعمال کرتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیے لیے اور استعمال فرمائے۔خیال رہے کہ یہاں تعلیم امت کے لیے یہ ارشاد ہے کہ متشابہات سے بچو

ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک چیز کی حقیقت و اصلیت سے خبردار ہیں جیسا کہ ہم بار ہا اسی شرح میں اور اپنی کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں ثابت کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت حسن ابن علی نے صدقہ کے چھوہاروں میں سے ایک چھوہارا لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخ اخ تاکہ وہ اسے تھوک دیں پھر فرمایا کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم صدقے نہیں کھایا کرتے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس حدیث نے فیصلہ فرمادیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو زکوۃ لینا حرام ہے۔آنَا جمع فرماکرتا قیامت اپنی اولاد کو شامل فرمالیایہ ہی حق ہے اسی پر فتویٰ ہے۔بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ حکم اس زمانہ میں تھا اب سید زکوۃ لے سکتے ہیں یا سید کی زکوۃ سید لے سکتے ہیں یہ تمام مرجوع قول ہیں،فتویٰ اس پر نہیں۔خیال رہے کہ بنی ہاشم سے مراد آل عباس، آل جعفر، آل عقیل،آل حارث ابن مطلب اور آل رسول ہیں،ابولہب کی مسلمان اولاد اگرچہ بنی ہاشم تو ہیں مگر یہ زکوۃ لے سکتے تھے اور لے سکتے ہیں کیونکہ زکوۃ کی حرمت کرامت و عزت کے لیے ہے،ابو لہب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کی کوشش میں رہا اسی لیے وہ اور اس کی اولاد اس عظمت کی مستحق نہ ہوئی۔(ازلمعات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی ناسمجھ اولاد کو بھی ناجائز کام نہ کرنے دے،وہ دیکھو حضرت حسن اس وقت بہت ہی کمسن اور ناسمجھ تھے جیسا کہ کخ کخ فرمانے سے معلوم ہورہا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی زکوۃ کا چھوہارا نہ کھانے دیا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ ناسمجھ لڑکوں کو سونے چاندی کا زیور پہنانا حرام ہے۔اس مسئلہ کی ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے یہ قاعدہ بہت مفید ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں ۱؎ یہ نہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ آپ کی آل کو حلال ۲؎ (مسلم)

۱؎ اس طرح کہ زکوۃ و فطرہ نکل جانے سے لوگوں کے مال اور دل پاک و صاف ہوتے ہیں جیسے میل نکل جانے سے جسم یا کپڑا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا" لہذا یہ مسلمانوں کا دھوون ہے۔

۲؎ یہ حدیث ایسی واضح اور صاف ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی یعنی مجھے اور میری اولاد کو زکوۃ لینا اس لیے حرام ہے کہ یہ مال کا میل ہے لوگ ہمارے میل سے ستھرے ہوں ہم کسی کا میل کیوں لیں،اب بعض کا یہ کہنا کہ چونکہ سادات کو خمس نہیں ملتا اس لیے اب وہ زکوۃ لے سکتے ہیں غلط ہے کہ نص کے مقابل چونکہ اور کیونکہ نہیں سنا جاتا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو اس کے متعلق پوچھتے کہ آیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو صحابہ سے فرماتے کھالو [۱] اور خود نہ کھاتے اور اگر عرض کیا جاتا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ شریف بڑھاتے اور ان کے ساتھ کھاتے [۲] (مسلم،بخاری)

[۱] غنی صحابہ اپنے واجب و نفلی صدقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے غرباء میں تقسیم فرمادیں کہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمائے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ وغیرہ فقراء وصحابہ پر تقسیم فرمادیتے تھے اور بعض لوگ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ و نذرانہ لاتے تھے،چونکہ دو قسم کے مال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اس لیے اگر لانے والا صاف نہ کہتا تو سرکار خود پوچھ لیتے تھے ہدیہ سے خود بھی کھالیتے تھے مگر صدقہ خود استعمال نہ فرماتے تھے۔یہاں صحابہ سے مراد فقراء صحابہ ہیں جو صدقہ واجبہ لے سکتے ہیں حضرت عثمان غنی وغیرہم غنی صحابہ مراد نہیں۔صدقہ و ہدیہ کا فرق اس باب کے شروع میں عرض کیا گیا ہے۔

[۲] یعنی ہدیہ و نذرانہ کا کھانا خود بھی کھاتے تھے اور موجود صحابہ کو بھی اپنے ہمراہ کھلاتے تھے۔خیال رہے کہ غنی اور سید کو صدقہ نفل لینا جائز ہے وہ صدقہ ان کے لیے ہدیہ بن جاتا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نفل بھی نہ لیتے تھے کیونکہ اس میں صدقہ دینے والا لینے والے پر رحم و کرم کرتا ہے جس کا ثواب اللہ سے چاہتا ہے،سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کے خواستگار ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کون انسان رحم کرتا ہے،ہاں صدقہ جاریہ جیسے کنوئیں کا پانی،مسجد و قبرستان کی زمین اس کا حکم دوسرا ہے کہ یہ ہر غنی و فقیر بلکہ خود صدقہ کرنے والے واقف کو بھی اس کا استعمال جائز ہے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مباح تھا۔(از مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ میں تین شرعی حکم ہوئے [۱] ایک حکم یہ کہ وہ آزاد کی گئیں تو انہیں اپنے خاوند کے متعلق اختیار دیا گیا [۲] اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ولا آزاد کرنے والے کے لیے ہے [۳] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ ہانڈی گوشت سے ابل رہی تھی آپ کی خدمت میں روٹی اور گھر کا کوئی سالن پیش کیا گیا تو فرمایا کہ کیا مجھے گوشت کی ہانڈی نظر نہیں آرہی عرض کیا ہاں لیکن یہ وہ گوشت ہے جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا اور حضور آپ صدقہ تو کھاتے نہیں تو فرمایا وہ ان پر

	صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بریرہ رضی اللہ عنھا بروزن کریمہ صحابیہ ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ کی مولاۃ یعنی آزاد کردہ لونڈی ہیں،آپ نے حضرت ابن عباس،عروہ ابن زبیر سے احادیث روایت کیں یعنی حضرت بریرہ کے ذریعہ ہم کو تین شرعی مسائل معلوم ہوئے۔

۲؎ حضرت بریرہ کے خاوند کا نام مغیث تھا جو پہلے غلام تھا حضرت بریرہ کے آزاد ہونے کے وقت آزاد ہوچکے تھے،جب آپ آزاد ہوئیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خیار عتق دیا کہ چاہیں نکاح باقی رکھیں یا فسخ کرادیں۔معلوم ہوا کہ لونڈی کو آزادی پر خیار عتق ملتا ہے خاوند غلام ہو یا آزاد۔اس کی پوری بحث ان شاءاللہ **کتاب النکاح** اور **کتاب العتق** میں آئے گی۔

۳؎ حضرت بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھیں جس نے آپ کو مکاتب کردیا تھا کہ اتنا مال دو تو تم آزاد ہو،آپ مال دینے سے عاجز ہوئیں تو حضرت عائشہ صدیقہ سے عرض کیا آپ نے فرمایا تمہارا مال میں دے دیتی ہوں اپنے مالک سے کہو کہ تمہیں میرے ہاتھ فروخت کردے پھر میں تم کو آزاد کردوں گی ان کے مالک نے کہا کہ ہاں ہم فروخت تو کردیں گے مگر اس شرط سے کہ تمہاری ولاء یعنی آزاد کرنے کا حق ہم کو رہے یہ مسئلہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ہے نہ کہ فروخت کرنے والے کو،یہ دوسرا مسئلہ حضرت بریرہ کے ذریعہ معلوم ہوا ولاء کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر آزاد کردہ غلام لاوارث فوت ہوجائے تو میراث مولے کو ملتی ہے اسی طرح اگر مولی لاوارث فوت ہو تو یہ غلام میراث لیتا ہے۔

۴؎ یعنی بریرہ سے کہو کہ اپنے اس گوشت میں سے جو انہیں صدقہ ملا ہے ہم کو بھی دیں کیونکہ صدقہ ان پر ختم ہوچکا اب ہم کو بریرہ کی طرف سے ہدیہ ہوکر ملے گا جو ہمارے لیے مباح ہوگا۔اس سے تین مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بنی ہاشم کا آزادکردہ غلام زکوۃ نہیں لے سکتا مگر دوسروں کا غلام زکوۃ لے سکتا ہے،چونکہ حضرت عائشہ قرشیہ تو تھیں مگر ہاشمیہ نہ تھیں اس لیے بریرہ کو صدقہ لینا درست ہوا۔دوسرے یہ کہ اپنی بیوی یا بیوی کی لونڈی یا اولاد سے کچھ مانگنا جس میں ذلت نہ ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز ہے چہ جائیکہ اور کوئی،جس سوال میں ممانعت ہے وہ ذلت والا سوال ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے گوشت طلب فرمایا۔تیسرے یہ کہ ملکیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے لہذا اگر فقیر کو زکوۃ دی گئی اس نے اس زکوۃ سے کسی غنی یا سید کی دعوت کردی یا وہ زکوۃ کی رقم کسی مسجد سرائے یا کنوئیں پر خیرات کرکے لگادی تو جائز ہے کہ زکوۃ تو فقیر پر ختم ہوگئی اب یہ فقیر کی طرف سے ہدیہ ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت کھالیا کہ اب یہ ہدیہ ونذرانہ بن گیا تھا،اس سے بہت سے فقہی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔حضرت ابن عمر کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا صدقہ دیا ہوا گھوڑا فقیر سے خریدنے کو منع فرمادیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کو اس لیے رعایت دینا چاہتا تھا کہ آپ نے اسے صدقہ دیا تھا یہ رعایت کرانا ممنوع تھا لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے ۱؎(بخاری)

۱؎بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ دینے والے کو اپنی شان کے لائق بھاری عطیہ دیتے تھے،اب بھی جو اُمتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایصال ثواب کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین و دنیا میں کہیں بہتر عوض فرماتے ہیں اور فرمائینگے جس کا تجربہ بارہا ہوا اور ہو رہا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عطیہ تا قیامت جاری ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مجھے پائے (یعنی گائے بکری کے کُھر وغیرہ) کی طرف دعوت دی جائے تو قبول کرلوں گا اور اگر مجھے دستی دی جائے تو منظور فرمالوں گا۱؎	

۱؎یعنی ہم کو معمولی آدمی کی دعوت اور معمولی ہدیہ قبول فرمانے میں عار نہیں ضرور قبول فرمائیں گے،اس میں مالداروں بلکہ بادشاہوں کو تعلیم ہے کہ غریبوں اور اپنے نوکروں کے حقیر ہدیوں کو نہ ٹھکراؤان کے اخلاص کی قدر کرو اور ہم غریبوں کی ہمت افزائی ہے کہ جس قدر ہوسکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں مال و اعمال کے ثوابوں کا ہدیہ کرتے رہیں۔یہاں کراع سے مراد کُھرے(گائے بکری کے پائے) ہیں نہ کہ کراع العمیم منزل جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی فقیر صدقہ کا معمولی مال بھی لے کر ہماری دعوت کردے تو ہم قبول فرمالیں گے کیونکہ صدقہ اس پر ختم ہوچکا اسی لئے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین وہ نہیں جو لوگوں پر چکر لگاتا پھرے اسے ایک دو لقمے یا ایک دو چھوہارے لوٹادیں لیکن مسکین وہ ہے جو غنا بھی نہ پائے جس کو لوگوں سے لاپرواہ ہوجائے اور اسے پہچانا بھی نہ جائے تاکہ اسے صدقہ دیدیا جائے اور نہ اٹھ کر لوگوں سے سوال کرے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی جس مسکینیت پر ثواب ہے اور صابروں کے زمرہ میں داخل ہے وہ یہ بھکاری فقیر نہیں ہے بلکہ یہ تو عام حالات میں اسی سوال پر گنہگار ہے کہ جب وہ بھیک مانگنے کے لئے اتنی دوڑ دھوپ کرسکتا ہے تو وہ کمانے کے لیے بھی کرسکتا ہے،ہاں صابر وہ مسکین ہے جو حاجتمند ہو مگر پھر کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہ کرے،اپنے فقر کو چھپانے کی کوشش کرے،اسی مسکین کی رب تعالٰی نے قرآن پاک میں تعریف فرمائی ہے کہ فرمایا:"لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ"الآیۃ۔یہ خیال رہے کہ جس مسکینیت کی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے وہ مسکینیت دل ہے یعنی دل میں عجز و انکسار ہونا،تکبر و غرور نہ ہونا،ایسا شخص اگر مالدار بھی ہو تو مبارک مسکین ہے اور جن احادیث میں فقر و مسکینیت سے پناہ مانگی گئی ہے وہ ایسی تنگدستی ہے جو فتنہ میں مبتلا کردے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور نہ یہ اعتراض ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسکینیت کی دعا کی مگر رب تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہ بنادیا یہ دعا قبول نہ ہوئی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو رافع سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو صدقہ پر مقرر کرکے بھیجا اس نے ابو رافع سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو کہ تم بھی کچھ پالو۱؎وہ بولے نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھ لوں۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم کو صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام ان ہی میں سے ہوتا ہے۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎خلاصہ یہ ہے کہ کسی مخزومی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ پر عامل بنایا جس کو زکوۃ سے ہی معاوضہ دیا جاتا،اس مخزومی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام جن کا نام اسلم ہے کنیت ابورافع سے کہاتم بھی میرے ساتھ چلوجو اجرت ملے گی اس میں تمہارا حصہ ہوگا جس سے تمہارا کچھ کام چل جائے گا،یہ مطلب نہیں ہے کہ میں خود اجرت لے کر اپنی طرف سے تم کو ہدیۃً دے دوں گا۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں مسئلہ پوچھنامراد نہیں بلکہ ساتھ جانے کی اجازت حاصل کرنا مراد ہے ابو رافع اگرچہ جسمًا آزاد ہوچکے تھے مگر ان کا دل ہمیشہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوچکا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پوچھے جنبش بھی نہیں کرتے۔

۳؎یعنی اے ابو رافع تم ہو ہمارے غلام اور ہم ہیں بنی ہاشم سے،چونکہ بنی ہاشم زکوۃ کے عامل بن کر اس سے اجرت بھی نہیں لے سکتے لہذا تم بھی یہ اجرت نہیں لے سکتے۔اس حدیث سے دو مسئلے نہایت اہم حاصل ہوئے:ایک یہ کہ حضرات بنی ہاشم خصوصًا سیدوں کی شان اسلام میں بہت اعلیٰ ہے کہ غنی عامل زکوۃ سے اجرت لے سکتا ہے مگر یہ حضرات تو کیا ان کا زر خرید غلام یہ اجرت بھی نہیں لے سکتا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج کل سیدوں کو زکوۃ کھانا جائز کرنے کی دھن میں ہیں،سادات کو زکوۃ لینا ہرگز جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ شان والوں کی نسبت سے ادنی بھی شان والے بن جاتے ہیں،دیکھو سید کا غلام اگرچہ کسی قوم سے ہو زکوۃ نہیں لے سکتا بلکہ زکوۃ سے اجرت عمل بھی نہیں وصول کرسکتا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں نسبت کیا چیز ہے صرف اپنے عمل اچھے چاہئیں۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام قرآنیہ کو عام و خاص فرماسکتے ہیں،دیکھو رب تعالٰی نے مطلقًا فرمایا:"وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے اپنی اولاد بلکہ ان کے غلاموں کو علیحدہ کردیاورنہ قرآن کریم نے سید وغیر سید کا فرق مصرف زکوۃ کے بیان میں کوئی نہ کیا۔چوتھے یہ کہ سچے پیغمبروں نے نبوت کو ذریعۂ معاش قرار

نہ دیا۔مرزا قادیانی اس نبوت کے ذریعہ خود مالا مال ہوگیا،بلکہ اپنی اولاد کو سکھا گیا کہ بہشتی مقبرہ کی قبریں بیچ کر مزے اڑایا کرو نعوذباللہ منہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت اپنی اولاد کو زکوۃ کی آمدنی سے محروم فرمایاانہیں حکم دیا کہ تم زکوۃ دو مگر غریب ہوکرلو نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ نہ تو غنی کو حلال ہے نہ صحیح اعضاء والے کو[۱](ترمذی، ابوداؤد،دارمی)

[۱] یہ حدیث حضرت امام شافعی کی دلیل ہے،ان کے ہاں تندرست اور کمانے کی قدرت رکھنے والا زکوۃ نہیں لے سکتاا گرچہ فقیر ہو،امام اعظم کے ہاں لے سکتا ہے،امام اعظم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے "لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ"الایہ۔اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ سرکار اصحاب صفہ کو جو ستر تھے اور سب کمانے پر قادر تھے مگر انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کے لیے وقف کردیا زکوۃ دیتے تھے،اس کاذکراسی آیت مذکورہ میں ہے یہ حدیث اس آیت اس عمل سے منسوخ ہے یایہاں لَایَحِلُّ کے معنے ہیں لائق نہیں،یعنی غنی کو صدقہ لینا لائق نہیں حرام ہےاور تندرست فقیر کو لائق نہیں۔(غیر مناسب ہے)یا صدقہ سے مراد بھیک مانگنا ہےجیساکہ اگلے باب کی احادیث سے ثابت ہے،وہ احادیث اس حدیث کی شرح ہیں امام اعظم کا مذہب قوی ہےکیونکہ رب تعالٰی نے زکوۃ کے جو آٹھ مصرف بیان فرمائے"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ"الایہ۔ان میں مجبور بیمار یا تندرست کی قید نہ لگائی۔معلوم ہوا کہ ہر فقیر تندرست یا بیمار زکوۃ لے سکتا ہے۔

	اور احمد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے۔

	روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن عدی ابن خیار سے فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں نے خبر دی کہ وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ حجۃ الوداع میں تھے صدقہ تقسیم فرمارہے تھے [۱]انہوں نے بھی حضور سے صدقہ مانگا تو حضور نے ہم پر نظر اٹھائی پھر جھکائی ہم کو تندرست و توانا دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تم کو دے دوں مگر اس میں نہ تو غنی کا حصہ ہے نہ کمائی کے لائق تندرست کا [۲](ابوداؤد،نسائی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض یعنی زکوۃ ہوگا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حجاج نے اپنی زکوۃ تقسیم کے لیے پیش کی ہوگی جیساکہ صحابہ کا دستور تھا،آج بھی مسلمان اپنے صدقات حرمین شریفین جانے والوں کو دے دیتے ہیں کہ وہاں تقسیم کردینااسی عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے،اہلِ حرمین جیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہاں صدقہ کا ثواب ایک کا ایک لاکھ تک ہے اس لیے یہ عمل کرتے ہیں،یہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ قوم کا صدقہ یا کسی شہر کا صدقہ اسی قوم و شہر میں خرچ کیا جائے کہ وہاں مقصد یہ ہے کہ سب صدقہ باہر یا دوسری قوم میں نہ بھیج دو اور اس شہر یا قوم کو بالکل محروم نہ کردو۔

۲؎ اس میں دونوں کو تقویٰ و طہارت کی تعلیم ہے یعنی چونکہ تم دونوں اگرچہ فقیر ہو مگر تندرست اور کمانے کے لائق ہو اس لیے اس سے لینا تمہارے لائق نہیں اگر ان کو یہ صدقہ لینا حرام ہوتا جیسا کہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو تم کو دے دوں،اس اختیار دینے سے معلوم ہورہا ہے کہ دینا جائز تو ہے مگر بہتر نہیں۔

	روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے مرسلًا ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ کے سواء کسی غنی کو صدقہ حلال نہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ۲؎ اور صدقہ پر عامل ۳؎ اور مقروض ۴؎ یا اسے جو اپنے مال سے صدقہ خریدے یا اسے جس کا کوئی پڑوسی مسکین تھا تو مسکین پر صدقہ کیا گیاپھر مسکین نے اس غنی کو ہدیہ دیا ۵؎ (مالک،ابوداؤد)
	اور ابوداؤد کی ایک روایت میں جوحضرت ابوسعید سے ہے یہ ہے کہ یا مسافر۔

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،بڑے عالم و عابد تھے،چونکہ اس اسناد میں صحابی کا ذکر نہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے اور احناف کے ہاں حدیث مرسل حجت ہے۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں صحابہ مالدار زکوۃ لے سکتا ہے،یہ حدیث ان کی دلیل ہے مگر ہمارے ہاں غازی مسافر جس کے پاس مال ختم ہوچکا وہ سفر کی بنا پر لے سکتا ہے نہ کہ محض جہاد کی بناپر،ہمارے ہاں وہ مسافر غازی ہی مراد ہے اور امام شافعی کے ہاں حدیث مرسل حجت نہیں اس لیے وہ اس حدیث سے دلیل نہیں لے سکتے، نیز دیگر احادیث میں صراحۃً فرمایا گیا کہ مالداروں سے زکوۃ لو اور فقراء کو دو،وہاں غازی کا استثناء نہیں یا ارشاد فرمایا کہ صدقہ غنی کو حلال نہیں۔فتح القدیر و مرقات نے فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۔

۳؎ عامل سے مراد وصولی زکوۃ کا کام کرنے والاہے جیسے عاشر،حاسب،کاتب وغیرہ،یہ سب اپنی اجرت زکوۃ سے لیں گے ان کے لیے یہ اجرت ہوگی نہ کہ زکوۃ مگر اللہ اکبر بنی ہاشم عامل ہوکر بھی زکوۃ سے اجرت نہیں لے سکتے۔

۴؎ حق یہ ہے کہ مقروض سے وہ مراد ہے جو مالک نصاب تو ہے مگراس کا نصاب قرض میں ڈوبا ہوا ہے مثلًا سو روپیہ کا مالک ہے مگر نوے روپے کا مقروض ہے اسے غنی میں داخل فرمانا ظاہری حال کی بنا پر ہے ورنہ درحقیقت وہ فقیر ہے۔

۵؎ یہ جواز اس بنا پر ہے کہ ملک بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا جو بریرہ کو صدقہ دیا گیا تھا لہذا جب مسکین سے زکوۃ خریدلی یا اس نے ہدیۃً اسے کچھ دے دی تو اب یہ زکوۃ نہ رہی،اس پر بہت سے شرعی احکام مرتب ہوں گے۔مگر خیال رہے کہ اس خرید و فروخت میں دھوکہ نہ ہو،رب تعالٰی نیت جانتا ہے لہذا صاحب نصاب فقیر سے اپنی زکوۃ دھوکے سے سستی نہ خریدے۔حضرت ابن عمر کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صدقہ کا گھوڑا فقیر سے خریدنے کو منع فرمادیااس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقیر حضرت ابن عمر کو اس لیے سستا دیتا تھا کہ انہیں کا صدقہ ہے لہذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت زیاد ابن حارث صدائی سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے بیعت کی ۱؎ انہوں نے ایک دراز حدیث سنائی کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا بولا کہ مجھے صدقہ سے دیجئے ۲؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی صدقات کے متعلق نبی وغیرہ کے حکم سے راضی نہ ہوا حتی کہ اس کا خود حکم آیا ۳؎ مصرف کی رب تعالٰی نے آٹھ قسمیں کیں اگر تم ان آٹھ قسموں سے ہو تو میں تم کو دے دوں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہ بیعت بیعت اسلام تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مسلمان کرتے وقت استقامت علے الدین کی بیعت،توبہ کی تقویٰ کی،کسی خاص حکم پر عمل کرنے کی بھی بیعت لی ہے۔آجکل عمومًا مرشدوں سے توبہ یا تقویٰ کی بیعت کی جاتی ہے،بیعت اسلام کا ذکر اس آیت میں ہے"اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ" الایہ۔

۲؎ صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جیساکہ آئندہ جواب سے معلوم ہورہا ہے۔حضو ر انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنی صحابہ اپنی زکوتیں خیرات کو دے جاتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ فرض نہ تھی،یہاں وہ زکوتیں مراد ہیں۔

۳؎ یعنی رب تعالٰی نے براہ راست جس قدر تفصیل زکوۃ کے مصارف کی فرمائی اتنی تفصیل دوسرے احکام کی نہ کی حتی کہ خود زکوۃ و نماز کا اجمالی ذکر ہی فرمایا،نبی کے بیان پر کفایت نہ فرمائی۔عدم رضا سے مراد عدم کفایت ہے اس لفظ سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اللہ تعالٰی اپنے محبوب اور ان کے سارے احکام سے راضی ہے،ان کے غلاموں کے بارے میں فرماتا:"رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ"۔ان کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۔

۴؎اس کلام کا منشاء یہ ہے کہ تم ان آٹھ میں سے نہیں ہو لہٰذا تم زکوۃ نہیں لے سکتے،یہ گفتگو عتابانہ ہوتی ہے لہٰذا اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اندرونی حالات سے بے خبر ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم گھروں میں کھاتے بچاتے ہو میں تمہیں یہاں بتاسکتا ہوں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن شدہ مردوں کے متعلق فرمایا یہ چغل خور تھا،یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔خیال رہے کہ احناف کے ہاں زکوۃ تمام مصارف پر تقسیم کرنا ضروری نہیں صرف ایک مصرف کو بھی دے سکتے ہیں یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے دودھ پیا تو آپ کو پسند آیا تو پلانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے لایا ۲؎اس نے بتایا کہ وہ ایک گھاٹ پر گیا تھا جس کا اس نے نام لیا تو وہاں صدقہ کے جانور تھے وہ پانی پلارہے تھے انہوں نے ان جانوروں کا دودھ دوہا تو میں نے اپنے مشکیزہ میں ڈال لیا ۳؎یہ وہ دودھ ہے تو حضرت عمر نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے کردی ۴؎(مالک،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎آپ تابعی ہیں،حضرت عمرفاروق کے آزاد کردہ غلام ہیں،بڑے فقیہ و عابد تھے،آپ کے درس میں چالیس فقہاء بیٹھتے تھے حتی کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ کے درس میں شرکت فرماتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎مرقات نے فرمایا کہ یہ حضرت عمر کی فراست ہے،آپ نے محسوس فرمایا کہ روزانہ ہم دودھ پیتے تھے نفس اس قدر خوش نہ ہوتا تھا آج اتنا پسند کیوں کرتا ہے،نفس اس سے اتنا راضی و خوش کیوں ہوا اس میں کچھ راز ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

۳؎یعنی زکوۃ کے اونٹ کنوئیں یا گھاٹ پر پانی پینے آتے تھے ان کا دودھ خیرات کیا گیا میں نے بھی وہ خیراتی دودھ لے لیا کیونکہ میں فقیر ہوں۔عرب میں جب جانور پانی پلانے کے لیے جمع ہوتے تھے تو فقراء جمع ہوجاتے تھے جن کو دودھ خیرات کے طور پر دیا جاتا تھا۔

۴؎علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قے کردینا تقویٰ تھا کہ ہمارے پیٹ میں صدقہ کا دودھ نہ رہے اور جزوبدن نہ بنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت ہدیۃً قبول فرمالینا فتویٰ۔نتیجہ یہ ہوا کہ فقیر کا ہدیہ کیا ہوا مال کھالینا شرعًا جائز ہے نہ کھانا احتیاط ہے،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کو شبہ ہوا کہ شاید دودھ دینے والوں کو دینے کا اختیار نہ ہو یا یہ لینے والا لینے کا مستحق نہ ہو اس شبہ کی بنا پر آپ نے یہ احتیاط کی ہو۔

لطیفہ:ایک عالم کے بیٹے کو کسی لونڈی نے اپنا دودھ پلادیا انہوں نے اس کے حلق میں انگلی ڈال کر وہ دودھ نکال دیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ دنیہ عورت کا دودھ میرے بچے کا جزو بدن بنے اور اسکی طبیعت میں دناءت پیدا ہو،ان جیسی احتیاطوں کی اصل یہ حدیث ہے۔

باب لاتحل لہ المسئلۃ و من تحل لہ

باب مانگنا کسے حلال نہیں اور کسے حلال ہے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎یہاں مانگنے سے مراد ذلت و خواری کا مانگنا ہے یعنی بھیک مانگنا لہذا باپ کا اولاد سے یا آقا کا غلام سے یا اس کے برعکس یا ان سے کچھ مانگنا جن سے مانگنے میں عار نہ ہو جائز ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت اور انعام الٰہیہ اور اخروی نعمتوں کی بھیک مانگنا بادشاہوں کے لیے فخروعزت ہے۔اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ بلاضرورت مانگنا ممنوع ہے،اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ ہے یا حرام۔حق یہ ہے کہ حرام ہے،ضرورت سوال میں بہت تفصیل ہے جو آئندہ آرہی ہے۔خیال رہے کہ زکوۃ واجب ہونے کا نصاب اور ہے زکوۃ لینے کی حرمت کا نصاب اور مگر سوال حرام ہونے کا نصاب کچھ اور ہی ہے جس کے پاس دو وقت کھانے کو ہو یا کمانے پر قادر ہو وہ بھیک نہ مانگے الا بما ھو یجیئی عن قریب۔

روایت ہے حضرت قبیصہ ابن مخارق سے فرماتے ہیں کہ میں ایک قرض کا ضامن بن گیا تھا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کے لیے کچھ مانگنے کو حاضر ہوا۲؎ تو حضور نے فرمایا ٹھہرو حتی کہ صدقہ آجائے تو ہم اس کا تمہارے لیے حکم دے دیں گے۳؎ پھر فرمایا اے قبیصہ تین شخصوں کے سواء کسی کو مانگنا جائز نہیں ایک وہ جو کسی قرض کا ضامن ہوگیا ہو اسے مانگنا جائز ہے حتی کہ بقدر قرض پالے پھر باز رہے ۴؎ایک وہ جس پر آفت آجائے جو اس کا مال برباد کردے اسے مانگنا حلال ہے ۵؎حتی کہ زندگانی کا قیام پائے یا فرمایا کہ زندگی کی درستی پائے ۶؎اور ایک وہ جسے فاقہ پہنچ جائے حتی کہ اس کی قوم کے تین عقل والے اٹھ کر کہہ دیں کہ فلاں فاقہ کو پہنچا ہے تو اسے مانگنا حلال ہے ۷؎ حتی کہ زندگی کا قیام یا زندگی کی درستی پائے،اے قبیصہ ان کے سواء مانگنا حرام ہے کہ مانگنے والا حرام کھاتا ہے	

۸؎(مسلم)	

۱؎حمالہ یعنی اس ضمانت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو قومیں دیت یا دوسرے مال قرض کی وجہ سے آپس میں لڑنے لگیں،کوئی ان میں صلح کرانے اور دفع شر کے لیے مقروض کا قرض یا منقول کی دیت اپنے ذمے لے لے یعنی دفع فساد یا صلح کرانے کے لیے مال کا ضامن بن جانا یا اپنے ذمہ لے لینا۔(مرقات و لمعات وغیرہ)

۲؎تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال عطا فرمادیں جس سے میں وہ قرض چکا دوں یا دیت ادا کردوں۔

۳؎صدقہ سے مراد مال ظاہری جانوروں وپیداوار کی زکوۃ ہے جو حکومت اسلامیہ وصول کرتی تھی یا مال باطنی یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوۃ جو غنی صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خیرات کریں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خیرات قبول ہو،یعنی اے قبیصہ اتنا توقف کرو کہ زکوۃ وصول ہوجائے تو اس سے تمہارا زرِ ضمانت ادا کردیا جائیگا۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ضامن اگرچہ مالدار بھی ہو تو صدقہ مانگ سکتا ہے کیونکہ یہ مانگنا اپنے لیے نہیں بلکہ اس مقروض فقیر کے لیے ہے جو فقیر ہے جس کا یہ ضامن ہے،رب تعالٰی نے زکوۃ کے مصارف میں غارمین(مقروضوں)کا بھی ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہی مقروض ہیں۔

۵؎یعنی یہ شخص غنی تھا آفت ناگہانی نے مال برباد کرکے اسے فقیر کردیا اگرچہ تندرست ہے کمانے پر قادر ہے مگر کمانے تک کیا کھائے وہ اس وقت تک کے لیے مانگ سکتا ہے جب کچھ گزارہ کے لائق کمائے تو سوال سے باز آجائے۔

۶؎ سدادؓ یا سدٌّ سین کے فتح سے،بمعنی رکاوٹ و آڑ یا سِدٌّ سین کے کسرہ سے ہے،بمعنی درستی و اصلاح یعنی اتنا مال حاصل کرے جس سے فقروفاقہ رک کر زندگی درست ہوجائے۔غرضکہ بھیک مانگنا مردار جانور کی طرح ہے جس کا جائز و حلال ہونا سخت ضرورت پر ہے۔

۷؎یہ گواہی کی قید اس کے لیے ہے جس کے متعلق لوگوں کو شبہ ہوکہ یہ غنی ہے اور بلاضرورت مانگ رہا ہے۔قوم سے مراد اس کے حالات سے خبردار لوگ ہیں خواہ اس کی برادری کے ہوں یا آس پڑوس کے یعنی کم از کم تین واقف حال لوگ جنہیں غریبی امیری حاجت و غنا کی پہچان ہو وہ بتادیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اہل مدینہ قرض لینے اور سوال کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے ان کے وہ عادی تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادتوں کو بدلنے کے لیے سوال پر تو یہ پابندیاں لگائیں۔مقروض کی نماز جنازہ خود نہ پڑھی دوسروں سے پڑھوادی تاکہ عبرت پکڑیں اور قرض حتی الامکان نہ لیں۔

۸؎خیال رہے کہ تین کا یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں،ان تین کے علاوہ اور صورتیں بھی ہیں جن میں سوال درست ہوتا ہے جیسے وہ بے دست و پا جو کمانے پر قادر نہ ہو،وہ طالب علم جس نے اپنے کو طلب علم کے لیے وقف کردیا ہو اور لوگ توجہ نہ کرتے ہوں بغیر طلب نہ دیتے ہو۔مرقات نے فرمایا کہ خانقاہوں کے وہ مجاور جنہوں نے اپنے کو ریاضت و مجاہدات کے لیے حقیقی معنے میں وقف کردیا ہوان کے لیے اُن ہی میں کا ایک سوال کرسکتا ہے،روٹیاں کپڑے جمع کرسکتا ہے،مگر خیال رہے کہ رب تعالٰی نیت سے خبردار ہے مانگنے کے لیے صوفی نہ بن جائے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مال بڑھانے کے لیے بھیک مانگے تو وہ انگارہ مانگتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ [1] (مسلم)

[1] یعنی بلاسخت ضرورت بھیک مانگے بقدر حاجت مال رکھتا ہو زیادتی کے لیے مانگتا پھرے وہ گویا دوزخ کے انگارے جمع کررہا ہے،چونکہ یہ مال دوزخ میں جانے کا سبب ہے اسی لیے اسے انگارہ فرمایا۔اس حدیث سے آج کل کے عام پیشہ وربھکاریوں کو عبرت لینی چاہیے۔حال ہی میں راولپنڈی میں ایک بھکاری نے متروکہ مکان کے نیلام میں۴۵ ہزار روپے کی بولی دے کر مکان خریدا بھیک ہی مانگتا تھا۔افسوس ہے کہ آج مسلمانوں میں بھیک مانگنے کا مرض بہت زیادہ ہے،اس گناہ میں وہ بھی شریک ہیں جو ان موٹے مشٹنڈوں پیشہ ور بھکاریوں کو بھیک دیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے حتی کہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے میں گوشت کا پارہ نہ ہوگا [1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی پیشہ ور بھکاری اور بلاضرورت لوگوں سے مانگنے کا عادی قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے میں صرف ہڈی اور کھال ہوگی گوشت کا نام نہ ہوگاجس سے محشر والے پہچان لیں گے کہ یہ بھکاری تھایا یہ مطلب ہے کہ اس کے چہرے پر ذلت و خواری کے آثار ہوں گے جیسے دنیا میں بھی بھکاری کا منہ چھپا نہیں رہتالوگ دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ سائل ہے۔خیال رہے کہ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں رب تعالٰی امت محمدی کی پردہ پوشی فرمائے گااس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ان کے دنیاوی چھپے عیب لوگوں پر ظاہر نہ کرے گا اور بھیک چھپا عیب نہ تھا،کھلا تھا جس پر بھکاری شرم بھی نہ کرتا تھایا یہ مطلب ہے کہ ہمارے عیوب دوسری امتوں پر ظاہر نہ کرے گا بھکاری کا یہ واقعہ خودمسلمانوں ہی میں ہوگالہذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔مرقات میں اس جگہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل یہ دعاء مانگا کرتے تھے الٰہی جیسے تو نے میرے چہرے کو غیر کے سجدے سے بچایاایسے ہی میرے منہ کو دوسروں سے مانگنے کی لعنت سے بچا۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے میں زاری(ضد)نہ کرو [1] اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا تم میں سے کوئی مجھ سے کچھ مانگے اسکا مانگنا مجھ سے کچھ نکلوائے حالانکہ میں ناخوش ہوں تو اسے میرے عطیہ میں برکت دی جائے [2] (مسلم)

[1] یعنی سوال پر اڑ نہ جائے کہ سامنے والا دینا نہ چاہے اور تم بغیر لئے ٹلنا نہ چاہو،مانگنا ایک عیب ہے اور اس پر اڑنا دس گناہ عیب،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا"۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر تو اپنا فرمایا مگر قانون کلی فرمایا کہ جو بھکاری ضد یا اڑسے بھیک وصول کرے دینے والا دینا نہ چاہےتو اس بھیک میں سخت بے برکتی ہوگی۔امام غزالی فرماتے ہیں جو فقیر یہ جانتے ہوئے بھیک لے کر دینے والا محض شرم و ندامت کی وجہ سے دے رہا ہے اس کا دل دینے کو نہ چاہتا تھاتو یہ مال بھکاری کے لیے حرام ہے۔خیال رہے کہ بھکاری کی ضد اور ہے چندہ کرنے والوں کا لحاظ کچھ اور،ضد حرام ہے لحاظ کا یہ حکم نہیں۔آج مسجدوں،مدرسوں کے چندوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ شہر کا بڑا معزز مالدار آدمی زیادہ وصول کرسکتا ہے،پھر اپنے لیے مانگنے اور دینی کاموں کے لیے چندہ کرنے کے احکام میں بھی فرق ہے۔

	روایت ہے حضرت زبیر ابن عوام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنی رسی لے پھر اپنی پیٹھ پرلکڑیوں کا گٹھا لادے اسے بیچے جس سے اللہ اس کی عزت بچائے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے لوگ اسے دیں یا نہ دیں ۱؎ (بخاری)

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ معمولی سے معمولی کام کرنا اور تھوڑے پیسوں کے لیے بہت سی مشقت کرنا بہتر ہے اس سے عزت نہیں جاتی مگر بھیک مانگنا بُرا جس سے عزت جاتی رہتی ہے،برکت ہوتی نہیں۔اسمیں اشارۃً فرمایا گیا کہ اگر کسی بڑے آدمی پر کوئی وقت پڑ جائے تو محنت مشقت کرنے میں شرم نہ کرے کیونکہ یہ سنت انبیاء ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی سے معمولی کام بھی اپنے ہاتھ شریف سے کئے ہیں بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ بھکاری بھیک مانگنے میں بڑی محنتیں کرتے ہیں اگر مزدوری کریں یا چھابڑی فروخت کریں تو ان پر محنت بھی کم پڑے اور آبرو سے بھی کھائیں۔اس حدیث سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ جنگل کے خودرو درخت مباح ہیں ان پر جو قبضہ کرکے کاٹ لے وہ اس کا مالک ہوجائے گا جیسے جنگلی شکاریا عام کنوؤں کا پانی کیونکہ اگر یہ لکڑی کاٹنے والا اس کا مالک نہ ہوتا تو اس کا بیچنا جائز کیونکر ہوتا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو خیر کیوں فرماتے۔شعر

بدست آنکہ تفتہ کردن خمیر　　　　به ازدست برسینہ پیش امیر

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا حضور نے دیا میں نے پھر مانگا حضور نے مجھے اور دیا ۲؎ پھر مجھ سے فرمایا اے حکیم یہ مال خوش نما خوش ذائقہ ہے ۳؎ جو اسے دلی لاپرواہی سے لے گا اسے اس مال میں برکت ہوگی اور جو اسے نفسانی طمع سے لے گا اسے برکت نہ ہوگی ۴؎ اور وہ اس کی طرح ہوگا جو کھائے اور سیر نہ ہو ۵؎ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے ۶؎ حضرت حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں آپ کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگوں گا حتی کہ دنیا چھوڑ دوں ۷ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں،آپ کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی،ایک سوبیس سال عمر پائی،ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے،ساٹھ سال اسلام میں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ مانگنے کو عیب نہ سمجھتے تھے بلاضرورت بھی دستِ سوال دراز کردیتے تھے،نو مسلم حضرات اسی عادت کے مطابق اولًا مانگتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انہیں دے کر سوال سے منع فرماتے تھے۔اعلیٰ حضرت مولانا احمدرضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ آپ مسجد کے بھکاری کو پہلے دیتے پھر مسجد میں مانگنے سے منع کرتے شائد آپ کے عمل کا ماخذ یہ حدیث ہو۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا بلیغ کلام ہے خوش نما سبزے سے آنکھ سیر نہیں ہوتی اور لذیذ کھانے سے دل نہیں بھرتا لیکن اگر بے قاعدہ کھاجاؤ تو تکلیف دیتا ہے،اسی طرح مال سے نہ آنکھ بھرے نہ دل لیکن ہوس کا انجام برا۔

۴؎ لاپرواہی سے مراد طمع اور ہوس کا مقابل ہے یعنی جو مال لے تو لیکن صبروقناعت کے ساتھ کہ ناجائز کی طرف نظر نہ اٹھائے اور جائز مال کی بھی ہوس نہ ہو تو اگرچہ اس کے پاس مال تھوڑا ہو مگر برکت ہوگی کیونکہ اس میں اللہ رسول کی رضا شامل ہوگی۔خیال رہے کہ مال کی زیادتی اور ہے برکت کچھ اور زیادتی مال کبھی ہلاک کردیتی ہے مگر برکت مال دین و دنیا میں رب تعالٰی کی رحمت ہوتی ہے،برکت والا تھوڑا پانی پیاس بجھادیتا ہے بہت سا پانی ڈبو دیتا ہے،دیکھو طالوت کے جن ساتھیوں نے نہر سے ایک چلو پانی پر قناعت کی وہ کامیاب رہے اور بہت سا پینے والے مارے گئے کیونکہ چلو میں برکت تھی اور اس میں محض کثرت۔

۵؎ جوع البقر بیماری والا کھانے سے سیر نہیں ہوتااور استسقاء والا پانی سے،ان دونوں کی یہ بھوک اور پیاس کبھی ہلاکت کا باعث ہوجاتی ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی ہوس کو جوع البقر قرار دیا۔

۶؎ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہےاور نیچے والے سے مانگ کر لینے والا،خواہ دینے والا نذرانہ کے طور پر نیچا ہاتھ کرکے ہی دے اور لینے والا اوپر ہاتھ کرکے ہی اٹھائے مگر پھر بھی دینے والا ہی اونچا ہے،یہاں دینے اور لینے سے مراد بھیک دینا اور لینا ہے،اولاد کا ماں باپ کو دینا،مرید صادق کا اپنے شیخ کامل کی خدمت میں کچھ پیش کرنا،انصار کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانے پیش کرنا اس حکم سے علیحدہ ہیں،اگر ہماری کھالوں کے جوتے بنیں اور رشتہ جان کے تسمے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے استعمال فرمائیں تو ان کے حق کا کروڑواں حصہ ادا نہ ہو۔اس حدیث سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ غنا فقر سے بہتر ہے اور غنی شاکر فقیر صابر سے افضل مگر حق یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے۔ہماری اس تقریر سے یہ حدیث غنی کے افضل ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں بھکاری فقیر کا ذکر ہے نہ کہ صابر کا،بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اوپر والے ہاتھ سے فقیر صابر مراد ہے اور نیچے والے سے بھکاری،تب تو سبحان اللہ! بہت لطف کی بات ہے۔

۷؎ بعد کے معنے سوا بہت ہی مناسب ہیں جو شیخ نے اختیار کئے یعنی آپ سے تو جیتے جی قبر میں حشر میں مانگتا ہی رہوں گا کیوں نہ مانگوں میں بھکاری آپ داتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ"اور فرماتا ہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"اور فرماتا ہے:"وَاَمَّا السَّآىٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"۔آپ سے مانگنے میں ہماری عزت ہے،ہاں آپ کے سوا کسی سے نہ مانگوں گا۔شعر

اُن کے در کی بھیک چھوڑیں سروری کے واسطے ان کے در کی بھیک اچھی سروری اچھی نہیں

کل قیامت میں ساری خلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت وغیرہ کی بھیک مانگے گی،حضرت حکیم نے یہ وعدہ ایسا پورا کیا کہ اگر گھوڑے سے آپ کا کوڑا گرجاتا تو خود اتر کرلیتے کسی سے مانگتے نہیں۔خیال رہے کہ ارزء رزءٌ سے بمعنی کم کرنا،چونکہ مانگنے سے مانگنے والے کی عزت گھٹ جاتی ہے اور دینے والے کا کچھ مال بھی کم ہوتا ہے اس لیے اسے رزءٌ فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا جب کہ آپ صدقہ کا اور مانگنے سے باز رہنے کا ذکر فرمارہے تھے ۱؎ کہ اونچا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے،اونچا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچا ہاتھ مانگنے والا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی مالداروں کو صدقہ دینے کی رغبت دے رہے تھے اور فقیروں کو صبر اور مانگنے سے باز رہنے کا حکم دے رہے تھے۔

۲؎ الحمدللہ! اس حدیث نے فقیر کی گزشتہ شرح کی تائید فرمادی یعنی بھکاری دینے والے سے نیچا ہے،ہر لینے والا نیچا نہیں بہت مرتبہ دینے والا خادم ہوتا ہے لینے والا مخدوم جس کی مثالیں بھی عرض کی جاچکیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہ تفسیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے نہ کہ سیدنا ابن عمر کی جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ بھکاری اس لیے مفضول ہوا کہ وہ اس مانگنے سے مائل بغنی ہے اور سخی اس لیے افضل ہوا کہ وہ مائل بفقر ہے یعنی فقیر مال لے رہا ہے اور سخی مال دے کر کم کررہا ہے لہذا اس حدیث سے یہی ثابت ہوا کہ غنا سے فقر افضل۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ کچھ انصاری لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا ۱؎ حضور نے انہیں دیا پھر مانگا حضور نے پھر دیا حتی کہ جو آپ کے پاس تھا ختم ہوگیا ۲؎ پھر فرمایا جو کچھ مال میرے پاس ہوگا وہ تم سے ہرگز بچا نہ رکھوں گا ۳؎ جو سوال سے بچنا چاہے اللہ اسے بچائے گا اور جو غنا چاہے گا اللہ اسے غنا دے گا اور جو صبر چاہے گا اللہ اسے

	صبر دے گا۴؎اور کسی کو صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز نہ ملی۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ مانگنا بلاضرورت تھا جیساکہ اگلے فرمان سے معلوم ہورہا ہے۔ضرورۃً مانگنے والوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دیتے تھے اوروں سے بھی دلواتے تھے۔

۲؎یعنی وہ حضرات مانگتے رہے اور حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم دیتے رہے انہیں سب کچھ دے کر پھر مسئلہ بتایا اس میں تبلیغ بھی ہے اور سخاوت مطلقہ کا اظہار بھی۔معلوم ہوا کہ بلاضرورت مانگنے والوں کو دینا حرام نہیں اگرچہ انہیں مانگنا ممنوع ہے۔خیال رہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خوش ہوکر دیا ہے وہ بہت عرصہ تک ختم نہ ہوا۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تھوڑے تھوڑے جو عطا فرمائے تھے جو ان بزرگوں نے سالہا سال کھائے اور کھلائے،پھر جب تولے تو اتنے ہی تھے مگر تولنے سے ختم ہوگئے،حضرت طلحہ کے ہاں ساڑھے چار سیر جَو کی روٹی پر سینکڑوں آدمیوں کی دعوت فرمادی جیساکہ **باب المعجزات** میں آئے گا،لہذا اس ختم ہونے سے کوئی دھوکا نہ کھائے،یار کے رنگ مختلف ہیں جب خوشی سے دیں تو سب کچھ ہے اور اگر کوئی ناخوش کرکے لے تو اس میں برکت نہیں۔

۳؎ **خیر** سے مراد مال ہے،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مال حلال ہی لیتے تھے اس لیے اسے خیر فرمایا۔اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مال جمع نہ کیا اور نہ بعد وفات کچھ وراثۃً چھوڑا جو باغ وغیرہ تھے وہ سب مسلمانوں پر وقف رہے۔

۴؎یہ حدیث اس حدیث قدسی کی شرح ہے"اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ"یعنی رب تعالٰی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب رہتا ہوں اس کا ظہور آخرت میں تو ہوگا ہی کہ اگر بندہ معافی کی امید کرتا ہوا مرجائے تو ان شاءاللہ اسے معافی ہی ملے گی،اکثر دنیا میں بھی ہوجاتا ہے کہ جو قرض نہ لینے یا نہ مانگنے کا خدا کے بھروسے پر پورا ارادہ کرلے تو اللہ تعالٰی اسے ان سے بچا ہی لیتا ہےاور جو یہ کوشش کرے کہ دنیا والوں سے لاپرواہ رہوں تو بہت حد تک اللہ اسے لاپرواہ ہی رکھتا ہے مگر یہ فقط زبانی دعویٰ نہ ہو عملی کوشش بھی ہو کہ کمانے میں مشغول رہے،خرچ درمیانہ رکھے،گلچھرے نہ اڑائے،اللہ رسول سچے ہیں ان کے وعدے حق،غلطی ہم کرجاتے ہیں۔

۵؎یعنی رب تعالٰی کی عطاؤں میں سے بہترین اور بہت گنجائش والی عطا صبر ہے کہ رب تعالٰی نے اس کا ذکر نماز سے پہلے فرمایا:"اسْتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ"اور صابر کے ساتھ اللہ ہوتا ہے،نیز صبر کے ذریعہ انسان بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرلیتا ہے اور بڑے بڑے درجے حاصل کرلیتا ہے،رب تعالٰی نے ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:"اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا"ہم نے انہیں بندہ صابر پایا،صبر ہی کی برکت سے حضرت حسین علیہ السلام سید الشہداء ہوئے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطیہ دینا چاہتے تو میں

	عرض کرتا کہ یہ مجھ سے زیادہ حاجت مند کو عطا فرمایئے ۱؎تو آپ فرماتے یہ لے لو اسے مال بنا لو اس کو صدقہ کرو تمہیں جو مال بغیر طمع اور بغیر مانگے ملے اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے اپنے کو نہ لگاؤ ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎صحبت پاک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تاثیر تھی کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ صرف غنی نہیں بلکہ غنی تر وغنی گر ہوگئے،مانگنا تو کیا بغیر مانگے آتی ہوئی چیز میں بھی ایثار ہی کرتے ہیں اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں،اپنے دور خلافت میں جب فارس اور روم کے خزانے مدینہ میں لاتے ہیں تو اس وقت بھی خود ایک قمیض ہی دھو دھو کر پہنتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا بے مثال تعلیم ہے۔مقصد یہ ہے کہ جو بغیر مانگے اور بغیر طمع کے ملے وہ رب تعالٰی کا عطیہ ہے اسے نہ لینا گویا اس عطیہ کی بے قدری ہے دنیا والوں سے استغناء اچھا اور اللہ و رسول کا ہمیشہ محتاج رہنا اچھا۔مشائخ کرام معمولی نذرانہ بھی قبول کرلیتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے پھر کیا خوب فرمایا کہ تم خود لے کر صدقہ کردو تاکہ تمہیں لینے کا بھی ثواب ملے اور دینے کا بھی۔

حکایت: حضرت بنان حمّالی کا پیشہ کرتے تھے ایک بار امام احمد بن حنبل کا کچھ سامان اجرت پر گھر پہنچایا وہاں تنور سے روٹیاں نکلتی دیکھیں،امام احمد نے اپنے بیٹے سے کہا کہ دو روٹیاں بنان کو بھی دے دو بنان نے انکار کردیا جب چلے گئے تو امام نے پھر دو روٹیاں ان کے پاس بھیجیں بنان نے قبول کرلیں،کسی نے امام احمد سے بنان کے اس رویّہ کی وجہ پوچھی کہ انہوں نے پہلے کیوں نہ لیں پھر کیوں لے لیں،امام نے فرمایا کہ وہ مرد متقی ہے پہلے ان کے نفس میں انتظار پیدا ہوچکا تھا نہ لیں،لوٹ جانے کے بعد مایوس ہوگئے تھے پھر لے لیں اور آپ نے یہی حدیث پڑھی۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سوال کھرونچے ہیں جن سے آدمی اپنا منہ کھرچتا ہے تو جو چاہے اپنے منہ پر یہ کھرونچے رکھے اور جو چاہے اس سے بچے ۲؎مگر یہ کہ آدمی حکومت والے سے کچھ مانگے یا ایسی چیز کہ اس کے بغیر چارہ نہ پائے ۳؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے شاگردوں میں سے بڑے شاگرد ابن سیرین اور امام شعبی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،۵۵ھ میں وہیں وصال ہوا۔

۲؎منہ کے کھرونچوں سے مراد ذلت کا اثر ہے کہ جیسے منہ کے زخم دور سے نظر آتے ہیں ایسے ہی بھکاری دور سے پہچانا جاتا ہے اس کے چہرے پر نہ رونق ہوتی ہے نہ وقار بلکہ یہ آثار ذلت قیامت میں بھی اس پر ہوں گے جیساکہ پہلے حدیث شریف میں آچکا۔

۳؎یعنی یہ دو سوال جائز ہیں: مستحق کا حاکمِ وقت سے اپنے وظیفہ مقرر کرانا کہ یہ بھیک نہیں بلکہ اپنے حق کا مطالبہ ہے۔دوسرے سخت ضرورت کے وقت جب شرعًا اسے مانگنا جائز ہو تو کچھ مانگ لینا۔امام غزالی نے فرمایا کہ جس مالدار پر حج فرض ہوااور بلاوجہ حج نہ کرے پھر غریب ہوجائے تو اس پر واجب ہے کہ حج کا خرچہ مانگے اور حج کو جائے کہ اس میں اپنے کو فسق سے نکالنا ہے،جب مجبورًا بھوک یا برہنگی دفع کرنے کے لیے سوال واجب ہے تو یہ بھی ضروری ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگوں سے مانگے حالانکہ اس کے پاس بقدر دفع حاجت ہے۱؎تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے سوال اس کے چہرے میں کھروچن یا خارش یا زخم ہوں گے۲؎عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدر غنا کیا ہے فرمایا پچاس درہم یا اس قیمت کا سونا ۳؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یعنی اس کے پاس روزمرّہ کی ضروریات کھانا،کپڑا ہے اور کوئی خاص ضرورت درپیش نہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں جہاں تھا کہ ضامن بن جانے والا سوال کرسکتا ہے کہ ضمانت نے اسے سوال کی ضرورت ڈال دی۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ تینوں ہی الفاظ أو کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں،راوی کا شک نہیں اور ان تینوں کے الگ الگ معنی ہیں ہر دوسرے لفظ میں پہلے سے ترقی زیادہ ہے جیساکہ ہم نے ترجمہ میں ظاہر کردیا،چونکہ بے ضرورت بھکاری تین قسم کے تھے معمولی کبھی کبھی مانگ لینے والے اور ہمیشہ کے بھکاری ضدی و ہٹ دھرم بھکاری اسی لیے ان کے چہروں کے آثار بھی تین طرح کے ہوئے جیسی بھیک ویسا اس کا اثر لہذا أو تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں۔

۳؎خیال رہے کہ جس نصاب سے سوال حرام ہوتا ہے اس کی مقداریں مختلف آئی ہیں۔یہ تو پچاس درہم یعنی قریبًا ساڑھے بارہ روپے ارشاد ہوئے،دوسری روایت میں ایک اوقیہ ارشاد ہوا یعنی چالیس درہم تقریبًا دس روپے،تیسری روایت میں دن رات کا کھانا ارشاد ہوا جیساکہ آگے آرہا ہے،لہذا بعض شارحین نے ان دونوں حدیثوں کو دن رات کے کھانے والی حدیث سے منسوخ مانا لیکن چونکہ ہر شخص کی حاجت مختلف ہوتی ہے۔ بڑے کنبے والے کا روزانہ خرچ زیادہ ہوتا ہے درمیانی کنبے والے کا درمیانہ اور اکیلے آدمی کا خرچہ بھی بہت معمولی،سرکار کے یہ تین ارشاد تین قسم کے لوگوں کے لحاظ سے ہیں جیسا موقعہ اور جیسامسئلہ پوچھنے والا ویسا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب۔حکیم کی ہر بات حکمت سے ہوتی ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور ممکن ہے کہ حرمت سوال کا حکم تدریجًا آہستگی سے وارد ہوا۔اولًا پچاس درہم والوں کو

روکا گیا،پھر چالیس والوں کو،آخر میں دن رات کے کھانے پر قدرت رکھنے والے کو جیسے شراب کی حرمت کا حال ہوا کیونکہ اہل عرب سوال کے عادی تھےایک دم سوال چھوڑنہ سکتے تھے اس لیے یہ ترتیب برتی گئی۔

روایت ہے حضرت سہل ابن حنظلیہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مانگے حالانکہ اس کے پاس بقدرغنا ہو تو وہ آگ بڑھاتا ہے ۱؎ نفیلی نے فرمایا جو دوسری جگہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں ۲؎ وہ غنا کیا ہے جس کے ہوتے سوال مناسب نہیں فرمایا اس قدر کہ صبح شام کھائے اور دوسری جگہ فرمایا کہ اس کے پاس ایک دن یا ایک دن و رات کی سیری ہو ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس سے معلوم ہورہا ہےکہ بلاضرورت سوال حرام ہےکیونکہ خصوصیت سے سخت عذاب کی وعید وارد ہوئی۔آگ بڑھانے سے مراد آگ کی تیزی،بھڑک،شعلے بڑھانا۔

۲؎ نفیلی کا نام عبداللہ ابن محمد ہے،ابوداؤد سجستانی کے استاد ہیں،نفیل ان کے کسی دادا کا نام ہے۔

۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ دن رات کی خوراک کی حد ہر شخص کے لیے جداگانہ ہے،بڑے کنبہ والے کے لیے زیادہ مال ہے درمیانے کے لیے درمیانہ ایک دو آدمیوں کے لیے معمولی یہاں خاص آفت زدہ مستثنٰی ہے،مقروض،ضامن یا جس کا مال ہلاک ہوگیا اس کے لیے سوال جائز ہے اگرچہ دن رات کے کھانے کا مالک ہو لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ یہ مانگنے کا ذکر ہے۔رہا زکوۃ لینا اس کے متعلق یہاں مرقات نے فرمایا کہ فقیر اپنے اور اپنے بال بچوں کے ایک سال کا خرچ زکوۃ سے جمع کرسکتا ہے خرچ سے مراد کھانا اور کپڑا دونوں ہی ہیں۔

روایت ہے حضرت عطاء بن یسار سے وہ بنی اسد کے ایک شخص سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو مانگے حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر ہوں تو وہ زاری سے مانگتا ہے ۲؎ (مالک و ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ عطاءابن یسار تابعی ہیں اور ان کے شیخ جن کا انہوں نے نام نہ لیا صرف یہ کہہ دیا کہ بنی اسد کے ایک صاحب وہ صحابی ہیں،چونکہ صحابہ سارے ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اس لیے ان کا نام یا حال معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں،نہ ایسے صحابی کو مجہول کہا جاسکتا ہے نہ حدیث کو۔(مرقات)

۲؎ یعنی قرآن شریف میں جو وارد ہوا"لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا"۔اس الحاف میں بے ضرورت مانگنا بھی داخل ہے،اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اس تعیین کی وجہ ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔

روایت ہے حضرت حبشی ابن جنادہ سے ۱؎ فرماتے ہیں	

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو غنی کو سوال جائز ہے نہ درست اعضاء والے کو مگر زمین سے ملے ہوئے فقیر یا رسوائی والے مقروض کو ۲؎ اور جو لوگوں سے مال بڑھانے کے لیے مانگے تو یہ سوال قیامت کے دن اس کے چہرے کے کھرونچے ہوں گے اور دوزخ کے انگارے جسے وہ کھائے گا اب جو چاہے وہ کم کرے جو چاہے بڑھائے ۳؎(ترمذی)

۱؎ان کی کنیت ابو الجنوب ہے،قبیلہ بنی بکر ابن ہوازن سے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں دیکھا،آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

۲؎یہ استفتاء صحیح الاعضاء سے ہے یعنی تندرست آدمی ان دونوں صورتوں میں مانگ سکتا ہے،ایک سخت فقیر جو اسے خاک نشین بنادے جس سے وہ نہ کہیں کاروبار کر سکے نہ کمانے کے لیے سفر،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ"۔ایسا مقروض جس کے قرض خواہ اس کی آبرو کے درپے ہوگئے ہوں وہ اگرچہ تندرست ہے مگر ان مصیبتوں کے دفعیہ کے لیے مانگ سکتا ہے۔

۳؎یہ آخری جملہ اختیار دینے کے لیے نہیں بلکہ اظہار غضب کے لیے ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ"۔رِضَفٌ رِضَفَۃٌ کی جمع ہے،رضفہ وہ تیز گرم پتھر ہے جس سے دودھ ابالا جاتاہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک انصاری شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مانگنے کے لیے آیا ۱؎ آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے گھر میں کچھ نہیں ۲؎ عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ ہے جو ہم کچھ بچھالیتے ہیں کچھ اوڑھ لیتے ہیں ۳؎ اور ایک پیالہ جس میں پانی پیتے ہیں اور فرمایا وہ دونوں ہمارے پاس لے آؤ وہ یہ دونوں چیزیں حاضر لائے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا یہ کون خریدتا ہے ۴؎ ایک شخص نے کہا ایک درہم میں میں لیتا ہوں آپ نے دو یا تین بار فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے ۵؎ ایک صاحب بولے کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں انہیں دے دو ۶؎ اور دو درہم ان انصاری کو دیئے اور

	فرمایا ان میں سے ایک کا غلہ خرید کر اپنے گھر میں ڈال دے اور دوسرے کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاے وہ حضور کے پاس کلہاڑی لائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے اس میں دستہ ڈالا۸ پھر فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اب میں تمہیں پندرہ دن نہ دیکھوں۹ پھر وہ صاحب لکڑیاں کاٹتے اور بیچتے رہے پھر حاضر ہوئے اور دس درہم کما چکے تھے اس نے کچھ درہموں سے کپڑا اور کچھ سے غلہ خریدا۱۰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ اس سے بہتر ہے کہ سوالات قیامت کے دن تمہارے منہ میں داغ بن کر آئیں۱۱ تین شخصوں کے سواء کسی کو سوال جائز نہیں کمر توڑ فقیری یا رسوا کن قرض یا تکلیف دہ خون سے ۱۲(ابوداؤد)اور ابن ماجہ نے **یوم القیامت** تک روایت کی۔

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے پہلے لوگ قرض و سوال میں گھرے ہوئے تھے۔چنانچہ یہود کے ہاں کی بہت زمینیں جائیدادیں،مال،مکان وغیرہ گِرو پڑے تھے،سوال کرلینے کا عام رواج تھا کیونکہ اکثر لوگ بہت غریب و نادار تھے اسی سلسلے میں یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کرنے حاضر ہوئے۔

۲؎ سبحان اللہ! یہ ہے بگڑی قوم کا بنانا،یہاں یہ ممکن تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے کچھ دے دیتے مگر وہ چند روز میں کھاکر برابر کردیتا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے اس کی بلکہ اس کی نسل کی زندگی سنبھال دی فقیر کو دے دینا آسان مگر اس کی زندگی سنبھال دینا بہت مشکل ہے۔تجربہ ہے کہ پہاڑ ڈھا دینا اور دریا پاٹ دینا آسان مگر بگڑی قوم کو سنبھال دینا مشکل۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیئے جس کی مثال نہیں ملتی۔

۳؎ حلس ح کے کسرہ سے ٹاٹ کو بھی کہتے ہیں اور موٹے کمبل کو بھی جو اونٹ کی پیٹھ پر پالان کے نیچے ڈالا جاتا ہے یہاں دونوں معنے کا احتمال ہے۔بھلا غریبی کی حد ہوگئی کہ اس اللہ کے بندے کی سارے گھر میں کُل کائنات یہ دو چیزیں ہیں،حالت یہ کہ ایک ہی کمبل کو آدھا بچھا کر خود بیوی بچے سب لیٹ جاتے اور اسی کا آدھا یہ سب اوڑھ لیتے جیساکہ نَبْسُطُ کے جمع متکلم سے معلوم ہورہا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں کو تخت و تاج کا مالک بنایا ہے۔

۴؎ اگرچہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ سرکار اس مسکین سے ہی فرمادیتے کہ یہ دونوں چیزیں بیچ کر کلہاڑی خرید لو جس سے لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اپنا کام چلاؤ مگر اس صورت میں وہ اہمیت ظاہر نہ ہوتی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف

سے ظاہر ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ صرف کہہ دینے سے قوم کی اصلاح نہیں ہوتی اس کے لیے کچھ کرکے بھی دکھانا پڑتا ہے،مبلغین قولی تبلیغ پر کفایت نہ کریں بلکہ عملی تبلیغ بھی کریں۔

۵؎ اس سے نیلام کا بھی ثبوت ہوا جسے عربی میں بیع مَنْ یَزِیْد کہتے ہیں اور نیلام میں باربار بولی مانگنا بھی ثابت ہوا یہ دونوں چیزیں سنت سے ثابت ہیں۔

۶؎ خیال رہے کہ جس حدیث میں دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ چڑھانا منع فرمایا گیا وہاں وہ صورت مراد ہے جہاں تاجروخریدار راضی ہوچکے ہوں اور یہ چڑھا کر ان کا بھاؤ بگاڑ دے یہاں یہ صورت نہیں،یہاں تو تاجر خود بھاؤ چڑھانے کا مطالبہ کررہا ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے بیع معاطات(جسے بیع تعاطی بھی کہتے ہیں)ثابت ہوئی یعنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرنا صرف لین دین سے بیع کردیناجیسا آج کل عام طور پر ہوتا ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نہ اس سے ایجاب کرایا نہ خود قبول فرمایا صرف لے دے کر بیع کردی۔

۷؎ یعنی ایک درہم کے جو خرید کر اپنی بیوی کو دے تاکہ وہ پیس پکا کر خود بھی کھائے تجھے اور بچوں کو بھی کھلائے اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر مجھے دے جا اور روٹی کھا کر پھر آنا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ فقیر نادار پر بھی بیوی بچوں کا خرچہ واجب ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ بیوی سے بھی کمائی کرا۔دوسرے یہ کہ کمانا صرف مرد پر لازم ہےنہ کہ بیوی پر کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلہاڑی صرف مرد کو دی دو کلہاڑیاں لے کر عورت و مرد میں تقسیم نہ فرمائیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو لڑکیوں سے کمائی کرانے کے لیے بی اے،ایم اے کرارہے ہیں اور جو ضروری مسائل لڑکیوں کو سکھانا فرض ہیں ان سے بالکل بے خبر ہیں۔

۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس سے کوئی کام کاج شروع کرایا جائے اس کی کچھ بدنی امداد بھی کی جائے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس کی مالی امداد نہ کی بلکہ بدنی امداد فرمائی کیونکہ مالی امداد سے اس کے مانگنے کی عادت نہ چھوٹتی،اب اسے عبرت ہوگئی کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھ سے اتنا کام کرسکتے ہیں تو میں کیوں نہ محنت کروں۔

۹؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنگلی لکڑیاں شکاری جانوروں کی طرح عام مباح ہیں جو قبضہ کرلے وہ اس کا مالک ہے کہ وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے۔دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم با فرمان الٰہی مالک احکام ہیں،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ان پندرہ دنوں کی جماعت سے نماز معاف فرمادی حتی کہ درمیان میں جمعہ بھی آیاوہ بھی اس کے لیے معاف رہا،اسی دوران میں اسے مسجد نبوی میں آنا ممنوع ہوگیاکیونکہ اس کو فرمایا گیا تجھ کو میں دیکھو نہیں،اب اگر وہ مسجد میں حاضر ہوتے تو اس ممانعت کے مرتکب ہوتے،انہوں نے اس زمانہ میں دن کی نماز جنگل میں اور رات کی گھر پڑھیں۔

۱۰؎ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت پندرہ دن تک مسجد میں قطعًا حاضر نہ ہوئے ورنہ اگر اس دوران میں جماعت عشاء کے لیے بھی کبھی آئے ہوتے تو اس کا ضرور یہاں ذکر ہوتا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ان سے روزانہ کا حساب پوچھتے،یہ ان کی خصوصیت میں سے ہے،اب کسی تاجر یا پیشہ ور کو یہ جائز نہیں کہ کاروبار میں مشغول ہو کر جماعت ترک کرے۔

۱؎ یعنی حلال پیشہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو بھیک مانگنے سے افضل ہے کہ اس میں دنیا و آخرت میں عزت ہے۔افسوس آج بہت سے لوگ اس تعلیم کو بھول گئے،مسلمانوں میں صدہا خاندان پیشہ ور بھکاری ہیں۔

۱۲؎تکلیف دہ فقیری میں فاقہ اور فقیر کی معذوری یعنی بے دست و پا ہونا دونوں شامل ہیں اور رسوا کن قرض سے وہ قرض مراد ہے جس میں قرض خواہ مہلت نہ دے،مقروض کی آبرو ریزی پر تیار ہو۔تکلیف دہ خون سے یہ مراد ہے کہ اس نے کسی کو قتل کردیا جس کی دیت اس پر لازم ہوئی،اس کے پاس نہ مال ہے نہ اہل قرابت،یہ تینوں آدمی بقدر ضرورت سوال کرسکتے ہیں۔خیال رہے کہ یہ پابندیاں مانگنے کے لیے ہیں زکوۃ لینے کے لیے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے فاقہ پہنچے وہ اسے لوگوں پر پیش کرے تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا۱؎اور جو اسے اللہ پر پیش کرے اسے بہت جلد غنی کر دے گا یا فوری موت سے یا آئندہ غنا سے۲؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ یعنی اپنی غریبی کی شکایت لوگوں سے کرتا پھرے اور بے صبری ظاہر کرے اور لوگوں کو اپنا حاجت رواں جان کر ان سے مانگنا شروع کردے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ اسے مانگنے کی عادت پڑ جائے گی جس میں برکت نہ ہوگی اور ہمیشہ فقیر ہی رہے گا۔

۲؎یعنی جو اپنا فاقہ لوگوں سے چھپائے،رب تعالٰی کی بارگاہ میں دعائیں مانگے اور حلال پیشہ میں کوشش کرے تو رب تعالٰی اسے مانگنے کی ضرورت ڈالے گا ہی نہیں،اگر اس کے نصیب میں دولت مندی نہیں ہے تو اسے ایمان پر موت نصیب کرکے جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور اگر دولتمندی نصیب میں ہے تو وہ جلدی نہ سہی دیر سے ہی عطا فرمادے گا کہ اس کی کمائی میں برکت دے گا۔ہماری اس تقریر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ موت سے غنا کیسے حاصل ہوتی ہے کیونکہ پہلے غنا سے مراد مالداری نہیں بلکہ لوگوں سے بے نیازی ہے۔خیال رہے کہ آدمی مرکر لوگوں کے مال سے بے نیاز ہوجاتا ہے اگرچہ ان کے ایصال ثواب کا منتظر رہتا ہے،یہاں مالی غنا مراد ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے ابن فراسی۱؎سے کہ فراسی فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ میں مانگ سکتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اور اگر مانگنا پڑ جائے تو نیکیوں سے مانگو ۲؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎آپ کے نام کا پتہ نہ چلا،آپ کی نسبت فراس ابن غنم ابن مالک ابن کنانہ کی طرف ہے،آپ کے والد فراسی صحابی ہیں۔

۲؎ مطلب یہ ہے کہ بلاسخت مجبوری کسی سے کچھ مانگو مت جب سخت مجبور ہوجاؤ جس سے شرعًا مانگنا درست ہوجائے تو اللہ کے متقی و نیک بندوں ہی سے مانگو کیونکہ ان کی روزی حلال ہوگی،نیز اس میں برکت ہوگی جو تمہیں بھی نصیب ہوجائے گی،نیز وہ تمہیں لعنت ملامت نہ کریں گے جھڑکیں گے نہیں،نیز وہ تمہارے حق میں دعا بھی کریں گے جس سے تمہاری فقیری دور ہوجائے گی،یہ حکم بھیک مانگنے کے متعلق ہے مگر برکت حاصل کرنے کے لیے ان کے تبرکات مانگنا بہت ہی بہتر ہے جس پر بادشاہوں کو فخر ہوتا ہے۔صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف،تہبند،فضالہ پانی حضور انور علیہ السلام سے مانگا ہے،بال اور تہبند شریف اپنی قبروں میں لے گئے،حضور خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ کے لنگر کا دلیہ سلاطین دکن مانگ مانگ کر حاصل کرتے رہے ہیں۔ہم کو اس پر فخر ہے ہم گدائے آستانہ غوثیہ ہیں رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت ابن ساعدی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر نے صدقہ پر عامل بنایا ۲؎ جب میں اس سے فارغ ہوا اور صدقہ آپ کی خدمت میں ادا کردیا تو مجھے اجرت کا حکم دیا میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے لیے کام کیا ہے میری اجرت اللہ پر ہے ۳؎ فرمایا جو تمہیں دیا جائے وہ لے لو میں نے بھی زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عمل کیا تھا مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت دی تھی تو میں نے بھی تمہارے جیسی عرض کی تھی تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو کچھ تمہیں بغیر مانگے ملے وہ کھالو اور صدقہ کرو ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کو ابن سعدی بھی کہتے ہیں،اپنی اسی کنیت میں مشہور ہیں،صحابی ہیں،شام میں ۵۷ھ وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حضرت عمرفاروق نے اپنے زمانۂ خلاف میں مجھے لوگوں کے ظاہری مال(جانور،زرعی پیداوار) کی زکوۃ وصول کرنے بھیجا،اس زمانہ میں وصولی زکوۃ کا باقاعدہ محکمہ ہوتا تھا جس میں ان لوگوں کو زکوۃ سے اجرت دی جاتی تھی انہیں عامل کہتے تھے ان کی اجرت کو عمالہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"۔

۳؎ حضرت ابن ساعدی کا خیال یہ تھا کہ اجرت لے لینے سے ثواب جاتا رہے گا اور میں نے یہ کام ثواب کے لیے کیا ہے اس لیے قبول سے انکار کیا۔

۴؎ سبحان اللہ! کیا پیاری تعلیم ہے۔مقصد یہ ہے کہ بغیر مانگے جو رب دے اسے نہ لینا اللہ کی نعمت کا ٹھکرانا ہے جو اللہ تعالٰی کو سخت ناپسند ہے لہذا یہ ضرور لے لو۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نیک اعمال کی اجرت لینا جائز ہے۔چنانچہ علماء،قاضی،مدرسین حتی کہ خود خلیفہ کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے گی،سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے باقی تینوں خلفاء نے بیت المال سے خلافت کی تنخواہ وصول کی ہے۔دوسرے یہ کہ جب کام کرنے

والے کی نیت خیر ہو تو تنخواہ لینے سے ان شاءاللہ ثواب کم نہ ہوگا۔صرف تنخواہ کے لیے دینی کام نہ کرے تنخواہ تو گزارے کے لیے وصول کرے اصل مقصد دینی خدمت ہو۔تیسرے یہ کہ غنی بھی یہ اجرتیں لے سکتا ہے صرف فقیر ہی کو اجازت نہیں،پھر لے کر خود بھی کھاسکتا ہے اس سے خیرات بھی کرسکتا ہے۔خیال رہے کہ امام احمد کے ہاں ہدیہ قبول کرنا واجب ہے،اس حدیث کی بنا پر باقی جمہورعلماء کے ہاں یہ حکم استحبابی ہے۔مرقات نے اس جگہ فرمایا کہ سلطان اسلام پر واجب ہے کہ ایسے علماء،مفتیوں،مدرسوں کی تنخواہیں مقرر کرے جنہوں نے اپنے کو دینی خدمات کے لیے وقف کردیا ہو۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ نے عرفہ کے دن ایک شخص کو سنا کہ لوگوں سے مانگتا ہے تو فرمایا کہ کیا اس دن میں اور اس جگہ غیر خدا سے مانگتاہے آپ نے اسے کوڑے لگائے[1](رزین)	

[1]اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بھیک مانگنا ہمیشہ اور ہر جگہ ہی برا ہے لیکن مبارک تاریخوں اورمبارک مقامات پر بندوں سے بھیک مانگنا بہت زیادہ برا۔مرقات نے فرمایا کہ اسی طرح مسجدوں میں اور جمعہ کے دن بھیک مانگنا بہت برا ہےکہ یہ جگہ عبادات کے لیے ہیں بھیک مانگنے کے لیے نہیں۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی جگہ میں غیراللہ سے مانگنا رحمت کے دروازے بند کردیتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ آپ نے فرمایااے لوگو یقین رکھو کہ طمع فقیری ہے اور ناامیدی غناہےاور انسان جب کسی چیز سے مایوس ہوجاتاہے تواس سے لاپرواہ ہوجاتاہے[1](رزین)	

[1]اسی لئے کہاجاتاہے کہ مایوسی بھی ایک قسم کی راحت ہے۔کسی نے حضرت ابومحسن شاذلی سے کیمیاپوچھی آپ نے فرمایا مخلوق سے امید توڑ دواور تقدیرپر شاکر رہو،سب سے بڑی کیمیایہ ہے۔شعر

آس بگزار بادشاہی کن گردن بے طمع بلند بود

روایت ہے حضرت ثوبان سے[1]فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھے اس کی ضمانت دے کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں[2]حضرت ثوبان نے کہا میں تو کسی سے کچھ نہ مانگتا تھا[3](ابوداؤد،نسائی)	

[1]آپ ثوبان ابن وجد ہیں،آپ کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوعبدالرحمٰن ہے،حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ معظمہ اور یمن کے درمیان مقام سرات میں خریدا،آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک سفروحضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے کبھی جدا نہ ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد مدینہ میں دل نہ لگا شام چلے گئے،مقام اللہ میں کچھ دن رہے،پھر مقام حمص میں رہے،وہیں ۵۴ھ وفات پائی،بہت مخلوق نے آپ سے احادیث لی ہیں۔

۲؎یعنی جو مجھ سے بھیک نہ مانگنے کا عہد کرے تو میں اس کی چار چیزوں کا ذمہ دار ہوتا ہوں،زندگی تقویٰ پر، موت ایمان پر ،کامیابی قبر میں،چھٹکارا حشر میں کیونکہ جنت ان چار چیزوں کے بعد نصیب ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جنت کا مالک و مختار بنایا ہے کیونکہ بغیر اختیار ضمانت کیسی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال سے بچنے والے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امان میں لے لیتے ہیں،پھر اس پر نہ شیطان کا داؤ چلے نہ نفس امارہ قابو پائے،جسے وہ اپنے دامن میں چھپالیں اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اور حضور علیہ السلام کی امن و امان عالم میں قیامت تک جاری ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ضمانت صرف صحابہ کے لیے نہیں تاقیامت ہر سوال سے بچنے والے مومن کے لیے ہے۔شعر

ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی　　　وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

یہاں شیخ نے فرمایا کہ انبیاءکرام کی یہ ضمانتیں باذن الٰہی ہیں اور برحق ہیں حتی کہ ایک پیغمبر کا نام ہی ذی الکفل ہے کیونکہ وہ اپنی امت کے لیے جنت کے کفیل ہوگئے تھے۔

۳؎یعنی سب سے پہلے اس حدیث پر خود حضرت ثوبان نے ایسا عمل کیا کہ وفات تک کسی سے کچھ نہ مانگا۔ معلوم ہوا کہ علم پر عالم پہلے خود عمل کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے لیے بلایا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگنا۱؎میں نے عرض کیا ہاں فرمایا اگر تمہارا کوڑا گر جائے تو وہ بھی نہ مانگنا حتی کہ خود اتر کر لینا۲؎(احمد)

۱؎یعنی مجھ سے اس پر بیعت لی کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص احکام پر بھی بیعتیں لی ہیں،ان میں سے یہ بھی ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم ان ہی کے لیے خاص تھا ورنہ گرا ہوا کوڑا کسی سے اٹھوالینا ناجائز نہیں،بعض بزرگوں کے لیے بعض جائز چیزیں ناجائز کردی جاتی ہیں جیسے حضرت علی مرتضٰی کے لیے فاطمہ زہراء کی موجودگی میں دوسرا نکاح اور بعض بزرگوں کے لیے کچھ ناجائز چیزیں جائز کردی جاتی ہیں جیسے صدیق اکبر کے لیے بحالت جنابت مسجد سے گزرنا،بعض نے فرمایا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبالغۃً ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

باب الإنفاق وكراهية الإمساك

باب خرچ کرنا اور بخل کی برائی[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی سخاوت کی تعریف اور بخل کی برائیاں اس باب میں بیان ہوں گی۔سخی وہ ہے جو اپنے مال سے خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔جوّاد وہ ہے جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیے رب تعالٰی کو سخی نہیں کہہ سکتے جوّاد کہتے ہیں۔بخیل وہ ہے جو اپنا مال خود کھائے دوسروں کا حق نہ دے۔ممسک وہ ہے جو نہ خود کھائے اور نہ کسی کو کھانے دے جوڑے اور چھوڑے۔شیخ نے فرمایا کہ یہاں امساک سے مراد بخل ہے اور انفاق سے مراد فرائض سے زیادہ نوافل میں خرچ کرنا ہے کیونکہ زکوۃ کے خرچ کا ذکر پہلے ہوچکا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا لگے گا کہ تین راتیں ایسی نہ گزریں کہ جن میں اس سونے سے کچھ بھی میرے پاس ہو بجز اتنے کے جسے ادائے قرض کے لیے رکھوں[1](بخاری)	

[1] حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے،یہ گفتگو ظاہر کے لحاظ سے ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کرتے جیساکہ دوسری حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مقروض نفلی صدقہ نہ دے بلکہ پہلے قرض ادا کرے،نیز اتنی عظیم الشان سخاوت وہ کرسکتا ہے جس کے بال بچے بھی صابر شاکر ہوں ورنہ انہیں بھوکا مار کر نفلی خیرات نہ کرو۔حضرت صدیق اکبر نے جو سب کچھ خیرات کردیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر والے بھی صابرین کے سردار تھے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ تم پر تمہاری بیوی کا حق بھی ہے اور تمہارے بچوں کا بھی کیونکہ وہاں ہم جیسوں کے لیے قانون کا ذکر ہے اور یہاں ان حضور داتا کے خصوصی کرم کا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی دن نہیں جس میں بندے سویرا کریں اور دو فرشتے نہ اتریں جن میں سے ایک تو کہتا ہے الٰہی سخی کو زیادہ اچھا عوض دے اور دوسرا	

	کہتا ہے الٰہی بخیل کو بربادی دے[1](مسلم،بخاری)

[1] یعنی سخی کے لیے دعاء اور کنجوس کے لیے بددعا روزانہ فرشتوں کے منہ سے نکلتی ہے جو یقینًا قبول ہے۔خیال رہے کہ خلف مطلقًا عوض کو کہتے ہیں دنیاوی ہو یا اخروی،حسی ہو یا معنوی مگر تلف دنیوی اور حسی بربادی کو کہا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ"کا تجربہ دن رات ہورہا ہے کہ کنجوس کا مال حکیم ڈاکٹر،وکیل یا نالائق اولاد برباد کرتی ہے۔

	روایت ہے حضرت اسماء سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب خرچ کرو مت گنو ورنہ اللہ تعالٰی بھی شمار فرمائے گا[1]اور نہ بچاؤ ورنہ اللہ بھی تم سے بچائے گا جتنا کرسکتی ہو راہِ خدا میں دو[2](مسلم،بخاری)

[1] یعنی اے اسماء اپنے مال میں سے مطلقًا اور اپنے خاوند کے مال سے بقدر اجازت خرچ کرتی رہو نفلی صدقہ کا حساب نہ لگاؤ ورنہ شیطان دل میں بخل پیدا کردے گا لہذا یہ حدیث زکوۃ کے حساب کے خلاف نہیں،بے حساب اللہ کے نام پر دو تو وہاں سے تمہیں اتنا ملے گا کہ تم حساب نہ کرسکو گی،یہ مطلب نہیں کہ رب تعالٰی کے حساب سے باہر ہوگا۔کھیت میں پانی دیتے وقت ایک شخص کنوئیں سے پانی چھوڑتا ہے اور دوسرا کیاریوں میں پھیلاتا ہے جب تک یہ پھیلاتا رہتا ہے وہاں سے پانی آتا رہتا ہے،دینی راستے اللہ کی کیاریاں ہیں مالدار لوگ ان میں پانی پھیلانے والے ہیں اور روزی پہنچانے والے فرشتے پانی چھوڑنے والے۔

[2] یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اتنی تھوڑی اور معمولی چیز اتنی بڑی بارگاہ میں کیا پیش کروں وہاں مال کی مقدار نہیں دیکھی جاتی دل کا اخلاص دیکھا جاتاہے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَنۡ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ"جب تک کہ اپنی پیاری چیز خیرات نہ کرو بھلائی نہیں پاسکتے،اور جہاں حکم دیا گیا کہ جو ہوسکے خیرات کروان دونوں میں تعارض نہیں۔آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہمیشہ معمولی چیز ہی خیرات نہ کرو اچھی چیزیں بھی خیرات کرواور اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ بڑی چیز کی انتظار میں چھوٹی خیراتوں سے باز نہ رہو جو چیز کھانے پینے سے بچ رہی اس کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے فورًا کسی کو دے دوورنہ برباد ہوجائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی نے فرمایا ہے اے انسان خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا[1](مسلم،بخاری)

۱؎ سبحان اللہ! کیسی نظر کرم ہے۔مقصد یہ ہے کہ اے انسان ختم ہونے اور مٹ جانے والا مال تو میری راہ میں دے میں تجھے اس سے کہیں زیادہ مال بھی دوں گا اور نہ مٹنے والا ثواب بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَاعِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللہِ بَاقٍ"۔(از مرقات)خیال رہے کہ جس فانی چیز کو رب تعالٰی قبول فرمالے وہ باقی ہوجاتی ہے،دنیا صِفر ہے یعنی خالی رضائے الٰہی عدد،صفر اکیلا ہو تو کچھ نہیں اور اگر عدد سے مل جائے تو دس گناہ۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ صدقہ سے تقدیر بدل جاتی ہے بدنصیب نصیب ور ہو جاتے ہیں۔تقدیر کی پوری بحث ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلد دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی فرماتا ہے ۱؎ اے انسان اگر تو بچا مال خرچ کردے تیرے لیے اچھا ہے اور اگر تو اسے روک رکھے تو تیرے لیے برا ہے ۲؎ اور بقدر ضرورت پر ملامت نہیں اور اپنے عیال سے ابتدا کر۳؎(مسلم)	

۱؎ مشکوۃ شریف کے عام نسخوں اور مرقات میں بھی قال اللہ تعالٰی نہیں ہے مگر اشعۃ اللمعات میں یہ جملہ موجود ہے۔شیخ نے بھی فرمایا کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث بھی قدسی ہے اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابن آدم سے خطاب فرماسکتے ہیں۔

۲؎ یعنی اپنی ضروریات سے بچا ہوا مال خیرات کردینا خود تیرے لیے ہی مفید ہے کہ اس سے تیرا کوئی کام نہ رکے گا اور تجھے دنیا و آخرت میں عوض مل جائے گا اور اسے روکے رکھنا خود تیرے لیے ہی برا ہے کیونکہ وہ چیز سڑ گل یا اور طرح ضائع ہوجائے گی اور تو ثواب سے محروم ہوجائے گا اسی لیے حکم ہے کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا بیکار کپڑا خیرات کردو نیا جوتا رب تعالٰی دے تو پرانا جوتا جو تمہاری ضرورت سے بچا ہے کسی فقیر کو دے دو کہ تمہارے گھر کا کوڑا نکل جائے گا اور اس کا بھلا ہوجائے گا۔

۳؎ اس میں دو حکم بیان ہوگئے:ایک یہ کہ جو مال اس وقت تو زائد ہے کل ضرورت پیش آئے گی اسے جمع رکھ لو آج نفلی صدقے دے کر کل خود بھیک نہ مانگو۔دوسرے یہ کہ خیرات پہلے اپنے عزیز غریبوں کو دو پھر اجنبیوں کو کیونکہ عزیزوں کو دینے میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی اس کا ذکر آئندہ بھی آئے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کنجوس اور سخی کی کہاوت ان دو شخصوں کی سی ہے جن پر لوہے کی دو زرہ ہوں۱؎ جنہوں نے ان کے دونوں ہاتھ ان کے پستانوں اور گلے سے باندھ دیئے ہوں۲؎ سخی جب خیرات کرنے	

	لگے تو زرہ پھیل جائے اور کنجوس جب خیرات کا ارادہ بھی کرے تو زرہ اور تنگ ہوجائے اور ہر کڑی اپنی جگہ چمٹ جائے[۳] (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں دو شخصوں کی پوری حالتوں کو دوسرے دو شخصوں کے پورے حال سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی کنجوس اور سخی کی حالتیں ان دو شخصوں کی سی ہیں جن کے جسم پر دو لوہے کی زرہیں ہیں،انسان کی خلقی اور پیدائشی محبت مال اور خرچ کرنے کو دل نہ چاہنے کو زرہوں سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے زرہ جسم کو گھیرے اور چمٹی ہوتی ہے ایسی محبت مال انسان کے دل کو چمٹی ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ"۔بعض لوگوں نے اسے جبتان ب سے پڑھا مگر جنتان صحیح ہے ن سے۔

۲؎ تراقی ترقوت کی جمع ہے۔ترقوت وہ ہڈی ہے جو سینہ سے اوپر اور گردن کے نیچے ہے،چونکہ یہ ہڈیاں گردن کے دو طرفہ ہوتی ہیں اس لیے دو آدمیوں کی چار ہڈیاں ہوں گی اس لحاظ سے تراقی جمع ارشاد ہوا۔اِضۡطُرَّتۡ مجہول فرماکراشارۃً یہ بتایا کہ انسان کا یہ بخل قدرتی ہے اختیاری نہیں۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تشبیہ ہے یعنی بخیل بھی کبھی خیرات کرنے کاارادہ تو کرتا ہے مگر اس کے دل کی ہچکچاہٹ اس کے ارادہ پر غالب آجاتی ہے اور وہ خیرات نہیں کرتا اور سخی کو بھی خیرات کرتے وقت ہچکچاہٹ تو ہوتی ہے مگر اس کا ارادہ اس پر غالب آجاتا ہے اسی غلبہ پر سخی ثواب پاتا ہے پھر سخاوت کرتے کرتے نفس امارہ اتنا دب جاتا ہے کہ اس کو کبھی خیرات پر ہچکچاہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی،یہ بہت بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کھلے دل سے صدقہ کرنے لگتا ہے ہر عبادت کا یہی حال ہے کہ پہلے نفس امارہ روکا کرتا ہے مگر جب اس کی نہ مانی جائے تو پھر روکنا چھوڑ دیتا ہے،نفس کی مثال شیر خوار بچے کی سی ہےجو دودھ چھوڑتے وقت ماں کو بہت پریشان کرتا ہےمگر جب ماں اس کی ضد کی پرواہ نہیں کرتی تو وہ پھر دودھ نہیں مانگتا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہوگا[۱] اور کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کردیا کنجوسی نے انہیں رغبت دی کہ انہوں نے خون ریزی کی حرام کو حلال جانا[۲] (مسلم)

۱؎ ظلم کے لغوی معنے ہیں کسی چیز کو بے موقعہ استعمال کرنا اور کسی کا حق مارنا۔اس کی بہت قسمیں ہیں:گناہ کرنا اپنی جان پر ظلم ہے،قرابت داروں یا قرض خواہوں کا حق نہ دینا ان پر ظلم،کسی کو ستانا ایذاء دینا اس پر ظلم،یہ حدیث سب کو شامل ہے اور حدیث اپنے ظاہری معنے پر ہے یعنی ظالم پلصراط پر اندھیریوں میں گھرا ہوگا،یہ ظلم اندھیری بن کر اس کے سامنے ہوگا جیسے کہ مؤمن کا ایمان اور اس کی نیک اعمال روشنی بن کر اس کے آگے چلیں گے،رب

تعالیٰ فرماتا ہے:"یَسۡعٰی نُوۡرُهُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ"چونکہ ظالم دنیا میں حق ناحق میں فرق نہ کرسکا اس لیے اندھیرے میں رہا۔

۲؎ عربی میں شح بخل سے بدتر ہے،بخل اپنا مال کسی کو نہ دینا ہے اور شح اپنا مال نہ دینا اور دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا ہے۔غرضکہ شح بخل،حرص اور ظلم کا مجموعہ ہے اسی لیے یہ فتنوں فساد،خون ریزی و قطع رحمی کی جڑ ہے،جب کوئی دوسروں کا حق ادا نہ کرے بلکہ ان کے حق اور چھیننا چاہے تو خواہ مخواہ فساد ہوگا۔

	روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا ۲؎ کہ کوئی شخص اپنا صدقہ لے کر چلے گا تو کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ ملے گا آدمی کہیں گے کہ اگر تم کل لاتے تو میں لے لیتا آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،حضرت عمر ابن خطاب کے سوتیلے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کے اخیافی بھائی،کوفہ میں قیام رہا۔

۲؎ کُمۡ سے مراد ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ کہ صحابہ کیونکہ مال کی یہ فراوانی قریب قیامت حضرت امام مہدی کے زمانہ میں ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ صحابہ سے ہی خطاب ہو اور سیدنا خضر علیہ السلام اس میں داخل ہوں کہ وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور وہ یہ زمانہ پائیں گے کہ ان کی وفات بالکل قیامت سے متصل ہوگی۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ قبول نہ کرنا غنا کی وجہ سے ہوگا کہ سارے لوگ اتنے مالدار ہوجائیں گے کہ آسانی سے کوئی زکوۃ لینے والا نہ ملے گا۔اس حدیث کی روش سے معلوم ہورہا ہے کہ اس وقت بھی فقیر ملیں گے تو مگر بہت تلاش اور دشواری سے ورنہ مالداروں پر زکوۃ فرض نہ رہتی جیسے جس کے اعضائے وضو ایسے زخمی ہوں جن پر نہ پانی پہنچے سکے نہ تیمّم کا ہاتھ پھیر سکے تو اس پر وضو اور تیمّم دونوں معاف ہوجاتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقراء کا ہونا بھی اللہ کی رحمت ہے کہ ان کے ذریعہ ہم بہت سے فرائض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس زمانے کے لوگ زاہد،صابر اور تارک الدنیا ہوجائیں گے جو زکوۃ لینا پسند کریں گے ہی نہیں۔واللہ اعلم!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے صدقہ کا بڑا ثواب ہے ۱؎ فرمایا یہ کہ تم اپنی تندرستی اور بخل کی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہیں فقیری کا ڈر اور امیری کی امید ہو ۲؎ اور اتنی دیر

نہ لگاؤ کہ جب جان گلے میں پہنچے تو تم کہو کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا۳ حالانکہ وہ فلاں کا ہو ہی چکا۴ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ نفلی ہے،چونکہ یہ بہت سی قسم کا ہوتا ہے اور اس کے مختلف حالات ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا یعنی کس وقت کی کون سی خیرات بہتر ہے مسجد بنانا کنواں یا سرائے تیار کرنا یا کسی کو کھانا یا کپڑا دینا وغیرہ۔

۲؎ نہایت حکیمانہ جواب ہے یعنی تندرستی کا ہر صدقہ افضل ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے۔بخل سے مراد فطری محبت مال ہے یعنی تندرستی میں جب تمہیں خود بھی ضرورت ہے اپنی ضرورت پر دیں یا فقیر کی ضرورت کو مقدم رکھنا بڑی ہمت ہے اور اس کی بارگاہ الٰہی میں بڑی قدر ہے،شیطان بھی اسی وقت بہکاتاہے کہ ارے تیرے سامنے اتنے خرچ ہیں مت خیرات کر۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ فلاں سے مراد موصیٰ لہ ہے جس کے لیے وصیت کی جائے اور اتنے سے مراد مال کی مقدار ہے یعنی تم وارثوں سے کہو کہ میرا اتنا مال میرے بعد فلاں فلاں جگہ خرچ کرنا اور ممکن ہے کہ فلاں سے مراد مقرلہ ہو یا وارث کیونکہ وارث کو وصیت جائز ہے جب کہ دوسرے ورثاء راضی ہوں۔(اشعہ وغیرہ)

۴؎ یہاں فلاں سے مراد وارثین ہیں یعنی اب تم وصیت کرو یا نہ کرو تمہارے پاس سے مال چلدیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرض الموت کی حالت ہی میں بیمار کے مال میں وارثوں کا حق ہوجاتا ہے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ بیمار صرف تہائی مال کی وصیت کرسکتا ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حالت کے صدقہ و خیرات کا ثواب بہت کم ہےکیونکہ اب خود اسے ضرورت نہ رہی انسان کو چاہیے کہ تندرستی اور زندگی کو غنیمت سمجھے جو ہوسکے نیکیاں کرلے۔شعر

توشۂ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ ابھی — کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے — فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور کعبہ کے سایہ میں جلوہ گر تھے جب حضور نے مجھے دیکھا تو فرمایا رب کی قسم وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۱ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا وہ کون لوگ ہیں فرمایا بڑے مالدار لوگ بجز اس کے جو یوں اور یوں اور یوں دے۲ یعنی آگے پیچھے دائیں بائیں اور وہ ہیں بہت تھوڑے ۳ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت ابوذر غفاری وہ ہیں جنہوں نے امیری پر لات مار کر فقیری اختیار کی تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمت افزا کلام ان کی عزت افزائی کے لیے فرمایا یعنی اے ابو ذر تم خسارہ میں نہیں خسارہ میں عمومًا مالدار لوگ ہیں۔

۲؎ یہاں قَالَ بمعنی فَعَلَ ہے اور فعل سے مراد صدقہ و خیرات،یہ محاورہ عربی میں بہت عام ہے۔(لمعات)یعنی وہ سخی جو بلا گنتی دونوں ہاتھ بھر بھر کر نیکیوں میں خرچ کرے خسارہ میں نہیں۔

۳؎ ان چار سمتوں سے مراد ہر نیکی ہر جگہ نیکی ہر حال میں نیکی کرنا ہے اپنے وطن میں بھی خرچ کرے،حرمین شریفین میں بھی بھیجے،جہاں مسلمانوں کو یا اسلام کو ضرورت ہو وہاں پہنچائے۔واقعی ایسی توفیق والے تھوڑے مالدار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ"۔عمومًا مالداروں پر فضول خرچیوں،بدکاریوں اور عیاشیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں،اللہ تعالٰی عثمان غنی کے خزانہ کا پیسہ عطا فرمائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے آگ سے دور ہے ۱؎ اور کنجوس اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے آگ کے قریب ہے اور یقینًا جاہل سخی کنجوس عابد سے افضل ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ ہم سخی اور جوّاد کا فرق پہلے بیان کرچکے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حقیقی سخی وہ ہے جو غنا پر رب تعالٰی کی رضا کو ترجیح دے۔اس کے تین قرب بیان ہوئے اور ایک دوری،اللہ تعالٰی تو ہر ایک سے قریب ہے لیکن اس سے قریب کوئی کوئی ہے۔شعر

یار نزدیک تراز بمعن است دین عجب ہیں کہ من ازوے دُورم

اس حدیث میں اشارۃً فرمایا گیا کہ سخاوت مال حسن مال یعنی انجام بخیر کا ذریعہ ہے سخی سے مخلوق خود بخود راضی رہتی ہے۔

حکایت: کسی عالم سے پوچھا گیا کہ سخاوت بہتر ہے یا شجاعت فرمایا خدا تعالٰی جسے سخاوت دے اسے شجاعت کی ضرورت ہی نہیں لوگ خود بخود اس کے سامنے چت ہوجائیں گے،چونکہ صدقہ غضب کی آگ بجھاتا ہے اس لیے سخی دوزخ سے دور ہے۔

۲؎ یہاں عابد سے مراد عالم عابد ہے جیساکہ جاہل کے مقابلے سے معلوم ہورہا ہے یعنی جو شخص عالم بھی ہو عابد بھی مگر ہو کنجوس کہ نہ زکوۃ دے نہ صدقات واجبہ اداکرے وہ یقینًا سخی جاہل سے بدتر ہوگا کیونکہ وہ عالم حقیقتًا بے عمل ہے بخل بہت سے فسق پیداکردیتا ہے اور سخاوت بہت خوبیوں کا تخم ہے بلکہ وہ عابد بھی کامل نہیں کیونکہ عبادت مالی یعنی زکوۃ وغیرہ ادا نہیں کرتا،صرف جسمانی عبادت ذکروفکر پر قناعت کرتا ہے جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کا اپنی زندگی میں ایک درہم خیرات کرنا مرتے وقت سو خیرات کرنے سے بہتر ہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ زندگی سے مراد تندرستی کی زندگی ہے اور موت کے وقت سے مراد مرض الموت ہے جب زندگی کی آس ٹوٹ جاتی ہے یعنی تندرستی میں تھوڑا مال خیرات کرنا مرتے وقت کے بہت مال کی خیرات سے بہتر ہے کیونکہ تندرستی کی خیرات میں نفس پر جہاد بھی ہے اور مرتے وقت کی خیرات میں اپنا نقصان نہیں بلکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا ہے۔اس کی پوری شرح ابھی پہلے ہوچکی۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی مثال جو مرتے وقت خیرات یا آزاد کرے اس کی سی ہے جو اپنے پیٹ بھر جانے پر کسی کو ہدیہ دے ۱؎ (احمد،نسائی،دارمی،ترمذی نے اسے صحیح کہا)

۱؎ کہ اگر ہدیہ لینے والا غنی بھی ہو اور دینے والے کے اس طرز عمل سے خبردار بھی تو وہ اس کی قدر نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو مجھ پر مقدم رکھا اور سمجھا کہ یہ بچی چیز برباد ہوجائے گی لاؤ فلاں کو ہی بھیج دو،اسی طرح رب تعالٰی غنی بھی ہے اور ہماری نیتوں سے خبردار بھی۔صدقات اس کی بارگاہ میں ہدیے ہیں اگر ان کی بارگاہ الٰہی میں قدر چاہتے ہو تو تندرستی میں بھیجو کہ وہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے۔شعر

ما بروں رانگریم وقال را | مادروں رابنگریم و حال را

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن میں دو خصلتیں کبھی جمع نہیں ہوتیں کنجوسی اور بدخلقی ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی کامل مؤمن بھی ہو اور ہمیشہ کا بخیل اور بدخلق بھی،اگر اتفاقًا کبھی اس سے بخل یا بدخلقی صادر ہوجائے تو فورًا وہ پشیمان بھی ہوجاتا ہے اس کے ایک معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مؤمن نہ بخیل ہوتا ہے نہ بدخلق،جس دل میں ایمان کامل جاگزیں ہو تو اس دل سے یہ دونوں عیب نکل جاتے ہیں۔(لمعات)خیال رہے کہ بدخلقی اور ہے غصہ کچھ اور،اللہ تعالٰی کے لیے غصہ کرنا عبادت ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ

رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ"۔ہماری اس شرح سے حدیث پر نہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ بعض مؤمن بخیل بھی ہوتے ہیں اور بدخلق بھی کیونکہ وہ یا تو مؤمن کامل نہیں ہوتے یا ان کے یہ عیب عارضی ہوتے ہیں اور نہ یہ اعتراض رہا کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کہ قرآن کریم نے بعض عضوں کی تعریف فرمائی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں نہ تو فریبی آدمی جائے نہ کنجوس نہ احسان جتلانے والا[2] (ترمذی)

[1] آپ کا نام شریف عبداللہ ابن عثمان (ابوقحافہ) ابن عامر عمرو ابن کعب ابن سعد ابن تمیم ابن مرہ ہے،آپ ساتویں دادا یعنی مرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں،آپ کی کنیت ابوبکر اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا فرمائے ہوئے القاب صدیق اکبر اور عتیق ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوؤں میں شریک رہے،اسلام سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے،سب سے پہلے آپ ہی ہجرت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار کہلائے،آپ ہی افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں،عثمان غنی آپ کی تبلیغ سے ایمان لائے،حضرت بلال اور عامر فہیرہ رضی اللہ عنہما جیسے شاندار صحابہ آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ چار پشت کے صحابی ہیں،ماں باپ صحابی خود اور سارے گھر والے صحابی،ساری اولاد صحابی پوتے نواسے صحابی،ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ہی کی دختر نیک اختر ہیں،آپ کے فضائل میں بہت آیات اتریں،رب تعالٰی نے آپ کو ثانی اثنین فرمایا یعنی زندگی وفات وقبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی۔شعر

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اسلام لانے والے رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور پھیلانے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ،فاروقی فتوحات کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی،آپ مکہ معظمہ میں واقعۂ فیل سے دو سال پونے پانچ ماہ بعد پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں بائیس جمادی الاآخرہ ۱۳ھ منگل کی رات مغرب اورعشاء کے درمیان وفات پائی،آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے آپ کو غسل دیا،عمر فاروق نے نماز جنازہ پڑھائی،۶۳سال عمر پائی،دو سال کچھ مہینے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں چھوٹے تھے وہی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پورے کئے اور پھر ہمیشہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں گنبد خضراء کے اندر آرام فرماہوگئے۔آپ کے فضائل آسمان کے تاروں اور ریگستانوں کے ذروں سے زیادہ ہیں،آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔(اکمال وغیرہ)

[2] یعنی جوان عیبوں پر مر جائے وہ جنتی نہیں کیونکہ وہ منافق ہے،مؤمن میں اولًا تو یہ عیب ہوتے نہیں اور اگر ہوں تو رب تعالٰی اسے مرنے سے پہلے توبہ نصیب کردیتا ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا آدمی جنت میں پہلے نہ

جائے گا،احسان جتانے سے طعنہ دینا مراد ہے ورنہ بعض صورتوں میں احسان جتانا عبادت ہے جب کہ اس سے سامنے والے کی اصلاح مقصود ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمٰنِ"۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کی بدترین خصلت گھبراہٹ والی کنجوسی اور ڈر والی بزدلی ہے۱؎ (ابوداؤد)ہم ابوہریرہ کی یہ حدیث لایجتمع الخ کتاب الجهاد میں بیان کریں گے۔ان شاءاللہ تعالٰی!	

۱؎ یعنی انسان کے سارے عیبوں میں یہ دو عیب بدترین ہیں کہ جس سے صدہا عیب پیدا ہوجاتے ہیں۔شح کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ یہ بخل اور حرص کا مجموعہ ہے۔بڑی بزدلی وہ ہے جو انسان کو کفار کے ساتھ جہاد سے اور ابرار جیسے اعمال سے روکے۔حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی قید اس لیے لگائی کہ عورت میں یہ عیب اتنے برے نہیں جتنے مرد میں کیونکہ یہ سخاوت اور بہادری کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم سب میں پہلے آپ سے کون ملے گی ۱؎ فرمایا تم میں لمبے ہاتھ والی۲؎ انہوں نے بانس لے کر ہاتھ ناپنے شروع کردیئے۳؎ تو حضرت سودہ دراز ہاتھ نکلیں بعد میں معلوم ہوا کہ درازئ ہاتھ سے مراد صدقہ خیرات تھی ہم سب میں پہلے حضور کے پاس زینب سدھاریں اور وہ سرکار خیرات بہت پسند کرتی تھیں۴؎ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے پہلے مجھے وہ ملے گی جو لمبے ہاتھ والی ہو فرماتی ہیں کہ ازواج پاک جھگڑتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں فرماتی ہیں ہم سب میں لمبے ہاتھ والی زینب ہی ہیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور خیرات	

	کرتی تھیں۵

۱؎ یہ سوال چند سوالوں کا مجموعہ ہے:ایک یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا وقت موت کب ہے۔دوسرے یہ کہ ہم سب کی موت کس حال میں ہوگی ایمان پر اور ایمان کے کس درجہ پر۔تیسرے یہ کہ ہماری بقیہ زندگی تقویٰ کے کس درجہ پر گزرے گی۔چوتھے یہ کہ بعد وفات ہمارا مقام کہاں ہوگا کیونکہ بعد وفات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی مل سکتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو زندگی اعلیٰ درجے کے تقویٰ اور طہارت پر گزرے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ازواج مطہرات کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ عطا فرمائے ہیں کہ سرکار بعطائے الٰہی ہر ایک کا وقت موت بھی جانتے ہیں اور ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے بھی خبردار ہیں اور ہر ایک کے درجہ ایمان و مرتبہ تقویٰ سے بھی واقف ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعد موت کس کا کیا درجہ ہوگا اور کون کہاں رہے گا کیوں نہ ہوتا کہ ان بیبیوں نے دیکھا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے زمین پر خط کھینچ کر بتا دیا تھا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا اور فلاں یہاں۔دوسرے یہ کہ ازواج پاک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد موت کی ایسی مشتاق تھیں جیسے عروس برات کی کیونکہ ان کے لیے موت لقائے حبیب کا ذریعہ تھی۔شعر

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں عاصی — جس کے جویاں تھے ہے اس گل کے ملاقات کی رات

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے — کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

۲؎ یعنی اے پاک بیبیو! تم سب ہی اعلیٰ تقویٰ پر جیو گی،کمال ایمان پر وفات پاؤ گی اور تم سب میرے ساتھ رہو گی مگر سب سے پہلے میرے پاس تم میں سے وہ پہنچے گی جو زیادہ سخی ہوگی۔اس جواب سے معلوم ہوا کہ مؤمن کامل مرتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے،وصال بعد قیامت پر موقوف نہیں،نیز معلوم ہوا کہ جو بعد موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہے وہ زندگی میں نیک اعمال اور صدقہ و خیرات زیادہ کرے۔

۳؎ یہ ہوئی خطائے اجتہادی،وہ بیبیاں یہ سمجھیں کہ ہاتھ سے یہ جسم کا ہاتھ مراد ہے ان بیبیوں نے اپنے ہاتھ خود ناپے تھے مگر تعظیم و احترام کے لیے اَخَذُوا جمع مذکر فرمایا گیا جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:" وَ كَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ"اور شاعر کہتا ہے"اِنْ شِئْتِ حَرَّمْتُ النِّسَاءَ سِوَاكُمْ "قانتین بھی مذکر ہے اور کُم بھی۔

۴؎ یعنی جسم کا ہاتھ تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دراز تھا مگر سخاوت کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا لمبا تھا،حضرت زینب کی وفات ۲۱ھ میں ہوئی،آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور حضرت سودہ کی وفات ۲۴ھ میں اور عائشہ صدیقہ کی وفات ۵۷ھ میں ہے۔(مرقات ولمعات)

۵؎ چنانچہ اپنے ہاتھ سے کھالیں رنگتی تھیں انہیں بیچتی تھیں اور قیمت خیرات کردیتی تھیں،یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ازواج مطہرات کا نان نفقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذمہ ہے کیونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہیں لہذا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ محنت کرنا

اپنے خرچ کے لیے نہ تھا بلکہ راہِ خدا عزوجل میں خیرات کرنے کے لیے تھا،ان کا خیال تھا کہ اپنی محنت کا پیسہ خیرات کرنا زیادہ لائق ثواب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی بولا میں خیرات کروں گا۱ وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو کسی چور کے ہاتھ میں دے دیا۲ لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات چور کو خیرات دی گئی وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہے چور پر صدقہ۳ اب پھر صدقہ کروں گا وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا۴ لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا۵ وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہے کیا زانیہ کو خیرات میں اور صدقہ کروں گا پھر وہ اپنا صدقہ لے کر چلا تو کسی مالدار کے ہاتھ میں دے دیا۶ لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات غنی کو صدقہ دیا گیا۷ وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہی ہے کیا چور پر زاینہ پر اور غنی پر۸ اسے جواب میں کہا گیا کہ الٰہی تیری رحمت خیرات چور پر تو شاید وہ چور چوری سے باز رہے لیکن زاینہ تو شاید وہ زنا سے باز رہے لیکن غنی تو شاید وہ عبرت پکڑے اور اللہ کے دیئے میں سے کچھ خیرات کرے۹ (مسلم،بخاری)لفظ بخاری کے ہیں۔

۱ یعنی تم سے پہلے ایک بنی اسرائیلی نے اپنے دل میں کہا یا اپنے دوستوں یا گھر والوں پر اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا یارب تعالٰی کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آج میں خیرات دوں گا۔ظاہر یہ ہے کہ خیرات سے نفلی صدقہ مراد ہو۔ممکن ہے اس نے کوئی نذر مانی ہو جس کے پورا کرنے کا ارادہ کیا۔

۲ یعنی رات کے اندھیرے میں اکیلے میں ایک شخص کو فقیر جان کروہ خیرات دے دی،اس نے لوگوں میں پھیلادیا کہ مجھے ایک آدمی خیرات دے گیاجیساکہ آوارہ لوگوں کا طریقہ ہے کہ دھوکا دینے پر فخر کرتے ہیں اور دھوکا کھا نے والے کا مذاق اڑاتے ہیں،اس کا لوگوں میں چرچا ہوگیا۔مرقات نے فرمایا ممکن ہے کہ لوگوں کو یہ خبر الہام الٰہی سے معلوم ہوئی ہواور ہوسکتا ہے کہ کوئی فرشتہ شکل انسانی میں آکر لوگوں سے یہ کہہ گیا ہو،غرضکہ اس کا چرچا ہوگیا۔

۳ یہ کلمہ تعجب کا ہے یعنی وہ شخص صدقہ ضائع ہونے پر دل تنگ نہیں ہوا بلکہ خدا کا شکر ہی کیااور تعجب کے طور پر یہ کہا اللہ کے مقبول بندے مصیبت پر بھی شکر ہی کرتے ہیں۔

۴؎ یعنی میرا وہ صدقہ تو بیکار گیا کیونکہ صحیح مصرف پر نہ پہنچا جیسے کھاری زمین میں دانہ اس کی جگہ اور صدقہ دوں گا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر صدقہ صحیح جگہ نہ پہنچے تو واپس نہ لے بلکہ اس کی بجائے اور صدقہ دے چونکہ آج بھی صدقہ چھپانے کے لیے اندھیری رات ہی میں نکلا تھااس لیے ایک فاسِقہ زانیہ عورت کو مسکین جان کر خیرات دے دی اور دھوکا کھا گیا۔

۵؎ اس چرچا کی وجہ ابھی بیان کردی گئی کہ یا خود زانیہ نے ہی لوگوں میں پھونکا یا فرشتہ کے ذریعہ اس کا اعلان ہوگیا۔

۶؎ اسے فقیر سمجھ کر یہ مالدار کوئی کنجوس تھا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا اور حریص بھی کہ جانتے ہوئے خیرات لے لی جیساکہ آج کل بھی کنجوسوں کو دیکھا جاتا ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دینے والے نے دھوکا کیسے کھایا اور لینے والے نے غنی ہونے کے باوجود خیرات لے کیوں لی۔موجودہ زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے ان اعتراضوں کی گنجائش ہی نہیں۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ غنی نے خود کسی سے نہ کہا ہوگا کہ کنجوس حریص لوگ ان باتوں کا چرچا نہیں کرتے بلکہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں،یہ اعلان فرشتہ ہی کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

۸؎ یعنی مولے میں کیا صورت کروں کہ صدقہ صحیح جگہ پہنچے،تین دفعہ خیرات کرچکا ہر بار بیکار ہی گئی۔

۹؎ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے یہ تینوں صدقے کارآمد ہیں کوئی بیکار نہ گیا،چور اور زانیہ کے لیے توگناہوں سے بچنے کا ذریعہ بنے گا اور غنی کے لیے سخاوت کی تبلیغ ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غلطی سے زکوۃ غیر مصرف پر خرچ کردی جائے مثلًا کسی کو فقیر سمجھ کر زکوۃ دی پھر پتہ لگا وہ غنی ہےتو زکوۃ ادا ہوجائے گی اس کا اعادہ واجب نہیں،طرفین کا یہی قول ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کیونکہ یہاں اسے چوتھی بار صدقہ دینے کا حکم نہیں دیا گیا مگر تمام آئمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں صدقہ واپس نہ لے،ہاں اس میں اختلاف ہے کہ خود لینے والے کو یہ مال حلال ہے یا نہیں۔قوی یہ ہے کہ اگر اس نے غلطی سے لے لیا ہے تو حلال ہے،دانستہ لیا ہے تو حرام،اس کی دلیل حضرت معن ابن یزید کی وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی کہ فرماتے ہیں میرے والد نے صدقہ کے کچھ دینار مسجد میں رکھے میں نے اٹھا لیے،پھر یہ واقعہ بارگاہ نبوی میں پیش ہواتو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے یزید تمہارے لیے تمہاری نیت اور اے معن جو تم نے لیا وہ تمہارا ہے۔(فتح القدیرو مرقات)

روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک شخص کسی زمین کے جنگل میں تھا اس نے بادل میں آواز سنی ۱؎ کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر یہ بادل ایک طرف گیا اور پتھریلی زمین پر پانی برسایا ۲؎ تو نالیوں میں سے ایک نالی نے یہ سارا پانی جمع کرلیا تب یہ شخص اس پانی کے پیچھے چل دیا دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہوا بیلچے	

	سے پانی باغ میں پھیر رہا ہے۳؎ اس سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے وہ بولا فلاں یعنی وہ ہی نام جو اس نے بادل میں سنا تھا۴؎ اس نے پوچھا اے اللہ کے بندے تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے تو یہ بولا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی کہ کوئی تیرا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو تو تو اس میں کیا نیکی کرتا ہے ۵؎ وہ بولا کہ جب تو پوچھتا ہے تو بتاتا ہوں کہ میں اس باغ کی پیداوار میں غور کرتا ہوں تو تہائی خیرات کردیتا ہوں اور تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور تہائی اس میں دوبارہ خرچ کردیتا ہوں ۶؎ (مسلم)

۱؎ شاید یہ شخص اس زمانہ کے اولیاء میں سے ہوگا جس نے فرشتہ کی یہ آواز سنی اور سمجھ بھی لیا۔ظاہر یہ ہے کہ یہ بادل کی گرج ہی تھی،گرج فرشتہ کی آواز ہی ہوتی ہے جو بادلوں کو احکام دیتا ہے۔

۲؎ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بادل پر فرشتہ مقرر ہے جس کے حکم سے بادل آتے جاتے برستے اور کھلتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نیک بندوں کے طفیل بدوں پر بھی بارش ہوجاتی ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! اس نیک بندے کی کیسی عزت افزائی کی گئی کہ پانی ایک پتھریلے علاقہ پر برسایا گیا،پھر اسے ایک نالی میں جمع کیا گیا،اس نالی کے ذریعہ اس کے باغ میں پانی پہنچایا گیا خود بادل اس باغ پر نہ برسایا گیا جیسے کہ وہ گنہگار جو ایک بستی میں گناہ کرکے دوسری بستی میں کسی عالم کے پاس توبہ کرنے جارہا تھا رستہ میں مر گیا،رب تعالٰی نے حکم دیا کہ یہ جس بستی سے قریب ہو اسی کے احکام اس پر جاری کئے جائیں،ناپا گیا تو بالکل بیچ میں تھا تو گناہ کی بستی پیچھے ہٹائی گئی اور توبہ کی بستی آگے بڑھائی،خود اس کی لاش کو حرکت نہ دی گئی اس کے احترام کی وجہ سے،اس نالہ کے کنارے والے کھیتوں کو بھی اس کے طفیل پانی مل گیا ہوگا۔

۴؎ غالب یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کا نام نہ بتایا بلکہ فلاں فرما دیا یہ راوی نہیں بھولے ہیں اور فلاں فرمانا اسی لیے ہے کہ نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا کم علمی ثابت نہیں ہوتی۔

۵؎ یعنی رب تعالٰی کے ہاں تیری یہ عزت کہ تیرے نام کی دہائی بادلوں میں ہے اور تیرے لیے دور سے بادل لائے جاتے ہیں،تیری کسی نیکی کی وجہ سے ہے بتا وہ خاص نیکی کون سی تو کرتا ہے۔معلوم ہوا کہ کسی کی چھپی ہوئی نیکیاں پوچھنا تاکہ خود بھی وہ نیکی کرے جائز بلکہ بہتر ہے،قرآن پاک جوفرماتاہے:"وَلَا تَجَسَّسُوْا"وہاں لوگوں کی عیب جوئی مراد ہے یعنی لوگوں کے خفیہ عیب مت ڈھونڈو،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۶؎ یعنی میرے پاس اور تو کوئی نیکی نہیں صرف یہ ہے کہ اس کی پیداوار گناہ میں خرچ نہیں کرتا،اپنے بچوں سے روکتانہیں خدا کا حق بھولتا نہیں ساری ایک دم خرچ نہیں کردیتااس کا تہائی خیرات کرنا نفلی صدقہ بھی تھاورنہ بنی اسرائیل کے ہاں ہر مال کی زکوۃ چوتھائی حصہ تھی،ہمارے ہاں پیداوار کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصہ ہےاورچاندی سونے وغیرہ کی چالیسواں حصہ۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اپنی خفیہ نیکیاں کسی کو بتانا تاکہ وہ بھی اس پر عمل کرے ریا نہیں بلکہ تبلیغ ہے فخر نہیں بلکہ رب تعالٰی کا شکر ہے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے کوڑھی گنجا اور اندھااللہ تعالٰی نے ان کا امتحان لینا چاہا۱؎ تو ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا کہ کوڑھی کے پاس آیا بولا تجھے کیا چیز پسند ہے وہ بولا اچھا رنگ اوراچھی کھال اور یہ بیماری جاتی رہے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۲؎ حضور نے فرمایا کہ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تواس کی بیماری جاتی رہی اور اسے اچھا رنگ اچھی کھال دیدی گئی۳؎ فرشتہ بولا تجھے کون سا مال پسند ہے وہ بولا اونٹ یا حضور نے فرمایا گائے،اسحاق کو شک ہے مگر کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا تھااور دوسرے نے گائے ۴؎ فرمایا کہ اسے گیابھن اونٹنی دے دی گئی فرشتے نے کہا اللہ تجھے اس میں برکت دے۵؎ فرمایا کہ پھر فرشتہ گنجے کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تجھے کیا چیز پسند ہے وہ بولا اچھے بال اور یہ کہ میری بیماری جاتی رہے جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں فرمایا کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی گنج جاتی رہی فرمایا کہ اسے اچھے بال دے دیئے گئے ۶؎ پوچھا تجھے کون سا مال پسند ہے بولا گائے تو اسے گیابھن گائے دی اور کہا کہ اللہ تجھے اس میں برکت دے فرمایا پھر وہ اندھے کے پاس پہنچا کہا تجھے کون سی چیز پسند ہے وہ بولا کہ اللہ مجھے میری آنکھیں لوٹا دے جس سے میں لوگوں کو دیکھو فرمایا کہ اس نے اندھے پر ہاتھ پھیرا تو اللہ

نے اس کی بینائی لوٹا دی۷؎ پھر پوچھا کہ تجھے کون سا مال پسند ہے کہا بکریاں اسے گیابھن بکری دے دی پھر ان دونوں جانوروں نے بچے دیئے اور یہ بھی بیاہی تو اس کے پاس اونٹوں کا جنگل ہوگیا اور اس کے پاس گایوں کا جنگل اور اس کے پاس بکریوں کا جنگل ۸؎ فرمایا پھر فرشتہ کوڑھی کے پاس اپنی اسی شکل و صورت میں آیا۹؎ بولا مسکین آدمی ہوں بحالت سفر میرے سارے اسباب جاتے رہے ۱۰؎ تو اب اللہ کی توفیق پھر تیری مدد کے بغیر گھر نہیں پہنچ سکتا ۱۱؎ میں تجھ سے اس خدا کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اچھی کھال اور مال دیا تاکہ میں اپنے سفر میں مقصد پر پہنچ جاؤں ۱۲؎ تو وہ بولا کہ حقوق مجھ پر بہت ہیں ۱۳؎ فرشتہ بولا میں شاید تجھے پہچانتا ہوں تو کوڑھی فقیر نہ تھا؟ کہ تجھ سے لوگ گھن کرتے تھے پھر تجھے اللہ نے مال دیا وہ بولا کہ میں تو اس مال کا پشت درپشت وارث ہوا ہوں ۱۴؎ فرشتہ بولا کہ اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے جیسا تھا ویسا ہی کردے ۱۵؎ فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی صورت میں آیا اس سے وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا اور اس نے ویسا ہی جواب دیا جو اس نے دیا تھا ۱۶؎ فرشتہ بولا اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے ویسا ہی کردے جیسا تو تھا فرمایا پھر وہ اپنی شکل و صورت میں اندھے کے پاس آیا بولا مسکین و مسافر ہوں میرے سفر میں اسباب منقطع ہوچکے ہیں آج خدا تعالٰی کی پھر تیری مدد کے بغیر میں منزل تک نہیں پہنچ سکتا ۱۷؎ میں تجھ سے اس اللہ کے نام جس نے تجھے آنکھیں لوٹائیں ایک بکری مانگتا ہوں جس کے ذریعہ اپنے سفر میں گھر پہنچ سکوں ۱۸؎ وہ بولا میں اندھا تھا اللہ نے مجھے روشنی لوٹائی تو جو چاہے لے لے اور جو چاہے چھوڑ دے رب کی قسم آج تو جو کچھ

اللہ کے نام پر لے گا میں تجھے اس سے منع نہ کروں گا۱۹؎فرشتہ بولا اپنا مال رکھ تم سب کی آزمائش کی گئی ہے تجھ سے رب راضی ہوا اور تیرے دو یاروں سے ناراض۲۰؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ شفا اور مال دے کر اور پھر کچھ مال طلب فرماکر رب تعالٰی دے کر شکر کا امتحان لیتا ہے لیکن صبر کا یہ امتحان خود رب تعالٰی کے اپنے علم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ دنیا والوں کے سامنے مثال قائم کرنے کے لیے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت پکڑیں۔

۲؎یہ فرشتہ شکل انسانی میں آیا تھا جیساکہ حدیث کے اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔غالبًا طبیب کی شکل میں ہوگا یا مقبول الدعاء ولی کی تب ہی تو اس بیمار نے یہ خواہش ظاہر کی تاکہ وہ دوا یا دعا دے۔

۳؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقبولوں کے ہاتھ پھیرنے سے بیماریاں جاتی ہیں،مصیبتیں ٹل جاتی ہیں بلکہ ان کے دھوون سے شفائیں ملتی ہیں،آبِ زمزم حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ایڑی کا دھون ہے جو تاقیامت شفاء ہے،حضرت ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کے پاؤں کا غسالہ شفا تھا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ"۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ رکھ کر فیض دینا جائز ہے اور عمل سلب امراض جائز ہے یعنی چھوکر بیماری دورکردینا،ان کی اصل یہ حدیث ہے اسی لیے رب تعالٰی نے فرشتہ کے واسطہ سے اس کو شفا دی۔

۴؎یعنی اسحاق ابن عبداللہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں انہیں یہ شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کس کے لیے فرمایا اور گائے کس کے لیے۔غالب یہ ہے کہ اس گنجے نے اونٹ ہی مانگا تھا کیونکہ آگے گائے کا ذکر جزم سے آرہا ہے۔

۵؎ **عشراء** ع کے پیش اور ش کے فتح سے **عشر** سے بنا،بمعنی دس،دس ماہا حاملہ اونٹنی کو **عشراء** کہتے ہیں،پھر مطلقًا حاملہ کو **عشراء** کہنے لگے،بعد میں گھر بار گھوڑےاور جانور وغیرہ پر یہ لفظ بولنے لگے۔(اشعہ)غالبًا کنبہ کو عشیرہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ اس سے آدمی دسیوں گنا ہوجاتا ہے،فرشتے نے یہ اونٹنی قدرتی اس کو دی کہیں سے خرید کر یا کسی اور کامال نہ دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دست غیب میں فرشتے کے ذریعہ غیبی مال ملے تو حلال ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔جنات کا لایا ہوا حلال نہیں کہ وہ اکثر دوسروں کا چوری کرکے لے آتے ہیں فرشتہ نے اسے خیرات بھی دی اور دعا بھی،اس دعا کی برکت سے ہی اس کا مال بہت بڑھا،جوّاد مال بھی دیتے ہیں اور دعا بھی۔شعر

جب دینے کو بھیک آئے سرکوئے گدایاں   لب پر یہ دعا تھی مرے منگتے کا بھلا ہو

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیراکیونکہ شفا دینے کے لیے بیماری کی جگہ کو ہی چھوا جاتاہے۔حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چھوتے ہی گنج بھی جاتی رہی اور کھال پر فورًا بال بھی

اگ آئے اور بڑھ بھی گئے،دوسروں کے بالوں سے زیادہ خوش نما تھے جیساکہ حَسَنًا سے معلوم ہورہا ہے۔غرق فرعون کے دن حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی وہاں سبزہ اگ آتا تھا،اسی خاک کو سامری نے سنبھال لیا،پھر فرعونی سونے کا بچھڑا بناکر اس کے منہ میں ڈال دی،تو بچھڑے میں جان پیدا ہوگئی اور وہ چیخنے لگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا" الایہ۔کوئی منکر حدیث اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتاکہ فرشتہ کے ہاتھ سے فورًا بال کیسے اگ سکتے ہیں،اور جب نوری فرشتہ کا یہ فیض ہوسکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء امت کا فیض کیسا ہوگا مولینا فرماتے ہیں۔شعر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر　　　　بہرحق سوئے غریباں یک نظر

یہ حدیث فیض ملائکہ کی بہترین دلیل ہے۔

ے یعنی فرشتہ کے ہاتھ لگاتے ہی اس کی دونوں آنکھیں روشن ہوگئیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتاہے کہ اللہ کے مقبول بندے اللہ کے حکم سے دافع البلاء ہوتے ہیں،دیکھو گنج،کوڑھ،اندھا پن سخت بلائیں ہیں جو فرشتہ کے ہاتھ لگتے ہی جاتی رہیں،یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کی سفید آنکھ پر لگی تو آنکھ روشن ہوگئی۔(قرآن حکیم)عیسٰی علیہ السلام نے اعلان عام فرمایاتھا"وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡيِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ"۔درود تاج میں جو آتا ہے"دَافِعُ الۡبَلَاءِ وَالۡوَبَاءِ"الخ اس کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیات اور احادیث ہیں۔جب اطباء کی گولیاں اور جنگل کی جڑی بوٹیاں دافع قبض،دافع جریان ہوسکتی ہیں،ایک شربت کا نام شربت فریاد رس ہوسکتا ہےتو کیا اللہ کے محبوبوں کا درجہ ان چیزوں سے بھی کم ہے۔

۸؎ اس زمانہ میں جانوروں سے ہی مالداری ہوتی تھی تو مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے شہر کے بڑے مالدار بن گئے۔

۹؎ ظاہر یہ ہے کہ دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف لوٹ رہی ہیں اور صورت سے مراد اس فرشتہ کی پہلی وہ صورت ہے جس صورت میں دینے کے وقت آیا تھا۔مقصد یہ ہے کہ یہ شخص مال پاکر ایسا احسان فراموش ہوگیاکہ اس نے اپنے محسن کو ایسا کورا جواب دیا اور ہوسکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع خود کوڑھی ہویعنی یہ فرشتہ اس کوڑھی کی شکل میں آیا جو پہلے خود اس کی اپنی شکل تھی تاکہ یہ اپنا کوڑھ یاد کرکے اس پر رحم کرے،پہلے معنے زیادہ واضح ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ فرشتے ہر شکل میں آسکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ مغالطہ میں ڈال کر امتحان لینا جائزہے یہ دھوکا نہیں بلکہ امتحان ہے۔

۱۰؎ علمی لحاظ سے یہ جملہ خبریہ نہیں تاکہ اسے جھوٹ کہا جائے بلکہ تخییل ہے،یہ تخییل امتحانات اور سوالات میں کام آتی ہے جیسے مسئلہ پوچھاجاتاہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ شہر میں نہ کوئی زید ہوتا ہے نہ اس کی بیوی فقط صورت مسئلہ پیش کی جاتی ہے،قرآن کریم فرمارہا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے شکل انسانی میں آئے ان میں سے ایک بولا"اِنَّ هٰذَاۤ اَخِىۡ لَهٗ تِسۡعٌ وَّ تِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً"الایہ۔میرے اس بھائی کے پاس ننانوے بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک،حالانکہ وہاں نہ بکریاں تھیں نہ کوئی جھگڑا،لہذااس پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتہ نے جھوٹ کیوں کہا۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کے ساتھ بندوں سے بھی امداد لینا جائز ہے اور بندے کا ذکر رب تعالٰی کے ساتھ ملا کر کرسکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔

۱۲؎ یعنی اپنے پرانے حال کو یاد کر اور اس تبدیلی حال کے شکریہ میں مجھے ایک اونٹ دے دے۔

۱۳؎ بال بچے،نوکر چاکر بہت رکھتا ہوں جن کے باعث خرچ زیادہ ہے انہیں کا پورا نہیں ہوتا تجھے کہاں سے دوں۔

۱۴؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی اصلی فقیری اور گزشتہ مصیبتیں یاد ہونی چاہئیں کہ یہ شکر کا ذریعہ ہے اور بدنصیب ہے وہ شخص جو عیش یا طیش میں اللہ کو بھول جائے اور کسی کے یاد دلانے پر جھوٹ بولے۔

۱۵؎ یہ اگر مگر شک کے لیے نہیں بلکہ امتحان ہی کے لیے ہے۔ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ کی یہ بددعا اسے لگی اور وہ پھر فقیر اور کوڑھی ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ فقیروں کے بھیس میں کبھی صاحبِ دل بھی آجاتے ہیں اسی لیے رب نے فرمایا:"وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"۔شعر

خاکساران جہاں رابحقارت منگر | توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

۱۶؎ اپنی صورت کی شرح ابھی کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد اس گنجے کی صورت ہے یعنی گنجا اور فقیر بن کر آیا تھا یا خود فرشتہ وہ صورت جس میں دیتے وقت آیا تھا،اس سے مقصود گنجے کی ناشکری کا اظہار ہے۔

۱۷؎ کیونکہ اللہ تعالٰی کی امداد حقیقی ہے اور بندے کی مجازی اس لیے ثُمَّ فرمایا گیا تاکہ دونوں مددوں میں فرق معلوم ہو۔حدیث شریف میں ہے یہ نہ کہو کہ اگر اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے اور ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ یہ حکم بھی استحبابی ہے ورنہ واؤ سے بھی کہہ سکتے ہیں جس کی دلیل قرآن شریف سے پیش کی گئی۔

۱۸؎ یا اس طرح کہ اس کو فروخت کرکے قیمت سے توشہ اور سواری حاصل کرلوں یا اس طرح کہ بکری کو اپنے ساتھ رکھوں اور اس کا دودھ پیتا اور فروخت کرتا ہوا چلا جاؤں،دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ اگر قیمت مقصود ہوتی تو اس سے پیسے ہی کیوں نہ مانگ لیتا لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بکری سے سفر کیسے ہوگا وہ تو سواری کے لائق نہیں جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں۔

۱۹؎ عبارت حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں:ایک یہ کہ یہ شخص مادر زاد اندھا نہ تھا بلکہ پہلے انکھیارا تھا بعد میں نابینا ہوا،ورنہ روشنی لوٹانے کے کیا معنے ہوتے،نیز عربی میں مادر زاد اندھے کو اَکْمَہُ کہتے ہیں اور عارضی اندھے کو اعمیٰ۔دوسرے یہ کہ یہ صدقہ فرضی نہ تھا بلکہ نفلی تھا کیونکہ صدقہ فرضی مقرر ہوتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارا مال فقیر کے سامنے رکھ دینا جتنا چاہے وہ لے لے اول درجہ کی سخاوت ہے۔

۲۰؎ سبحان اللہ! یہ ہوا اس امتحان کا نتیجہ کہ وہ دونوں دنیوی و اخروی غضب میں آگئے کہ ان کا مال بھی گیا اور صحت بھی اور رب تعالٰی کی ناراضی ان سب کے علاوہ،ادھر اس نابینا کے پاس مال بھی رہا آنکھیں بھی،خدا کی رضا

اس کے سوا۔اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کا ارادہ بھی اچھا ہے،دیکھو اس سے صدقہ لیا نہ گیا مگر چونکہ وہ دینے پر تیار ہوگیا تھا اس لیے فائدہ پہنچ گیا۔

	روایت ہے حضرت ام بجید سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی غریب میرے دروازہ پر کھڑا ہوتاہے حتی کہ میں شرماجاتی ہوں ۲؎ اور اپنے گھر میں کچھ پاتی نہیں جو اس کے ہاتھ میں دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہاتھ میں کچھ ضرور دے دو اگرچہ جلی کھری ہو ۳؎(احمد،ابوداؤد، ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ آپ کا نام حواء بنت یزید ابن سکن ہے،حضرت اسماء بنت یزید کی بہن ہیں،صحابیہ ہیں انصاریہ ہیں۔

۲؎ یعنی میں اس کے بار بار سوال کرنے سے شرما جاتی ہوں اسے خالی لوٹانے میں غیرت آتی ہے اور پاس کچھ ہوتا نہیں جو دوں،اس کشمکش میں کیا کروں۔اس میں فقراء کی شکایت نہیں ہے بلکہ شرعی مسئلہ پوچھنا ہے کہ ایسی مجبوریوں میں اسے منع کردینا ناجائز تو نہیں۔

۳؎ جلی کھری فقط مثال کے لیے ہے مراد بہت معمولی غیرقیمتی چیز ہے یعنی یہ نہ سوچو کہ کوئی اعلیٰ چیز ہو تو ہی دوں بلکہ ادنے چیز بھی دے ڈالو۔خیال رہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مساکین کو کچھ نہیں دیا،وہ تعلیم مسئلہ کے لیے تھا کہ بلاضرورت سوال جائز نہیں یہ تبلیغ تھی نہ کہ سائل کا رد۔اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوگیا تھا کہ مدینہ پاک میں کوئی بھی شخص بلاسخت مجبوری مانگتا ہی نہ تھا،حضرت ام بجید کو یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اب مجبورومعذور لوگ ہی مانگتے ہیں لہذا انہیں محروم نہ پھیرا کرو لہذا یہ حدیث حکیم ابن حزام وغیرہ کی احادیث کے خلاف نہیں۔اب پیشہ ور سائلوں کو منع کردینا بھی جائز بلکہ ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان کے غلام سے فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ کو گوشت کا پارچہ ہدیہ بھیجا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا تو انہوں نے خادم سے فرمایا ۱؎ کہ اسے گھر میں رکھ چھوڑو تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھائیں خادمہ نے وہ طاق میں رکھ دیا ایک سائل آیا دروازہ پر کھڑا ہوا بولا اللہ تمہیں برکت دے ۲؎ کچھ خیرات کرو گھر والوں نے کہا اللہ تجھے برکت دے سائل چلا گیا ۳؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا اے ام سلمہ کیا

	تمہارے پاس کچھ ہے جو ہم کھائیں ۴؎ عرض کیا ہاں خادمہ سے بولیں جاؤ وہ گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاؤ وہ گئیں تو طاق میں پتھر کے ٹکڑے کے سوا کچھ نہ پایا۵؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ تم نے سائل کو گوشت نہ دیا اس لیے وہ گوشت کا پتھر بن گیا۶؎ (بیہقی،دلائل النبوۃ)

۱؎ یہاں خادم سے مراد حضرت ام سلمہ کی لونڈی ہیں،خادم کا لفظ مرد و عورت دونوں پر بول دیا جاتاہے۔ پتہ نہیں لگا کہ یہ مولے عثمان کون ہیں اور یہ خادمہ کون تھیں مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں،کوئی ان میں فاسق نہیں اس لیے ان کے نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں اور نہ اس سے حدیث مجہول ہو۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ سائل کا سوال کرتے وقت اہلِ خانہ کو دعائیں دینا بہتر ہے۔بعض بھکاری صرف دعائیں دیتے ہیں،بعض صرف اپنی محتاجی کا رونا روتے ہیں،بعض کو دیکھا گیا کہ صرف غزلیں اور قصیدے ہی پڑھتے ہیں ہاں بھیک کی نیت سے آیات قرآنیہ پڑھنا سخت ممنوع ہے،دیکھو شامی وغیرہ۔

۳؎ عرب میں یہ دستور ہے کہ جب سائل کو منع کرنا ہوتا ہے تو کبھی کہہ دیتے ہیں"بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ" اور کبھی کہہ دیتے ہیں اللہ کریم اور کبھی کہتے ہیں"اَللّٰهُ يُغْنِيْكَ عَمَّنْ سِوَاهُ" جیسے ہمارے ہاں کہہ دیتے ہیں معافی دے یا برکت ہے وغیرہ۔غرضکہ سائل کو جھڑکنا نہیں چاہیے بلکہ نرم الفاظ سے اشارۃً کنایۃً منع کرنا چاہیے،جب وہ باز نہ آئے تو صاف صاف منع کرے کہ اب وہ سائل نہیں بلکہ اڑیل ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ"سائل کو نہ جھڑکو۔

۴؎ یعنی کچھ کھانا ہے جو ہم کھائیں،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کبھی کھانا ہوتا تھا کبھی نہیں اس لیے اس سوال کی نوبت آئی،نیز یہ سوال اگلے واقعہ کی تمہید ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خبر رہتی تھی کہ گھر میں کچھ ہے یا نہیں کیوں نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ"جو کچھ تم کھاتے اور گھروں میں بچاتے ہو میں تمہیں بتاسکتا ہوں۔یہاں کُمْ ضمیر جمع ارشاد ہوئی احترام کے لیے یا سب کچھ گھر والوں سے خطاب ہے۔

۵؎ **مروہ** عربی میں چھوٹے یا سفید پتھر کو کہتے ہیں،اس پتھر کو بھی کہتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے یعنی چقماق۔خلاصہ یہ ہے کہ خادمہ نے طاق میں بجائے گوشت کے وہ پتھر دیکھا جس کی رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

۶؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام باتوں کی خبر رہتی تھی جو آپ کے پیچھے گھروں میں ہوتے تھے،گھر والوں نے بھکاری کے آنے جانے کا واقعہ عرض نہ کیا تھا مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے **من وعن** بیان فرمادیا۔دوسرے یہ کہ بڑوں کے احکام اور ہیں چھوٹوں

کے کچھ اور،دیکھو صدقہ نفلی نہ دینا گناہ نہیں بلکہ جب چیز تھوڑی ہو گھر والوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو صدقہ نہ کرنا بہتر مگر شانِ نبوت یہ تھی کہ ان کے دروازے سے کوئی محروم نہ جائےاس لیے رب تعالٰی نے ان بزرگوں کو اس طرح متنبہ فرمایا۔شعر

موسیا آداب دانا دیگراند   سوختہ جان درد اناں دیگر اند

حدیث شریف بالکل ظاہر پر ہےاس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں گوشت مٹی میں رہ کر مٹی بن جاتا ہے تو رب تعالٰی کی قدرت سے پتھر بھی بن سکتاہے پچھلی امتوں میں مسخ ہوا،کوئی بندر یا سور بنی،بعض لوگ پتھر بن گئے اگر رب تعالٰی نے اس گوشت کو مسخ کرکے پتھر بنادیا تو کیا مشکل ہے۔غرضکہ حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں بدتر درجہ والے آدمی کی خبر نہ دوں عرض کیا گیا ہاں فرمایا وہ جس سے اللہ کے نام پر مانگا اور نہ دے ۱؎(احمد)	

۱؎اس حدیث کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ وہ سائل منگتا بدترین سائل ہیں جو لوگوں سے اللہ کے نام کا واسطہ دے کر مانگیں اور انہیں ملے کچھ بھی نہیں یعنی يَسْئَالُ بصیغہ معروف ہو۔مطلب یہ ہوگا کہ ایسا سائل چونکہ رب تعالٰی کے نام پاک کی توہین کرتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے اللہ کے نام پر مانگتا پھرتا ہے کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا۔معلوم ہوا کہ اللہ کے نام کو بھیک کا ذریعہ نہ بناؤ۔دوسرے یہ کہ وہ شخص بدترین آدمی ہے جس سے سائل اللہ کے نام پر مانگے اور اس کا دل رب کی نام پر بھی نہ پگھلے اور اسے کچھ نہ دے تب اس سے وہ صورت مراد ہوگی کہ سائل اضطرار و سخت مجبوری کی حالت میں ہو،خدا کے نام کا واسطہ دے کر اپنی جان بچانے کے لیے مانگ رہا ہواور یہ جا ن بوجھ کر کچھ نہ دے،چونکہ یہ نہایت سخت دل ہے اس لیے بدتر ہے۔غرضکہ پیشہ ور بھکاریوں کے متعلق نہیں ارشاد ہورہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی مل گئی ابو ذر کے ہاتھ میں ان کی لاٹھی تھی ۱؎حضرت عثمان نے کہا اے کعب عبدالرحمٰن کی وفات ہوئی انہوں نے بہت مال چھوڑا ۲؎اس بارے میں تمہاری رائے کیا ہے فرمایا کہ اگر اس میں اللہ کا حق ادا کرتے ہوں تو کوئی حرج نہیں۳؎تب ابوذر نے لاٹھی اٹھاکر کعب کو ماری۴؎ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اس پہاڑ برابر سونا ہو جسے میں خیرات کروں اور وہ قبول	

	ہوجائے کہ اسے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ دوں ۵؎ اے عثمان تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے حضور کو یہ کہتے سنا(تین بار فرمایا)آپ نے کہا ہاں ۶؎(احمد)

۱؎ کندھوں تک دراز لاٹھی تھی جو ان کے ساتھ رہتی تھی۔لاٹھی ساتھ رکھنا سنت ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں۔

۲؎ یعنی عثمان غنی نے ابو ذرغفاری کی موجودگی میں کعب احبار سے مسئلہ پوچھا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف بہت مال چھوڑ کر وفات پاگئے ہیں تمہارا کیاخیال ہے آیا مال جمع کرنا اور بال بچوں کے لیے چھوڑ جانا جائز ہے یا نہیں۔مرقات میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے دو لاکھ دینار چھوڑے تھے۔خیال رہے کہ حضرت ابوذر غفاری زاہد ترین صحابہ تھے ان کا خیال تھا کہ۔شعر

تج ڈال مال و دھن کوکوڑی نہ رکھ کفن کو جس نے دیا ہے تن کودے گا وہی کفن کو

زہدوترک دنیا کی احادیث پرسختی سے عامل تھے اس لیے ان کی موجودگی میں یہ سوال وجواب ہوئےتاکہ وہ حکم شرعی اور زہد میں نیز تقویٰ و فتویٰ میں فرق کرلیں۔

۳؎ یعنی مال جمع رکھنابعد وفات چھوڑ جانا حلال ہے جب کہ اس سے زکوۃ،فطرہ،قربانی،حقوق العباد اداکئے جاتے رہے ہوں۔یہ کنز میں داخل نہیں جس کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔

۴؎ یہ مارنا بحالت جذب تھا،آپ اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے،چونکہ ابوذر بزرگ ترین صحابی تھے،تمام صحابہ آپ کا بہت احترام کرتے ان کی ناراضی یا مار پر ناراض نہ ہوتے تھے جیسے آج بھی سعادت مند جوان محلّہ کے بزرگوں کی سختی پر ناراض نہیں ہوتے اس لیے خلیفۃ المؤمنین نے ان سے قصاص کے لیے نہ کہا نہ حضرت کعب نے کچھ برا منایا۔ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ مارتادیب و سرزنش کے لیے ہو کہ تم تو کہہ رہے ہو کہ مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ امیر سخی بھی مسکینوں سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے،حساب میں دیر لگے گی۔یہاں مرقات میں ہے کہ بعد میں حضرت عثمان نے ابوذر غفاری کو مدینہ منورہ سے مقام ربزہ میں بھیج دیا تھاآپ تاوفات وہاں ہی رہےکیونکہ آپ کی طبیعت بہت جلالی تھی۔

۵؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اے کعب!تم تو کہتے ہو مال جمع کرنے میں حرج نہیں جب کہ اس سے فرائض ادا کردیئے جائیں مگر میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا مال سارا کا سارا خیرات کردینا کچھ باقی نہ رکھنا سنت ہے اور جمع کرنا خلاف سنت کیا خلاف سنت میں حرج نہیں ہوتامگر یہ جودو سخا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ خودحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب گھر والے سید المتوکلین تھے۔

۶؎ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حدیث سننے کا اقرار تو کیامگر حدیث کا مطلب سمجھایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اپنے لیے فرمایا ہےعام مسلمانوں کو اس کا حکم نہ دیا،محض احترام و ادب کے لیےکہ اگر میں نے یہ کیا تو جناب ابو ذر جواب دینے کی کوشش کریں گے مجلس مناظرہ جم جائے گی اور آپ سے مناظرہ کرنا ہے نہیں۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن حارث سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ

	منورہ میں نماز عصر پڑھی آپ نے سلام پھیرا پھر تیزی سے کھڑے ہوئے ۱؎ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بعض بیویوں کے حجرے میں تشریف لے گئے ۲؎ لوگ حضور کی جلدی سے گھبرا گئے پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ آپ کی جلدی سے تعجب کررہے ہیں ۳؎ فرمایا مجھے اپنے پاس سونے کا پترا یاد آگیا تو مجھے یہ ناپسند ہوا کہ وہ مجھے مشغول کرے میں نے اس کے تقسیم کردینے کا حکم دے دیا ۴؎ بخاری کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں نے گھر میں صدقہ کا پترا چھوڑا تھا تو رات کو اپنے گھر میں رکھنا ناپسند کیا ۵؎

۱؎ یعنی سلام پھیرتے ہی بغیر دعا مانگے بہت تیزی سے دولت خانہ میں تشریف لے گئے کیونکہ ابھی آپ کو واپس آکر دعا مانگنا تھا ورنہ بلاوجہ دعا کے بغیر مصلے سے چلاجانا نہیں چاہیے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ ضرورۃً لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے مسجد سے نکل جانا جائز ہے جیسے اگر امام کا دوران نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرکے گردنیں پھلانگتا ہوا ہی وضوء گاہ تک پہنچے گا۔جن احادیث میں گردنیں پھلانگنے کی ممانعت آئی ہے وہاں بلاضرورت پھلانگنا مراد ہے جیسے کوئی نماز کے لیے مسجد میں پیچھے پہنچے پھر لوگوں کو چیرتا ہوا اگلی صف میں جانے کی کوشش کرے یہ ممنوع ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حال شریف کا بہت غور سے مطالعہ کرتے تھے اور ایسی معمولی جنبش پر دیوانہ وار گھبرا جاتے تھے،شروع مشکوۃ شریف میں آچکا کہ اگر سرکار خلاف معمول کبھی غائب ہوتے تو مدینہ منورہ کی گلیوں اور آس پاس کے جنگلوں میں ڈھونڈنے نکل پڑتے تھے،آج خلاف معمول جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر دعا مانگے جاتے دیکھا گھبرا گئے۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ سونے کا پترا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ملکیت تھا اور فوری ضرورت سے زیادہ تھا اس کا گھر میں رکھنا بھی ناپسند آیا فورًا خیرات کرادیا۔مشغول رکھنے میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ اس کی وجہ سے نماز میں دھیان بٹے کہ اسے کہاں سنبھالیں کہاں رکھیں۔دوسرے یہ کہ رب تعالٰی سے قرب خاص میں یہ حارج ہو۔یہاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کی طرف التفات مقرب بندوں کو بھی مشغول کرلیتا ہے،یہ زہد اور ترک دنیا کی انتہا ہے کہ جو چیز یار سے آڑ بنے اسے پھاڑدو،حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو فرزند کے گلے پر چھری چلادی،حضرت ادھم نے اپنے بیٹے ابراہیم کے لیے دعا کی خدایا اسے موت دیدے کہ اسے چومنے کی وجہ سے میں ایک آن تجھ سے غافل ہوگیا۔

۵؎ اگر یہ وہی واقعہ ہے تب تو یہ روایت اس کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ سونا آپ کے اپنے خرچ کا نہ تھا زکوۃ کا تھا اور اگر دوسرا واقعہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا مصرف پر جلد پہنچنا ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مرض میں آپ کے میرے پاس چھ یا سات دینار تھے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بانٹ دینے کا حکم دیا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے مجھے اس کی فرصت نہ دی پھر حضور نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ ان چھ سات دینار کا تم نے کیا کیا اس نے عرض کیا اللہ کی قسم آپ کی بیماری نے مشغول رکھا آپ نے وہ منگایا اسے اپنے ہاتھ پر رکھا فرمایا کہ اللہ کے نبی کا خیال ہے اللہ سے اس حال میں ملے کہ یہ اس کے پاس ہو ۲؎ (احمد)

۱؎ آپ کے اپنی ملکیت کے جیساکہ لام سے معلوم ہورہا ہے کہ صدقہ کرنے کی نیت سے رکھے ہوں یا خرچ کے ارادہ سے۔

۲؎ یعنی حضور سید الانبیاء کی شان عالی کے یہ لائق نہیں کہ گھر میں کچھ مملوک مال چھوڑ کر وفات پائیں دل میں اللہ کا نور اور گھر میں اللہ کا نام کافی ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ صدیق اکبر نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ کی ظلم کیا،حضور علیہ السلام نے مال چھوڑا ہی کیا تھاجو رہنے کامکان تھا وہ بھی وقف ہوگیا،اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف بنادی گئی۔خیال رہے کہ یہ واقعہ حدیث ہے سنت نہیں۔سنت وہ واقعات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد فتح خیبر ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دے دیا کرتے تھے یا بعض صحابہ کو سب کچھ بلکہ آدھے مال کی خیرات سے منع فرمایا تہائی خیرات کی اجازت دی اور فرمایا اس سے کم خیرات کرنا بہتر ہے اپنے وارثوں کو غنی کرکے جاؤ۔شعر

موسیا آداب دانا دیگر اند　　　　سوختہ جان درد انا ں دیگر اند

معلوم ہوا کہ حدیث و سنت میں بڑا فرق ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے پاس تشریف لائے ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا فرمایا اے بلال یہ کیا عرض کیا کہ اسے میں نے کل کے لیے جمع کیا ہے فرمایا کیا تمہیں اس سے خوف نہیں کہ تم کل اس کے سبب

	دوزخ کی آگ میں بخار قیامت کے دن دیکھو ۱؎اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا خطرہ نہ کرو۔

۱؎ اس میں حضرت بلال کو انتہائی تقویٰ اور ترک دنیا کی تعلیم ہے اور توکّل سے اعلیٰ توکّل کی طرف ترقی دیناہے یعنی اے بلال میں جس درجہ پر تمہیں پہنچانا چاہتا ہوں وہ جب ہی حاصل ہوگا جب کہ تم اپنے پاس اتنا بھی نہ رکھو تاکہ تمہیں قیامت کے دن اس کا حساب دینے میں کچھ بھی نہ ٹھہرنا پڑے یہی مطلب ہے دوزخ کے بخار دیکھنے کا،حضرت بلال اس وقت تن تنہا تھے،اہل وعیال نہ رکھتے تھے،آپ کے ذمہ کسی کے حقوق نہ تھے،فرمایا اکیلے دم کے لیے جمع کرنے کی فکر کیوں لگاتے ہیں رب ہمارے آستانے سے تمہیں دیئے جائے تم کھائے جاؤ۔صوفیائے کرام اپنے بعض مریدین کو کبھی چلوں سے مجاہدہ کراتے ہیں۔اس زمانہ میں ترک دنیا ترک حیوانات کامل کراتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔یہ حدیث جمع دنیا کے خلاف نہیں،اگر مال جمع کرنا حرام ہوتا تو اسلام کا ایک رکن یعنی زکوۃ ہی فوت ہوجاتی کہ زکوۃ واجب ہی جب ہوتی ہے جب مسلمان کے پاس ایک سال تک بقدر نصاب مال جمع رہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جو سخی ہوا اس نے اس درخت کی شاخ پکڑلی ۱؎وہ شاخ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کردے گی ۲؎اور بخل آگ میں درخت ہے جو بخیل ہوا اس نے اس کی شاخ پکڑی وہ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ آگ میں داخل کرے گی۳؎یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

۱؎یعنی سخاوت کی جڑ جنت میں ہے اور اس کی شاخیں دنیا میں،چونکہ سخاوت کی قسمیں بہت ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ اس درخت کی دنیا میں شاخیں بہت پھیلی ہوئی ہیں جیسے قرآن کریم فرماتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی جڑ مسلمان کے قلب میں ہے اور شاخیں آسمان میں ہمیشہ اپنے پھل دیتا ہے اس آیت میں بھی تمثیل ہے اس حدیث میں بھی۔

۲؎شریعت میں سخاوت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان فرض صدقے اداکرے اور طریقت میں ادنے درجہ یہ ہے کہ صرف فرض پر قناعت نہ کرے نوافل صدقے بھی دے۔حقیقت و معرفت والوں کے ہاں اس کا ادنے درجے یہ ہے کہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دے ان میں سے ہر درجے کے صدقے کے نتیجے مختلف ہیں۔

۳؎جو معانی سخاوت کے عرض کئے جاچکے ہیں اس کے مقابل بخل کے بھی معانی ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ میں جلدی کرو ۱؎کہ بلاء

	اس سے آگے نہیں بڑھتی ۲؎(رزین)

۱؎اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جب کسی قسم کی جانی یا مالی بلا آئے تو بہت جلد صدقے دینا شروع کردو باقی تمام تدبیریں علاج وغیرہ بعد میں کرو تاکہ ان صدقات کی برکت سے اگلی تدبیریں بھی کامیاب ہوں۔بعض لوگ آفت آتے ہی میلاد شریف،گیارھویں شریف،ختم خواجگان،ختم غوثیہ،ختم بخاری،ختم آیت کریمہ کراتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ ان کاموں میں اللہ کا ذکر،اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف وغیرہ بھی ہے اور صدقہ بھی،ذکراللہ بھی دافع بلا ہے اور صدقہ بھی،بعض لوگ بیماریوں میں اردو تیل یا بیمار کا جانور پر ہاتھ لگواکر اسے ذبح کرکے خیرات دیتے ہیں،ان سب کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے کہ یہاں صدقہ مطلق ہے۔دوسرے یہ کہ ہر حال میں ہمیشہ صدقے کرتے رہوکیونکہ ہر وقت ہی آفت آنے کا خطرہ ہے تم آفت سے پہلے صدقہ دے دو،بعض لوگ ہمیشہ میلاد شریف،گیارھویں شریف،ہر ماہ ختم خواجگان وغیرہ کراتے رہتے ہیں تاکہ آفات دور ہیں،ان کا ماخذ بھی یہ حدیث ہے۔شعر

دکھ میں ہر کو ہر بھجے سکھ میں بھجے نہ کوئے　　　جو کوئی سکھ میں ہر بھجے تو دکھ کا ہے کو ہوئے

۲؎اسی طرح کہ آنے والی آفت آتی نہیں اور جو آچکی ہے وہ پھرتی نہیں بلکہ لوٹ جاتی ہے،صدقہ انسان اور آفات کے درمیان مضبوط حجاب ہے۔(مرقات)یہ عمل بہت مجرب ہے اگر کبھی صدقہ سے آفت نہ جائے تو یہ رب تعالٰی کی آزمائش ہے اس پر صبر کرے۔

باب فضل الصدقۃ

باب صدقہ کی فضیلت ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎صدقہ صدق سے بنا،بمعنی سچائی،چونکہ خیرات سخی کے سچے مؤمن ہونے کی علامت ہے اس لیے اسے صدقہ کہتے ہیں۔مطلقًا صدقہ سے مالی خیرات مراد ہوتی ہے نفل ہو یا فرض یہاں وہ مراد ہے اگرچہ بعض بدنی اعمال کو بھی صدقہ کہا گیا ہے یعنی حکمی صدقہ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حلال کمائی سے چھوارے کی برابر صدقہ کرے ۱؎اللہ تعالٰی صرف حلال ہی کو قبول کرتا ہے ۲؎تو اللہ اسے داہنے ہاتھ میں قبول کرتا ہے پھر صدقہ والے کے لیے اس کی ایسی پرورش کرتا ہی جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی حتی کہ پہاڑ کی طرح ہوجاتا ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی معمولی سے معمولی چیز اللہ کی راہ میں دے،عرب شریف میں کھجور معمولی چیز ہے،پھر اس کی قاش تو بہت ہی معمولی ہوئی۔

۲؎یہ بہت ہی اہم قانون ہے کہ خیرات حلال کمائی سے کی جائے تب ہی قبول ہوگی،حتی کہ حج بھی طیب و پاک کمائی سے کرے۔یہاں دو قاعدے یاد رکھنا چاہئیں:ایک یہ کہ مال مخلوط سے اجرت،صدقہ،دعوت وغیرہ لینا جائز ہے،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے ہاں پرورش پائی جن کا مال مخلوط تھا،اگر اس مال پر حرام کے احکام جاری ہوتے تو رب تعالٰی اپنے ان محبوبوں کو وہاں پرورش نہ کراتا۔دوسرا یہ کہ مال حرام دو قسم کا ہے:ایک وہ جو انسان کی ملکیت میں آتا ہی نہیں جیسے زنا کی اجرت،سود کا پیسہ اوربیع باطل کے معاوضے سور شراب وغیرہ کی قیمتیں۔دوسرا وہ کہ مالک کی ملک میں آجاتاہےاگرچہ مالک اس کاروبار پر گنہگار ہوتا ہے جیسے بیع بالشرط وغیرہ تمام فاسد بیعوں کی قیمت اور ناجائز پیشوں(گانے،بجانے،داڑھی مونڈنے وغیرہ)کی اجرت۔پہلی قسم کا حرام کسی کے قبضہ میں پہنچے حرام ہی رہے گاکیونکہ پہلا شخص ہی اس کا مالک نہ بنا اور دوسری قسم کا حرام دوسرے کی ملک میں پہنچ کر اس کے لیے حلال ہوگا۔وہ جو فقہاء فرماتے ہیں کہ جس کے پاس حرام یا مشکوک پیسہ ہو وہ دوسرے سے

قرض لے کر حج یا صدقہ کرے اور اپنے مال سے وہ قرض ادا کردے اس سے مراد یہی آخری حرام ہے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدْيَةٌ"۔

۳؎ داہنے ہاتھ میں قبول کرنے سے مراد راضی ہوکر قبول فرماتاہے اور مطلب یہ ہے کہ مال و نیت خیر کا صدقہ رضائے الٰہی کا باعث ہے اور وہ صدقہ کے وقت سے لے کر قیامت تک بھاری ہوتا رہے گا حتی کہ میزان میں سارے گناہوں پر غالب آجائے گا جیسے اچھی زمین میں بوئی ہوئی ادرک آلو وغیرہ۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے"يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ"۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خیرات مال کم نہیں کرتی ۱؎ اور اللہ معافی کی وجہ سے بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے ۲؎ اور کوئی شخص اللہ کے لیے انکسار نہیں کرتا مگر اللہ اسے بلندی دیتا ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ بلکہ مال بڑھاتی ہے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ہر سال بڑھتی ہی رہتی ہے۔تجربہ ہے جو کسان کھیت میں بیج پھینک آتا ہے وہ بظاہر بوریاں خالی کرلیتا ہے لیکن حقیقت میں مع اضافہ کے بھر لیتا ہے،گھر کی رکھی بوریاں چوہے،سسری وغیرہ آفات سے ہلاک ہوجاتی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جس مال میں سے صدقہ نکلتا رہے اس میں سے خرچ کرتے رہوان شاءاللہ بڑھتا ہی رہے گا،کنوئیں کا پانی بھرے جاؤتو بڑھے ہی جائے گا۔

۲؎ یعنی جو بدلہ پر قادر ہوپھر مجرم کو معافی دے دے تو اس سے مجرم کے دل میں اس کی اطاعت اور محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اگر بدلہ لیا جائے تو اس کے دل میں بھی انتقام کی آگ بھڑک جاتی ہے۔فتح مکہ کے دن کی عام معافی سے سارے کفار مسلمان ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع فرمان ہوگئے،معافی سے دلوں پر قبضے ہوجاتے ہیں مگر معافی اپنے حقوق میں چاہیئے نہ کہ شرعی حقوق میں۔قومی ملکی،دینی مجرموں کو کبھی معاف نہ کرواپنے مجرم کو معاف کردو۔

۳؎ انکساری جو خود داری کے ساتھ ہو وہ بڑی بہتر ہے اس کا انجام بلندیٔ درجات ہے مگر بے غیرتی کی انکساری انکساری نہیں بلکہ احساس پستی ہے،جہاد میں کفار کے مقابل فخر کرنا عبادت ہے ،مسلمان بھائی کے سامنے جھکنا ثواب"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خیرات کرے ۱؎ تو جنت کے دروازں سے بلایا جائے گا ۲؎ جنت کے بہت دروازے ہیں تو جو نماز والوں سے ہوگا	

	وہ نماز کے دروازے سے پکاراجائے گا اور جو جہاد والوں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے پکارا جائے گا اور جو صدقہ والوں سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ والوں سے ہوگا وہ دروازۂ ریان سے بلایا جائے گا ۳؎ تب حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت تو نہیں کہ کوئی تمام دروازوں سے بلایا جائے ۴؎ مگر کیا کوئی ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا حضور نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ایک جنس کی دو چیزیں جیسے دو پیسے دو روپے دو کپڑےدو روٹیاں وغیرہ۔لفظ زوج دو کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں اور دو میں سے ہر ایک کو بھی جیسے خاوند بیوی کو زوجین کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہیں:"مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ"۔اور ممکن ہے کہ زوجین سے مراد بار بار صدقہ یا دن رات میں صدقہ یا علانیہ اور خفیہ صدقہ مراد ہو۔مرقات نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ صدقہ سے ساری نیکیاں مراد ہوں دو روزے دو رکعت نماز وغیرہ کیونکہ فقیر کے لیے نفلی نمازوروزہ ایسا ہے جیسے امیر کے لیے خیرات۔

۲؎ یعنی باب الصدقہ سے یہاں احد پوشیدہ ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صرف صدقہ کی وجہ سے جہاد وغیرہ کے دروازوں سے کیوں بلایا گیا۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ خیرات کرنے والے کو ہر دروازہ سے جانے کا حق ہو اظہار عزت کے لیے۔

۳؎ یعنی جس پر جو عبادت غالب ہوگی وہ جنت کے اسی دروازے سے جائے گا۔عبادت کے غالب ہونے سے مراد نوافل کی زیادتی ہے مثلًا جو شخص نماز فقط فرض و واجب ہی ادا کرتا ہے مگر جہاد کا بہت شوقین ہے ہمیشہ جہاد یا اس کی تیاری میں مشغول رہتا ہے تو وہ جہاد کے راستے سے جنت میں جائے گا۔ریّان رَیٌّ سے بنا جس کے معنے ہیں سرسبزی،سیرانی اور شادابی،چونکہ روزہ دار دنیا میں بحالت روزہ خشک لب،تشنہ دہن رہااس لیے اس کے واسطے ایسا دروازہ تجویز ہواجو تشنہ لبی کا عوض ہوجائے۔

۴؎ یعنی جنت میں داخلے کے لیے ایک دروازہ سے بلایا جانا ہی کافی ہے ہر طرف سے پکار پڑنے کی ضرورت نہیں مگر اس پکار میں اس کی عزت افزائی ضرور ہے کہ ہر دروازہ کے دربان چاہیں کہ یہ جنتی ہمارے دروازے سے جائے اور ہمیں شرف خدمت نصیب ہو۔اس جملہ میں مَانافیہ ہے اور مِنۡ ضَرُوۡرَۃٍ کی مِنۡ زائدہ اور ضَرُوۡرَۃ مَا کا اسم،اَعۡلٰی مَنۡ دُعِیَ الخ اس کی خبر۔

۵؎ یعنی جو شخص ساری عبادات میں اول نمبر ہوگاوہ ان سارے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ ہر طرف اس کے نام کی دھوم مچ جائے گی اور چونکہ اے صدیق تم ساری ہی نیکیوں میں طاق ہولہذا تم بھی ان ہی میں سے ہوگے۔اس حدیث

سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم و عمل میں بعد انبیاء ساری خلق سے افضل ہیں کہ رب تعالٰی نے انہیں اَتْقٰی فرمایا یعنی بڑا ہی پرہیز گار"وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ "اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں صدیق اکبر کو امام بنایا،امام بڑے عالم ہی کو بنایا جاتا ہے۔خیال رہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عام نیکیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور رب تعالٰی نے بعض خاص نیکیاں آپ کو ایسی عطا فرمائیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر غار ثور تک لے جانا،اپنے زانو پر سلانا،اپنے کو سانپ سے کٹوانا وغیرہ۔جب قرآن کریم کی رحل باقی لکڑیوں سے افضل ہے تو جس کا زانو قرآن کریم والے کی رحل بنے وہ تمام خلق سے افضل ہوگا۔دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ہر دنیوی اخروی حال سے واقف ہیں حتی کہ جانتے ہیں کون جنت میں کہاں جائیگا اور کس دروازہ سے جائے گا،صحابہ کا یہی عقیدہ تھا ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیوں پوچھتے۔خیال رہے کہ کریموں کا امید دلانا یقین کے لیے ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ"۔الفاظ حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے خوش نصیب لوگ بہت ہوں گے جن کے ناموں کی پکار جنت کے تمام دروازں پر پڑے گی،اس جماعت کے امیر صدیق اکبر ہوں گے رضی اللہ عنہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آج تم میں سے کس نے روزہ دار ہوکر صبح کی[1]حضرت ابوبکر نے کہا میں نے فرمایا آج تم میں سے کوئی جنازے کے ساتھ گیا حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں فرمایا آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھلایا حضرت ابوبکر نے کہا میں نے فرمایا آج تم میں سے کس نے کسی بیمار کی عبادت کی حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں نے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص میں یہ خصلتیں نہیں جمع ہوتیں مگر وہ جنت میں جاتا ہے[2](مسلم)

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت صحابہ سے یہ سوال فرمانا ان پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر کرنے اور انہیں آپ کے روزانہ کے اعمال دکھانے کے لیے ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک کے سارے ظاہر و خفیہ اعمال سے خبردار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیۡکُمْ رَسُوۡلًا شٰہِدًا عَلَیۡکُمْ"۔

[2] اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شیخ کا اپنے مریدوں کے حالات کی تفتیش کرنا،یونہی استاد کا شاگردوں کے خفیہ حالات معلوم کرنا سنت سے ثابت ہے۔دوسرے یہ کہ امتی کا نبی سے مرید کا شیخ سے،شاگرد کا استاد سے اپنی

خفیہ نیکیاں بیان کرنا ریا نہیں بلکہ ان کی دعاء لے کر زیادہ قابل قبول بنانا ہے۔تیسرے یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عابد ترین صحابہ ہیں کہ آپ کے روزانہ کے یہ اعمال ہیں۔خیال رہے کہ اَنَا یعنی میں کہنا فخر وغیرہ کے لیے ہو تو منع ہے عجز و نیاز کے طور پر جائز ہے۔چوتھے یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بشادت حدیث و قرآن کریم جنتی ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے مؤمن بیبیو کوئی پڑوسن کا ہدیہ حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کی کھری ہی ہو۱ (مسلم،بخاری)	

۱ یعنی اگر تم امیر ہو اور تمہاری پڑوسن غریب اور وہ غریب اپنی محبت سے کوئی معمولی چیز بطور ہدیہ بھیجے تو نہ اسے واپس کردو اور نہ اسے نگاہ حقارت سے دیکھو بلکہ خوشی سے قبول کرو کہ اس کا دل خوش ہوجائے اللہ تعالٰی اخلاص کا ایک پیسہ بھی قبول فرمالیتا ہے۔اس حدیث کا مطلب اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے یعنی کوئی عورت اپنی پڑوسن کو معمولی ہدیہ دینے میں نہ ہچکچائے جو کچھ جُڑے بنے دیتی رہے کہ ہدیوں سے محبتیں بڑھتی ہیں،چونکہ چیزوں میں عیب نکالنے کی عادت زیادہ عورتوں میں ہوتی ہے اس لیے انہی سے خطاب کیا گیا،یہ حدیث ہم غریبوں کے لیے بڑی ہمت افزا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکینوں کے معمولی ہدیہ ثواب وغیرہ کو بھی ردّ نہیں فرماتے۔

روایت ہے حضرت جابر و حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے ۱(مسلم،بخاری)۲	

۱ سبحان اللہ! کیا ہمت افزاء حدیث ہے یعنی صدقہ صرف مال ہی سے نہیں ہوتا بلکہ ہر معمولی نیکی اگر اخلاص سے کی جائے تو اس پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے حتی کہ مسلمان بھائی سے میٹھی اور نرم باتیں کرنا بھی صدقہ ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔اب کوئی فقیر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں صدقہ پر قادر نہیں۔

۲ اس طرح کہ بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لہٰذا راوی کے نام میں ہر کتاب مفرد ہے اور متن حدیث میں دونوں متفق۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھلائی کو حقیر نہ جانو اگرچہ یہ ہو کہ اپنے بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملے ۱(مسلم)	

۱ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کوئی نیکی حقیر جان کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے اور کوئی گناہ حقیر سمجھ کر کر نہ لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر پھونک دیتی ہے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔مسلمان بھائی سے خوش ہوکر ملنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہے اور مؤمن کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مسلمان پر	

صدقہ ہے۱؎ صحابہ نے عرض کیا کہ اگر نہ پائے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود نفع اٹھائے اور خیرات کرے۲؎ عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرسکے یا نہ کرے فرمایا تو کسی مظلوم حاجت مند کی مدد کرے۳؎ بولے اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو اچھی بات کا حکم کرے۴؎ بولے اگر یہ بھی نہ کرے تو فرمایا کہ برائی سے بچے کہ اس کے لیے یہ ہی صدقہ ہے۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں عَلٰی وجوب کے لیے نہیں بلکہ ترغیب کے لیے ہے یعنی مسلمان کو چاہیئے کہ شکر الٰہی کے لیے ان نفلی نیکیوں کو بھی اپنے پر لازم سمجھے اور روزانہ ان پر عمل کی کوشش کرے۔

۲؎ صحابہ کرام یہاں صدقہ سے مالی خیرات سمجھے تھےاس لیے انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ بعض مسلمان مسکین مفلوک الحال ہوتے ہیں جن کے پاس اپنے کھانے کو نہیں ہوتا وہ صدقہ کہاں سے کریں۔سرکار کے اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ مال کمانا بھی عبادت ہے کہ اس کی برکت سے انسان ہزار ہاگناہوں سے بچ جاتا ہے جیسے بھیک،چوری وغیرہ،نیز نکما آدمی اپناوقت گناہوں میں خرچ کرنے لگتا ہے نفس کو حلال کاموں میں لگائے رہو تاکہ تمہیں حرام میں نہ پھنسادے۔

۳؎ ہاتھ پاؤں کی مدد جیسے بھولے کو راستہ بتادینا،پردہ نشین بیوگان کا باہر والا کام کردینااس میں بھی ثواب ہے۔

۴؎ کہ اس میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے نہ ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں اور مفت میں ثواب مل جاتا ہے کیونکہ تبلیغ عبادت ہے جس کا بڑا ثواب ہے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو احکام شرعیہ سیکھانا چاہئیں کیونکہ بغیر جانے دوسروں کو بتانا ناممکن ہوگا۔یہ بھی معلوم ہوا تبلیغ صرف علماء کا ہی کام نہیں جسے جو مسئلہ یاد ہو دوسرے کو بتادے۔

۵؎ برائی سے بچنے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ فساد کے زمانہ میں گھر میں گوشہ نشین بن جائے کہ نماز کے اوقات مسجد میں باقی گھر یا جنگل میں گزارے۔دوسرے یہ کہ بُری مجلسوں میں جائے مگر برائی کرنے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو برائی سے روکنے کے لیے کہ یہ بڑا جہاد ہے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ جیسے نیکیاں نہ کرنا گناہ ہے ایسے ہی گناہ نہ کرنا ثواب،نہ کرنے سے مراد بچنا ہے یعنی سلب عدولی نہ کہ سلب محض لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہم ہر وقت خصوصًا سونے کی حالت میں لاکھوں گناہوں سے بچے رہتے ہیں تو چاہیئے کہ ہمیں ہر سانس میں کروڑوں نیکیاں ملا کریں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى"۔یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے ہر جوڑ کے عوض ہر دن جس میں سورج چمکے اس پر صدقہ ہے۱؎ دو کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے اور کسی شخص	

	کی اس کے گھوڑے پر مدد کر دے کہ اس پر اسے سوار کردے یا اس پر اس کا سامان چڑھا دے یہ بھی صدقہ ہے اور اچھی بات صدقہ ہے ۲؎ اور ہر وہ قدم جس سے نماز کی طرف جائے صدقہ ہے ۳؎ اور راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دے صدقہ ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ سُلامی س کے پیش سے ہے جس کے لغوی معنے ہیں عضو،ہڈی اور جوڑ یہاں تیسرے معنے مراد ہیں۔انسان کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں جیساکہ اگلی حدیث میں ہے اگرچہ ہمارا ہر رونگٹا اللہ کی نعمت ہے لیکن ہر جوڑ اس کی بے شمار نعمتوں کا مظہر ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا شکریہ ضروری ہوا۔صدقہ سے مراد نیک عمل ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔یہاں بھی علیٰ لغوی لزوم کے لیے ہے نہ کہ شرعی وجوب کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص پر اخلاقاً دیانۃً لازم ہے کہ روزانہ ہر جوڑ کے عوض کم از کم ایک نفل نیکی کیا کرے اس حساب سے روزانہ تین سو ساٹھ نیکیاں کرنی چاہئیں تاکہ اس دن جوڑوں کا شکریہ ادا ہو،سورج چمکنے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سورج تو ہر شخص پر چمکتا ہے تو شکریہ بھی ہر شخص پر ہے۔

۲؎ یعنی تہذیب اخلاق،تدبیر منزل،سیاست مدنی،لوگوں سے اچھے برتاوے صدقہ ہیں بشرطیکہ رضائے الٰہی کے لیے ہوں،ہر معمولی سے معمولی کام جب ادائے سنت کی نیت سے کیا جائے گا تو وہ بڑا ہوجائے گا کیونکہ منسوب اگرچہ چھوٹا ہے مگر منسوب الیہ جن کی طرف نسبت ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو بڑے ہیں۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ نماز کا ذکر مثالاً ہے ورنہ طواف،بیمار پرسی،جنازہ میں شرکت،علم دین کی طلب غرضکہ ہر نیکی کے لیے قدم ڈالنا صدقہ ہے۔

۴؎ یعنی رستہ سے کانٹا،ہڈی،اینٹ،پتھر،گندگی غرض جس سے کسی مسلمان راہ گیر کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کو ہٹا دینا بھی نیکی ہے جس پر صدقہ کا ثواب اور جوڑ کا شکریہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اولاد آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ۱؎ تو جو اللہ کی تکبیر کہے،اس کی حمد کرے،تہلیل کرے،تسبیح پڑھے،اللہ سے معافی چاہے،لوگوں کے راستہ سے پتھریا کانٹا یا ہڈی ہٹا دے یا اچھی بات کا حکم دے یا برائی سے منع کرے ان تین سو ساٹھ کی گنتی کے برابر تو وہ اس دن کی طرح چلے گا کہ اپنی جان کو آگ سے دور کرے گا ۲؎ (مسلم)

۱؎ انسان کی اس لیے قید لگائی تاکہ اس سے فرشتے اور جنات نکل جائیں کہ نہ ان کے جسموں میں اتنے جوڑ ہیں نہ ان کے یہ احکام۔ہمارے یہ جوڑ انگلی کے پوروں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ہیں اگر ان میں سے ایک جوڑ خراب

ہوجائے تو زندگی دشوار ہوجائے،قدرت نے ہڈی کو ہڈی میں اس طرح پیوست کیا ہے کہ کواڑ کی چول کی طرح ہڈی گھومتی ہلتی ہے اس کے باوجود نہ گھستی ہے نہ خراب ہوتی ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسی جامع حدیث ہے جس میں عبادات معاملات اورورد و وظیفہ سب ہی آگئے۔مرقات نے فرمایا کہ اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے ممانعت زبانی بھی ہوتی ہے دلی بھی اور عملی بھی۔عالم کا دینی وعظ زبانی تبلیغ ہے،دینی کتاب لکھ جانا قلمی تبلیغ کہ جب تک اس کتاب کا فیض جاری ہے اس کا ثواب باقی اور لوگوں کے سامنے اچھے اعمال کرنا اور برے اعمال سے بچنا عملی تبلیغ ہے کہ جتنے لوگ اسے دیکھ کرنیک بنیں گے ان سب کا ثواب اسے ملے گا بلکہ روزانہ ملتا رہے گا اور اس کے جوڑوں کا شکریہ ادا ہوتا رہے گا۔اس حدیث کے آخری جملہ سے اشارۃً معلوم ہوتاہے کہ کبھی نفلی عبادت کے ترک پر بھی پکڑ ہوجاتی ہے کیونکہ سرکار نے فرمایا جس دن اتنے کام کرلیے اس روز اپنے کو آگ سے دور کرلیا۔جو شخص دو رکعتیں اشراق کی پڑھ لے اس کے تمام جوڑوں کا شکریہ ادا ہوگیا جیساکہ کتاب الصلوۃ میں گزر چکا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر تسبیح میں صدقہ ہے اور ہر تکبیر میں صدقہ ہے اور ہر حمد میں صدقہ ہے اور ہر تہلیل میں صدقہ ہے ۱؎ اور بھلائی کا حکم دینے میں صدقہ ہے اور برائی سے روکنے میں صدقہ ہے ۲؎ اور ہر ایک کی حلال صحبت میں صدقہ ہے ۳؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے تو اس میں اسے ثواب ملتا ہے فرمایا بتاؤ تو اگر یہ شہوت حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ ہوتا تو یوں ہی جب اسے حلال میں خرچ کرے گا تو اسے ثواب ملے گا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ اس فرمان عالی شان سے معلوم ہوا کہ جو کوئی سُبۡحَانَ اللہ یا اَللہُ اَکۡبَر یا اَلۡحَمۡدُلِلّٰہ یا لَآاِلٰہَ اِلَّااللہ کسی طرح بھی کہے صدقہ نفلی کا ثواب پائے گاخواہ ذکراللہ کی نیت سے کہے یا کسی حاجت کی لیے بطور وظیفہ یہ الفاظ پڑھے یا عجیب بات سن کر سبحان اللہ وغیرہ کہے یا خوشخبری پاکر الحمدللہ پڑھے۔بہرحال ثواب ملے گا کیونکہ اللہ کا نام لینا بہرحال عبادت ہے،اگر کوئی شخص ٹھنڈک کے لیے اعضائے وضو دھوئے تب بھی وضو ہوجائے گا کہ اس سے نماز جائز ہوگی،اللہ کا نام زبان کا وضو ہے۔شعر

چوں بیاید نام پاکش در وہاں نے پلیدی ماندونے آں وہاں

۲؎ یعنی ہر تبلیغ میں خیرات کا ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب پہلے ثوابوں سے زیادہ کہ اس میں ذکر اللہ بھی ہے اور لوگوں کو فیض پہنچنا بھی۔قلمی تبلیغ صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک لوگ اس کی کتاب سے دینی فائدہ اٹھائیں گے تب تک اسے ثواب ملتا رہے گا،یہ ایک کلمہ بہت جامع ہے۔

۳؎ بضع کے لغوی معنے ہیں ٹکڑا مگر اصطلاح میں شرمگاہ کو کہتے ہیں،یہاں مراد صحبت حلال ہے۔یہاں فی ارشاد فرماکر اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ صحبت بذات خود ثواب نہیں بلکہ چونکہ اس کے ضمن میں زوجین کی عفت حق زوجیت کی ادا نیک اولاد کی طلب ہےاور یہ ساری چیزیں عبادت ہیں اس لیے صحبت عبادات پر شامل ہے۔اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت دیکھو کہ پہلی چیزوں میں ب ارشاد ہوا تھا اور یہاں فی تاکہ پتہ لگے کہ وہ چیزیں بذات خود عبادت تھیں اور یہ صحبت عبادات پر مشتمل ہے۔(لمعات)مرقات نے یہاں فرمایاظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال صحبت مطلقًا صدقہ ہے خواہ ان چیزوں کی نیت سے ہو یا نہ ہو۔

۴؎ یعنی بذات خود صحبت ثواب نہیں بلکہ شہوت کو حلال میں خرچ کرنا ثواب ہے جیسے عید کے دن یا رمضان کی سحریوں میں کھانا پینا بذات خود ثواب نہیں بلکہ ان وقتوں میں کھانا عبادت ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہواء ھدی سے مل جائے تو زہد بن جاتی ہے اسی جانب قرآن کریم اشارہ فرمارہا ہے:"وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ"۔سبحان اللہ! ہواء ھدیٰ سے مل کر ایسی ہوتی ہے جیسے مکھن شہد سے مل کر۔(از مرقات)لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ بغیر نیت ثواب کیساکہ نیت کی شرط عبادت محضہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین صدقہ بہت دودھ والی اونٹنی اور بہت دودھ والی بکری کا عطیہ ہے جو صبح کو برتن بھر کر دودھ دے اور شام کو دوسرا بھر کر ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عرب میں دستور تھا کہ جانوروں والے اپنا دودھ کا جانور عاریۃً چند روز کے لیے کسی عزیز مسکین کو دے دیتے تھے،اس زمانہ میں جانور کا خرچہ اس فقیر کے ذمہ ہوتا اور دودھ بھی وہی پیتا تھا،مدت گزرنے پر جانور واپس کردیا جاتا تھااسے منحہ کہتے تھے یہاں اسی کا ذکر ہورہا ہے فرمایا جارہا ہے کہ اس جانور کا ہر وقت کا دودھ صدقہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کوئی باغ لگائے یا کھیت بوئے پھر اس سے آدمی یا چڑیاں یا جانور کچھ کھالیں مگر اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عرب میں دستور تھا کہ باغ والے مسافروں کو دو ایک پھل توڑ لینے سے منع نہ کرتے جیسے ہمارے ہاں بھی چنے کا ساگ کاٹنے سے لوگ منع نہیں کرتے،مسافر بھی اس دستور سے واقف تھےوہ بھی چوری کی نیت سے نہیں بلکہ عرفی اجازت کی بنا پر دو چار دانے منہ میں ڈال لیتے تھے،نیز کبھی جانور کھیت پر سے گزرتے ہوئے سبزے میں ایک آدھ منہ

مار دیتے ہیں سرکار نے ان سب کو مالک کے لیے صدقہ قرار دیااس کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی کہ کبھی بغیر نیت بھی ثواب مل جاتاہے۔

	اور مسلم کی روایت میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ جو اس سے چوری ہوجائے وہ بھی صدقہ ہے ۱؎

۱؎صبر کرنے اور اس نقصان کو برداشت کرنے پر ضرور ثواب ملے گا جیسے کانٹا لگ جانے پر ثواب ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس زانیہ عورت کی مغفرت ہو گئی ۱؎جو ایک کتے پر گزری کہ ایک کنوئیں کے کنارے ہانپ رہا تھا قریب تھا کہ پیاس اسے قتل کردیتی اس نے اپنا موزہ اتارا اسے اپنے دوپٹے سے باندھا اس طرح پانی نکالا ۲؎اس وجہ سے بخش دی گئی عرض کیا گیا کہ کیا ہم کو جانوروں میں بھی ثواب ہے فرمایا ہر تر کلیجے والے میں ثواب ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ **مُوْمِسَۃٌ وَمُسٌّ** سے بنا،بمعنی رگڑ،اس کا مصدر **ایماس** ہے،بمعنی زنا کرنا۔ظاہر یہ ہے کہ اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے تھے جیسے کہ **غفر** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔

۲؎یعنی اس کے پاس ڈول رسی تھے نہیں تو اس نے اپنے دوپٹہ کو رسی بنایا اور موزے کو ڈول کہ موزہ میں پانی بھر کر کتے کے منہ میں ڈال دیا جس سے اس کی آنکھ کھل گئیں اور وہ چلا گیا۔

۳؎تر کلیجے والے سے مراد ہر جاندار ہے مگر اس سے موذی جانور مستثنٰی ہیں لہذا سانپ،بچھو،شیر وغیرہ کو مار دینا ثواب ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ معاف ہوسکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ کبھی معمولی نیکی بڑے سے بڑے گناہوں کے بخشے جانے کا سبب بن جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ بعض صوفیاء اپنے ہاں انسانوں کے لنگر کے ساتھ جانوروں کے دانے پانی کا بھی انتظام کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کھانا متقی ہی کھائیں اس سے دعوت کا کھانا مراد ہے نہ کہ حاجت کا کھانا لہذا احادیث متعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی گئی ۱؎جسے اس نے باندھے رکھا حتی کہ بھوک سے مرگئی اسے نہ کھانا دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تاکہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس کے لیے عذاب جہنم کا حکم ہوگیا یا اس پر کوئی دنیوی عذاب نازل ہوا یا عذاب قبر میں گرفتار ہوئی ورنہ دوزخ کا عذاب تو بعد قیامت ہوگا،اسی عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ میں جلتے دیکھا مگر وہ اس لیے نہیں کہ وہ دوزخ میں پہنچ چکی تھی بلکہ اس لیے کہ نگاہ انبیاء قیامت کے بعد ہونے والے واقعات کو بھی دیکھ لیتی ہے۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ پالے ہوئے جانور کا بھی حق ہے کہ اسے کھانا پانی دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی گناہ ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم انسان کے ظلم سے بدتر ہے کیونکہ انسان زبان والا ہے اپنے دکھ دوسروں سے کہہ سکتا ہے بے زبان جانور خدا کے سواء کس سے کہے۔ تیسرے یہ کہ کبھی گناہ صغیرہ پر بھی عذاب ہوجاتا ہے،کبائر سے بچے یا نہ بچے،رب تعالٰی کا یہ فرمان"اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ"۔اس میں بخشش کا حتمی وعدہ نہیں ہے بلکہ امید دلائی گئی ہے اور یہ بخشش رب تعالٰی کی مشیت پر موقوف ہے کیونکہ دوسری آیت میں رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ"لہذا نہ تو آیات میں تعارض ہے اور نہ یہ حدیث کسی آیت کے خلاف۔بعض علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے کیونکہ اس عورت کا بلی کو ایک دن کھانا پانی نہ دینا گناہ صغیرہ تھا مگر متواتر عرصہ تک نہ دینے سے کبیرہ بن گیا مگر اس حدیث سے یہ استدلال ضعیف ہے اس کے لیے تو قرآنی آیت موجود ہے"وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص درخت کی شاخ پر گزرا جو برسر راہ پڑی تھی وہ بولا کہ اسے مسلمانوں کے راہ سے ہٹا دوں کہیں انہیں تکلیف نہ دے ۱؎ وہ جنت میں داخل کیا گیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ وہ شاخ یا تو خاردار تھی جس کے کانٹے لوگوں کو چبھ جانے کا اندیشہ تھا اور اگر بے خار تھی تو اتنی موٹی تھی جس سے راہ گیر ٹھوکر کھاتے۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ موذی چیز کو راستہ سے ہٹانے میں مسلمانوں کی خدمت کی نیت کرے نہ کہ کفار کی۔

۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس شخص نے ہٹانے کی نیت ہی کی تھی اس نیت پر بخشا گیا نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اور ممکن ہے کہ اس نے ہٹا بھی دی ہو جس کا یہاں ذکر نہیں آیا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں مزے سے پھرتے دیکھا اس درخت کی وجہ سے جسے اس نے

	راستہ کے کنارے سے کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو باعث تکلیف تھا ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی وہ درخت خاردار تھا یا بے خاراس کی جڑ راستہ کے کنارہ پر تھی مگر شاخیں راستہ پر پھیلی ہوئی تھیں اس نے تکلیف دور کرنے کے لیے اسے جڑ سے ہی اکھیڑ دیا تاکہ آئندہ بھی شاخیں نہ پھیل سکیں اگر یہ درخت اس کی اپنی ملکیت تھا یا خود رو تھا تب تو اس کے کاٹ دینے اور اس کی لکڑی گھر لے جانے پر کچھ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگرکسی غیر کی ملکیت تھا تو اس نے فقط دفع ایذاء کے لیے کاٹ دیا ہوگا اس کی لکڑی پر قبضہ نہ کیا ہو گا۔اس صورت میں اس حدیث سے مسئلہ مستنبط ہوگا کہ موذی چیز کو ختم کردینا جائز ہے اگرچہ دوسرے کی ملکیت ہو،دیوانہ کتا جو کسی کا پالتو تھا،سرکس والوں کا بھاگا ہوا شیر،سپیروں کا چھوٹا ہوا سانپ ماردیئے جائیں،راستہ میں کھودا ہوا کنواں پاٹ دیا جائے اس میں مالک کی اجازت کی ضرورت نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنت میں یا شب معراج میں دیکھا یا نماز کسوف میں جب آپ پر جنت پیش کی گئی یا عام حالت میں۔

	روایت ہے حضرت ابو برزہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے وہ بات سکھایئے جس سے نفع اٹھاؤں فرمایا مسلمانوں کے راستہ سے موذی چیز ہٹا دو ۱؎(مسلم)اور ہم حضرت عدی ابن حاتم کی یہ حدیث "اتقوا النار"ان شاءاللہ باب علامات نبوت میں بیان کریں گے ۲؎

۱؎ سائل نے تو کوئی پڑھنے کے لیے وظیفہ پوچھا ہوگا مگر سرکار نے یہ فرمایا کہ آخرت کی نجات صرف وظیفوں پر موقوف نہیں بلکہ مسلمانوں کی خدمت سے بھی میسر ہوجاتی ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ سائل کوئی جلیل القدر صحابی تھے جو سارے نیک اعمال پہلے ہی کرتے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ عمل بتاکر اشارۃً سمجھا دیا کہ خدمت خلق بھی ایک اعلیٰ نیکی ہے۔

۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی لیکن ہم نے مشکوۃ میں باب علامات نبوت میں بیان کی کیونکہ اس کے زیادہ مناسب تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں حاضر ہوا ۲؎ جب میں نے چہرہ انور غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ پاک کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ۳؎

پہلی بات جو حضور نے فرمائی یہ تھی کہ اے لوگو سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ [۴] رشتے جوڑو سب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھو سلامتی سے جنت میں چلے جاؤ [۵] (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

[۱] آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابویوسف ہے،یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں،علماء یہود میں سے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی،مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں وفات ہوئی،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ایک باغ میں کھجوریں توڑ رہے تھے تشریف آوری کی خبر پاتے ہی بے تابانہ دوڑے ہوئے آئے کھجوریں گود ہی میں تھیں انہیں رکھنا بھی بھول گئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھتے ہی دل میں ایمان آگیا۔

[۲] باغ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر زیارت کے لیے آئے تو دیکھا کہ اس شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو پروانوں نے گھیرا ہوا ہے،لوگ فدا ہو رہے ہیں

[۳] غور سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ علامات جو توریت شریف میں مذکور ہیں آپ کے چہرے انور سے ملائیں تو بالکل موافق پائیں بال برابر فرق نہ تھا تب میں نے یقین کرلیا کہ آپ کا دعویٰ نبوت برحق ہے غلط نہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا مگر چونکہ کفار مکہ اور یہود مدینہ نے آپ کو جھٹلایا تھا اس لیے آپ یہ فرمارہے ہیں۔بعض علماء نے اس کے یہ معنے بیان کئے کہ میں نے فراست سے معلوم کیا کہ جھوٹ بولنے والے کا چہرہ ایسا نورانی نہیں ہوتا دل کی کیفیت چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔

[۴] یعنی میں نے جو پہلی بات سنی وہ یہ تھی،چونکہ وہاں ہجوم عاشقاں تھا اس لیے الناس سے خطاب فرمایا۔ سلام پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ سلام کو رواج دو،اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت سلام کا رواج نہ تھا "صبحك الله بالخير" وغیرہ کہتے تھے جیسے ہندوستان میں آداب عرض،گڈ مارننگ،بندگی،کورنش وغیرہ کہے جاتے تھے اسلام نے السلام علیکم کہنا سکھایا۔کھانا کھلانے سے مراد ہے مہمانوں،فقیروں،یتیموں کو کھانا دو۔بعض لوگوں نے کہا کہ سلام اونچی آواز سے کہو جو سامنے والا سن لے اور اپنے بچوں کو کھانا دو مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

[۵] یعنی قرابت داروں کے حق ادا کرو،ان حقوق کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔اور نماز پنجگانہ پر ہی قناعت نہ کرو بلکہ آخری رات میں جب عمومًا لوگ سوتے ہوتے ہیں تو تم نماز تہجد پڑھا کرو اگر تم نے ان چار باتوں پر عمل کرلیا تو عذاب و حجاب سے سلامت رہو گے اور جنت میں خیریت سے پہنچو گے جہاں تمہیں رب تعالٰی اور فرشتوں کی طرف سے سلام ہوا کریں گے۔ہماری اس شرح سے معلوم ہوا کہ بِسَلَامٍ کے دو معنے ہیں،چونکہ ابھی تک زکوۃ،روزہ،حج و جہاد کے احکام نہیں آئے تھے اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمٰن کو پوجو،کھانا کھلاؤ،سلام پھیلاؤ جنت میں سلامتی سے چلے جاؤ [۱]	

	(ترمذی،ابن ماجہ)

ا۔ یہ حدیث کچھ فرق سے ابھی گزر گئی۔رحمان کوپوجنا بہت جامع فرمان ہے جس میں ہر قسم کی عبادتیں داخل ہیں اگر یہ حدیث زکوۃ و روزہ کی فرضیت کے بعد کی ہو جب بھی درست ہے کہ عبادت رحمان میں وہ چیزیں بھی آگئیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ رب تعالٰی کے غضب کو بجھاتا ہے ا؎اور بری موت کو دفع کرتا ہے ۲؎(ترمذی)

ا؎یعنی خیرات کرنے والے سخی کی زندگی بھی اچھی ہوتی ہے کہ اولًا اس پر دنیوی مصیبتیں آتی نہیں اور اگر امتحانًا آبھی جائیں تو رب تعالٰی کی طرف سے اسے سکون قلبی نصیب ہوتا ہے جس سے وہ صبر کرکے ثواب کمالیتا ہے۔غرضکہ اس کے لیے مصیبت معصیت لے کر نہیں آتی مغفرت لے کر آتی ہے،معصیت والی مصیبت خدا تعالٰی کا غضب ہے اور مغفرت والی مصیبت اللہ کی رحمت لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سخیوں پر مصیبتیں آجاتی ہیں عثمان غنی جیسے سخی بڑی بے دردی سے شہید کئے گئے۔

۲؎ مَیْتَۃٌ مَوْتٌ سے بنا بیان نوعیت کے لیے اسے بروزن **فعلۃ** لائے تو میم کے کسرہ کی وجہ واؤ سے بدل گیا،بری موت سے مراد خرابی خاتمہ ہے یا غفلت کی اچانک موت یا موت کے وقت ایسی علامت کا ظہور ہے جو بعد موت بدنامی کا باعث ہو اور ایسی سخت بیماری ہے جو میت کے دل میں گھبراہٹ پیدا کرکے ذکر اللہ سے غافل کردے،غرضکہ سخی بندہ ان تمام برائیوں سے محفوظ رہے گا،میرے پاک نبی سچے،ان کا رب سچا،اللہ تعالٰی ان کے طفیل ہم سب کو سخاوت کی توفیق دے اور یہ نعمتیں عطا فرمائے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور بھلائی سے یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے ملے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں ڈول دے ا؎(ترمذی)

ا؎ شروع باب میں صدقہ کے معنے عرض کئے جاچکے ہیں۔صدقہ حقیقی مال سے ہوتا ہے اور صدقہ حکمی اعمال سے بھی،مسلمان بھائی سے محبت سے ملنا اس کی خوشنودی دل کا ذریعہ ہے اور مسلمان کو خوش کرنا ثواب لہذا یہ عمل صدقہ،نیز کنوئیں پر جو لوگ پانی لینے کے لیے جمع ہوں ان کے برتوں میں پانی ڈال دینا بھی ان کی راحت اور خوشی کا ذریعہ ہے لہذا یہ بھی صدقہ،پانی ڈالنا بطور مثال بیان ہوا۔مقصد یہ ہے کہ مسلمان بھائی کے ساتھ معمولی سی بھلائی کرنا بھی ثواب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرادینا صدقہ ہے ا؎اور بھلائی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی

سے روک دینا صدقہ ہے اور تیرا کسی کو بہک جانے والی زمین میں راہ دکھادینا تیرے لیے صدقہ ہے ۲؎اور تیرا کسی کمزور نگاہ والے شخص کی مدد کردینا تیرے لیے صدقہ ہے ۳؎اور تیرا راستہ سے پتھر کانٹا ہڈی ہٹا دینا تیرے لیے ۴؎صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دیناتیرے لیے صدقہ ہے ۵؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ خوشی کا مسکرانا جس سے سامنے والا سمجھے کہ میرے آنے سے اسے خوشی ہوئی اس سے وہ بھی خوش ہو جائے،تمسخر کا مسکرانا مراد نہیں جس سے آنے والے کو تکلیف ہو کہ یہ تو گناہ ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا رب تعالٰی کی مہربانیاں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس امت کو ملیں وہ معمولی کام جن میں نہ خرچ ہو نہ تکلیف ثواب کا باعث بن گئے،کسی کو راستہ بتادینا یا مسئلہ سمجھا دینا بھی ثواب کا باعث ہوگیا۔

۳؎یا اس طرح کہ اس کی انگلی پکڑ کر جہاں جانا چاہتا ہےوہاں پہنچا دے یا اس طرح کہ اس کا کام کاج کردے سب میں ثواب ہےکہ اندھوں اور کمزور نظر والوں کی خدمت نعمتِ آنکھ کا شکریہ ہے،ہر نعمت کا شکر جداگانہ ہے اور شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے"لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ"۔

۴؎کہ اس سے لوگ تکلیف سے بچیں گے اور تمہیں ثواب ملے گا۔معلوم ہوا کہ جیسے مسلمان کو نفع پہنچانا ثواب ہے ایسے ہی انہیں تکلیف سے بچانا بھی ثواب ہے،کسی بھلے آدمی کو بدمعاش کی شر سے بچالینا ثواب ہے،اگر کوئی شریف النفس آدمی بے خبری میں خبیث النفس سے رشتہ کرنا چاہتا ہو اس سے بچالینا بھی ثواب ہے۔

۵؎جب اپنے ڈول سے دوسرے کے ڈول میں پانی ڈال دینا ثواب ہوا تو جس کے پاس ڈول یا رسی ہی نہ ہو اسے پانی دینا تو بہت ہی ثواب ہوگا۔

روایت ہے حضرت سعد ابن عبادہ سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سعد وفات پا گئیں تو اب کون سا صدقہ بہتر ہے ۱؎فرمایا پانی ۲؎لہذا سعد نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ کنواں ام سعد کا ہے ۳؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎یعنی میں کونسا صدقہ دے کر ان کی روح کو اس کا ثواب بخشوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات میت کو نیک اعمال خصوصًا مالی صدقہ کا ثواب بخشنا سنت ہے،قرآن کریم میں جو فرمایا گیا:"لَهَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡهَا مَا اکۡتَسَبَتۡ"یا فرمایا گیا"لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"۔جن سے معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی کی ہوئی نیکیاں فائدہ مند ہیں وہاں بدنی فرائض مراد ہیں اسی لیے وہاں کسبت یاسعٰی ارشاد ہوا یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نمازیں ادا نہیں

کرسکتا ثواب ہر عمل کا بخش سکتے ہیں لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں،قرآن کریم سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ نیکوں کی برکت سے بُروں کی آفتیں ٹل جاتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَکَانَ اَبُوۡھُمَا صٰلِحًا"۔
۲؎ یعنی ان کی طرف سے پانی کی خیرات کرو کیونکہ پانی سے دینی دنیوی منافعے حاصل ہوتے ہیں خصوصًا ان گرم و خشک علاقوں میں جہاں پانی کی کمی ہو،بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں،عام مسلمان ختم فاتحہ وغیرہ میں دوسری چیزوں کے ساتھ پانی بھی رکھ دیتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ پانی کی خیرات بہتر ہے۔
۳؎ یعنی ام سعد کی روح کے ثواب کے لیے ہے۔یہ لام نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ثواب بخشتے وقت ایصال ثواب کے الفاظ زبان سے ادا کرنا سنت صحابہ ہے کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو پہنچے۔دوسرے یہ کہ کسی چیز پر میت کا نام آجانے سے وہ شئے حرام نہ ہوگی،دیکھو حضرت سعد نے اس کنوئیں کو اپنی مرحومہ ماں کے نام پر منسوب کیا،وہ کنواں اب تک آباد ہے اور اس کا نام بیرام سعد ہی ہے،فقیر نے اس کا پانی پیا ہے۔یہ"وَمَاۤ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللہِ"کے خلاف نہیں کہ وہاں وہ جانور مراد ہیں جو غیر خدا کے نام پر ذبح کئے جائیں۔خیال رہے کہ یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابوداؤد کی ایک اسنا دمیں یوں ہے"عَنۡ اَبِیۡ عَنۡ اِسۡحَاقَ الۡبُسَّیۡعِیۡ عَنۡ رَجُلٍ عَنۡ سَعۡدِ ابۡنِ عُبَادَۃَ"۔چونکہ اس میں عَنۡ رَجُلٍ آگیا لہذا یہ اسناد مجہول ہوگئی۔دوسری اسناد یوں ہے "عَنۡ سَعِیۡدِ بۡنِ الۡمُسَیَّبِ اَنَّ سَعۡدًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ"الخ۔یہ اسناد ابوداؤد ونسائی ابن حبان میں بھی ہے۔تیسری اسناد یوں ہے"عَنۡ سَعِیۡدِ ابۡنِ الۡمَسَیَّبِ وَالۡحَسَنِ الۡبَصَرِیِّ کِلَاھُمَا عَنۡ سَعۡدِ بۡنِ عُبَادَۃَ"یہ دونوں اسنادیں منقطع ہیں کیونکہ سعید ابن مسیب اور حسن بصری کی ملاقات حضرت سعد ابن عبادہ سے نہ ہوئی۔(ازمرقات)مگر یہ انقطاع و جہالت کوئی مضر نہیں چند وجہوں سے:ایک یہ کہ حدیث اس بنا پر زیادہ سے زیادہ ضعیف ہوسکتی ہے اور یہ حدیث ضعیف فضائل اعمال اور ثبوت استحباب میں کافی ہوتی ہے دیکھو کتب فقہ اور شامی وغیرہ ایصال ثواب فرض یا واجب نہیں صرف سنت مستحبہ ہے۔دوسرے یہ کہ یہ کسی حدیث صحیح کے متعارض نہیں،کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ ایصال ثواب حرام ہے تاکہ یہ حدیث چھوڑ دی جائے۔تیسرے یہ کہ اس حدیث کی تائید بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قربانی اپنی امت کی طرف سے کرتے تھے اور فرماتے تھے الٰہی اسے قبول کرلے امت مصطفٰے کی طرف سے۔(مسلم،بخاری)اور سیدنا علی مرتضٰے ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے،فرماتے تھے مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔(ابوداؤد،ترمذی)چوتھے یہ کہ اس حدیث کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ فِیۡۤ اَمۡوٰلِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ"اور فرماتا ہے:"وَیَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ"۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول اور فہرست القرآن میں ملاحظہ کیجئے۔پانچویں یہ کہ ہمیشہ سے سارے مسلمان ایصال ثواب پر عمل کرتے رہے اور عمل امت کی وجہ سے حدیث ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے،دیکھو ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ دوم اور شامی وغیرہ۔چھٹے یہ کہ جب امام بخاری کی تعلیق قبول جس میں وہ اسناد بیان ہی نہیں کر

تے سیدھے کہہ دیتے ہیں قال ابن عباس کیونکہ امام بخاری ثقہ ہیں تو حضرت سعید ابن مسیب اور خواجہ حسن بصری کا انقطاع بھی قبول کیونکہ یہ دونوں حضرات امام بخاری سے کم ثقہ نہیں بلکہ اپنے یقین کامل کی بنا پر براہ راست حضرت سعد کا واقعہ بیان کردیا۔

روایت ہے ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو پہنائے اللہ تعالٰی اسے جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا۱ اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھلائے تو اللہ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پلائے تو اللہ اسے نہر والی پاک وصاف شراب پلائے گا ۲(ابوداؤد،ترمذی)	

۱ یعنی پہنانے والا بھی مسلمان ہو اور پہننے والا بھی خصوصًا نمازی ہو خواہ اسے ایک کپڑا پہنائے یاسارے کپڑے،جنتیوں کا لباس سبز ہوگا،رب تعالٰی نے فرمایا:"یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا"۔

۲ غرضکہ مسلمان کی حاجت روائی رب تعالٰی کو بڑی پیاری ہے کھانا پینا اور لباس کی حاجت عامہ ہیں ان کی خیرات بڑی مقبول ہے،جنت میں پانی دودھ شہد وغیرہ کی نہریں بھی ہوں گی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ"اور بعض شرابوں کی سر بمہر بوتلیں بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُسْقَوْنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخْتُوۡمٍ"الایہ لہذا نہ آیات متعارض ہیں اور نہ یہ حدیث آیتوں کے خلاف۔

روایت ہے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مال میں زکوۃ کے سوا اور بھی حقوق ہیں ۱پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی کہ بھلائی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے منہ پورب اور پچھم کو کرلو الایہ ۲(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱ جن میں سے بعض فرض ہیں جیسے نذرپوری کرنا یا حج اور بعض واجب جیسے فطرہ اور قربانی اور بعض نفل جیسے بھکاریوں کو بھیک دینا یا ضرورت مندوں کو قرض دینا یا ضرورت پر ڈول،ہانڈی،پیالہ وغیرہ عاریۃً دینا،پڑوسیوں کو آگ نمک وغیرہ دینا یہ حدیث ان سب کو جامع ہے۔

۲ اس آیت میں آگے یہ ہے"وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیۡنَ"الایہ۔لہذا یہ آیت حدیث کی مؤیدہے۔

روایت ہے حضرت بہیسہ ۱سے وہ اپنے والد سے راوی	

	فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا پانی پھر عرض کیا یا نبی اللہ اور کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا نمک ۲؎ عرض کیا یا نبی اللہ اور کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا ہر اچھا کام کرنا تمہارے لیے بہتر ہے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ صحیح یہ ہے کہ حضرت بہیسہ خود بھی صحابیہ ہیں مگر آپ کی احادیث بہت کم ہیں۔

۲؎ یہاں جواز سے مراد شرعی جواز نہیں بلکہ عرفی جواز ہے یعنی مروت وغیرہ کہ ان چیزوں کا منع کرنا خلاف مروت ہے اور یہ بھی وہاں ہے جہاں پانی اور نمک کی خود مالک کو ضرورت نہ ہو ورنہ بعض وہ علاقے جہاں پانی کمیاب بلکہ نایاب ہے وہاں ضرورت کے وقت پانی نہ دینا نہ خلاف مروت ہے نہ گناہ یہی حال نمک کا ہے۔

۳؎ یہ عام حکم ہے یعنی اس کی تفصیل کہاں تک بیان کی جائے جو نیکی بن پڑے کر گزرو وقت کی قدر کرو کہ ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ"۔شعر

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

میاں محمد بخش صاحب فرماتے ہیں۔

صدا نہ بلبل باغیں بولے سدا نہ باغ بہاراں — صدا نہ حسن جوانی ماپے سدا نہ صحبت یاراں

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو افتادہ زمین کو آباد کرلے ۱؎ تو اس میں اسے ثواب ہے اور جو جانور اس سے کھاجائیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے ۲؎ (دارمی)

۱؎ یعنی اپنی محنت سے بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنادے وہ بہت ثواب کا مستحق ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے رزق کا انتظام ہے۔حکومتیں اپنے غیر آباد علاقے لوگوں کو مفت دیتی ہیں ان کا ٹیکس معاف کردیتی ہیں بلکہ ہزار ہا روپے سے آباد کرنے والوں کی امداد کرتی ہیں اسکا ماخذ یہی حدیث ہے اس کے بارے میں آئمہ کا اختلاف آئندہ بیان ہوگا۔

۲؎ اس کی بحث پہلے ہوچکی کہ کبھی بغیر ارادہ نیکی ہوجانے پر بھی ثواب مل جاتاہے۔عافیہ عفیٌ سے بنا،بمعنی طلب رزق،عافی رزق کا متلاشی اب جانوروں اور پرندوں کو کہتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ ثواب تب ملے گا جب کہ اس پر صبر وشکر کیا جائے۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دودھ کا جانور عاریۃً دے یا چاندی قرضہ دے یا کسی کو راستہ بتائے تو اسے غلام آزاد کرنے

کا ثواب ہے[1](ترمذی)	

[1] یعنی کسی کو دودھ کا جانور کچھ روز کے لیے عاریۃً دینا کہ وہ اس کا دودھ پی لے یا کسی حاجت مند کو کچھ روپیہ قرض دینا،نابینا یا ناواقف کو راستہ بتادینے کا ثواب غلام آزاد کرنے کے برابر ہے جب قرض دینے کا یہ ثواب ہوا تو خیرات دینے کا کتنا ہوگا خود سوچ لو اس لیے یہ حدیث صدقات کے باب میں لائے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کبھی قرض دینا صدقہ دینے سے بڑھ جاتاہے کیونکہ صدقہ تو غیرحاجت مند بھی لے لیتا ہے مگر قرض ضرورت مند ہی لیتا ہے اوراس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی معمولی نیکی کا ثواب بڑے سے بڑے کام سے بڑھ جاتا ہے،پیاسے کو ایک گھونٹ پانی پلاکر اس کی جان بچالینے کا ثواب سینکڑوں روپیہ خیرات کرنے سے زیادہ ہےاس لیے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں نیکیوں کا ثواب بقدر عمل ملے گا۔

روایت ہے حضرت ابو جری جابر ابن سلیم سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا[1]تو میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ان کی رائے سے کام کرتے ہیں وہ کوئی بات نہیں کہتے مگر لوگ اس پر عمل کرتے ہیں[2]میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں لوگ بولے یہ رسول اللہ ہیں[3]فرماتے ہیں میں نے دوبارہ عرض کیا علیك السلام یارسول اللہ[4]تو فرمایا علیك السلام نہ کہا کرو کیونکہ علیك السلام مُردوں کا آپس میں سلام ہے[5]بلکہ کہو السلام علیك[6]میں نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں اللہ کا ایسا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اور میں اس سے دعا کروں تو وہ تمہاری تکلیف دور کردے اور اگر تمہیں قحط سالی پہنچے میں اس سے دعا کردوں توتم پراگادے[7] اورجب تم چٹیل زمین یاجنگ میں ہواور تمہاری سواری گم ہوجائے میں اس سے دعا کروں تواللہ وہ تمہیں واپس لوٹا دے[8]میں نے عرض کیا مجھے نصیحت کیجئے فرمایا کسی کو گالی نہ دینا فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے کسی آزاد یا غلام اور اونٹ اور بکری کو گالی نہ دی[9] فرمایا اور کسی اچھی بات کو حقیر نہ جاننا[10]اور اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے کلام کیاکرنا یہ بھی نیکی ہے اور اپنا تہبند آدھی پنڈلی تک اونچا رکھنا اگر نہ مانو تو ٹخنوں تک[11]اور تہبند زیادہ نیچا رکھنے سے	

	ہمیشہ بچنا کہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالٰی تکبر کو پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تمہیں کسی ایسے عیب سے عار دلائے جو تم میں وہ جانتا ہے تو تم اسے اس کے ایسے عیب سے عار نہ دلاؤ جو تم اس میں جانتے ہو۱۲اس کا وبال اس پر ہے۔(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی نے ان سے سلام کی حدیث نقل کی اور ایک روایت میں ہے کہ تم کو اس کا ثواب ملے گا اور اس پر اس کا وبال ہوگا۱۳

۱؎ صحیح یہ ہے کہ آپ کا نام جابر ابن سلیم ہے،بعض نے سلیم ابن جابر بھی کہا ہے مگر یہ غلط ہے،صحابی ہیں مگر بہت ہی کم احادیث آپ سے مروی ہیں،دیہات کے رہنے والے تھے،کام کے لیے کبھی مدینہ پاک آتے تھے اس بار جو آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات نصیب ہوا جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔

۲؎ یعنی آپ کی ہر بات مانتے ہیں وجہ نہیں پوچھتے۔صَدَرُوْا صدور سے بنا جس کے معنے ہیں بے سمجھے سوچے چل پڑنا۔

۳؎ یعنی میں نے امراء حکام اور بادشاہوں کے خدام بھی دیکھے مگر کسی کے خدام ایسے بندہ بے دام نہ پائے مجھے تعجب ہوا کہ ان کی شان تو شاہانہ نہیں مگر فرمان شاہوں سے اعلٰی ہیں اس لیے تعجب سے پوچھا۔

۴؎ مگر آپ نے جواب نہ دیا کیونکہ سلام غلط تھا۔معلوم ہوا کہ صحیح سلام کا جواب دینا واجب ہے غلط سلام کو درست کرنا ضروری ہے۔ہمارے ہاں بعض جہلاء بھیا سلام،ابا سلام کہتے ہیں،یا آداب عرض،تسلیمات عرض ان میں سے کسی کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ انہیں سلام سکھانا چاہیئے۔

۵؎ اس جملہ کے بہت سے معنے کئے گئے ہیں:ایک یہ کہ قبرستان میں جاکر مردوں کو علیك السلام کہو مگر یہ غلط ہے کیونکہ وہاں بھی السلام علیکم کہنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ کفار عرب قبرستان جاکر مردوں کو یہ سلام کرتے تھے۔تیسرے یہ کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو علیك السلام کہتے ہیں۔چوتھے یہ کہ علیك السلام کہنا مردوں کے لیے مناسب ہے زندے سلام تو السلام علیکم سے کریں اور جواب میں وعلیکم السلام بولیں۔واللہ اعلم! فقیر کے نزدیک تیسری توجیہ قوی ہے۔

۶؎ یعنی جب ایک دوسرے سے ملو تو السلام علیك کہو یا ہم سے ملاقات کے وقت تحیت کے لیے یہ کہو درود شریف کے موقعہ پر صلوۃ و سلام جمع کرکے کہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۷؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں تینوں صیغے متکلم کے ہیں اور اَلَّذِیْ رسول کی صفت ہے یعنی میں وہ رسول ہوں کہ میری دعا سے اللہ تعالٰی لوگوں کی مصیبتیں ٹالتا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ تینوں صیغے مخاطب کے ہوں اور اَلَّذِیْ اللہ تعالٰی کی صفت ہو یعنی میں اس اللہ کا رسول

ہوں کہ اگر تو مصیبتوں میں میرے وسیلہ سے اس سے دعائیں کرے تو پروردگار تیری آفتیں ٹال دے۔(مرقات)وسیلہ کی اس لیے قید لگائی کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی پہچان کرارہے ہیں وہ خدا کو تو پہلے ہی پہچانتا تھا۔فقیر کے نزدیک پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت زیادہ ہے جو یہاں اصل مقصود ہے۔

۸؎دوسرے معنے کی بنا پر اس حدیث سے ثابت یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حاضر اور غائب غلاموں کے دکھ درد سے خبردار ہیں اور انہیں دعائیں دیتے رہے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ"۔

۹؎اگر سَبٌّ سے مراد فحش گالی ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ مسلمان فحش گو نہیں ہوتا اور اگر برا کہنا مراد ہے تو اگرچہ بعض وقت کسی کو برا کہنا جائز تو ہوتا ہے مگر اس سے بچنا بہتر،ان صحابی نے اس بہتر پر عمل کیا۔

۱۰؎یعنی اگر خدا تجھے تھوڑی نیکی کی بھی توفیق دے تو اسے کر گزر اور خدا کا بہت شکر کر،موقع کو غنیمت جان کہ کبھی تھوڑی نیکی سے ہی نجات ہوجائے گی اور شکر کی توفیق سے آئندہ بڑی نیکیاں بھی نصیب ہوجائیں گی۔

۱۱؎ یہ حکم مرد کے لیے ہے کہ اسے ٹخنوں کے نیچے پاجامہ یا تہبند رکھنا بطریق تکبر حرام ہے اور بے پرواہی سے خلاف اولیٰ مگر آج کل آدھی پنڈلی تک کے پاجامے وہابیوں کی علامت ہیں جیسے ہمیشہ سر منڈانا لہذا ٹخنوں کے اوپر رکھے،عورتوں کا تہبند یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے چاہیئے۔

۱۲؎یہ انتہائی حسن اخلاق کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے عیب کھولے تو تم اس کے عیب نہ کھولو کسی نے کیا مزے کا شعر کہا۔شعر

اگر مردے اَحْسِنْ اِلیٰ مَنْ اَسَاءَ	بدی رابدی سہل باشد جزاء

مگر یہ اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ اگر کوئی بدنصیب اللہ کے محبوبوں کو عیب لگائے تو اس کے سارے چھپے عیب کھول دینا سنت الہیہ ہے،دیکھو ولید ابن مغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تو رب تعالٰی جو ستّار عیوب ہے سورۂ نون میں اس کے دس عیب کھولے حتی کہ اخیر میں فرمایا: "عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ"کہ وہ حرام کا تخم ہے لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔اپنے دشمن کو معافی دینا کمال ہے اور دین کے دشمنوں سے بدلہ لینا کمال۔

۱۳؎خیال رہے کہ ذاتی معاملات میں کسی مسلمان کے عیب کھولنا سخت جرم ہے جس کا وبال بہت ہے مگر دینی معاملات میں خود مسلمان کے عیب کھولنا عبادت ہے۔محدثین حدیث کے راویوں کے عیوب بیان کرجاتے ہیں غیبت یا عیب لگانے کے لیے نہیں بلکہ حدیث کا درجہ معین کرنے کے لیے کہ اس کے راویوں میں چونکہ فلاں عیب ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے فضائل اعمال میں کام آئے گی،احکام میں کام نہ دے گی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ اہل بیت نے بکری ذبح کی ۱؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں سے کیا بچا وہ بولیں کہ کندھے کے سواء کچھ نہ بچا	

	۲؎فرمایا کندھے کے سوا سب بچ گیا ۳؎اور ترمذی نے اسے صحیح فرمایا۔

۱؎ بکری ذبح کرنے والے بعض صحابہ کرام تھے یا بعض ازواج پاک،دوسرے احتمال کو محدثین نے ترجیح دی ہے،چونکہ ازواج پاک کو اہلِ بیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ لفظ مذکر ہے اس لیے جمع مذکر کا صیغہ ارشاد ہوا،فرشتوں نے بی بی سارا زوجہ ابراہیم علیہما السلام سے عرض کیا تھا"اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ"۔

۲؎یعنی سارا گوشت خیرات کردیا گیا صرف شانہ بچا ہے غالبًا یہ گھر کے خرچ کے لیے رکھا گیا ہوگا اور یہ بکری صدقہ کے لیے ذبح نہ کی گئی ہوگی کہ صدقہ کا گوشت گھر کے خرچ کے لیے نہیں رکھا جاتا۔

۳؎یعنی جو راہِ خدا میں صدقہ دے دیا گیا وہ باقی اور لازوال ہوگیااور جواپنے کھانے کے لیے رکھاگیا وہ ہضم ہوکر فنا ہوجائے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا نہیں پہناتا مگر جب تک اس کے بدن پر اس کا ایک چیتھڑا بھی رہے یہ اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے ۱؎(احمد،ترمذی)

۱؎یعنی جب تک فقیر کے جسم پر اس کپڑے کی ایک چیز باقی ہے تب تک اللہ تعالٰی پہنانے والے کو آفات دنیاوی سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ صدقہ آفتوں سے بچانے میں بے مثال ہے یا مطلب یہ ہے کہ تب تک اللہ اس کی عیب پوشی فرماتا رہتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے تو اللہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے،یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔یہ تو کپڑا پہنانے کا دنیاوی فائدہ ہوااُخروی فائدہ تو ہمارے خیال سے وراء ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر صدقہ کی بقا اسی قدر اس کے فائدے کی بقا لہذا صدقہ جاریہ بہت ہی اعلٰی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں فرمایا تین شخصوں سے اللہ محبت کرتا ہے ۱؎ایک وہ جو رات کو اٹھ کر قرآن پڑھے ۲؎دوسرا وہ جو اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات کرے اور اسے چھپائے مجھے خیال ہے کہ فرمایا اپنے بائیں ہاتھ سے ۳؎تیسرا وہ جوکسی لشکر میں تھا کہ اس کے ساتھی بھاگ گئے تو یہ دشمن کے مقابل رہا ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اس کے ایک راوی ابو بکر ابن

	عیاش ہیں جو بہت غلطیاں کرتے ہیں ۵؎

۱؎ خاص نوعیت کی محبت ورنہ عمومی محبت تو اللہ تعالیٰ ہر مؤمن سے کرتا ہے،بعض کا مقابل صحابہ کرام سے اور قسم کی محبت فرماتاہے اور مختلف قسم کے شخصوں سے اور اقسام کی محبت،یہ ہی حال رضائے الٰہی کا ہے۔رب تعالیٰ کی محبت خاص کی یہ علامت ہے کہ اسے نیک اعمال کی توفیق بخشتا ہےاور گناہوں سے بچاتا ہے اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔

۲؎ یا نماز تہجد میں یا ویسے ہی علاوہ نماز کے۔معلوم ہوا کہ آخر رات کی تلاوت ونماز بہت اعلیٰ ہے کہ اس میں ریاء کا شائبہ نہیں۔اس میں وہ حفظ قرآن والے طلباء بھی شامل ہیں جو آخر شب میں قرآن پاک یاد کریں۔

۳؎ یہ چھپانے کے مبالغہ کے لیے ہے یعنی وہ اپنے زن و فرزند اور خاص دوستوں سے بھی اس صدقہ کا ذکر نہیں کرتا تاکہ ریاء کا شائبہ بھی نہ پیدا ہوجائے۔خیال رہے کہ صدقہ فرض اکثر ظاہر کرکے دینا افضل ہے تاکہ فسق کی تہمت سے بچے اور صدقہ نفل اکثر چھپا کردینا بہتر،ہاں چندہ وغیرہ پر صدقہ کا اعلان تاکہ دوسروں کو بھی دینے کی رغبت ہو بہتر ہے،مختلف حالات کے مختلف احکام ہیں،رب تعالیٰ فرماتاہے:"اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ‌ؕ"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۴؎ اپنی فوج کے بھاگ جانے پر اور خود اکیلے رہ جانے پر دشمن کے مقابل ڈٹ جاتا گویا اپنی موت کو دعوت دینا ہے مگر چونکہ کلمۃ اللہ بلند کرنے کے لیے مرجانا بھی عبادت ہے اس لیے یہ غازی اللہ کا بڑا محبوب بنا اور اس پر خودکشی کا الزام نہ آیا اگر بحالت جنگ یہ حدیث ہر غازی کے سامنے رہے تو ان شاءاللہ اسلامی فوج کے قدم اکھڑ سکتے ہی نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ تینوں بندے مجاہد ہی ہیں اس لیے ان تینوں کے ایک ساتھ فضائل بیان کئے گئے۔تہجد گزار اس وقت سونے والوں کی مخالفت کرتا ہے اور نفس امارہ کا مقابلہ کہ اس وقت نفس کو نیند پیاری ہوتی ہے اور اسے اللہ کا ذکر پیارا اور سخی اپنے مال میں جہاد کرتا ہے اور اپنے نفس سے مقابلہ کہ نفس مال سے محبت کرتا ہے اور یہ خالقِ مال سے اور وہ ڈٹنے والا غازی تو ظاہر ظہور مجاہد ہے کہ اگر وہ غنیمت یا ناموری کے لیے گیا ہوتا تو ایسے نازک موقعہ پر میدان میں کبھی نہ ٹھہرتا۔

۵؎ یہ حضرت اپنے وقت کے امام تھے مگر حافظہ کمزور تھا اس لیے ضعیف ہیں مگر اسی مضمون کی احادیث اور اسنادوں سے بھی مروی ہیں جو اکثر صحیح ہیں جن میں سے کچھ فرق کے ساتھ ایک آگے بھی آرہی ہے،لہذا متن حدیث ضعیف نہیں۔(اشعۃ و مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے محبت کرتا ہے اور تین سے سخت ناراض ہے ۱؎ جن سے محبت کرتا ہے ایک تو وہ شخص ہے جو کسی قوم کے پاس پہنچا ۲؎ ان سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا اپنی آپس کی قرابت کی وجہ سے نہ مانگا ۳؎ لوگوں نے اسے منع کردیا تو ان ہی

	میں سے ایک شخص پیچھے ہٹا اسے چھپ کر کچھ دے دیا جس کا عطیہ اللہ کے سواء اور اس دینے والے کے سواء کوئی نہیں جانتا ۴؎اور ایک وہ قوم جو رات بھر چلتی رہی حتی کہ جب انہیں نیند ہر ماسوا سے پیاری ہوگئی تو سر رکھ کر سوگئے تو یہ کھڑے ہوکر میری خوشامد کرنے لگا اور میری آیات تلاوت کیں ۵؎اور وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا دشمن سے جنگ کی لوگ بھاگ پڑے تو یہ اپنا سینہ تان کر کھڑاہوگیا حتی کہ قتل کردیا گیا یا اس کی وجہ سے فتح ہو گئی ۶؎اور وہ تین جن سے اللہ سخت ناراض ہے ایک بوڑھا زانی ۷؎متکبر فقیر اور ظالم غنی ۸؎(ترمذی،نسائی)

۱؎ ان سے محبت کرنے کے معنے پہلے مذکور ہوگئے کہ خصوصی محبت مراد ہے،ناراضی سے بھی خصوصی ناراضی مراد ہے ورنہ رب تعالٰی تمام کفار اور فساق سے ناراض ہے لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ یہ پہنچنے والا اور مانگنے والا خدا کا محبوب نہیں محبوب تو وہ دینے والا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے اس کے صدقہ کی اہمیت دکھانے کے لیے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا۔(از لمعات)

۳؎ اگرچہ قرابت دار فقیر کو دینے میں دگنا ثواب ہے مگر یہاں اس سخی کا اس اجنبی فقیر کو خیرات دینا بہت ہی کامل ہوا کیونکہ یہاں سواء رضائے الٰہی کے اور کوئی چیز فقیر کی ممنونیت وغیرہ ملحوظ نہ تھی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قرابت داروں کو خیرات دینا افضل ہے۔

۴؎ اَعطَاهُ میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ اس سے لینے والا فقیر مراد ہو۔دوسرے یہ کہ اس سے دینے والا سخی مراد ہو،دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اس سخی نے اپنا منہ چھپاکر یا اندھیرے میں اس طرح دیا کہ فقیر کو بھی پتہ نہ چلا کہ کون دے گیا،چونکہ اس شخص نے صدقہ بھی دیا،اس قوم کی مخالفت بھی کی اور فقیر کی ٹوٹی آس بھی پوری کی اس لیے یہ خدا کا زیادہ پیارا ہوا۔

۵؎ عرب میں عمومًا رات میں سفر ہوتا ہے اور تھکن اتارنے کے لیے مسافر آخر رات میں آرام کرلیتے ہیں،چونکہ اس تہجد خواں نے تین بہادریاں کیں اس لیے یہ خدا تعالٰی کو زیادہ محبوب ہوا(۱)ایسی حالت میں نیند پر عبادت کو ترجیح دینا(۲)سب کو سوتا دیکھ کر بھی نہ سونا،عابدوں میں عبادت آسان ہے غافلوں میں مشکل (۳)اور تہجد کی نماز۔**تملق ملق** سے بنا،بمعنی دوستی و نرمی،ناجائز نرمی کا نام چاپلوسی ہے اور جائز نرمی کا نام خوشامد نیاز مندی وغیرہ،یہاں دوسرے معنے۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ خوشامد اصل عرفان اور بندے و رب تعالٰی کے درمیان خاص تعلق کا باعث،یہ حال قال سے وراء ہے۔

۶؎اس طرح کہ اس اکیلے کی جرأت ہمت دیکھ کر بھاگنے والوں میں دلیری پیدا ہوئی پلٹ پڑے اور جم کر لڑے جیسا کہ غزوہ حنین میں ہوا کہ اس دن سارے غازیوں کے قدم اکھڑ گئے تھا،سید الاشجعین صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں جمے رہے پھر وہی صحابہ پلٹ پڑے جم کر لڑے اور میدان جیت لیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

۷؎ظاہر یہ ہے کہ شیخ بمعنی بوڑھا ہے نہ کہ شادی شدہ جوان،چونکہ بڑھاپے میں موت قریب نظر آتی ہے،شہوانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں،بوڑھا بہت تکلف ہی سے صحبت کرسکتا ہےاس لیے اس کا زنا انتہائی خباثت کی دلیل ہے کہ اسے نہ موت کا خوف نہ اللہ رسول کی شرم۔

۷؎اگرچہ ہر تکبر برا ہے مگر فقیر کا تکبر زیادہ برا کہ اس کے پاس اس کے اسباب نہیں ہیں محض شیطان کے دھوکے سے اپنے کو بڑا جانتا ہے۔خیال رہے کہ تکبر،استغناء اور تعفف میں بڑا فرق ہےاور مسلمانوں کو اپنے سے حقیر جاننا تکبر ہے اور اپنے کو ان سے بے نیاز سمجھنا صرف اللہ رسول ہی کا محتاج جاننا بہت اعلیٰ وصف ہے اسی کو استغناء وغیرہ کہتے ہیں،اس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایاہے۔شعر

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں　　　کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

ع　کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو۔ مرقات نے فرمایا کہ کفار اور متکبروں کے مقابلے میں تکبر کرنا عبادت ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضرت بشیر ابن حارث نے امیر المؤمنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھاعرض کیا مجھے کچھ نصیحت کیجئے،فرمایا کہ امیروں کا فقیروں پر مہربانی کرنا بہت اچھا ہے مگر فقیروں کا خدا پر توکل کرکے امیروں سے تکبر کرنا اس سے بھی اچھا۔اس فقیر متکبر میں وہ جاہل بھی داخل ہیں جو علماء کو حقیر سمجھیں کہ وہ علم کے فقیر ہیں۔

۸؎ اپنے نفس پر ظالم کہ نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور مخلوق پر ظالم کہ انہیں بجائے نفع پہنچانے کے ستاتا ہے، چونکہ ان لوگوں کے جرم سخت ہیں لہٰذا اللہ تعالٰی ان سے سخت ناراض۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو زمین ہلنے لگی ۱؎تو پہاڑوں کو پیدا فرمایا تو انہیں زمین میں گاڑ دیا تو زمین ٹھہر گئی ۲؎تو فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب کیا بولے الٰہی کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے۳؎فرمایا ہاں لوہا ہے ۴؎عرض کیا یا الٰہی کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں آگ ہے ۵؎عرض کیا مولے کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں پانی ہے ۶؎بولے یا اللہ العالمین کیا

	تیری مخلوق میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں ہوا ہے ۷؎بولے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں وہ انسان جو داہنے ہاتھ سے خیرات کرے جسے بائیں ہاتھ سے چھپالے ۸؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور حضرت معاذ کی یہ حدیث کہ صدقہ خطائیں مٹا دیتا ہے کتاب الایمان میں ذکر ہوچکی۔

۱؎ جیسے ہلکی کشتی و جہاز پانی پر ہلتا ہے اسی طرح زمین ہلتی تھی فرشتوں نے گمان کیا کہ اس سے لوگ نفع نہ اٹھا سکیں گے۔

۲؎مرقات نے فرمایا کہ پہلے ابوقبیس پہاڑ پیدا ہوا پھر دوسرے پہاڑ،ان پہاڑوں سے زمین ایسی ٹھہر گئی جیسے جہاز میں وزن لاددینےسے دریا پر ٹھہرجاتا ہے جنبش نہیں کرتا۔**قال قول** سے بنا،بمعنی گاڑ دینا،پہاڑ زمین میں ایسے گڑھے ہیں جیسے زمین میں مضبوط درخت کہ پہاڑوں کی جڑیں دور تک پھیلی ہوتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوٰسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ**"۔بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں **قال** کہنے ہی کے معنے میں ہے یعنی پہاڑ پیدا فرماکر زمین سے فرمایا ٹھہر گئی،یعنی زمین کا ٹھہرنا کُنْ فرمانے سے ہے پہاڑ محض سبب ہیں مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎فرشتوں کو حیرت یہ ہوئی کہ پہاڑوں نے اتنی بڑی زمین کو اس طرح دبوچ لیا کہ اسے ہلنے نہیں دیتےتو ان سے سخت تر مخلوق کون سی ہوگی۔خیال رہے کہ پہاڑ زمین سے زیادہ وزنی نہیں مگر جیسے جہاز کا سامان جہاز کے وزن سے کہیں ہلکا ہوتا ہے مگر جہاز کو ہلنے نہیں دیتااسی طرح پہاڑ کا معاملہ ہے۔

۴؎کیونکہ لوہا پہاڑ کو توڑ دیتا ہےپہاڑ لوہے کو نہیں توڑتا۔

۵؎کہ آگ لوہے کو پگھلا دیتی ہے،بلکہ زیادہ تیز ہو تو لوہے کو گلا کر پانی بنادیتی ہے۔

۶؎کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اگرچہ آگ پانی کو گرم بھی کردیتی ہے اور جلا بھی دیتی ہے مگر کسی برتن کی مدد سے جب کہ پانی اس میں بند ہو اگر آڑ ہٹا دی جائے تو پانی ہی آگ کو بجھاتا ہےلہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں پانی قید میں رہ کر جلتا ہے۔

۷؎کیونکہ ہوا پانی سے لدے بادلوں کو اڑائے پھرتی ہے اور سمندر میں طلاطم پیدا کردیتی ہے جس سے وہاں طوفان برپا ہوجاتا ہے۔

۸؎کیونکہ ایسا سخی اس سرکش نفس کو تابعدار کرلیتا ہے جو پہاڑ سے زیادہ سخت سمندروہوا سے زیادہ طوفانی ہے۔نفس اولًا تو بخل سکھاتا ہے جب سخاوت کی جائے تو دکھلاوے کو پسند کرتا ہے یہ خفیہ سخاوت کرنے والا نفس کی دونوں خواہشوں کو کچل دیتا ہے اور نفس کی آگ کو بجھا دیتا ہے لہذا بڑا بہادر ہے،نیز خفیہ صدقہ سے غضب الٰہی کی آگ بجھتی

ہے،رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے،یہ نعمتیں پہاڑ،لوہے،آگ،پانی،ہوا سے حاصل نہیں ہوسکتیں لہذا یہ صدقہ ان سب سے بہتر۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سخاوت مال سے سخاوت حال افضل ہے اور سخاوت حال سے سخاوت کمال بہتر کہ سخاوت مال میں فقیر کی اسی زندگی کے دو ایک دن سنبھل جاتے ہیں مگر حال و کمال کی سخاوت سے ہم جیسے مسکینوں کے دونوں جہاں درست ہوجاتے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت لوگوں کے دین و دنیا سنبھال دیئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے داتا ہیں جیسے زمین پہاڑوں سے ٹھہری ایسے ہی ہمارے دل کسی کی نگاہ کرم سے ٹھہر سکتے ہیں ورنہ دل کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسلمان اپنے ہر مال سے جوڑا اللہ کی راہ میں خیرات نہیں کرتا ۱؎ مگر جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے ان میں سے ہر ایک اس کی طرف بلائے گا جو اس کے پاس ہے ۲؎ میں نے عرض کیا یہ کیسے کرے فرمایا اگر اونٹ ہوں تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہوں تو دو گائے دے ۳؎(نسائی)	

۱؎ بعض لوگ فقیر کو کپڑوں کا جوڑا اور جوتا بھی دیتے ہیں نیز روپیہ پیسہ خیرات کرتے ہیں تو کم از کم دو۔ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲؎ یعنی جنت کے ہر دروازہ پر اس کی پکار پڑے گی کہ ادھر سے آؤ۔یہ اظہار عزت کے لیے ہوگا یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کی فوج ہوں گے وہ اس جماعت کے سردار اعلیٰ رضی اللہ عنہ"یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمٰمِہِمۡ"۔

۳؎ اس شرح نے بتادیا کہ حدیث میں ایک جنس کی دو نوعیتیں مراد نہیں،یعنی روٹی و پانی،جوتا و ٹوپی بلکہ ایک نوع کی دو فردیں مراد ہیں یعنی پیسہ خیرات کرو تو دو روپے ہوں،کپڑے ہوں تو دو۔

روایت ہے حضرت مرثد ابن عبداللہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا قیامت کے دن مسلمان کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا ۲؎(احمد)	

۱؎ آپ کی کنیت ابوالخیر ہے،قبیلہ مزینہ سے ہیں،مصر کے رہنے والے تابعین میں سے ہیں،اپنے زمانہ کے مفتی اعظم تھے حتی کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز آپ سے فتویٰ لیتے تھے،حضرت ابن عمر،ابو ایوب عقبہ ابن عامر صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲؎ یعنی مؤمن کے صدقہ و خیرات خصوصًا فی سبیل اللہ مسافر خانے،مسجدیں بنانااور باغات لگانا وغیرہ کل قیامت میں درخت سایہ دار کی شکل میں نمودار ہوں گے جن کے سایہ میں سخی ہوگااور قیامت کی گرمی سے محفوظ رہے گا کیونکہ دنیا میں غرباء،فقراء کو اس نے سایہ کرم میں رکھا تھا،حدیث بالکل ظاہری معنے پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں وہاں مال بلکہ اعمال کی مختلف شکلیں ہوں گی:بخیل کا مال گنجے سانپ کی شکل میں،سخی کا مال درخت سایہ دار کی صورت میں نمودار ہوگا۔آج دنیا میں ہم خواب میں ان چیزوں کو مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں،بادشاہ مصر نے قحط کے سال،خشک بال اور دبلی گایوں کی شکل میں دیکھے تھے۔(قرآن کریم)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ جو دسویں محرم اپنے بچوں کے خرچ میں فراخی کرے گاتو اللہ تعالٰی سارا سال اس کو فراخی دے گا۱؎ سفیان فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کا تجربہ کیا تو ایسے ہی پایا ۲؎(رزین)	

۱؎ یعنی محرم کی دسویں" تاریخ کو اپنے بال بچوں،نوکر خادموں،فقراء مساکین کے لیے مختلف قسم کے کھانے تیار کرے تو ان شاءاللہ تعالٰی سال بھر تک ان کھانوں میں برکت ہوگی،مسلمان عاشورہ کے دن حلیم پکاتے ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ حلیم میں ہر کھانا ہوتا ہے،گندم گوشت اور دالیں چاول وغیرہ توان شاء اللہ حلیم پکانے والے کے گھر ان تمام کھانوں میں برکت ہوگی۔

۲؎ یعنی سفیان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے تجربہ میں آئی ہے واقعی اس عمل سے برکت ہوتی ہے لہذا یہ حدیث قوی ہے۔خیال رہے کہ تجربہ سے بھی حدیث کو تقویت پہنچتی ہےاس لیے محدثین حدیث کی توثیق کے لیے کبھی اپنے تجربہ کا ذکر کردیتے ہیں،یہاں بھی ایسا ہی ہے اس کی بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھئے۔خیال رہے کہ عاشورہ کے دن خود روزہ رکھو اور بچوں کو فقراء کو خوب کھلاؤ پلاؤلہذا یہ حدیث عاشورہ کے روزہ کے خلاف نہیں۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہی ابن مسعود اور ابوہریرہ اور ابوسعید و جابر سے روایت کیا اور اسے ضعیف فرمایا۱؎	

۱؎ بیہقی نے اسی جگہ فرمایا کہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے،جو سب ضعیف ہیں مگر چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو قوی کردیتی ہیں لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔(اشعہ)امام عراقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی بعض اسنادیں صحیح بھی ہیں امام مسلم کی شرط پر ہیں لہذا متن حدیث صحیح ہے۔(مرقاۃ)اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں

قبول ہے،عاشورہ کے دن اور بہت سے اعمال کرنا چاہئیں جیسے غسل کرنا،سرمہ لگانا،روزہ رکھنا وغیرہ۔ان کی تفصیل ہماری کتاب "اسلامی زندگی"میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں عرض کیا ابوذر نے یا نبی اللہ فرمایئے تو صدقہ کا درجہ کیا ہے فرمایا وہ چند درچند(دونادون)ہے اور اللہ کے ہاں زیادتی علاوہ ہے[1]	

[1] اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ صدقہ کی برکتیں دنیا میں تو چند در چند ہیں اور کل قیامت میں جو زیادتیاں ہوں گی وہ ہمارے حساب سے وراء ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ"۔تجربہ بھی ہے کہ صدقہ سے مال بہت بڑھتا ہے۔دوسرے یہ کہ قیامت میں صدقہ کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہے اور جو زیادتیاں رب عطا فرمائے گا وہ حساب سے زیادہ ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔

باب افضل الصدقۃ

باب بہترین صدقہ ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یوں تو ہر صدقہ بہرحال اچھا ہے مگر کبھی بعض عارضی حالات میں بہت اچھا ہوجاتاہے خواہ خیرات دینے والے کی ہو یا لینے والے کی ہو یا مال کی جیسے تندرستی کی خیرات مرتے وقت کی خیرات سے بہتر ہے یوں ہی متقی پرہیزگار عیالدار کو خیرات دینا فاسق کو دینے سے بہتر،اسی طرح جس چیز کی اس وقت تنگی ہو اس کا صدقہ افضل ہے جہاں پانی کی تنگی ہو وہاں کنواں کھدوانا بہت باعث ثواب ہے۔اس باب میں ان تمام حالات کا ذکر ہوگا جن سے صدقہ بہت بہتر ہوجاتاہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو قوت غنا سے ہو ۱ اور ان سے ابتداء کرو جن کی تم پرورش کرتے ہو ۲ (بخاری) اور مسلم نے صرف حکیم سے روایت کی۔	

۱ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں لفظ **ظھر** زائد ہے جس کے کوئی معنے نہیں مگر حق یہ ہے کہ زائد نہیں بلکہ بمعنی قوت و غلبہ ہے یعنی صدقہ بہتر وہ ہے کہ صدقہ دینے والا صدقہ دے کر خود بھی خوب غنی رہے یا تو مال کا غنی رہے یعنی سب خیرات نہ کردے کہ کل کو خود اور اس کے بال بچے بھیک مانگتے پھریں۔غرضکہ صدقہ دے کر خود فقیر بھکاری نہ بن جاؤ یا دل کا غنی کہ سب کچھ دے کر بھی لوگوں سے بے نیاز رہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے سب کچھ راہ خدا میں دے دیا کہ گھر میں کچھ نہ رکھا لہذا یہ حدیث صدیق اکبر کے اس عمل کے خلاف نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عوام مسلمین اصلی ضرورت سے زیادہ مال خیرات کریں،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ**"عفو سے مراد ضرورت سے بچا مال اور خاص متوکلین کل مال بھی لٹا سکتے ہیں،یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔

۲ یعنی اپنا مال پہلے اپنے پر،پھر اپنے بال بچوں پر،پھر غریب قرابت والوں پر،پھر دوسروں پر خرچ کرو،چونکہ مؤمن کو ان سب خرچوں میں صدقہ کا ثواب ملتا ہےاسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرچوں کو صدقہ میں شامل فرمایا۔سبحان اللہ!کیسی پیاری ترتیب ہے اور کیسی نفیس تعلیم اہل قرابت کو صدقہ دینے میں صدقہ کا بھی ثواب ہے اور قرابت ادا کرنے کا بھی جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابومسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی طلب میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۱(مسلم،بخاری)

۱ گھر والوں سے مراد بیوی بچے اور سارے عزیز ہیں،انکی ترتیب کتب فقہ میں دیکھو۔اور طلب اجر سے مراد یہ ہے کہ ان سب پر خرچ کرے سنت جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سنت کی نیت سے تو خود اپنا کھانا،سونا،ہنسنا،رونا بلکہ جینا مرنا عبادت ہے،اللہ تعالٰی نیت خیر نصیب کرے۔دنیا کو دکھانے اور اپنی ناموری کے لیے تو نماز پڑھنا بھی عبادت نہیں چہ جائیکہ یہ خرچ لہذا بیاہ شادیوں میں جومختلف رسوم کے ماتحت اہل قرابت کو یا کمیوں کو نیک دستور یا حقوق دیئے جاتے ہیں ثواب نہیں کہ وہ اللہ کے لیے نہیں اپنے نام کے لیے ہیں۔اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب ثواب کی قید لگائی،اللہ تعالٰی نیت خیر و اخلاص نصیب کرے۔آمین!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اشرفی تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے ۱اور جو اشرفی تو گردن آزاد کرنے میں خرچ کردے ۲اور جو اشرفی تو کسی مسکین پر صدقہ کرے اور جو اشرفی تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے ان سب میں زیادہ ثواب اس کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے ۳(مسلم)

۱ یہاں اللہ تعالٰی کی راہ سے مراد حج و جہاد وغیرہ وہ مقامات ہیں جہاں کسی بندے کی رضا قطعًا مقصود نہ ہو۔

۲اس میں مکاتب کی امداد،غلام کی آزادی،مقروض کو قرض سے آزاد کرانا،کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے کو اس مصیبت سے نکالنا سب ہی داخل ہیں،نہایت جامع کلمہ ہے۔

۳گھر والوں پر خرچ ان سب خیراتوں سے یا تو اس لیے بہتر ہے کہ وہ خیراتیں نفل تھیں اور یہ خرچ فرض ہے اکثر فرض نفل سے بہتر ہوتا ہے یا اس لیے کہ اس خرچ دینے میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی اہل قرابت کے حق کی ادائیگی اور دو نیکیاں ایک نیکی سے افضل ہیں اسی لیے بعض لوگ گیارھویں شریف وغیرہ کی شیرینی اکثر سیدوں کو دیتے ہیں کہ یہ حضرات اولاد رسول ہیں،اس میں خیرات بھی اور اولاد رسول کے حق کی ادائیگی بھی،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین اشرفی جو آدمی خرچ کرتاہے وہ اشرفی ہے جسے اپنے بال بچوں پر خرچ کرے اور وہ اشرفی ہے جسے اپنے اللہ واسطے کے گھوڑے پر

	خرچ کرے ۱؎اور وہ اشرفی ہے جسے اللہ کی راہ میں اپنے دوستوں پر خرچ کرے ۲؎(مسلم)

۱؎ یہ ترجمہ بہت مناسب ہے۔فی سبیل اللہ گھوڑے کی صفت ہےخرچ کے متعلق نہیں یعنی جو گھوڑا جہاد کے لیے پالا ہو اس پر خرچ کرنا بہتر ہے اور جو گھوڑا اپنی سواری وغیرہ کے لیے ہو وہ عیال میں داخل ہے یعنی بال بچے وغیرہ جن کی پرورش ہم پر لازم ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوستوں سے مراد سفرجہاد یا سفرِ حج کے ساتھی ہیں ان پرخرچ کرنادوہراثواب ہےساتھی سے سلوک اور حاجی یا غازی کی امداد۔خیال رہے کہ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ یہ تین خرچ دوسرے خرچوں سے افضل ہیں مگر ان تین میں سے کون دوسرے سے افضل ہے یہ پتہ نہ لگا کیونکہ واؤ جمع کے لیے آتا ہے ترتیب نہیں چاہتالہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کی افضلیت موقعہ ومحل کے لحاظ سے ہوگی،اگر جہاد کی سخت ضرورت آپڑی ہے تو غازیوں پر خرچ افضل اور گھر والے بہت ہی ضرورت مند ہوں تو ان پر خرچ بہتر۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے ۱؎فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں ابوسلمہ کے بچوں پر جو گویا میرے ہی بچے ہیں خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا فرمایا ان پر خرچ کرو تمہیں ان پر خرچ کا ثواب ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ام سلمہ کے پہلے خاوند کا نام عبداللہ ابن عبدالاسد تھا،کنیت ابو سلمہ،ان کی وفات کے بعد آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں،ابو سلمہ کی کچھ اولاد دوسری بیوی سے تھی جو ام سلمہ کی سوتیلی اولاد تھی،عمر،زینت اور کچھ اولاد خود ام سلمہ کے بطن سے تھی یعنی سلمہ کی حقیقی اولاد محمد،درّہ۔یہاں سوال سوتیلی اولاد کے متعلق ہےورنہ آپ بنی ابی سلمہ نہ فرماتیں لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎کیونکہ وہ یتیم بھی ہیں اور تمہارے عزیز ترین بھی،ان پر خرچ کرنا یتیم کو پالنا بھی ہےاور عزیز کا حق ادا کرنا بھی،اپنے فوت شدہ خاوند کی روح کو خوش کرنا بھی۔

	روایت ہے حضرت زینب زوجہ عبداللہ ابن مسعود سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو ۱؎فرماتی ہیں عبداللہ کی طرف لوٹی ہوئی بولی کہ تم کچھ مسکین و تنگدست ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ کا حکم دیا ہے تم وہاں حاضر ہو کر پوچھ آؤ اگر تم کو میرا صدقہ کرنادرست ہو تو خیر ۲؎ ورنہ میں آپ لوگوں کے سواء کسی اور جگہ خرچ کروں ۳؎

	فرماتی ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بولے کہ تم ہی وہاں جاؤ ۴؎ میں چلی تو حضور کے دروازہ پاک پر ایک اور انصاری بی بی بھی تھیں جنہیں میرے جیسا ہی کام تھا ۵؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قدرتی ہیبت دی گئی تھی ۶؎ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس حضرت بلال آئے ہم نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ عرض کرنا کہ دروازے پر دو بیبیاں ہیں جو حضور سے پوچھتی ہیں ۷؎ کہ کیا ان کا اپنے خاوندوں اور یتیموں پر خرچ کر دینا جو ان کی پرورش میں ہوں صدقہ بن جائے گا ۸؎ اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں ۹؎ فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون ہیں عرض کیا کہ ایک انصاری بی بی اور زینب ہیں ۱۰؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی زینب عرض کیا عبداللہ کی زوجہ ۱۱؎ تب رسول اللہ نے فرمایا کہ انہیں دوہرا ثواب ہے ایک ثواب قرابت کا دوسرا صدقہ کا ۱۲؎ (مسلم، بخاری) اور لفظ مسلم کے ہیں۔

۱؎ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عید کے دن تھا، چونکہ اس زمانہ میں عورتیں بھی نماز عید کے لیے عیدگاہ جاتی تھیں اور ان کے لیے بعد نماز مخصوص وعظ ہوتا تھا اس وعظ میں آپ سے یہ سنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہے اور یہ زکوۃ خود عورت پر فرض ہے نہ کہ اس کے خاوند پر خواہ میکے سے زیور ملا ہو یا سسرال والوں نے دیا ہو بشرطیکہ مالک کردیا ہو لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے، امام شافعی کے ہاں پہننے کے زیور میں زکوۃ نہیں۔ ان شاءاللہ اس کی تحقیق مصارف زکوۃ میں ہوگی۔ اس صورت میں زیور سے مراد چاندی سونے کا زیور ہے کیونکہ پہننے کے موتی، مرجان، لعل، ہیرے پر زکوۃ نہیں۔

۲؎ یعنی اگر تم کو میرا صدقہ دینا درست ہو تب تو میں تم ہی کو صدقہ دے دوں ورنہ کسی اور کو دوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غنی عورت کا خاوند اور غنی خاوند کی بیوی ایک دوسرے کے غنی سے غنی نہ مانے جائیں گے جیسے امیر کی بالغ اولاد باپ کی غنا سے غنی نہیں ہوتی۔ دیکھو حضرت ابن مسعود کی بیوی غنیہ تھیں مگر خود ابن مسعود مسکین تھے۔

۳؎ حضرت ابن مسعود کی کچھ اولاد بھی تھی جو دوسری بیوی سے تھی اور اب حضرت زینب ان کی پرورش فرماتی تھیں۔غیر کم میں ان سب سے خطاب ہے یعنی اگر تمہیں اور تمہارے ان بچوں کو میرا صدقہ لینا درست ہو تو میں تمہیں دے دوں ورنہ دوسروں کو دوں۔

۴؎ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھتے شرم آتی ہے کہ اس سے بعض لوگ مجھے طمعی سمجھیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی سے باہر کا کام بھی کراسکتا ہے جب کہ حجاب و پردہ سے ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ خود نہ پوچھنا کسی دوسرے سے پوچھوالینا بھی درست ہے جب اس سے کچھ مانع ہو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذی کا مسئلہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ پوچھا بلکہ حضرت مقداد سے پوچھوایا۔

۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر ایک بی بی اور بھی یہ ہی پوچھنے کھڑی تھیں مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ ہم دو ہوگئے۔

۶؎ یعنی رب العلمین نے دلوں میں آپ کی ہیبت ڈال دی تھی جس کی وجہ سے ہر شخص بغیر اجازت خدمت میں حاضر ہونے،عرض معروض کرنے کی ہمت نہ کرتا تھااور حاضرین بارگاہ بھی ایسے خاموش اور باادب بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں،حالانکہ سرکار انتہائی خلیق اور بہت رحیم و کریم تھے۔شعر

ہیبت حق است ایں از خلق نیست　　　ہیبت ایں مردِ صاحب دلق نیست

اسی وجہ سے یہ دونوں بیبیاں دروازے پر کھڑی رہ گئیں،بارگاہ پاک میں باریاب نہ ہوئیں۔

۷؎ یعنی خود تو شرم و ہیبت کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتیں میری معرفت یہ مسئلہ پوچھوا رہی ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسئلہ براہ راست پوچھنا بھی جائز اورکسی کی معرفت پوچھوانا بھی۔دوسرے یہ کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر معتبر ہے گواہی قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔دیکھو حضرت بلال ان بیبیوں کو جو بھی مسئلہ آکر بتاتے یہ قبول کرلیتیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جب مطلع گرد آلود ہو تو رمضان کے چاند میں ایک کی خبر قبول ہے اور محدثین کہتے ہیں کہ حدیثوں میں خبرواحد معتبر ہے،ان کے دلائل قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ ہیں ان میں ایک حدیث یہ بھی ہے۔

۸؎ شاید یتیموں سے ان کے خاوندوں کی وہ اولاد مراد ہے جن کی والدہ فوت ہوچکی تھیں،یعنی ان کی سوتیلی اولاد۔انہیں یتیم کہنا مجازاً ہے ورنہ انسان یتیم وہ نابالغ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہوجائے اور جانوروں میں وہ بچہ یتیم جس کی ماں مرجائے۔ان بیبیوں کا خیال یہ تھا کہ چونکہ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ ہی رہتے سہتے ہیں اور ساتھ کھاتے پیتے ہیں اگر انہیں صدقہ دیا گیا تو اس کا کچھ حصہ ہمارے کھانے میں بھی آجائے گا لہذا ناجائز ہونا چاہیئے۔

۹؎ تاکہ حاضرین میں ہمارا نام نہ لیا جائے اور ہمارا سوال ریا نہ بن جائے یا ہم بلا نہ لی جائیں۔

۱۰؎ حضرت بلال کا جواب نہایت ایمان افروز ہے کیونکہ ان بیبیوں نے کہا تھا کہ ہمارا نام نہ بتانا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نام بتاؤ تو حکم رسول و حکم امتی میں تعارض ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح ہوئی اور امتی کا حکم قابل عمل نہ رہا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضرت بلال پر نام بتادینا فرض شرعی ہوگیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا فرض ہے،انہیں دوسری بی بی کا نام معلوم نہیں تھا ورنہ وہ بھی بتادیتے۔

۱۱؎یعنی مدینہ منورہ میں بہت عورتوں کا نام زینب ہے صاف بتاؤ کونسی زینب ہیں تب حضرت بلال نے عرض کیا کہ عبداللہ کی بیوی،اگرچہ عبداللہ نام کے بہت صحابہ تھے عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن عباس،عبداللہ ابن زبیر،عبداللہ ابن عمرو ابن عاص وغیرہم مگر ان سب میں عبداللہ ابن مسعود بہت مشہور فقیہ ترین تھے،علم فقہ کی باعث فقط عبداللہ کہنے پر لوگوں کے ذہن انہیں کی طرف جاتے تھے اسی لیے حضرت بلال نے ابن مسعود نہ فرمایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پھر نہ پوچھنا کون عبداللہ اسی جلالت شان کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ اکثر فقہیات میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ہی کے پیروکار ہیں۔

۱۲؎سارے آئمہ اس پر متفق ہیں کہ خاوند اپنی بیوی کو اپنی زکوۃ نہیں دے سکتا مگر اس میں اختلاف ہے کہ بیوی خاوند کو زکوۃ دے سکتی ہے یا نہیں۔ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ نہیں دے سکتی،دیگر آئمہ فرماتے ہیں کہ دے سکتی ہے،ان بزرگوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہاں صدقہ نفل مراد ہے صدقہ فرض کی تصریح نہیں ممانعت کی صریح حدیث آگے آرہی ہے،نیز عورت و خاوند کے مال قریبًا مشترک ہوتے ہیں تو جب خاوند بیوی کو زکوۃ نہ دے سکا تو بیوی خاوند کو زکوۃ کیسے دے سکتی ہے۔صدقہ کا لفظ صدقہ نفلی پر عام شائع ہے۔چنانچہ کتاب الزکوۃ کی آخری حدیث میں آئے گا کہ ایک عورت نے اپنی ماں کو صدقہ دیا یعنی صدقہ نفلی۔

روایت ہے حضرت میمونہ بنت حارث سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لونڈی آزاد کی پھر رسول اللہ سے اس کا تذکرہ کیا توفرمایا کہ اگر تم لونڈی اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہیں بڑا ثواب ملتا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس لیے کہ آزاد کرنے میں صرف صدقہ کاثواب ہے اور انہیں دینے میں صدقہ کا بھی ثواب ہوتا اور صلہ رحمی کا بھی۔معلوم ہوا کہ صلہ رحمی غلام آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔خیال رہے کہ ولیدہ وہ لونڈی کہلاتی ہے جو اپنے مملوک غلام اور لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہو یعنی خانہ زاداور یہ میمونہ ام المؤمنین ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس کی خالہ۔(اشعہ ومرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کسے ہدیہ دیا کروں فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو ۱؎(بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ پڑوسیوں کو ہدیہ دینا سنت ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔دوسرے یہ کہ اس کی علت پڑوسیت ہے جس قدر پڑوسیت قوی ہوگی اسی قدر ہدیہ کا استحقاق زیادہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ پڑوس کا قرب دروازہ سے ہوتا ہے نہ چھت سے نہ دیوار سے۔اگر ایک شخص کے مکان کی دیوار اورچھت تو ہمارے مکان سے ملی ہو مگر دروازہ دور ہو اور دوسرے کی نہ چھت ملی ہو نہ دیوار مگر دروازہ قریب ہو تو زیادہ قریب یہ دوسرا

ہی مانا جائے گا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ دروازہ کی وجہ سے ملاقات ہوتی ہےاور اسی کے ذریعہ زیادہ خلط ملط رہتا ہے اور ایک کو دوسرے کے درد وغم میں شرکت کا زیادہ موقع ملتا ہے۔یہ حدیث اس آیتِ کریمہ کی تفسیرہے"وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ"۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دور والے پڑوسی کو بالکل نہ دو مطلب یہ ہے کہ سب کو دو مگر قریب کو ترجیح دو۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب شوربہ پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۱؎(مسلم)

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ معمولی سالن بھی پڑوسیوں کو بھیجتے رہنا چاہیئے کیونکہ سرکار نے یہاں شوربہ فرمایا گوشت کا ہو یا کسی اور چیزکا۔دوسرے یہ کہ ہر پڑوسی کو ہدیہ دینا چاہیئےقریب ہو یا دور اگرچہ قریب کا حق زیادہ ہے۔تیسرے یہ کہ ہمیشہ لذت پر الفت اور محبت کو ترجیح دینا چاہیئےکیونکہ جب شوربے میں فقط پانی پڑے گا تو مزہ کم ہوجائے گا لیکن اس کے ذریعہ پڑوسیوں سے تعلقات زیادہ ہوجائیں گے اسی لیے مَآءَهَافرمایا یعنی صرف پانی ہی بڑھادو اگرچہ گھی اور مصالحہ نہ بڑھاسکو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ بہتر ہے فرمایا غریب آدمی کی مشقت ۱؎اور ان سے شروع کرو جن کی پرورش کرتے ہو۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی غریب آدمی محنت مزدوری کرے پھر اس میں سے خیرات بھی کرے اس کا بڑا درجہ ہے۔خیال رہے کہ بعض لحاظ سے غنی کی خیرات افضل ہے جب کہ وہ توکل میں کامل نہ ہو اور بعض لحاظ سے فقیر کی خیرات افضل ہے جب کہ وہ اس کے گھر والے صبر و توکل میں کامل ہوں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ صدقہ غنٰی بہتر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ کا فقیر دل کا غنی تھوڑی سی خیرات کرے تو ہاتھ کے غنی کی بہت سی خیرات سے افضل ہے لہذا وہاں غنی والی حدیث میں دل کی غنا مراد ہوسکتی ہے تب بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ یعنی کوئی شخص اپنے بال بچوں کو بھوکا رکھ کر خیرات نہ کرے پہلے ان کا پیٹ بھرو،تن ڈھکو،پھر خیرات کرو۔یہ مطلب نہیں کہ اپنی زکوۃ پہلے اپنے بال بچوں کو دو،پھر دوسروں کوکیونکہ اپنی زکوۃ ا اپنی اولا اور بیوی کو نہیں لگتی۔

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن عامر سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عام مسکین پر صدقہ

	کرنا ایک صدقہ ہے اور وہ ہی صدقہ اپنے قرابت دار پر دو صدقے ہیں ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی ۱؎(احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ پہلے مسکین سے مراد اجنبی مسکین ہے یعنی اجنبی مسکین کو خیرات دینے میں صرف خیرات کا ثواب ہے اور اپنے عزیز مسکین کو خیرات دینے میں خیرات کا بھی ثواب ہے اور صلہ رحمی کا بھی۔صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے،بہترین عبادت،پھر جس قدر رشتہ قوی اسی قدر اس کے ساتھ سلوک کرنا زیادہ ثواب ہےاس لیے رب تعالٰی نے اہل قرابت کا ذکر پہلے فرمایا کہ ارشاد فرمایا:"فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میرے پاس ایک اشرفی ہے ۱؎فرمایا اسے اپنے پر خرچ کر۲؎عرض کیا میرے پاس دوسری بھی ہے فرمایا اسے اپنے بچوں پر خرچ کر عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اسے اپنے گھر والوں ۳؎پر خرچ کر عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر ۴؎عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا تم جانو۵؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہاں سائل کا سوال بطور مثال تھا یعنی اگر میرے پاس ایک ہی اشرفی ہو جو ایک ہی شخص کو کافی ہو تو میں کس پر خرچ کروں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سائل نے جھوٹ بولا کہ اس کے پاس تھیں تو زیادہ اشرفیاں اور کہا ایک اشرفی ہے۔

۲؎کیونکہ سب سے پہلے ہم پر اپنے نفس کا حق ہے کہ اگر ہم جیتے رہیں گے تو سارے حق ادا کریں گے اور اگر ہم ہی مرگئے تو عبادات معاملات سب کچھ ختم ہوگئے،ذات صفات پر مقدم ہے۔

۳؎اہل یعنی گھر والوں سے مراد بیوی ہے،قرآن کریم نے اہل بیت بیوی کو فرمایا ہے اولاد کا حق بیوی پر چند درجہ سے مقدم ہے:ایک یہ کہ بیوی عاقلہ بالغہ ہے بوقت ضرورت کماسکتی ہے مگر چھوٹے بچے بالکل باپ کے محتاج ہیں کہ کمانے پر قادر نہیں۔دوسرے یہ کہ بیوی کا خرچ اس پر لازم نہیں اگر طلاق دیدے تو ختم ہوگیا مگر اولاد کا خرچ لازم ہے کہ وہ اس کی ولدیت سے نہیں نکل سکتے۔تیسرے یہ کہ بیوی بعد طلاق دوسرے کے نکاح میں جاکر اس سے خرچ لے سکتی ہے،چھوٹی اولاد دوسرے کو نہ باپ بنا سکے نہ اس سے خرچ لے سکے۔ یہاں اولاد سے فقیر اولاد مراد ہے اگر بیٹا غنی اور بالغ ہو تو بیوی اس پر مقدم ہوگی،چونکہ سائل کے ماں باپ نہ تھے اس لیے والدین کے خرچ کا ذکر نہ فرمایا۔

۴؎خادم سے مراد خدمتگار ہے انسان ہو یا گھوڑا وغیرہ جانور کہ ان سب کا خرچہ مالک کے ذمہ ہے۔(اشعہ)

۵؎ یعنی تمہیں اختیار ہے اس بچے ہوئے دینار کو رکھ چھوڑو یا اپنے پڑوسی یا دوسرے عزیزوں پر خرچ کردو یا کسی اچھی جگہ لگادو۔سبحان اللہ! کیا نفیس ترتیب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تمہیں بہترین آدمی نہ بتاؤں ۱؎ وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے رہے ۲؎ کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس کے بعد کون ہے وہ شخص ہے جو اپنی بکریوں میں رہے ان میں سے اللہ کا حق ادا کرتا رہے ۳؎ کیا میں تمہیں بدترین آدمی نہ بتاؤں وہ شخص ہے جو اللہ کے نام پر مانگا جائے اور اس پر بھی نہ دے ۴؎ (ترمذی،نسائی، دارمی)

۱؎ سرکار کا یہ پوچھنا سامعین کو شوق دلانے کے لیے ہوتا تھا کہ اس سے ان کو انتظار ہوجائے اور جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہوتی ہے وہ یاد رہتی ہے اور یہاں خیروشر سے اضافی خیروشر مراد ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہترین بندہ مؤمن ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُولٰٓئِكَ هُمۡ خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ"اور بدترین انسان کافر ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ"۔

۲؎ یعنی ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہے اعلان جنگ کا منتظر رہے،چونکہ اس زمانہ میں گھوڑا جہاد کا بڑا ہتھیار تھا اس لیے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا آج توپ وبندوق کی مشق کرنے،ہوائی سروس کا آدمی جب تیاریٔ جہاد کے لیے یہ سب کچھ کرے وہ اس میں داخل ہوگا۔شیخ نے فرمایا کہ یہ کلام حصر کے لیے نہیں بلکہ شمول کے لیے ہے یعنی یہ مجاہد بھی بہترین لوگوں میں سے ہے۔

۳؎ عرب میں جانوروں والے لوگ جنگل میں اپنے گھر بنالیتے تھے وہاں ہی جانوروں میں رہتے تھے ان کی حفاظت بھی کرتے تھے اوراپنا گزارہ بھی۔انہیں اس لیے افضل فرمایا گیا کہ یہ بستی کے اکثر فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں لوگوں سے اختلاط بہت سے گناہوں کا سبب ہے۔

۴؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ وہ شخص بدترین ہے جس سے فقیر اللہ کے نام پر کچھ مانگے اور وہ نہ دے اس صورت میں دینے سے مراد مطلقًا دینا ہوگا اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو یا بحالت مجبوری فقیر کو دعا خیر دینا ہی ہو۔ایک یہ کہ وہ سائل بھکاری بدترین شخص ہے جو لوگوں سے اللہ کے نام پر مانگے اور لوگ اسے کچھ دیں نہیں کیونکہ یہ سائل اللہ تعالٰی کے نام کی توہین کرتا ہے کہ پیسہ پیسہ کے لیے اللہ کا نام ہرکس وناکس کے سامنے لیتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے ام بجید سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سائل کو دے کر لوٹاؤ اگرچہ جلی

	کھری ہی ہو۲؎(مالک،نسائی)اورترمذی و ابوداؤد نے اس کے معنے روایت کیے۔

۱؎آپ کا نام حوا بنت زید ابن سکن ہے مگر اپنی کنیت میں مشہور ہیں،انصاریہ ہیں،صحابیہ ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎یہاں سائل سے مراد حاجت مند سائل ہے اور جلی کھری سے مراد نہایت معمولی چیز ہے جس کی کوئی قیمت نہ ہو یعنی اگر کوئی حاجت مند سائل آئے تو اسے خواہ معمولی چیز ہی بن پڑے دے دو۔خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے،آج کل کے پیشہ ور سائل اور جن سائلوں کو دینا منع ہے وہ اس میں داخل نہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سائلوں کو نہیں بھی دیا ہے کیونکہ وہاں سائل غیرحاجتمند تھے یا ایسی چیز مانگتے تھے جس کے وہ مستحق نہ تھے یا پیشہ بھیک سے انہیں روکنا مقصود تھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تم سے اللہ کی پناہ لے اسے پناہ دے دو۱؎اور جو اللہ کے نام پر مانگے اسے کچھ دو اور جو تمہیں دعوت دے اس کی دعوت قبول کرو ۲؎ اور جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ کرو ۳؎اگر بدلہ کی چیز نہ پاؤ تو اس کو دعائیں دو ۴؎حتی کہ سمجھ لو کہ تم نے اس کا بدلہ کردیا ۵؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی جو تمہاری سختی یا غیر کی سختی سے تمہارے پاس اللہ کی پناہ مانگے تو اسے دیدوکہ اگر تم کسی کومارنا چاہتے ہو تو معافی دے دو یا کوئی دوسرا اس پر سختی کرنا چاہتا ہے اور تم دفع کرسکتے ہو تو کہہ دو،یہ حکم اپنے ذاتی معاملات میں ہے،قوم یا دین کے مجرم کو ہرگز معاف نہیں کرسکتےاگرچہ وہ کیسی ہی پناہ لے تاکہ امن ودین میں خلل نہ پڑےلہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ آپ نے فاطمہ مخزومیہ کو جس نے چوری کرلی تھی معافی نہ دی۔

۲؎بشرطیکہ وہ دعوت ممنوعات شرعیہ سے خالی ہو لہذا جس ولیمہ میں ناچ گانا خاص کھانے کی جگہ ہو وہاں نہ جائے ایسے ہی میت کے کھانے پر رسمی دعوت قبول نہ کرےلہذا یہ فرمان فتوٰی فقہاء کے خلاف نہیں۔

۳؎اس طرح کہ وہ جس قسم کا سلوک تم سے کرے قولی،عملی،مالی تم بھی اس سے ویسا سلوک کرو۔رب تعالٰی فرماتاہے:"هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسٰنِ اِلَّا الْاِحْسٰنُ"اور فرماتاہے:"وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ"۔یہ حکم ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے لیے ہے ہمت والے تو اپنے دشمنوں کی برائی کا بدلہ معافی اور بھلائی سے کرتے ہیں۔شعر

لیا ظلم کا عفو ہے انتقام علیہ الصلوۃ علیہ السلام

۴؎ اس طرح کہ کہو"جزاك الله" یا اس کا کھانا کھا کر کہو"اللھم اطعم من اطعمنا واسق من سقانا" وغیرہ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب کوئی سائل دعائیں دیتا تو آپ پہلے اسے دعائیں دیتیں پھر بھیک عطا فرماتیں کسی نے پوچھا کہ آپ عطا سے پہلے دعا کیوں دیتی ہیں فرمایا کہ میرا صدقہ عوض سے بچا رہے،رضی اللہ عنہا۔(مرقات)

۵؎ اس بنا پر حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ہی درود شریف پڑھنا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص نہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ کرسکتا ہے اور نہ بقدر احسان دعائیں ہی دے سکتا ہے کہ ان کے احسانات ہر آن بے شمار پہنچ رہے ہیں،ہر کلمہ،ہر تلاوت،ہر نماز بلکہ ہر نیک عمل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر احسانات ہیں لہذا مرتے مرتے ان کو دعائیں دو یعنی درود پاک پڑھو۔شعر

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھاگیا اس کے پیارے سے محبت کیجئے

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ اللہ کے نام پر صرف جنت ہی مانگی جائے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ شیخ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے:ایک یہ کہ کسی شخص سے اللہ کے نام پر کچھ نہ مانگو کیونکہ اللہ تعالٰی کے نام پر مانگنے کی چیز جنت ہے اور یہ شخص جنت دے نہیں سکتا۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی سے اس کے نام پر دنیاوی چیز نہ مانگو بلکہ اس کے نام پر اس سے جنت مانگو یہ عرض کرو"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ اَنْ تُدْخِلَنَا الْجَنَّةَ"۔فقیر احمد یار کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالٰی کے نام پر جنت مانگو جیسے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی"اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ"۔بعض عشاق کہتے ہیں کہ خدا تعالٰی سے جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو مانگو اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالٰی کو مانگو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم از تو مے خواہم خدارا خدایا از تو عشق مصطفٰے را

حضرت ربیعہ نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور ہی کو مانگا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت ہی میں ملیں گے اس لیے جنت بھی مانگ لی عرض کیا آپ سے آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں جو جنت میں ہوگی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ باغوں والے تھے اور انہیں زیادہ پیارا مال باغ بیرحاء تھا ۱؎ جو مسجد شریف کے سامنے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف

لے جاتے تھے اور وہاں کا بہترین پانی پیتے تھے ۲؎ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ" الخ نازل ہوئی ۳؎ تو حضرت ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر بولے یا رسول اللہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ تم بھلائی اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو اور مجھے بہت پسندیدہ مال باغ بیرحاء ہے اب وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اللہ کے پاس اس کا ثواب اور اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں ۴؎ یا رسول اللہ آپ اسے وہاں خرچ کریں جہاں رب تعالٰی آپ کی رائے قائم فرمائے ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب خوب یہ تو بڑا نفع کا مال ہے ۶؎ جو تم نے کہا میں نے سن لیا میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے اہل قرابت میں وقف کردو ۷؎ ابوطلحہ بولے یا رسول اللہ میں یہ ہی کرتا ہوں پھر اسے ابوطلحہ نے اپنے عزیزوں اور چچا زادوں میں تقسیم کردیا ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت طلحہ کے ایک باغ کا نام ہے۔اس نام کے محدثین نے آٹھ معنے کئے ہیں:جن میں سے ایک یہ کہ حاء ایک آدمی کا نام تھا جس نے یہ کنواں کھدوایا تھا،چونکہ یہ کنواں اس باغ میں تھا لہذا باغ کا نام بھی یہ ہی ہوا،وہ کنواں اب تک موجود ہے۔فقیر نے اس کا پانی پیا ہے۔دوسرے یہ کہ بیرحاء بروزن فعیل ہے ایک ہی لفظ ہے براح سے مشتق،بمعنی کھلی زمین پہلی صورت میں اس کے معنے ہوں گے حاء کا کنواں دوسری صورت میں معنے ہوں گے کھلا باغ۔(ازمرقات وغیرہ)

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہاں کا پانی بہت محبوب تھااسی لیے حجاج باخبر ضرور اس کا پانی برکت کے لیے پیتے ہیں۔

۳؎ جس میں ارشاد ہوا کہ تم بھلائی یعنی رضائے الٰہی یا جنت اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔اس آیت کی مکمل تفسیر ہماری تفسیر"نور العرفان"میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎ حضرت ابوطلحہ کے اس عرض و معروض کا مقصد یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اس عمل خیر پر گواہ ہوجائیں اور مسلمانوں میں اس وقف کا اعلان ہوجائے۔خیال رہے کہ دوسرے نفلی صدقات اکثر خفیہ دینا بہتر ہیں مگر وقف کا ہر طرح اعلان کردینا سخت ضروری ہے تاکہ آئندہ اس موقوف چیز پر کوئی ناجائز قبضہ نہ کرسکے حتی کہ مسجد کی

عمارت میں مینار گنبد وغیرہ ایسے نشانات قائم کردیئے جائیں جس سے وہ دور سے ہی مسجد معلوم ہو اس میں ریا نہیں بلکہ وقف کا باقی رکھنا ہے،نیز آپ کا اپنا دلی اخلاص ظاہر کرنا ریاء کے لیے نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا حاصل کرنے کے لیے تھا لہذا حدیث پاک پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں اس باغ کی آمدنی لگادیں کہ وہاں خرچ ہوتی رہے،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنا اپنے نفس کی طرح سے نہیں ہوتا بلکہ رب تعالٰی کی طرف سے ہوتا ہے اسی لیے اس طرح عرض کیا"حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ"صحابہ کرام اپنے صدقے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے خرچ کراتے تھے تاکہ اس ہاتھ کی برکت سے قبول ہوجائیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"خُذْ مِنْ اَمْوٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا"یعنی آپ ان کے مالوں کے صدقے وصول فرمالیں اور ان کے ذریعہ انہیں پاک و صاف فرمادیں آج مسلمان ختم و فاتحہ میں عرض کرتے ہیں نذر اللہ نیاز رسول اللہ اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۶؎ عربی میں نہایت خوشی کے اظہار کے وقت کہا جاتا ہے بخ بخ یعنی خوب خوب۔رابح ربح سے بنا،بمعنی نفع،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَمَا رَبِحَتْ تِّجٰرَتُهُمْ"یعنی یہ مال بہت نفع والا ہے جیسے لابن دودھ والا اور تامر چھواروں والا یعنی اے ابوطلحہ!تمہیں اس باغ کے وقف سے بہت نفع ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعمال کی قبولیت کی بھی خبر ہے اور یہ بھی کہ کس کا کون سا عمل کس درجہ کا قبول ہے یہ باغ کیوں قبول نہ ہوتا باغ بھی اچھا تھا وقف کرنے والے بھی اچھے یعنی صحابی اور جن کی طفیل وقف کیا گیا وہ اچھوں کے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۷؎ یعنی اپنے عزیز و اقارب فقراء کو اس کا مصرف بنادو کہ ہمیشہ وہ اس کی آمدنی کھایا کریں تاکہ تمہیں صدقہ کے ساتھ اہل قرابت کے حقوق ادا کرنے کا بھی ثواب ملتا رہے۔خیال رہے کہ بعض اوقاف وہ ہوتے ہیں جن سے امیروغریب حتی کہ وقف کرنے والا بھی نفع حاصل کرسکتا ہے جیسے کنواں،مسجد،قبرستان،مسافر خانہ۔

۸؎ اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ باغ تو وقف رہا مگر اس کی تولیت تقسیم کردی گئی کہ اتنے حصے کے فلاں متولی کہ خود کھائیں اور دوسروں کو کھلائیں اور اتنے حصے کے فلاں۔دوسرے یہ کہ خود باغ ہی کو تقسیم کردیا کہ ان لوگوں کو ان حصوں کا مالک بنادیا مگر اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ان کے اہل قرابت سے وہ باغ خرید لیا اور وہاں اپنی عمارتیں بنائیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم بطریق تملیک تھی بطریق تقسیم تولیت نہ تھی حضرت حسان ابن ثابت و ابی ابن کعب کو بھی اس سے حصہ ملا تھا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کلیجے کو سیر کردو ۱؎ (بیہقی فی شعب الایمان)	

۱؎ بھوکے کلیجے سے مراد ہر بھوکا جاندار ہے انسان ہو یا دیگر جانور پھر انسانوں میں مؤمن ہو یا کافر۔(مرقات واشعہ)مگر اس سے موذی جانور علیحدہ ہیں جیسے شیر،بھیڑیا،سانپ وغیرہ۔بعض مشائخ کے ہاں لنگر عام جاری ہوتا ہے جہاں ہر آنے والا

کھاتا ہے،بعض بزرگوں کے ہاں جانوروں،کبوتروں،کووں وغیرہ کو دانہ ڈالا جاتا ہے،بعض لوگ مدینہ منورہ کے کبوتروں کے لیے حجاج کے ہاتھ دانہ بھیجتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث ہے۔

باب صدقة المرأة من مال الزوج

باب خاوند کے مال سے بیوی کی خیرات۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اگرچہ باب میں صرف بیوی کا ذکر ہے مگر اس میں خازن نوکر چاکر سب شامل ہیں اسی لیے اس باب میں خازن کے خرچ کردینے کا بھی ذکر ہوگا،چونکہ عمومًا بیویاں ہی خاوند کے مال سے خیرات کیا کرتی ہیں خازن تو کسی کسی کے پاس ہوتے ہیں اس لیے بیویوں کا ذکر ہوا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورت اپنے گھر کے کھانے سے کچھ خیرات کرے بشرطیکہ بربادی کی نیت نہ ہو تو اسے خیرات کرنے کا ثواب ہوگا۱ اور اس کے خاوند کو کمانے کا ثواب اور خزانچی کو بھی اس کے برابر جن میں کوئی دوسرے کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا ۲(مسلم،بخاری)	

۱ اگرچہ حدیث پاک میں کھانے کی خیرات کا ذکر ہے مگر اس میں تمام وہ معمولی چیزیں داخل ہیں جن کے خیرات کرنے کی خاوند کی طرف سے عادۃً اجازت ہوتی ہے جیسے پھٹا پرانا کپڑا،ٹوٹا جوتا وغیرہ اور کھانے میں بھی عام کھانا روٹی سالن داخل ہے جس کو خیرات کرنے سے خاوند کی طرف سے ناراضی نہیں ہوتی،اگر خاوند نے کوئی خاص حلوہ یا معجون اپنے گھر کے لیے بہت روپیہ خرچ کرکے تیار کی ہے تو اس میں سے خیرات کی عورت کو اجازت نہیں۔مرقات نے فرمایا یہاں خرچ کرنے میں بچوں پر خرچ،مہمانوں کی خاطر تواضع پر خرچ،بھکاری فقیر پر خرچ سب ہی شامل ہے مگر شرط یہ ہی ہے کہ مال برباد کرنے کی نیت نہ ہو بلکہ حصول ثواب کا ارادہ ہو اور اتنا ہی خرچ کرے جتنے خرچ کردینے کی عادت ہوتی ہے۔

۲ یہاں اصل ثواب میں سب برابر ہیں اگرچہ مقدار ثواب میں فرق ہے۔کمانے والے کا ثواب ان سب میں زیادہ ہوگا لہذا یہ حدیث اگلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں عورت کے لیے آدھا ثواب فرمایا گیا ہے کہ یہاں اصل ثواب میں برابر مقصود ہے اور وہاں مقدار ثواب میں فرق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عورت اپنے خاوند کی	

	کمائی سے ا؎ اس کے صریحی حکم کے بغیر خیرات کرے تو اسے خاوند سے آدھا ثواب ہوگا۲؎(مسلم،بخاری)

ا؎ خاوند کی کمائی کی اس لیے قید لگائی کہ اگر عورت اپنی ملک سے خیرات کرے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

۲؎ یہ اس صورت میں ہے کہ خاوند نے صراحۃً تو خیرات کی اجازت نہ دی ہو مگر عرفاً اجازت ہو عورت کو معلوم ہو کہ خاوند اس خرچ سے ناراض نہ ہو گا عورت کو آدھا ثواب اسی لیے فرمایا کہ مرد کمانے والا ہے کمانے میں محنت زیادہ ہوتی ہے اور ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان امانت دار خزانچی کو ا؎ جو اسے حکم دیا جائے وہ پورا اور مکمل خوش دلی سے خیرات کر دے اور اس کو دے جسے دینے کو کہا گیا وہ بھی دو میں سے ایک صدقہ دینے والا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

ا؎ بادشاہوں امیروں کے ہاں خزانچی بھی ملازم ہوتے ہیں جن کے پاس مالک کا روپیہ جمع رہتا ہے جس کا وہ لین دین کرتے ہیں اور حساب رکھتے ہیں خزانچی مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی اگلا اجر صرف مسلمان خزانچی کے لیے ہے کیونکہ کافر کسی نیکی کے ثواب کا مستحق نہیں،ثواب قبولیت پر ملتا ہے اور قبولیت کی شرط اسلام ہے۔اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ حتی الامکان خزانچی مسلمان رکھے اور کلیدی آسامیوں پر مسلمان کو لگائے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ"۔کفار کو اپنا مشیر نہ بناؤ،نیز امین اور حساب دان مسلمان کو خزانچی بناؤ۔

۲؎ یعنی اگر مسلمان امین خزانچی میں صدقہ دیتے وقت چار صفتیں جمع ہوجائیں تو مالک کی طرح اسے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا:(ا) مالک کے حکم سے صدقہ دے۔(۲)پورا پورا صدقہ دے حکم سے کم نہ دے۔ (۳)خوشدلی سے دے جل کر نہ دے جیساکہ بعض خازنوں کی عادت ہے کہ مالک خیرات کرے ان کی جان جلے۔(۴) جہاں صدقہ دینے کو کہا گیا ہے وہاں ہی دے مصرف نہ بدلے،مسجد میں دینے کو کہا ہے تو مسجد میں دے،خانقاہ پر خرچ کرنے کو کہا ہے تو وہاں ہی خرچ کرے۔وحی کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:"فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ"۔یہ حدیث گویا اس آیت شریف کی تفسیر ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئی میرا خیال ہے کہ اگر کچھ بولتیں تو خیرات کرتیں ا؎ تو کیا انہیں ثواب ہوگا اگر میں

	ان کی طرف سے خیرات کردوں فرمایاہاں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ سائل حضرت عبادہ ابن عبادہ تھے،ان کی والدہ عمرہ بنت مسعود ابن قیس ابن عمرو ابن زید تھیں، ۵ھ میں ہاٹ فیل(Heart Fail)یعنی حرکت قلب بند ہوجانے سے وفات پاگئیں،ناگہانی موت غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ اور نیک اعمال کا موقعہ نہیں ملتا مگر ذکر خدا میں رہنے والے مؤمن کے لیے رحمت کہ اللہ تعالٰی اسے بیماری کی شدتوں سے بچالیتا ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،آپ کی والدہ صحابیہ ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرچکی تھیں،بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔

۲؎ یعنی ہاں ان کی طرف سے تم صدقہ دو انہیں ضرور ثواب ملے گا۔لمعات میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے صدقہ اور اس کے لیے دعا کرنا سنت ہے اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔صدقہ کے ثواب پہنچنے میں تمام اہلِ حق کا اتفاق ہے البتہ بدنی عبادت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے ہم بیرام سعد کی حدیث میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کرچکے ہیں کہ اس قسم کی ایصال ثواب کی احادیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہیں کہ "لَّيْسَ لِلْاِنْسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰى"اور نہ ا سکے کہ "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"کیونکہ ان آیات میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے بدنی عبادتیں ادا نہیں کرسکتاکہ اس کی طرف سے نمازیں فرض ادا کردیا کرے یا روزے رکھ دیا کرے،ادائے فرض اور ہے ثواب کچھ اور اسی لیے آیات میں کسب اور سعی کا ذکر ہوا نہ کہ ثواب کا،ایصال تو قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے،دیکھو ہماری کتاب"فہرست القرآن"۔اشعۃ للمعات میں اسی جگہ ہے کہ شیخ عزیز الدین عبدالسلام کو کسی نے ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا فرمایا ہم دنیا میں تلاوت قرآن کے ثواب پہنچنے کے منکر تھے مگر اس جہاں میں آکر پتہ لگا کہ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی نہیں فرمایا یہ تو ہمارا بہترین مال ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی بیوی خاوند کے مال سے بغیر اجازت خیرات نہ کرے اجازت خواہ صریحی ہو یا عرفی جیسے عام طور پر بیویوں کو خاوندوں کی طرف سے روٹی کا ٹکڑا،معمولی چیز خیرات کردینے،مہمانوں کی خاطر تواضع کردینے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ خاوند اس پر مطلع ہوکر خوش ہوتے ہیں کہ ہماری بیوی سلیقہ مند ہے،مہمان نواز ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی کھانا تو بہترین مال ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے جب اپنے خاوند کی اجازت بغیر معمولی چیز بھی خرچ نہیں کرسکتی تو کھانے جیسی بہترین چیز کیسے خیرات کرسکتی ہے،اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک شاندار عورت شاید وہ مضر کی عورتوں سے تھی ۱؎ اٹھی اور بولی یا نبی اللہ ہم تو اپنے باپ،دادوں،اولاد اور خاوندوں پر بوجھ ہیں ۲؎ ہمیں ان کے مالوں سے کس قدر درست ہے فرمایا تر کھانا جسے تم کھالو اور ہدیہ دے سکو ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی حسین صورت دراز قامت عزت و شرف والی کہ قبیلہ مضر کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے آج مصری لوگ یعنی غالبًا وہ بی بی قبیلہ مضرابن نزار سے تھیں۔

۲؎ یعنی یہ لوگ ہم کو ہمارے حق پورے نہیں دیتے ہم پر خرچ کرتے گھبراتے ہیں۔خیال رہے کہ لڑکی کا خرچ شادی سے پہلے باپ کے ذمہ ہے شادی کے بعد خاوند کے ذمہ،صاحب اولاد ہونے کے بعد بیٹے پر ماں باپ کی ہر طرح کی خدمت لازم ہے مگر پھر بھی خاوند پر اس کا خرچہ رہے گا۔

۳؎ یعنی پکے ہوئے کھانے تر میوہ جو زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے انہیں خود بھی کھاؤ اور ہدیہ بھی دو ہر وقت علیحدہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان چیزوں کے ہدیہ کی عرفًا اجازت ہوتی ہے۔حق یہ ہے کہ یہ حدیث باپ،اولاد،خاوند سب کے مال کے متعلق ہے۔لڑکی باپ کے مال سے،ماں اولاد کے مال سے،بیوی خاوند کے مال سے بغیر صریحی اجازت کے اس قسم کی چیزوں میں سے صدقہ ہدیہ سب کچھ کرسکتی ہے حق یہ ہی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمیر سے جو ابی اللحم کے غلام ہیں ۱؎ فرماتے ہیں کہ میرے مولا نے مجھے گوشت سکھانے کا

	حکم دیا ۲؎ کہ ایک مسکین آگیا جسے میں نے اس میں سے کچھ دے دیا ۳؎ اس کی خبر میرے مولا کو ہوئی تو اس نے مجھے مارا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا ۴؎ حضور نے انہیں بلایا فرمایا تم نے انہیں کیوں مارا عرض کیا کہ یہ میرا کھانا میری بغیر اجازت دے دیتا ہے فرمایا ثواب تم دونوں کو ہے ۵؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں میں مظلوم تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنے مولا کے مال سے کچھ خیرات کردیا کروں فرمایا ہاں اور ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ہو گا ۶؎ (مسلم)

۱؎ عمیر صحابی ہیں،غزوہ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،ان کے مولیٰ بھی صحابی ہیں،ان کے مولی کا نام عبداللہ ہے،لقب ابی اللحم یعنی گوشت کے انکاری،چونکہ یہ گوشت کی تجارت کرتے تھے مگر خود بالکل نہ کھاتے تھے اس لیے ان کا یہ لقب ہوا۔بعض نے فرمایا کہ یہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام کا ذبح کیا ہوا گوشت نہ کھاتے تھے مشہور اور پرانے صحابہ میں سے ہیں،جنگ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ حنین میں شہید۔

۲؎ اَقْدِدُ قَدٌّ سے بنا یعنی گوشت کے لمبے پارچے کرنا،چونکہ یہ پارچے سکھانے کے لیے کئے جاتے ہیں اس لیے اب سکھانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اہلِ عرب گوشت سکھاکر مہینوں استعمال کرتے ہیں اب بھی سوکھا گوشت ولایت سے بند ڈبو ں میں آتا ہے۔

۳؎ چوری یا مولیٰ کے نقصان کی نیت سے نہیں بلکہ محض ثواب کی غرض سے کیونکہ غلاموں کو اس قسم کے صدقات کی عادۃً اجازت ہوتی ہے۔

۴؎ اس جملہ سے فقیر کی شرح کو قوت پہنچتی ہے اگر ان کی نیت فاسد ہوتی تو اس واقعہ کو دبالیتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت نہ لاتے۔شکایت کا منشا یہ ہی تھا کہ میں تو مولیٰ کے مال سے صدقہ کرکے ان کا فائدہ کرتا ہوں وہ مجھے مارتے ہیں۔

۵؎ یعنی اگر تم اس کے دیئے ہوئے سے راضی ہوجاؤ تو تم بھی ثواب پاؤ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ غلام کو مولیٰ کی بغیر اجازت اس کے مال میں تصرف کرنے کی مطلقًا اجازت دے دی جائے بلکہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی نیک نیتی پر مطلع تھے اس لیے ان کے مولیٰ کو ایک بہتر بات کی ہدایت دی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر مولیٰ بلاقصور بھی غلام کو مار دے تو مولیٰ پر اس کا قصاص نہیں،یونہی اگر باپ بیٹے کو،استاد شاگرد کو غلط فہمی کی بنا پر بلاوجہ بھی مارے تو قصاص نہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بلاقصور ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے مگر اصل واقعہ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بے قصوری معلوم ہونے پر ان کے لیے دعا کی لیکن قصاص نہ دیا لہذا نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کو حضرت عکاشہ کے سامنے پیش فرمادینا تعلیم عدل کے لیے ہے نہ کہ بیان قانون کے لیے۔

٦؎ اس کا مطلب وہی ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا کہ اس سے وہ صورتیں مراد ہوتی ہیں جن میں مولیٰ کی طرف سے غلام کو عرفاً خرچ کردینے کی اجازت ہوتی ہے ورنہ کسی کا مال اس کی بغیر اجازت خیرات نہیں کرسکتے۔

باب من لایعود فی الصدقۃ

باب کون شخص صدقہ واپس نہ لے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎صدقہ واپس لینے کی چند صورتیں ہیں:دیکر واپس لے لینا،دیکر خرید لینا،دینے کے بعد بطور میراث پھر صدقہ کا لوٹ آنا،پہلی صورت بالکل ناجائز ہے اور تیسری صورت بالکل جائز،دوسری صورت میں کچھ تفصیل ہے۔خیال رہے کہ ہدیہ دے کر واپس لینا جائز ہے اگرچہ بہت برا۔اس کی بحث پہلے ہوچکی مگر صدقہ دیکر واپس لینا جائز ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اللہ کی راہ میں گھوڑا دیا۱؎جس کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے اسے برباد کردیا ۲؎میں نے چاہا کہ گھوڑا خریدلوں میرا خیال تھا کہ سستا بیچ دے گا۳؎میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا اسے نہ خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو اگرچہ تمہیں ایک درہم میں دے دے ۴؎کیونکہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے،ایک اور روایت میں ہے صدقہ واپس نہ لو کہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے دوبارہ کھالینے والا ہے ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بطور خیرات تاکہ اس پر جہاد وغیرہ کیا کرے،عاریۃً دینا مراد نہیں بلکہ مالک بنادینا مراد ہے۔

۲؎اس طرح کہ اس کی خدمت کم کی جس سے وہ کمزوردبلا ہوکر گویا برباد ہی ہوگیا۔

۳؎یا اس لیے گھوڑا کمزور ہوچکا ہےجس سے اس کی قیمت گھٹ گئی یا اس لیے کہ میں اس کا محسن ہوں مجھے رعایت سے دے گاکیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۴؎اس جملہ کی بناء پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اپنے دیئے ہوئے صدقہ کا خریدنا حرام ہےمگر حق یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہےاور کراہت کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس موقعہ پر فقیر صدقہ دینے والے کی گزشتہ مہربانی کا خیال کرتے ہوئے اسے سستا دے دے گااور یہ قیمت کی کمی صدقہ کی واپسی ہے مثلًا اگر سو روپیہ کا مال اس نے ۸۰ میں دے دیاتو گویا صدقہ دینے والے نے بیس روپیہ صدقہ کرکے واپس لے لئے،لہٰذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ملک بدلنے سے احکام بدل

جاتے ہیں۔اس کی مثال بالکل یوں سمجھ لوکہ اگر تم نے اپنے پڑوسی فقیر کو صدقہ دیااس نے اس مال کا کھانا پکاکر تمہاری دعوت کی یہ اگر اس مہربانی کے شکریہ میں ہوتو وہ دعوت ناجائز ہے اور اگر عام دعوت تھی جس میں اتفاقًا تمہیں بھی بلالیا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۵؎اس تشبیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ ممانعت تنزیہی ہے کیونکہ کتے کے اپنی قے کو چاٹ لینے سے اس کا پیٹ تو بھر ہی جائے گا مگر یہ کام گھناؤنا ہے ایسے ہی اپنے صدقہ کو خریدلینے سے ملکیت تو حاصل ہو ہی جائے گی اگرچہ کام بہت برا ہے،یہی تشبیہ ہبہ واپس لینے والے پر بھی دی گئی ہے حالانکہ ہبہ کی واپسی بالاتفاق جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی اور ماں فوت ہوگئی۱؎فرمایا تمہارا ثواب پورا ہوگیا اور میراث نے تمہیں لونڈی واپس دے دی ۲؎عرض کیا یارسول اللہ میری ماں پر ایک مہینہ کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ دوں فرمایا رکھ دو ۳؎بولی اس نے حج نہ کیا تھا کیا میں کروں فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کردو۴؎(مسلم)

۱؎ اوروہ لونڈی بطور میراث مجھے مل رہی ہے آیا اسے لوں یا نہ لوں کسی اور کو خیرات دے دوں۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ غریب ماں باپ کو صدقہ نفلی دے سکتے صدقہ فرض نہیں دے سکتے ہیں۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی اور ہوسکتا ہے کہ ان بی بی نے اپنی ماں کو لونڈی ہدیۃً دی ہو اور صدقہ سے ہدیہ مراد لیا ہو۔

۲؎اس حدیث نے تصریح کردی کہ بطور میراث اگر اپنا صدقہ لوٹ آئے تو اس کا لینا جائز ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ دوسرے فقیر کو دے دے کیونکہ یہ حق اللہ بن چکا ہے مگر یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے لہٰذا رد ہے۔

۳؎امام احمد رحمۃ اللہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ میت کے قضا روزے وارث رکھ سکتا ہےلیکن امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک علیہم الرحمۃ و الرضوان فرماتے ہیں نہیں رکھ سکتا کیونکہ روزہ خالص بدنی عبادت ہے جس میں نیابت ناجائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"اور فرماتاہے:"لَهَا مَا كَسَبَتۡ"اور فرماتاہے:"وَعَلَى الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَهٗ فِدۡیَةٌ طَعَامُ مِسۡكِیۡنٍ"۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے،نہ روزے رکھے یہاں روزوں کا کفارہ دینا مراد ہے یعنی تم اپنی ماں کے روزوں کا فدیہ دے دو جو حکمًا روزہ ہے۔

۴؎خواہ انہوں نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اگر ان پر حج فرض تھا تو ان کی طرف سے تم کردو۔تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قریب الغنا بیمار یا بوڑھے کی طرف سے اور میت کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے کیونکہ حج خالص

بدنی عبادت نہیں بلکہ بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے جو سخت مجبوری اور معذوری کی حالت میں دوسری کے ادا کردینے سے ادا ہوسکتا ہے لہذا یہ حدیث ان تمام بزرگوں کی دلیل ہے ۔عبادات تین قسم کی ہیں: محض بدنی، محض مالی،بدنی و مالی کا مجموعہ۔محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقًا ناجائز ہے جیسے روزہ،نماز اور محض مالی میں مطلقًا جائز جیسے زکوۃ اور صدقہ فطر وغیرہ اور مجموعہ میں دائمی عذر میں جائز ویسے ناجائز۔

کتاب الصوم

روزے کا بیان [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] صوم کے لغوی معنے ہیں باز رہنا،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا"یعنی میں نے بات چیت سے باز رہنے کی نذر مانی ہے۔شریعت میں صبح سے شام تک بہ نیت عبادت صحبت سے اور کسی چیز کے پیٹ یا دماغ میں داخل کرنے سے باز رہنے کو صوم کہا جاتا ہے۔روزہ کا منشا ہے نفس کا زور توڑنا،دل میں صفائی پیدا کرنا فقرا اور مساکین کی موافقت کرنا،مساکین پر اپنے دل کو نرم بنانا۔مرقات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام زمانۂ قحط میں پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے تاکہ بھوکوں فاقہ مستوں کا حق نہ بھول جائیں۔ لمعات،مرقات اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ ۲ھ ہجری میں تبدیلی قبلہ کے ایک مہینہ بعد ہجرت سے اٹھارھویں مہینہ دسویں شعبان کو روزے فرض ہوئے،روزے کی فرضیت میں چھ قسم کی تبدیلیاں ہوئیں جنہیں ہم نے اپنی"تفسیر نعیمی"پارہ دوم میں تفصیل وار بیان کیا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رمضان آتا ہے [1] تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اورایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں [2] اور دوزخ کے دروازے بندکردیئے جاتے ہیں شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں [3] ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں(مسلم،بخاری)

[1] رمضان رمض سے بنا بمعنی گرمی یا گرم،چونکہ بھٹی گندے لوہے کو صاف کرتی ہے اور صاف لوہے کو پرزہ بنا کر قیمتی کردیتی ہے اورسونے کو محبوب کے پہننے کے لائق بنادیتی ہےاسی طرح روزہ گنہگاروں کے گناہ معاف کراتا ہے،نیک کار کے درجے بڑھاتا ہے اور ابرار کا قرب الٰہی زیادہ کرتا ہے اس لیے اسے رمضان کہتے ہیں،نیز یہ اللہ کی رحمت،محبت،ضمان،امان اور نورلے کر آتا ہے اس لیے رمضان کہلاتا ہے۔خیال رہے کہ رمضان یہ پانچ ہی نعمتیں لاتا ہے اور پانچ ہی عبادتیں:روزہ،تراویح،اعتکاف،شبِ قدر میں عبادات اور تلاوت قرآن،اسی مہینہ میں قرآن کریم اترا اور اسی مہینہ کا نام قرآن شریف میں لیا گیا ماہ رمضان کے تفصیل وار فضائل ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"جلد دوم میں دیکھو۔

۲؎ حق یہ ہے کہ ماہ رمضان میں آسمانوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں جن سے اللہ کی خاص رحمتیں زمین پر اترتی ہیں اور جنتوں کے دروازے بھی جس کی وجہ سے جنت والے حور و غلمان کو خبر ہوجاتی ہے کہ دنیا میں رمضان آگیا اور وہ روزہ داروں کے لیے دعاؤں میں مشغول ہوجاتے ہیں حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۳؎ یہ جملہ بھی اپنے ظاہری معنے پر ہی ہے کہ ماہ رمضان میں واقعی دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے اس مہینہ میں گنہگاروں بلکہ کافروں کی قبروں پر بھی دوزخ کی گرمی نہیں پہنچتی۔وہ جو مسلمانوں میں مشہور ہے کہ رمضان میں عذاب قبر نہیں ہوتا اس کا یہی مطلب ہے اور حقیقت میں ابلیس مع اپنی ذریتوں کے قید کردیا جاتا ہے۔اس مہینہ میں جو کوئی بھی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس امارہ کی شرارت سے کرتا ہے نہ کہ شیطان کے بہکانے سے۔فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث کے متعلق بہت سے اعتراضات دفع ہوگئے مثلًا یہ کہ جب ابھی جنت میں کوئی جا ہی نہیں رہا تو اس کے دروازے کھلنے سے کیا فائدہ یا یہ کہ جب دوزخ کے دروازے بند ہوگئے تو رمضان میں گرمی کہاں سے آتی ہے یا یہ کہ جب شیطان بند ہوگیا تو اس مہینہ میں گناہ کیسے ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں ۱؎ جن میں سے ایک باب الریان ہے جس میں صرف روزہ دار داخل ہوں گے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یا اس طرح کہ جنت میں آٹھ طبقے ہیں ہر طبقہ کا ایک دروازہ یا اس طرح کہ جنت کی پہلی ہی دیوار میں آٹھ دروازے ہیں تاکہ ہر قسم کے نیک لوگ اپنے اپنے الگ دروازے سے داخل ہوں۔

۲؎ ریان بروزن فعلان ریٌ سے بنا،بمعنی تروتازگی،سیرابی و سبزی۔چونکہ روزہ دار روزوں میں بھوکے پیاسے رہتے تھے اور بمقابلہ بھوک کے پیاس کی زیادہ تکلیف اٹھاتے تھے اس لیے ان کے داخلے کے لیے وہ دروازہ منتخب ہوا جہاں پانی کی نہریں بے حساب،سبزہ،پھل فروٹ اور سیرابی ہے،اس کا حسن آج نہ ہمارے وہم و گمان میں آسکتا ہے نہ بیان میں ان شاءاللہ دیکھ کر ہی پتہ لگے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ روزہ چور اور روزہ توڑ مسلمان اگرچہ رحمت خداوندی اور شفاعت مصطفوی کی برکت سے بخش بھی دیئے جائیں اور جنت میں داخل بھی ہوجائیں مگر اس دروازے سے نہیں جاسکتے کہ یہ دروازہ تو روزہ داروں کے لیے مخصوص ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان و اخلاص سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۱؎ اور جو رمضان میں ایمان و اخلاص سے راتوں میں عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۲؎ اور جو شب قدر میں ایمان و اخلاص کے ساتھ عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں

	گے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ احتساب حسبٌ سے بنا،بمعنی گمان کرنا اور سمجھنا،احتساب کے معنی ہیں ثواب طلب کرنا یعنی جس روزہ کے ساتھ ایمان اور اخلاص جمع ہوجائیں اسکا نفع تو بے شمار ہے۔دفع ضرر یہ ہے کہ اس کے سارے صغیرہ گناہ،حقوق اللہ معاف ہوجاتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے برت(روزہ)اور کافروں کے اپنے دینی روزوں کا کوئی ثواب نہیں کہ وہاں ایمان نہیں اور جو شخص بیماری کے علاج کے لیے روزہ رکھے نہ کہ طلب ثواب کے لیے تو کوئی ثواب نہیں کہ وہاں احتساب نہیں۔

۲؎ اس عبادت سے مراد نماز تراویح ہے جو صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے یا نماز تہجد۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ ان جیسے نیک اعمال سے گناہ صغیرہ تو معاف ہوجاتے ہیں اور گناہ کبیرہ صغیرہ بن جاتے ہیں اور بے گناہوں کے درجات بڑھ جاتے ہیں لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان میں روزوں کی برکت سے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں اور تراویح کی برکت سے گناہ کبیرہ ہلکے پڑجاتے ہیں اور شب قدر کی عبادت کی برکت سے درجے بڑھ جاتے ہیں لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب روزوں سے گناہ معاف ہوگئے تو پھر تراویح اور شبِ قدر کی عبادت سے کیا ہوگا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کی ساری نیکیاں دس۱؎ گُنے سے سات سوگُنے تک بڑھائی جائیں گی ا؎رب تعالٰی فرماتے ہیں سوائے روزہ کے کہ روزہ تو میرا ہے ۲؎ اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۳؎ وہ میرے لیے اپنی شہوت اور اپنا کھانا چھوڑتا ہے۴؎ روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملتے وقت۵؎ روزہ دار کی منہ کی بدبو اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے بہتر ہے ۶؎ اور روزے ڈھال ہیں۷؎ اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بری بات کہے نہ شور مچائے ۸؎ اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا جنگ کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں ۹؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی قانونًا ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گناہ اور زیادہ سے زیادہ سات سو گناہ ہے اگر اللہ اور زیادہ دے تو اس کا کرم ہے۔اس حدیث سے دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے ایک تو"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"اور دوسری"كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ"۔

۲؎ اگرچہ ساری عبادتیں اللہ تعالٰی کی ہیں مگر خصوصیت سے روزہ کو فرمایا کہ یہ میرا ہے چند وجہوں سے:ایک یہ کہ دیگر عبادات میں اطاعت غالب ہے اور روزہ میں عشق غالب اور روزہ دار میں علامات عشق جمع ہوجاتی ہیں۔شعر

عاشقاں راشش نشان است اے پسر　　آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

گر ترا پرسند سہ دیگر کدام　　کم خورد کم گفتن و خفتن حرام

اور مطیع کا عوض ثواب ہے عاشق کا عوض لقائے یار۔دوسرے یہ کہ دوسری عبادتوں میں ریا ہوسکتی ہے کیونکہ ان کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے اور ان میں کچھ کرنا ہوتا ہے مگر روزہ میں ریاء نہیں ہوسکتی کہ نہ اس کی کوئی صورت ہے اور نہ اس میں کچھ کرنا ہے،جو اندر باہر کچھ نہ کھائے پیئے وہ یقینًا مخلص ہی ہے،ریا کار گھر میں کھا کر بھی روزہ ظاہر کرسکتا ہے۔تیسرے یہ کہ کل قیامت میں دوسری عبادتیں اہل حقوق چھین سکتے ہیں حتی کہ قرض خواہ مقروض سے سات سو نمازیں تین پیسہ قرض کی عوض لے لے گا۔(شامی)مگر روزہ کسی حق والے کو نہ دیا جائے گا،رب تعالٰی فرمائے گا کہ روزہ تو میرا ہے یہ کسی کو نہیں ملے گا۔چوتھے یہ کہ کفار و مشرکین دوسری عبادتیں بتوں کے لیے بھی کرلیتے ہیں قربانی،سجدہ،حج و خیرات وغیرہ مگر کوئی کافر روزہ بت کے لیے نہیں رکھتا اگر روزہ رکھتے بھی ہیں تو صفائی نفس کے لیے تاکہ اس صفائی سے بتوں سے قرب حاصل ہو۔غرض کہ روزہ غیراللہ کے لیے نہیں ہوتا۔(ازمرقات،اشعہ وغیرہ)

۳؎ اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں اجزی معروف اور اجزی مجہول یعنی روزہ کا بدلہ میں براہ راست خود دوں گا،میں دینے والا روزہ دار لینے والا جو چاہوں دوں اس کی جزا مقرر نہیں یا روزہ کا بدلہ میں خود ہوں یعنی تمام عبادات کا بدلہ جنت ہے اور روزہ کا بدلہ جنت والا رب اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۴؎ یعنی دوسرے عابد عابد ہیں یہ عابد بھی اور عاشق بھی یا روزہ دار ریاء کے لیے کھانا پینا نہیں چھوڑتا وہ صرف میری رضا کے لیے چھوڑتا ہے ریا کار چھپ کر کھا کر روزہ ظاہر کرسکتا ہے۔

۵؎ سبحان اللہ!کیسا پیارا فرمان ہے روزہ دار کو افطار کے وقت روحانی خوشی بھی ہوتی ہے کہ عبادت ادا ہوئی رب تعالٰی راضی ہوا سینہ میں نور دل میں سرور ہوا اور جسمانی فرحت بھی کہ سخت پیاس کے بعد ٹھنڈا پانی بہت ہی فرحت کا باعث ہے اور تیز بھوک میں رب تعالٰی کی روزی بہت لذیذ معلوم ہوتی ہے اور ان شاءاللہ مرتے وقت بھی بروز قیامت بھی رب تعالٰی کی مہربانی دیکھ کر روزہ دار کو جو خوشی ہوگی وہ تو بیان سے باہر ہے وہ کریم فرمائے گا کہ دنیا میں جو میں نے کہا وہ تو نے کیا اب جو تو کہے گا وہ میں کروں گا اللہ تعالٰی خیریت سے وہ وقت دکھائے۔اللہ کا شکر ہے کہ فقیر حقیر گنہگار یہ بیان بھی آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ جمعرات کے دن لکھ رہا ہے۔رب تعالٰی اپنے فضل و کرم اور محبوب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اس قال کو حال بنادے۔

۶؎ خیال رہے کہ منہ کی وہ بو جو دانتوں کے میل وغیرہ یا بیماری سے پیدا ہوکر نحر کہلاتی ہے اور جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا سے خلوف کہتے ہیں،دانتوں کے میل کی بو تو مسواک و منجن سے جاسکتی ہے اور بیماری کی بو دواؤں سے مگر خلوف معدہ کی بو صرف کھانے سے جاسکتی ہے۔تجربہ ہے کہ یہ بو مسواک کے بعد بھی رہتی ہے لہذا یہ حدیث نہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس پر دلیل ہے کہ بعد زوال روزہ میں مسواک منع اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے اس مسئلہ کے خلاف ہےکہ روزہ میں مسواک ہر وقت جائزہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہے جیسے ماں کہے کہ مجھے اپنے بچے کا پسینہ کیوڑے گلاب سے پیارا ہےاس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پسینہ دھویا بھی نہ جائے۔روزہ میں مسواک کی پوری بحث ان شاءاللہ آگے آئے گی۔

۷ےکہ دنیا میں نفس و شیطان کے شر سے بچاتے ہیں اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچائیں گے۔

۸ےشور سے مراد جنگ و جدال کا شور ہے۔شریعت میں روزہ پیٹ اور دماغ کا ہوتا ہے مگر طریقت میں سارے اعضاء کا کہ انہیں گناہوں سے بچایا جائے اس جملہ میں اسی روزہ کی تعلیم ہے۔

۹ےلہذا میں تجھ سے لڑنے کو تیار نہیں اس پر ان شاءاللہ وہ خود ہی شرمندہ ہوجائے گایا یہ مطلب ہے کہ میں روزہ دار ہوں اللہ کی ضمان میں ہوں مجھ سے لڑنا گویا رب کا مقابلہ کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی چھپتی عبادت کا اظہار جائز ہے بشرطیکہ فخر و ریا کے لیے نہ ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کردیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جن میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا ۱ےاور پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی چاہنے والے آ ۲ےاور برائی چاہنے والے باز آ ۳ےاور اللہ کی طرف سے لوگ آگ سے آزاد کئے جاتے ہیں یہ ہر رات ہوتاہے ۴ے(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱ےان تین جملوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی ہے کہ یہ تینوں جملے اپنے ظاہری معنے پر ہیں ان میں کسی کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں،چونکہ ابلیس ایک ہے اور اس کی ذریت بہت قسم کی جن کے نام بھی الگ ہیں اور کام بھی الگ یہ سب ہی ایک مہینہ کے لیے گرفتار کرلیے جاتے ہیں اس لیے شیاطین جمع فرمایا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں میں جنت اور دوزخ کے دروازے کبھی کھلتے ہیں کبھی بند ہوتے ہیں مگر رمضان میں سارا مہینہ دوزخ کے دروازے بند رہتے ہیں جنت کے کھلے۔سبحان اللہ! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کا دروازہ دیگر مہینوں میں شبِ جمعہ کو کھلتا ہے مگر ماہ رمضان میں ہمیشہ کھلا رہتا ہے کیوں نہ ہو کہ وہ ہم غریبوں کی جنت ہے۔شعر

مسجد من کعبہ من خلد من　　　آستان تو در تو کوئے تو

۲؎ اللہ کی طرف آ،رسول اللہ کی طرف آ،جنت کی طرف آ،مسجد کی طرف آ،عبادت کی طرف آکیونکہ اب عمل قلیل پر جزائے جلیل ملے گی،زمانہ کمائی کا آگیا کچھ کمالے۔

۳؎ گناہوں سے باز آ،غیراللہ کی طرف سے بھاگنے سے باز آ،رمضان رب کا مہمان ہےاس سے شرم کر۔اس آواز کا اثر یہ دیکھا جارہا ہے کہ اس زمانہ میں بے نماز نمازی ہوجاتے ہیں،بخیل سخی بن جاتے ہیں،بچے اور بیمار جو نماز سے گھبرائیں روزہ پر حریص ہوتے ہیں حالانکہ روزہ نماز سے دشوار ہے روزہ میں عادۃً سستی اور نیند بڑھ جاتی ہے مگر پھر بھی مسجدیں بھری رہتی ہیں اور راتیں ذکر اللہ سے آباد۔

۴؎ یعنی مہینہ بھر روزانہ افطار کے وقت بہت سے ہم جیسے گنہگار جو اپنے گیارہ مہینوں کی بدکاریوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق ہوچکے ہوتے ہیں انہیں اللہ روزہ کی برکت سے معافی دے دیتا ہے فرماتا ہے اگرچہ گنہگار ہیں مگر روزہ دار ہیں بخش دیا۔

	احمد نے ایک شخص سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۱؎

۱؎ یعنی حدیث مرفوع غریب ہے موقوف صحیح ہے اور ہوسکتا ہے کہ غریب بھی ہو اور صحیح بھی کیونکہ غرابت حسن یا صحیح ہونے کے خلاف نہیں۔(مرقات)امام جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی ابوبکر ابن عیاش بھی ہیں جن کے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے،بعض نے فرمایا کہ اگرچہ امام عاصم قاری کے شاگرد ہیں اور امام حفص پر قرأت میں مقدم ہیں اور فضائل و کمالات میں اپنے اہلِ زمانہ پر فوقیت رکھتے ہیں مگر کچھ حافظہ کے کمزور تھے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان آگیا برکت والا مہینہ ہے ۱؎ اللہ نے تم پر اس کے روزے فرض کئے ۲؎ اس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ۳؎ دوزخ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور اس میں مردود شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں ۴؎ اس میں ایک رات ہے ہزار مہینوں سے بہتر ۵؎ جو اس کی خیر سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم رہا ۶؎ (احمد،نسائی)

۱؎ برکت کے معنی ہیں بیٹھ جانا جم جانا اسی لیے اونٹ کے طویلہ کو مبارك الابل کہا جاتا ہے کہ وہاں اونٹ بیٹھتے بندھتے ہیں اب وہ زیادتی خیر جو آکر نہ جائے برکت کہلاتی ہے،چونکہ ماہ رمضان میں حسی برکتیں بھی ہیں اور غیبی

برکتیں بھی اس لیے اس مہینہ کا نام ماہ مبارک بھی ہے رمضان میں قدرتی طور پر مؤمنوں کے رزق میں برکت ہوتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب ستر گناہ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کی آمد پر خوش ہونا ایک دوسرے کو مبارک بار دینا سنت ہے اور جس کی آمد پر خوشی ہونا چاہیئے اس کے جانے پر غم بھی ہونا چاہیئے۔دیکھو نکاح ختم ہونے پر عورت کو شرعًا غم لازم ہے اسی لیے اکثر مسلمان جمعۃ الوداع کو مغموم اور چشم پر نم ہوتے ہیں اور خطباء اس دن میں کچھ وداعیہ کلمات کہتے ہیں تاکہ مسلمان باقی گھڑیوں کو غنیمت جان کر نیکیوں میں اور زیادہ کوشش کریں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ یعنی سب پر روزۂ رمضان ہی فرض ہیں طاقتِ روزہ رکھنے والا فدیہ نہیں دے سکتا،رب تعالٰی فرماتاہے: "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"حتی کہ حائضہ عورت نمازوں کی قضا نہیں کرتی مگر روزوں کی قضا کرتی ہے لہذا حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔

۳؎ آسمان میں بہت سی قسم کے دروازے ہیں:روزی اور فرشتے اترنے کے لیے دروازے،لوگوں کے اعمال جانے کے دروازے،عذاب آنے کے دروازے،مخصوص رحمتیں اترنے کے دروازے وغیرہ یہاں یہ آخری قسم کے دروازے مراد ہیں یعنی رمضان میں خاص رحمتوں یا خاص فرشتوں کی آمد کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آسمان کے دروازے تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔

۴؎ اس جملہ کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں بہترین مطلب یہ ہے کہ عام شیاطین تو رب کے عام جیل خانوں میں بند کئے جاتے ہیں مگر بہت زیادہ سرکش شیاطین زنجیروں و طوقوں میں باندھے جاتے ہیں جیسے دنیاوی جیلوں میں پھانسی کے ملزم کال کوٹھری میں بند ہوتے ہیں اور ڈاکوؤں کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں اسی لیے یہاں تُغَلُّ فرمایا گیا۔تغل غل سے بنا،بمعنی زنجیرو طوق لہذا یہاں مردود کی قید احترازی ہے اور یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف بھی نہیں۔

۵؎ وہ رات شب قدر ہے جو بفضلہٖ تعالٰی ہر ماہ رمضان میں ہوتی ہے کہ دوسری ہزار مہینوں کی عبادت سے جس میں شبِ قدر نہ ہو اس ایک رات کی عبادت بہتر ہے اور غالبًا یہ رات ستائیسویں رمضان ہے۔اس کی نفیس بحث ہماری کتاب "مواعظ نعیمیہ"میں ملاحظہ فرمایئے۔خیال رہے کہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور سورۃ قدر میں یہ لفظ تین بار ارشاد ہوا نو۹ تین دفعہ ہوں تو ستائیس بنتے ہیں،نیز سورۂ قدر میں تیس کلمے ہیں آخری آیت "هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ"میں ھی ضمیر جو لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے ستائیسواں کلمہ ہے۔ان وجوہ سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں رمضان ہے۔

۶؎ یعنی جس نے یہ رات گناہوں میں گزاری یا اس رات بھی بلاعذر عشاء اور فجر جماعت سے نہ پڑھی اس لیے اس کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بقیہ دنوں میں بھی بھلائی نہیں کمائے گا۔شبِ قدر میں عبادتوں کی تین قسم ہیں جن میں سے آخری قسم ہے عشاء و فجر کا جماعت سے ادا کرنا جس نے یہ بھی نہ کیا واقعی وہ بڑا محروم ہے۔الحمدللہ! گنہگار احمد یار آج ستائیسویں رمضان ۹ے۱۳اھ کو یہ مضمون لکھ رہا ہے آج شبِ قدر ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے [۱] روزے عرض کریں گے یارب میں نے اسے دن میں کھانے اور شہوت سے روکا لہذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول کر اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات میں سونے سے روکا لہذا اس کے متلق میری شفاعت قبول کر [۲] دونوں کی شفاعت قبول ہوگی [۳] (بیہقی شعب الایمان)	

[۱] یعنی روزہ رکھنے والے تراویح پڑھنے والے گنہگار بندے کی تو معافی کی سفارش کریں گے اور بے گناہ بندے کی بلندئ درجات کی لہذا قرآن و رمضان کی شفاعت سے سارے ہی مؤمن فائدہ اٹھائیں گے،چونکہ قرآن کریم رمضان المبارک ہی میں آیا اور رمضان میں ہی اس کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اور دن میں روزہ رات کو تراویح میں تلاوت قرآن ہوتی ہے اسی لیے ان دونوں کو جمع فرمایا گیا۔

[۲] یعنی روزہ افطار کرکے اس کی طبیعت آرام کی طرف مائل ہوتی تھی،ہاتھ پاؤں میں سستی پھیل جاتی تھی کہ نماز عشاء کی اذان کی آواز سنتے ہی تراویح میں مجھے سننے آجاتا تھا لہذا یہاں تراویح پڑھنے والے مراد ہیں تہجد والے ہی مراد نہیں کیونکہ تہجد تو سال بھر پڑھی جاتی ہے یہاں خصوصیت سے رمضان کا ذکر ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں رمضان نے تو اے رب عرض کیا مگر قرآن نے اے رب نہ کہا۔معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی قدیم ہے اور مخلوق نہیں۔(مرقات)

[۳] اس طرح کہ روزوں کی شفاعت سے گناہ معاف ہوں گے اور قرآن کی شفاعت سے درجے بلند یا روزوں کی شفاعت سے غضبِ الٰہی کی آگ ٹھنڈی ہوگی اور قرآن کی شفاعت سے رحمت الٰہی کی ہوا چلے گی وغیرہ وغیرہ۔روزے اور قرآن بلکہ سارے اعمال وہاں شکلوں میں نمودار ہوں گے جیسے آج دنیا میں ہم واقعات کو خواب میں مختلف شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔بادشاہ مصر نے آئندہ قحط سالیوں کو گایوں اور بالیوں کی شکل میں دیکھا تھا۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مہینہ تمہارے پاس آگیا [۱] اس میں رات ہے ہزار مہینوں سے بھلی جو اس رات سے محروم رہا وہ ساری خیر سے محروم رہا [۲] اور ساری خیر سے پورا بدنصیب محروم رہتا ہے [۳] (ابن ماجہ)	

[۱] یعنی ماہ رمضان وہ سخی ہے جو تمہارے پاس آکر دیتا ہے جیسے بادل آکر پانی دیتا ہے کنوئیں کی طرح بلاکر نہیں دیتا۔

[۲] یعنی یہ ایک رات تو تراسی سال چار ماہ سے بہتر ہے اگر وہ شبِ قدر سے خالی ہوں۔

۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ اس رات کی عبادت میں مشقت نہایت ہی کم ہے اور ثواب بہت ہی زیادہ جو اتنی سی محنت بھی نہ کرسکے وہ پورا ہی محروم و بدنصیب ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہم میں وعظ فرمایا تو فرمایا اے لوگو تم پر عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہورہا ہے۱؎ یہ مہینہ برکت والا ہے جس کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے وہ یہ مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے فرض کئے اور جس کی رات کا قیام نفل بنایا۲؎ جو اس ماہ میں نفلی بھلائی سے قربِ الٰہی حاصل کرے تو گویا اس نے دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا اور جو اس میں ایک فرض ادا کرے تو ایسا ہوگا جیسے اس نے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کئے ۳؎ یہ صبر کا مہینہ ہے ۴؎ اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غربا کی غم خواری کا مہینہ ہے ۵؎ یہ وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۶؎ جو اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش اس کی گردن کی آزادی آگ سے ہوگی اور اسے روزہ دار کاسا ثواب ملے گا۷؎ اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم ہو۸؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے ۹؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہ ثواب اسے دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا گھونٹ بھر پانی ۱۰؎ سے افطار کرائے اور جو روزہ دار کو سیر کرے اللہ اسے میرے حوض سے وہ پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہوگا حتی کہ جنت میں داخل ہوجائے ۱۱؎ یہ وہ مہینہ ہے جس کے اول میں رحمت،بیچ میں بخشش اور آخر میں آگ سے آزادی ہے ۱۲؎ اور جو اس مہینہ میں اپنے غلام سے تخفیف کرے تو اللہ اسے بخش دے گا اور آگ سے آزاد کردے گا ۱۳؎

۱؎ اس پیشگی اطلاع دینے میں ماہ رمضان کی فضیلت کا اظہار ہے اور مسلمانوں کو اس کی عبادات کے لیے تیار کرنا ہے۔اظل فرما کر اشارۃً بتایا کہ جیسے درخت یا چھت بندے کو اپنے سایہ میں لے کر سورج کی تپش سے بچالیتے ہیں ایسے ہی ماہ رمضان مؤمن کو اپنے سایہ میں لے کر دنیاوی و آخروی عذاب سے بچالیتا ہے گویا رمضان سایہ دار بار دار درخت ہے یا ڈھال ہے۔

۲؎ یہاں نفل لغوی معنی میں ہے یعنی زائد چیز اور رات کے قیام سے مراد تراویح ہے یعنی اس ماہ میں نماز تراویح زائد نماز ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح نفل ہو وہ تو سنت مؤکدہ ہے۔تراویح کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یعنی ماہ رمضان کی نفل دوسرے مہینوں کی فرض کی برابر ہے اور اس ماہ کی فرض عبادت دوسرے ماہ کی ستر فرائض کی مثل ہے لہذا اگر مکہ معظّمہ میں رمضان المبارک میں ایک فرض ادا کیا جائے تو اس کا ثواب ستر لاکھ فرض کا ہے کیونکہ اور دنوں وہاں ایک کا ثواب ایک لاکھ ہےتو رمضان میں ستر لاکھ اس حساب سے مدینہ منورہ میں ماہ رمضان کی ایک فرض کا ثواب پینتس۳۵ لاکھ ہے یہ زیادتی تو رمضان کے عام دنوں میں ہے شب قدر اور رمضان کے جمعہ کی نیکیاں تو بہت زیادہ ہوں گی۔ان شاء اللہ!

۴؎ یعنی دوسرے مہینہ شکر کے ہیں جن میں کھاؤ،آرام کرو اور شکر بجالاؤ اس مہینہ میں دن میں نہ کھاؤ،رات کو نہ سوؤ اور صبر کرو۔رمضان کے چار نام ہیں:ماہ رمضان،ماہ صبر،ماہ مواسات،ماہ مبارک ان ناموں کی وجہ ہم نے اپنی "تفسیر نعیمی" میں تفصیل سے لکھی ہے۔

۵؎ کہ اس مہینہ میں قدرتی طور پر مسلمانوں میں غرباء اقرباء کی غم خواری کا جذبہ موجزن ہوتا ہے،بعض لوگ رمضان میں اپنی شادی شدہ لڑکیوں کو بلالیتے ہیں بعض لوگ مہینہ بھر تک مسکینوں کو کھلاتے ہیں،ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے اور مواسات پر عمل ہے مواسات،بمعنی مساہمت ہے سہم بمعنی حصہ سے مشتق یعنی اپنی روزی میں دوسروں کو حصہ دار بنانا،سخاوت کرنا۔

۶؎ رزق حسی بھی اور معنوی بھی ہر سال اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہر روزہ دار کو رمضان میں وہ نعمتیں ملتی ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ملتیں،نیز اس مہینہ میں قدرتی طور پر دل پر وہ اثر ہوتا ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتا۔

۷؎ یعنی روزہ افطار کرنے والے کو تین فائدے ہوتے ہیں:گناہوں سے بخشش،دوزخ سےآزادی اور اسے روزہ کا ثواب۔بعض لوگ افطار کے وقت مسجدوں میں پھل فروٹ یا کھانے بھیجتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث شریف ہے۔کاٹھیاواڑ اور یوپی میں ہر نمازی مغرب کے وقت کچھ لے کر آتا ہےاور کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے کھانے سے روزہ افطار کرے اس کی اصل بھی یہ ہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ روزہ افطار کرانے سے ثواب روزہ تو مل جاتا ہے مگر اس سے روزہ ادا نہیں ہوتا لہذا کوئی امیر لوگوں کو افطار کراکے خود روزہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا روزے تو رکھنے ہی پڑیں گے۔

۸؎ جیسے علم،روشنی،ہوا ان سے خواہ کتنے ہی لوگ فائدہ اٹھالیں کمی نہیں ہوتی ایسے ہی ثواب تقسیم ہونے سے کم نہیں ہوتا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ تقسیم ہوکر ثواب میں کمی کیوں نہیں ہوتی،مادی چیزیں بٹ کر گھٹتی ہیں،نور میں یہ قاعدہ نہیں،بلکہ سمندر اور چشمہ کا پانی بھی خرچ سے گھٹتا نہیں۔

۹؎ وہ حضرات سمجھے کہ روزہ افطار کرانے کے معنے ہیں اسے سیر کردینا اس لیے یہ سوال کیا۔

۱۰؎ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف پیٹ بھرنے پر یہ ثواب موقوف نہیں،جو چیز بھی اولًا روزہ دار کے حلق سے نیچے اتاری جائے یہ ثواب مل جاتا ہے بلکہ اگر چند آدمی مل کر روزہ دار کو کسی چیز سے افطار کرادیں تو سب کو الگ الگ روزے کا ثواب ہوگا،داتا کی دین کے بہانے ہوتے ہیں صدقہ ہے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

۱۱؎ یعنی صرف افطار کرانے کا ثواب تو بیان ہوچکا،روزہ دار کو سیر کرکے کھلانے کا ثواب یہ ہے۔خیال رہے کہ جیسے آج دنیا میں سب کو کھانے کی سخت ضرورت ہے ایسے ہی کل میدان محشر میں پانی کی سخت ضرورت ہوگی وہاں بھوک نہ ہوگی مگر پیاس ہوگی،اللہ تعالٰی حوض کوثر کی ایک نہر میدان محشر میں پہنچادے گا جس سے امت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہی یہ پانی پیئے گی اور پیاس سے امن میں رہے گی،ایک بار جس نے یہ پانی پی لیا تو جنت میں داخلہ تک پیاس نہ لگے گی،اللہ تعالٰی ہم سب کو وہاں اس حوض کا پانی نصیب کرے،پھر جنت میں پہنچ کر نہ بھوک ہوگی نہ پیاس لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ محشر میں حوض کوثر کہاں حوض تو جنت میں ہوگا،نہ یہ اعتراض رہا کہ پیاسا نہ ہونے کی انتہاء جنت میں داخلہ تک بیان کیوں فرمائی،کیا جنت میں پہنچ کر پیاس لگے گی،نہ یہ اعتراض رہا کہ کھانے کا بدلہ پانی کیا اس کا بدلہ تو کھانا ہی چاہئے تھا۔خیال رہے کہ جنت میں بھوک نہ ہوگی نہ پیاس مگر وہاں کھانا پینا سب کچھ ہوگا لذت کے لیے نہ کہ بھوک پیاس دفع کرنے کو اسی لیے وہاں میوے ہیں غلے نہیں کہ غلے بھوک دفع کرنے کو ہوتے ہیں میوہ لذت کو۔

۱۲؎ یعنی ماہ رمضان کے تین عشرہ ہیں:پہلے عشرہ میں رب تعالٰی مؤمنوں پر خاص رحمتیں فرماتا ہے جس سے انہیں روزہ تراویح کی ہمت ہوتی ہے اور آئندہ ملنے والی نعمتوں کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔دوسرے عشرہ میں تمام صغیرہ گناہوں کی معافی ہے جو جہنم سے آزادی کا اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔تیسرے عشرہ میں روزہ داروں کے جنتی ہوجانے کا اعلان اور وہاں کے داخلہ کا ویزہ(Viza)اور پاسپورٹ(Pasport)کی تحریر۔فقیر کی اس شرح سے اس ترتیب کی وجہ بھی معلوم ہوگئی اور یہ اعتراض بھی نہ رہاکہ جب پہلے دو عشروں میں رحمت و مغفرت ہوچکی تو تیسرے عشرہ میں آگ سے آزادی کے کیا معنے وہ تو پہلے ہی حاصل ہوچکی۔

۱۳؎ اسلامی بادشاہ رمضان میں ہر محکمہ میں چھٹی کرتے تھے،اب بھی تمام مدارس اسلامیہ رمضان میں بند رہتے ہیں تاکہ مدرسین کو فرصت اور طلباء کو فراغت ملے،بعض امراء اس مہینہ میں نوکروں سے کام یا تو لیتے نہیں یا بہت کم لیتے ہیں مگر ان کی تنخواہ اور کھانا وغیرہ برابر دیتے رہتے ہیں،ان سب کی اصل یہ حدیث شریف ہے تم اپنے ماتحتوں،نوکروں پر مہربانی کرو اللہ تم پر مہربانی کرے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب ماہ رمضان آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو	

	چھوڑ دیتے تھے۱؎اور ہر منگتے کو دیتے تھے۲؎

۱؎حق یہ ہے کہ یہاں قیدی سے مراد وہ شخص ہے جو حق اللہ یا حق العبد میں گرفتار ہواور آزاد فرمانے سے اس کے حق ادا کردینا یا کرادینا مراد ہے ورنہ اس زمانہ پاک میں سوائے ان کفار کے جو غزوہ جہاد میں قید ہو کر آئے اورکسی کو قید نہ کیا جاتا تھااور ایسے قیدیوں کو حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے کسی رمضان میں آزاد نہ کیا کہ ان کو چھوڑ دینا فتنہ سے خالی نہ تھاوہ پھر جاکر مسلمانوں کے مقابل ہوتے۔احناف کے نزدیک جنگ کے کفار قیدیوں کو چھوڑنا منسوخ ہےان کے لیے یا قتل ہے یاغلام بنانا یا فدیہ پر چھوڑنا"فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ" منسوخ ہے اس کا ناسخ ہے"فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ"ہاں شوافع کے ہاں آزاد کرنے کا بھی حق ہے،یہ معنے جو ہم نے عرض کئے متفق علیہ ہیں۔

۲؎یوں تو سرکار ہمیشہ ہی ہر سائل کو دیتے تھےکریم ہیں،سخی ہیں،داتا ہیں مگر ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت کا سمندر موجیں مارتا تھا۔یہاں دوباتیں خیا ل میں رکھیئے:ایک یہ کہ امیروں سے صرف مال مانگے جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال،اعمال،کمال،رضائے رب ذوالجلال اور جنت،نیز دوزخ سے پناہ،ایمان پر خاتمہ سب کچھ ہی مانگا جاتا ہے،حضرت ربیعہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہمیشہ خصوصًا رمضان میں ہر سائل کو اس کی منہ مانگی مراد دیتے تھے۔دوسرے یہ کہ سرکار کی یہ بخششیں صرف اس زمانہ سے خاص نہیں تا قیامت ان کا دروازہ ہر فقیر کے لیے کھلا ہے،کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی نے فرمایا:"وَ اَمَّا السَّآىٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"سائل میں زمانہ ومکان کی قید نہیں لہذا اب بھی رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مؤمن کو رہائی بھی مانگنی چاہیے اور جنت وغیرہ بھی ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

شرم قیدی،یہ جرم و بے حیائی　　رہائی یا رسول اللہ رہائی

رہائی کردی غزے زوے　　عطا کن زیں بلا مارا رہائی

چھڑایا قید سے ہرنی کو تم نے　　مجھے بھی اس بلا سے دورہائی

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان کے لیے جنت شروع سال سے اگلے سال تک سنواری جاتی ہے۱؎فرمایا جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے آنکھ والی حوروں پر ایک خوشگوار ہوا چلتی ہے ۲؎ تو حوریں عرض کرتی ہیں یا رب اپنے بندوں کو ہمارا خاوند بنا ان سے ہماری آنکھیں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۳؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل فرمائیں۴؎

۱؎ یعنی عیدالفطر کا چاند نظر آتے ہی اگلے رمضان کے لیے جنت کی آراستگی شروع ہوجاتی ہے اور سال بھر تک فرشتے اسے سجاتے رہتے ہیں جنت خود سجی سجائی پھر اور بھی زیادہ سجائی جائے،پھر سجانے والے فرشتے ہوں تو کیسی سجائی جاتی ہوگی اس کی سجاوٹ ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے،بعض مسلمان رمضان میں مسجدیں سجاتے ہیں،وہاں قلعی چونا کرتے ہیں،جھنڈیاں لگاتے،روشنی کرتے ہیں ان کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔

۲؎ یعنی یہ ہوا عرش سے شروع ہوتی ہے جنت کے درختوں،پھولوں سے معطر ہوکر حوروں پر پہنچتی ہے۔مرقات نے فرمایا یہ روزہ داروں کے منہ کی بو کے اثر سے ہوتی ہے۔واللہ اعلم!

۳؎ یعنی ہم کو ان روزے داروں کے نکاح میں دے کہ وہ ہمارے خاوند ہوں ہم ان کی بیویاں بنیں۔خیال رہے کہ نکاح کے لیے نامزدگی تو پہلے ہی ہوچکی ہے کہ فلاں حور فلاں کی بیوی مگر نکاح جنت میں پہنچ کر ہوگا یا نکاح پہلے ہوچکا ہے رخصت یعنی عطا بعد قیامت ہوگی لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ"۔قرۃ خوشگوار ٹھنڈک کو کہتے ہیں اسی لیے بیٹے کو قرۃ العین کہتے ہیں۔

۴؎ یہ احادیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں لہذا قوی ہیں،کثرت اسناد ضعیف کو قوی کردیتی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی بخشش رمضان کی آخری رات میں ہوتی ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ شبِ قدر ہے تو فرمایا نہیں لیکن مزدور کو مزدوری جب ملتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کرلیتا ہے ۱؎(احمد)

۱؎ یعنی رمضان کی انتیسویں یا تیسویں رات کو روزہ داروں کی بخشش کا فرشتوں میں اعلان ہوجاتا ہے کہ ان کے روزے،تراویح،اعتکاف،شبِ قدر کی عبادتیں قبول فرمالی گئیں اور ان کی بخشش کا فیصلہ کردیا گیا،یہ ہی رات بندوں کے عمل سے فراغت کی رات ہے،رب تعالٰی کی عطاء کی رات بھی۔حسن اتفاق ہے کہ یہ گنہگار بندہ احمد یار آج انتیسویں رمضان دو شنبہ ۹ ۱۳۷۱ھ کو یہ شرح لکھ رہا ہے،خدا کرے اس رات میں اس گنہگار کی معافی بھی ہوگئی ہو اور جو مسلمان بھائی میری مغفرت کی دعا کرے اللہ اس کی مغفرت فرمادے۔آمین!

وَصَلَّی اللہُ تعالٰی عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَسَلَّم

باب رؤیۃ الھلال

باب چاند دیکھنا۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎عربی میں تیسری شب تک کے چاند کو ہلال کہتے ہیں ان کے بعد کی راتوں میں قمر کہا جاتا ہے اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے،آخری راتوں میں محا ق،یہاں رمضان وغیرہ کی پہلی شب کا چاند مراد ہے۔بہت سی اسلامی عبادات چاند پر موقوف ہیں اس لیے ہر مہینہ کا ہی چاند دیکھنا چاہیے مگر خصوصیت سے شبِ برات،رمضان،شوال،بقر عید کا چاند ضرور دیکھنا چاہئے کہ ان سے روزے،عید،قربانی وغیرہ متعلق ہیں اس لیے مصنف نے چاند دیکھنے کا مستقل باب باندھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزہ نہ رکھو حتی کہ رمضان کا چاند دیکھ لو اور افطار نہ کرو حتی کہ چاند دیکھ لو۱؎ اگر تم پر ابر کی وجہ سے چاند چھپ جائے تو مہینہ کا اندازہ لگا لو۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مہینہ انتیس راتوں کا ہے تو روزہ نہ رکھو حتی کہ چاند دیکھ لو ۳؎ پھر اگر تم پر چاند مشتبہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی نہ تو مشکوک دن میں روزہ رکھواور نہ مشکوک میں عید مناؤلہٰذا تیسویں شعبان کو روزہ نہ رکھو کہ شاید کل چاند ہوگیا ہواور تیسوں رمضان کو عید نہ مناؤاس شبہ پر کہ کل شاید شوال کا چاند ہوگیا ہوبلکہ جب رمضان یا شوال کا چاند یقینی طو ر پر ہوجائے تب روزہ یا عید مانو۔اس جملہ پر بہت سے شرعی احکام مرتب ہیں،فقہاء فرماتے ہیں کہ شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے اس کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

۲؎یعنی تیس دن پورے کرلوکیونکہ چاند کا مہینہ ۲۹ دن سے کم نہیں ہوتااور ۳۰ دن سے زیادہ نہیں ہوتا،چاند دیکھنے کی کچھ تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

۳؎ یعنی عربی مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے لیکن اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس کا ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند میں دیکھنے کا اعتبار ہے،جنتری حساب وغیرہ شریعت میں بالکل غیر معتبر ہیں جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۴؎یہ جملہ اس آیت کی تفسیر ہے"وَلِتُکۡمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللہَ عَلٰی مَا ہَدٰىکُمۡ"یعنی ماہ رمضان کی گنتی پوری کرنا فرض ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر جنتری والا اپنے حساب سے روزہ رکھے یا عید کرے تو سخت گنہگار

ہوگاکیونکہ شریعت میں چاند دیکھنے کا اعتبار ہے اور اگر حساب پر عید منوائے تو سخت فاسق ہوگااور اگر اسی حساب پر لوگوں کے روزے تڑوادے تو سب پر کفارہ واجب ہوگااور اگر اس حساب پرعمل کو واجب جان کر روزہ یا عید کو فرض جانے تو کافر ہوجائے گاکیونکہ وہ آیت مذکورہ کا بھی منکر ہوااور احادیث متواترہ کا بھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھواور چاند دیکھ کر افطارکرو[1] پھر اگر چاند تم پر مشتبہ ہوجائے تو شعبان تیس دن کا شمار کرو[2] (مسلم،بخاری)

[1] صُوْمُوْا کا فاعل سارے مسلمان ہیں،لِرُؤْيَتِهٖ میں ہ ضمیر کا مرجع چاند ہے،لِرُؤْيَتِكُمْ نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ کہیں بھی چاند ہوجائے سب مسلمانوں پر روزہ فرض ہوجائے گا بشرطیکہ انہیں چاند کا ثبوت شرعی پہنچ جائے چاند میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوگاجیساکہ شوافع کا خیال ہے کہ ایک علاقہ کی رویت دوسرے علاقہ والوں کے لیے معتبر نہیں مانتے یہ حدیث ان کے خلاف ہے اور احناف کی دلیل ہے۔شوافع کی دلیل حضرت عمر کا یہ فرمان"لَهُمْ رُؤْيَتُهُمْ وَلَنَا رُؤْيَتُنَا"اس کا جواب ان شاءاللہ اسی حدیث کے ماتحت دیا جائے گا کہ وہاں شرعی گواہی نہ ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا تھا۔بعض جہلا تیسویں رمضان کو عید کا چاند عصر کے وقت دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ عید کا چاند نظر آگیا روزہ کھول دو یہ غلط ہے یہاں افطار سے مراد کل روزہ نہ رکھنا اور عید منانا ہے نہ کہ روزہ توڑ دینا جیساکہ اگلے جملہ سے معلوم ہورہا ہے۔

[2] چاند مشتبہ ہونے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ کہیں نظر ہی نہ آئے جنتری والے کہتے ہوں کہ کل چاند ہوگیا۔دوسرے یہ کہ اڑتے اڑتے معلوم ہوجائے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا شرعی گواہی نہ پہنچے۔فقیر نے ریڈیوں کی خبر کے متعلق فتویٰ یہ دیا ہے کہ اگر ریڈیو پر کہیں چاند ہونے کی خبر دی جائے تو معتبر نہیں اور سننے والے اس خبر پر روزہ یا عید نہیں مناسکتےلیکن اگر حکومت اسلامیہ کی قائم کردہ ہلال کمیٹی شرعی قواعد کی رو سے شرعی گواہی لے کر چاند ہوجانے کا فیصلہ کرے اور اپنے فیصلہ کا ریڈیو پر اعلان کرے تو معتبر ہے کیونکہ پہلی صورت میں چاند کی خبر کا اعلان ہے اور اس صورت میں حاکم کے فیصلہ کا،پہلا غیرمعتبر دوسرا معتبر۔حاکم کے فیصلہ کی اطلاع تو فائر،گولہ،چراغاں وغیرہ سے کردینا بھی جائز ہے ریڈیو کی اطلاع تو اس سے کہیں زیادہ قوی ہے۔اس مسئلہ کی نہایت نفیس تحقیق ہمارے فتاوےٰ نعیمیہ میں دیکھو۔خیال رہے کہ فقیر کا یہ فتویٰ اس صورت میں ہے کہ ہلال کمیٹی کے اراکین مسائل شرعیہ سے واقف ہوں اور گواہی وغیرہ شرعی قواعد سے حاصل کریں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگ بے پڑھی جماعت ہیں نہ لکھیں نہ حساب لگائیں[1] مہینہ یا تو اتنا اتنا اور اتنا ہے تیسری بار میں انگوٹھا شریف بند کرلیا پھر فرمایا کہ مہینہ اتنا اتنا اور اتنا یعنی پورے تیس دن کا یعنی انتیس کا اور

	کبھی تیس کا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ لفظ امی اُمٌّ سے بنا،بمعنی اصل یا ماں اس میں اشارہ اہل عرب کی طرف ہے۔امی کے معنے ہیں ام القرے یعنی مکہ یا حجاز والا یا بے پڑھا ہوا شخص کہ جیسے ماں کے شکم سے پیدا ہو ویسے ہی رہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو امی کہا جاتا ہے اس کی نفیس تفسیریں ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن"میں ملاحظہ فرمایئے یعنی ہم حجازی جماعت عمومًا حساب کتاب نہیں کیا کرتے یا عام صحابہ بے پڑھے ہیں حساب نہیں لگاتے مگر قیامت تک سارے مسلمان انہیں بے پڑھوں کے تابع ہیں۔(مرقاۃ)خیال رہے کہ امی کے معنے بے پڑھا ہے بے علم نہیں اللہ تعالٰی نے صحابہ کرام کو حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ایسا عالم بنایا کہ جہان بھر کے علماء ان کی شاگردی کریں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنے امی ہیں کہ پیدائشی عالم،عارف،معلم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔شعر

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکے
وہ رازاک امی لقبی نے سمجھادیئے چند اشاروں میں

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ چاند میں حساب،جنتری،چاند کی رفتار کا قیاس،چاند کا چھوٹا بڑا ہونا،اٹھائیس تاریخ کو نظر نہ آنا وغیرہ کچھ بھی معتبر نہیں صرف رؤیت کا اعتبار ہے اگر انتیس کو رؤیت نہ ہو تو تیس دن پورے کرنا لازم ہیں۔

۲؎ سبحان اللہ! ان پاک اشاروں پر ہماری جانیں فدا ہوں دو اشاروں میں ہزار ہا مسائل حل فرمادیئے۔اس اشارہ فرمانے سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کے سوا باقی اکثر احکام شرعیہ میں اشارہ معتبر ہے۔اگر کوئی اپنی بیوی کو تین انگلیاں دکھا کر کہے تجھے اتنی طلاقیں تو تین طلاقیں واقع ہوں گی،اگر حاکم کے سامنے کوئی دسوں انگلیاں دکھا کر کہے مجھ پر فلاں کے اتنے روپے قرض ہیں تو دس۱۰ روپے کا اقرار ہوا،اگرکسی عورت کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ تیرا نکاح اس سے کرتا ہوں تو نکاح ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ اسی طرح گونگا اشاروں سے نکاح،طلاق وغیرہ کرسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دو مہینے۱؎ کبھی کم نہیں ہوتے رمضان اور بقرعید۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ رمضان اور بقر عید چونکہ رمضان عید الفطر کا پیش خیمہ ہے یا اس کی ہر ساعت خوشی و مسرت کی ہے اس لیے اسے بھی ماہ عید کہہ دیا گیا یا تغلیبًا تنبہ کردیا گیا جیسے چاند و سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر کو عمرین۔

۲؎ بعض نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ ایک سال میں ماہ رمضان و بقر عید دونوں انتیس کے نہیں ہوتے یا دونوں تیس کے ہوں گے یا ایک انتیس کا دوسرا تیس کا مگر یہ غلط ہے مشاہدہ کے خلاف ہے۔بعض نے فرمایا کہ اکثریہ قاعدہ ہے مگر یہ بھی غلط ہے۔مرقات نے فرمایا کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے کل نورمضان کے روزے رکھے جن میں دو تیسے تھے باقی سات انتیسے اب بھی بہت دفعہ رمضان و بقرعید دونوں انتیسے ہوجاتے ہیں لہذا یہاں کمی سے مراد ثواب و درجہ کی کمی ہے نہ کہ تعداد ایام کی کمی یعنی رمضان و بقر عید انتیس کے ہوں یا تیس کے ثواب عمل برابر ہی ملے گا

یعنی انتیس کاثواب تیس کے برابر یا بقر عید کے پہلے عشرہ کی نیکیوں کا ثواب رمضان کے پہلے عشرہ کی نیکیوں کے برابر ہےنہ یہ کم نہ وہ۔واللہ اعلم!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی رمضان سے پہلے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے ۱؎ مگر ہاں جو کوئی روزہ رکھتا ہو تو وہ اس دن روزہ رکھے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی رمضان کے چاند سے ایک دو دن پہلے نفلی روزے نہ رکھے تاکہ نفل و فرض مخلوط نہ ہوجائیں جیسے فرض نماز سے ملا کر نفل نہ پڑھے بلکہ وقفہ کرکے جگہ تبدیل کرکے پڑھے یا اس لیے نہ ملائے تاکہ لوگوں کو رمضان کا چاند ہونے کا شبہ نہ ہوجائےلوگ سمجھیں کہ شاید اس نے چاند دیکھ لیا ہے یہ ممانعت تنزیہی ہےوہ بھی عوام کے لیے،خاص علماء اگر روزہ رکھ لیں اورکسی پر ظاہر نہ کریں تو درست ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے ماہ رمضان سے ملادیتے تھے۔(لمعات و مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ قضاء اور نذر کے روزے ان دنوں میں رکھنا بلاکراہت جائز ہے۔

۲؎یعنی اگرکسی مسلمان کی عادت ہے کہ ہر سوموار یا ہر جمعرات یا جمعہ کو نفلی روزہ رکھا کرتا ہےاور اتفاقًا انتیسویں شعبان اسی دن آئی تو اسے بلاکراہت یہ نفلی روزہ رکھ لینا جائز ہے کہ یہ شک کے دن کا روزہ نہیں بلکہ اپنی عادت کے دن کا روزہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خاص دن میں ہمیشہ روزہ رکھنا یا نوافل پڑھنا یا خیرات کرنا جائز ہے،نہ یہ تعین حرام ہےاور نہ یہ تقرر مکروہ لہذا ہر ماہ کی بارہویں میلاد شریف کرنا،گیارہویں تاریخ کو غوث پاک کی فاتحہ کرنا،اس میں نوافل پڑھنا،ختم قرآن کرنا،صدقہ و خیرات کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نفلی عبادات میں مقرر کرنا حرام ہے،خود ان بزرگوں کے ہاں دینی مدارس کی تعطیلیں و امتحانات مقرر دنوں میں ہوتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ماہ شعبان آدھا گزر جائے تو روزہ نہ رکھو۱؎(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یہ ممانعت ان کمزور لوگوں کے لیے ہےجو اس زمانہ میں نفلی روزے رکھ کر رمضان کے روزوں پر قادر نہ رہیں یا ان سے بہت تکلیف اٹھائیں یا ان لوگوں کے لیے جو شروع شعبان میں تو روزے نہ رکھیں پندرھویں شعبان کے بعد بلا وجہ مسلسل روزے شروع کردیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں وارد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سارے ماہ شعبان کے روزے رکھتے تھے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ ممانعت تنزیہی ہےاور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان جواز کے لیے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے لیے شعبان کے چاند کا حساب رکھو ۱(ترمذی)

۱اس طرح کہ شعبان کا چاند بہت تحقیق سے دیکھو اور اس کے دن گنتے رہو تاکہ رمضان کا آنا یقین سے معلوم ہو۔فقہاء فرماتے ہیں کہ شعبان کا چاند دیکھنا بھی ضروری ہےرمضان کے لیے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر دو ماہ روزے رکھتے نہ دیکھا سوائے شعبان و رمضان کے ۱ (ابوداؤد ترمذی،نسائی ابن ماجہ)

۱ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی شعبان کے اکثر روزے رکھتے تھے حتی کہ انتیسویں یا تیسویں شعبان کے بھی۔اس کی ممانعت کی تو جہیں پہلے کی جاچکی ہیں کہ کمزوروں کے لیے پندرہویں شعبان کے بعد روزے مناسب نہیں،قوت والوں کے لیے مناسب ہیں۔بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں روزے زیادہ رکھتے تھے اور افطار کم فرماتے تھے یعنی کبھی وہ عمل فرماتے تھے اور کبھی یہ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں جو شک کے دن روزہ رکھے اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ۱(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) ۲

۱اس نافرمانی کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ سارے شعبان میں کبھی روزے نہ رکھے صرف شک کے دن بلاوجہ نفلی روزہ رکھے۔دوسرے یہ کہ شک کے دن رمضان کی نیت سے فرضی روزہ رکھے۔تیسرے یہ کہ اس روزہ میں متردد نیت کرے کہ آج اگر رمضان کی پہلی ہے تو یہ روزہ فرضی ہے اور اگر شعبان کی تیسویں ہے تو یہ روزہ نفلی ہے یہ تینوں صورتیں ممنوع ہیں،دوسری صورت زیادہ بری کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث اباحت کے خلاف نہیں۔مرقات میں ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ شوال کے چھ روزوں کا رمضان سے ملانا عوام کے لیے ناپسند کرتے تھے۔

۲ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا اور بخاری نے اسے تعلیقًا روایت کیا،حاکم نے اسے بشرط شیخین بتایا،طبرانی نے حضرت ابن عباس سے موقوفًا روایت کیا۔غرض کہ یہ حدیث صحیح ہے جن لوگوں نے اسے موضوع بتایا انہوں نے سخت غلطی کی۔خیال رہے کہ ترمذی وغیرہ میں اصل حدیث یوں ہے کہ حضرت صلح ابن زفر فرماتے ہیں کہ ہم شک کے دن حضرت عمار ابن یاسر کے پاس تھے،آپ کی خدمت میں بھنی بکری لائی گئی بعض لوگ پیچھے ہٹ گئے تب آپ نے فرمایا جو

اس دن روزہ رکھے اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔اس قسم کی موقوف حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بولا کہ میں نے چاند دیکھا ہے یعنی رمضان کا چاند ۱؎ حضور نے فرمایا کیاتو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں بولا ہاں فرمایا کیا یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بولا ہاں ۲؎ فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یعنی اس نے نہ تو اپنے ساتھ کوئی اور گواہ پیش کیا اور نہ گواہی کے الفاظ ادا کئے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس چاند میں خبر کافی ہوتی ہے۔

۲؎ اس زمانے میں چونکہ اسلام میں فرقے نہ بنے تھے صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لیے کافی تھا،نیز کلمہ طیبہ پڑھنا تمام عقائد اسلامیہ مان لینے کی دلیل تھااس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ دو اقرار کرائے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ رمضان کے چاند میں مسلمان کی خبر معتبر ہے نہ کہ کافر کی۔دوسرے یہ کہ کسی بات کے جواب میں ہاں کہہ دینا یہ بھی اقرار ہوتا ہے،اس سے اقرار نکاح طلاق کے بہت سے مسائل مستنبط ہوں گے،مثلًا کسی نے پوچھا کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس نے کہا ہاں طلاق ہوگئی وغیرہ۔البتہ حدود قصاص میں اقرار کے صریح الفاظ بولنے ضروری ہیں وہاں فقط ہاں کافی نہیں کیونکہ یہ چیزیں شبہات سے ختم ہوجاتی ہیں۔فقیر نے حدیث کی جو شرح عرض کی اس سے معلوم ہوگیا کہ اب مرزائیوں وغیرہ مرتدین کا فقط کلمہ پڑھ لینا اسلام کے لیے کافی نہیں خود زمانہ نبوی میں(صلی اللہ علیہ وسلم)منافقوں کا کلمہ پڑھنا ان کے اسلام کے لیے کافی نہ تھالہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے "وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ" اور نہ ان احادیث کے مخالف جن میں فرمایا گیا کہ آئندہ زمانے میں لوگ قرآن اور نمازیں پڑھیں گے مگر اسلام سے دور ہوں گے۔

۳؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر انتیسویں شعبان کو مطلع صاف نہ ہوتو ایک عادل مسلمان کی خبر سے رمضان کے چاند کا ثبوت ہوجائے گا،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا کہ سارے صحابہ عادل ہیں کیونکہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلمہ کا اقرار کراکر اعمال کی تحقیق نہ فرمائی،نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن میں بھی ہوسکتی ہے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا حضور نے

	خود روزہ رکھا اور لوگوں کو روزے کا حکم دیا ۱؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎ یعنی انتیسویں شعبان کو مطلع صاف نہ تھا،لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی کسی کو نظر نہ آیا،صرف میری خبر پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا حکم دے دیا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں رمضان کے چاند میں جب کہ مطلع صاف نہ ہو دو شخصوں کی گواہی ضروری ہے مگر یہ احادیث ان کے اس فرمان کے خلاف ہیں اس لیے اکثر شوافع اس حدیث پر فتویٰ دے کر صرف ایک مسلمان کی خبر معتبر مانتے ہیں،ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صرف ایک عادل کی خبر کافی ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو بڑی جماعت کی گواہی سے چاند کا ثبوت ہوگا عید کے چاند میں اگر مطلع صاف نہ ہو تو دو کی گواہی ضروری ہے اور اگر صاف ہو تو بڑی جماعت کی گواہی درکار ہے کیونکہ رمضان کے چاند پر صرف شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں جن میں ایک کی خبر کافی ہوگی ہے مگر عید کے چاند سے بندوں کے حقوق وابستہ ہیں لہذا یہاں دو کی گواہی ضروری ہوئی۔ بڑی جماعت میں اختلاف ہے امام ابویوسف کے ہاں پچاس آدمی بڑی جماعت ہیں،بعض کے ہاں تعداد مقرر نہیں،اتنے لوگوں کی گواہی ضروری ہے جن سے چاند کا گمان غالب ہوجائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان کی اتنی نگرانی فرماتے تھے جتنی دوسرے مہینہ کی نہ کرتے تھے ۱؎ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے تھے پھر اگر مشتبہ ہوجاتا ۲؎ تو تیس دن پورے کرتے پھر روزہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ شعبان کا چاند بہت اہتمام سے دیکھتے تھے،پھر اس کے دن کی شمار رکھتے تھے کیونکہ اس پر ماہ رمضان کا دارومدار ہے،بقرعید کے چاند پر بھی اگرچہ حج وغیرہ کا دارومدار ہے مگر حج ہر سال ہر شخص نہیں کرتا اور نماز بقرعید و قربانی چاند سے دس دن بعد ہوتی ہے جس میں چاند کا پتہ لگ جاتا ہے،رمضان میں چاند ہوتے ہی ہر شخص روزے رکھتا ہے لہذا اس کے چاند کا اہتمام زیادہ چاہیے۔

۲؎ یعنی اگر رمضان کا چاند خود بھی نہ ملاحظہ فرماتے اور نہ شرعی ثبوت پاتے تو تیس دن شعبان کے پورے فرماتے۔

	روایت ہے حضرت ابوالبختری سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم عمرہ کے لیے روانہ ہوئے جب بطن نخلہ میں اترے ۲؎ تو ہم چاند دیکھنے جمع ہوئے ۳؎ بعض قوم نے کہا کہ یہ تیسری رات کا ہے اور بعض نے کہا دوسری رات کا ہے ۴؎ پھر حضرت ابن عباس سے ملے ہم نے عرض کیا

	کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو بعض نے کہاہے تیسری رات کا ہے اور بعض نے کہا دوسری رات کا ہے تو آپ نے فرمایا تم نے کس رات دیکھا ۵ ہم نے عرض کیا فلاں رات ۶ تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت دیکھنے تک کی رکھی لہذا وہ اسی رات کا ہے جب تم نے دیکھا ۷ انہی سے ایک روایت ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند دیکھا جب ہم ذات عرق میں تھے ۸ تو ہم نے حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص مسئلہ پوچھنے بھیجا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی تو اگر تم پر مشتبہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو ۹ (مسلم)

۱ ان کا نام سعید ابن فیروز ہے،تابعین میں سے ہیں،کوفی ہیں،آدمی ٹھیک تھے،مائل بہ رفض تھے،ان کی سمعی حدیثیں مقبول ہیں دوسری نہیں۔(مرقات وغیرہ)

۲ بطن نخلہ مکہ معظّمہ سے مشرق کی جانب طائف کے راستہ پر واقع ہے مشہور منزل ہے،اب اسے **مضیق** کہتے ہیں۔

۳ کہ میدان میں جمع ہوکر ایک دوسرے کو دکھانے لگے کہ وہ ہے چاند۔خیال رہے کہ چاند کی طرف اشارہ کرنا دکھانے کے لیے جائز ہے بلاضرورت مکروہ کہ فعل کفار ہے۔(مرقات وشامی)

۴ یعنی چاند اونچا اور بڑا تھا اس لیے بعض نے کہا دوسری شب کا ہے،بعض نے کہا تیسری شب کا ہے یعنی کسی نے کہا کل ہوچکا ہے،کسی نے کہا پرسوں ہوچکا ہے یہ چاند رمضان کا تھایہ حضرات شعبان کے آخر میں عمرہ کرنے گئے تھے۔

۵ یعنی مجھے اپنا اندازہ نہ بتاؤاپنی رؤیت کی خبردو کہ تم میں سے کس نے اس سے پہلے کب دیکھا تھا،کل یا پرسوں۔

۶ یعنی حضرت ابن عباس کے فرمانے پر اب ہم نے دیکھنے کی رات بتائی کہ مثلًا کل دیکھا تھا۔

۷ یعنی چاند میں چھوٹا بڑا ہونے یا اونچا ہونے کا اعتبار نہیں دیکھنے کا اعتبار ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت و نصیحت پکڑیں کہ صرف جنتری یا اخبار میں لکھی ہوئی تاریخ دیکھ کر یا چاند کی بڑائی دیکھ کر جھگڑتے ہیں۔

۸ ذات عرق عراق والوں کا میقات ہے جہاں یہ لوگ احرام باندھتے ہیں طائف کے راستہ پر واقع ہے،اب اس کا نام سہل ہے،لاری بسوں کا مشہور اڈہ ہے،فقیر وہاں سے گزرا ہے۔عراق سے مکہ معظّمہ جاتے ہوئے بھی اور مکہ معظّمہ سے طائف آتے جاتے بھی بڑے عمرہ کا احرام یہاں سے ہی باندھا جاتا ہے،یہاں کا پانی بہت لذیذ اور ہاضم ہے۔

۹ حضرت عبداللہ ابن عباس کا قیام طائف میں تھا،وہاں ہی آپ کا مزار پرانوار ہے،فقیرنے زیارت کی ہے۔غالبًا ان حضرات نے طائف پہنچ کر ان سے یہ مسئلہ پوچھا ہوگا۔جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی مدت رمضان کا چاند دیکھنے تک ہے حساب وغیرہ کا اعتبار نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں لیلۃً فرمانے سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگر دن میں زوال کے بعد

رمضان یا عید کا چاند نظر آجائے مگر بعد غروب آفتاب نظر نہ آئے تو اس دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں آفتاب ڈوبنے کے بعد رؤیت کا اعتبار ہے۔واللہ اعلم!

باب

باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ اس باب میں روزے کے متعلق مختلف احادیث لائیں گےاس لیے اس باب کا کوئی ترجمہ مقرر نہ فرمایا،بعض نسخوں میں باب السحور وغیرہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ باب بغیر ترجمہ کے ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سحری کھاؤ۱؎ کہ سحری میں برکت ہے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی کیونکہ روزہ کے لیے سحری مستحبہ ہےواجب یا فرض نہیں۔صبح سے پہلے کے وقت کو سحر کہتے ہیں اور اس وقت کھانے یا پینے کو سحری یعنی آخر رات کی غذا،سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہوجاتا ہے مگر سنت یہ ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں کھائی جائے۔

۲؎ سحور سین کے پیش سے بھی ہے اور زبر سے بھی مگر زبر سے زیادہ فصیح ہے،بعض نے فرمایا کہ سحور سین کے پیش سے سحری کھانا،اور سین کے زبر سے اس وقت کی غذا۔(مرقات واشعہ)سحری کا کھانا مبارک ہےاور اس کھانے کے استعمال میں برکت ہےکیونکہ یہ سنت ہے اور سنت مبارکہ ہے،نیز اس کھانے سے روزے میں مدد ملتی ہے،نیز اس کھانے کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں وکفار کے روزوں میں فرق ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ علماء سے روشنائی،دوپہری میں قدرے آرام کرنا،روزوں میں سحری کھانا سب مبارک ہیں کہ ان کا تعلق عبادات سے ہے جب عبادت کے تعلق سے عادت مبارک بن جاتی ہےتو دنیا دین ہوجاتی ہےتو حضرات انبیاء واولیاء سے جس چیز کو نسبت ہوجائے وہ بھی یقینًا مبارک ہو جاتی ہے،دیکھو شب قدر مبارک،ماہ رمضان مبارک ہےکیونکہ انہیں عبادتوں سے تعلق ہے،عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا تھا:"وَّجَعَلَنِیۡ مُبَارَکًا"مجھے اللہ نے مبارک بنایا یہ حضرات بذات خود مبارک ہیں اور ان کیطرف منسوب چیزیں ان کی وجہ سے مبارک۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کے چند لقمے ہیں۱؎(مسلم)

۱؎ اکلہ الف کے پیش اور کاف کے جزم سے،بمعنی لقمے یا نوالے اور الف کے زبر سے بمعنی کھانا یعنی سحری کے نوالے یا سحری کھانا مسلمان اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق کا باعث ہیں کیونکہ ان کے ہاں رات کو سونے کے بعد کھانا

حرام ہوجاتا ہے،اسلام میں بھی پہلے یہی حکم تھا اب پو پھٹنے تک کھانا پینا حلال کردیا گیا،سحری کھانے میں اللہ کی دعوت کا قبول کرنا ہے اور اس کی اس نعمت کا شکریہ۔اُکْلَہ فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ سحری تھوڑی کھانا بہتر ہےاتنی زیادہ کہ دوپہر تک کھٹی ڈکاریں آئیں بہتر نہیں۔

روایت ہے حضرت سہل سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار جلدی کرتے رہیں گے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ افطار جلدی کرنے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ افطار نماز مغرب سے پہلے کیا جائے،نماز پہلے پڑھ لینا بعد میں افطار کرنا اس حدیث کے خلاف ہے۔(مرقات)دوسرے یہ کہ آفتاب ڈوبنے کا یقین ہوجانے پر افطارکرلیا جائے پھر دیر نہ لگائی جائے۔خیال رہے کہ افطار کے وقت بھی تین ہیں:وقت مستحب،وقت مباح اور وقت مکروہ۔وقت مستحب تو وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ سورج کا آخری کنارہ چھپتے ہی روزہ افطار کیا جائے۔وقت مباح تارے گتھنے سے کچھ پہلے تک دیر لگانا اور تارے گھتے جانے پر افطار کرنا مکروہ۔اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہودی روزہ افطارتے ہیں،اس میں ان سے مشابہت ہےاور جلدی افطارنے میں اپنے عجز بندگی کا اظہار بھی ہےاور اللہ کی دی ہوئی اجازت کا جلدی قبول کرنا بھی۔(مرقاۃ)اسی مرقات میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایانفس پر مشقت ڈالنے اور مغرب و عشاء کو ملانے کے لیے دیر سے افطار کرنا بہتر ہےمگر یہ غلط ہے کیونکہ سنت رسول اللہ سیدھا راستہ ہے اور اس کی مخالفت گمراہی ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرتے تھے،نفس کشی کے لیے سنت کی مخالفت نہ کروکہ یہ نفس کشی نہیں بلکہ رہبانیت ہے،ہماری نفس کشی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہےاور اللہ کی دی ہوئی اجازت کا جلدی قبول کرنا بھی۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے۱؎اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار افطار کرے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ پہلے ادھر سے سمت مغرب مراد ہے اور دوسرے ادھر سے سمت مشرق مراد،چونکہ مغرب کی طرف سیاہی پہلے نمودار ہوتی ہے اور سورج کا آخری کنارہ پیچھے ڈوبتا ہے اس لیے اس سید الفصحاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رات کے آنے کا ذکر پہلے فرمایا،دن کے جانے سے مراد سورج کا آخری کنارہ ڈوب جاناہے نہ کہ سرخی غائب ہوجانا کیونکہ سرخی غائب ہونے پر تو صاحبین کے ہاں وقت عشاء آجاتا ہے اسی لیے اگلا جملہ ارشاد ہورہا ہے۔

۲؎اس جملہ نے دن جانے کی شرح فرمادی یعنی سورج چھپتے ہی روزہ افطارواب نفس کشی کے بہانے یا وہمیات کی اتباع نہ کرو،اب خواہ مخواہ دن ہونے کا شبہ کرنا شک نہیں بلکہ وہم ہے۔

روایت ہےحضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے میں وصال کرنے سے منع	

فرمایا ۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ تو وصال کرتے ہیں ۲؎ فرمایا تم میں مجھ جیسا کون ہے ۳؎ میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ روزہ کا وصال یہ ہے کہ شب کو بغیر افطار کیئے،بغیر کچھ کھائے پیئے دوسرا روزہ رکھ لیا جائے۔حق یہ ہے کہ یہ وصال ہمارے لیے مکروہ تحریمی ہے اور یہاں ممانعت حرمت کی ہےاس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں:وصال سے جسم بہت کمزور ہوجاتا ہے،وصال سے دوسری عبادتیں بھاری پڑ جاتی ہیں،وصال میں جوگیوں،سادھوؤں کی مشابہت ہے وصال ساری امت کے لیے ناجائز ہے خواہ اولیاء ہو یا دیگر طبقہ کے لوگ۔

۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک دن کا نہیں بلکہ متواتر کئی کئی روز کا وصال فرماتے تھے کہ مسلسل روزے پر روزے رکھتے تھےاس لیے سائل کو شبہ ہوا کہ وصال تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیے منع کیوں ہے۔

۳؎ یہ استفہام انکاری ہےاور اَیُّکُم میں صحابہ اور تمام انسانوں سے خطاب ہے یعنی تم میں مجھ جیسا کوئی نہیں،جب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ ہوسکے اور کسی کا کیا منہ ہے جوان سے ہمسری کا دعوے کرے،ہمارا عقیدہ تو یہ ہے۔شعر

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شدبے ادبی است

رب تعالٰی کے فرمان:"قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ"میں خالص بشریت میں تشبیہ ہے جس میں الوہیت کا خلط نہ ہو یعنی میں تمہاری طرح خالص بشر ہوں نہ خدا نہ خدا کا ساجھی،پھر میری بشریت سے نبوت کا خلط ہوا جسے یُوۡحٰۤی اِلَیَّ نے بیان کیا لہذا یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے خلاف نہیں،تمام جہان کے اولیاء ایک صحابی کی مثل نہیں ہوسکتے جس نے ایمانی نگاہ سے ان کا چہرہ ایک آن دیکھا ان کی ذات تو بہت اعلیٰ ہے۔

۴؎ علماء نے اس کھلانے پلانے کی بہت توجیہیں کی ہیں:بعض نے کہا کہ اس سے قوت برداشت مراد ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے روحانی غذائیں مراد ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے معنوی فیضان اور مناجات کی لذتیں مراد ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے بھوک پیاس کا نہ ہونا مراد ہے وغیرہ مگر حضرت عشق کا فتوی یہ ہے کہ حدیث اپنے بالکل ظاہری معنے پر ہےاور اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کی تین نعمتوں کا ذکر فرمایا:ایک یہ کہ تم سب اپنے بچوں بیوی کے پاس رات گزارتے ہو اور میں اپنے رب کے پاس۔ شعر

فرشی و براوج عرش منزل امی و کتاب خانہ در دل

امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

دوسرے یہ کہ میں رب تعالٰی کے پاس رہ کر خود نہیں کھاتا پیتا بلکہ مجھے رب تعالٰی کھلاتا پلاتا ہے کھلانے والا اس کا دست کرم کھانا والا میں۔تیسرے یہ کہ رب تعالٰی مجھے وہ روزی کھلاتا پلاتا ہےجس سے نہ روزہ ٹوٹے نہ روزوں کا تسلسل جائے یعنی جنت کے میوے اور سلسبیل تسنیم وغیرہ کے شربت۔اس جملہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(ا)ایک یہ کہ کوئی

شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور انور کی مثل نہیں ہوسکتا جب انسان کو ناطق کی قید نے تمام حیوانیات سے ذاتی امتیاز دے دیا تو نبوت اور وحی کی صفتوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں سے ذاتی ممتاز کردیا۔(۲)دوسرے یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت عبادت کھانا پینا چھوڑیں تو خواہ ہفتوں نہ کھائیں ضعف و کمزوری بالکل طاری نہ ہوگی اور اگر بطور عادت کھانا ملاحظہ نہ کریں تو ضعف بھی نمودار ہوگا اور شکم پاک پر پتھر بھی باندھے جائیں گے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی،عبادت میں نورانیت کا ظہور ہے اور عادت میں بشریت کی جلوہ گری لہذا یہ حدیث حضرت جابر کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت کھانا نہ کھانے پر دو پتھر پیٹ سے باندھے۔(۳)تیسرے یہ کہ جنتی میوے کھانے اور وہاں کا پانی پینے سے روزہ نہیں جاتا جیسے رب تعالٰی سے کلام کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی۔بعض اولیاء خواب میں کھا پی لیتے ہیں کہ کھانے کی خوشبو بیداری کے بعد ان کے منہ میں پائی جاتی ہے مگر ان کا روزہ قائم رہتا ہے،دیکھو احتلام سے ہمارا روزہ نہیں جاتا۔(۴)چوتھے یہ کہ بعض بندوں کو اسی زندگی میں جنتی میوے ملتے ہیں،حضرت مریم علیہا السلام کا جنتی میوے کھانا قرآن پاک سے ثابت ہے۔(۵)پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام ہمارے لیے سنت نہیں بلکہ وہ کام سنت ہے جو ہمارے لیے لائق عمل ہو خصوصیات مصطفوی ہمارے لیے سنت نہیں۔روزۂ وصال،نو بیویاں نکاح میں جمع فرمانا ہمارے لیے نہ سنت ہیں نہ لائق عمل سنت و حدیث میں یہی فرق ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو فجر سے پہلے روزہ کا ارادہ(نیت)نہ کرے اس کے روزے نہیں ہوتے[1](ترمذی ابوداؤد نسائی،دارمی)ابوداؤد نے فرمایا کہ اسے معمر زبیدی ابن عیینہ اور یونس ایلی نے حضرت حفصہ پر موقوف کیا یہ تمام حضرات زہری سے راوی ہیں[1]	

[1] یعنی روزے کی نیت رات سے کرنا چاہیئے صبح صادق سے پہلے تاکہ دن کا ہر حصہ روزے کی نیت سے گزارے۔یہاں اس سے مراد وہ روزہ ہے جو فرض ہو مگر مقرر نہ ہو جیسے رمضان کی قضایا مطلق نذر کا روزہ نفلی روزہ اور معین فرض روزے کی نیت دن میں ضحوٰی کبرے سے پہلے ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس صبح کو تشریف لاتے تو فرماتے کچھ کھا نے کو ہے میں عرض کرتی کچھ نہیں تو فرماتے اچھا تو ہمارا روزہ ہے،نیز روایات میں ہے کہ ایک بار صبح کو رمضان کا چاند ہوجانے کی خبر ملی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ابھی تک کچھ نہ کھایا پیا ہو وہ روزہ رکھ لے۔فقیر کی اس شرح پر یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ وہاں نفلی روزہ ہے یا فرضی معین روزہ اور یہاں فرضی غیر معین روزہ مراد ہے۔

۲؎ اس حدیث کے متعلق ترمذی نے فرمایا کہ نافع نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا نسائی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے،دارقطنی نے اسے مرفوعًا نقل کیا،امام نووی نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے بہت ہی اسنادوں سے مروی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اپنی ضرورت پوری کئے بغیر اسے نہ رکھے۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی بوقت افطار اذان مغرب ہوتی رہے تم روزہ افطار تے رہو افطار سے فارغ ہوکر نماز کو آؤ اذان سن کر افطار کا کھانا پینا نہ چھوڑ دو یا سحری کے وقت اگر اذان فجر ہوجائے اور تمہیں غالب گمان ہو کہ ابھی پو نہیں پھٹی ہے مؤذن نے غلطی سے اذان کہہ دی ہے تو سحری کھاتے پیتے رہو۔(مرقات،اشعۃ اللمعات،لمعات)لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے اس پر یہ لازم نہیں آتا کہ فجر کی اذان کے وقت سحری کھاتے رہو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرے بندوں میں مجھے بہت پیارے وہ ہیں جو افطار میں جلدی کریں ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی یہود و نصاری یا روافض سے بہتر مسلمان اہل سنت ہیں کہ وہ لوگ روزہ دیر سے کھولتے ہیں اور سنی مسلمان جلد افطار لیتے ہیں سورج ڈوب چکنے کے بعد دیر نہیں لگاتے کیونکہ جلدی افطار سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور جلدی افطار میں رب تعالٰی کی رحمت کی طرف جلد ی کرنا ہے اپنی حاجت مندی کا اظہار ہے۔(ترمذی)

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرنے لگے تو چھوارے پر افطارے کہ یہ برکت ہے۱؎ پھر اگر چھوارہ نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کہ یہ پاک کرنے والا ہے۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)اور انه برکة کا لفظ ترمذی کے سواءکسی نے روایت نہ کیا۔(اپنی دوسری روایت میں)

۱؎ چھوارے سے روزہ افطارنا چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے صحابہ کرام کی سنت ہے،نیز خالی پیٹ میٹھی چیز کھانا تندرستی خصوصًا نظر کے لیے بہت مفید ہےاس لیے یہ عمل دینی و دنیاوی برکتوں کا ذریعہ ہے کھجور محبوب بندوں کی غذا ہے۔

۲؎یعنی پانی جیسے جسم کو پاک کرنے والا ہے ایسے ہی دل و دماغ کو بھی پاک و صاف کرنے والا ہے،نیز پانی میں حرام ہونے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے کہ کنوئیں کا پانی جنگل کا شکار اصل میں مباح ہے دوسری چیزوں میں احتمال ہے کہ حرام کمائی سے حاصل کی گئی ہوں روزہ حلال سے افطارکرنا بہتر ہے یہ امر استحبابی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے چندتر کھجوروں پر روزہ افطار تے تھے ۱؎ اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک چھواروں پر ۲؎ اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے ۳؎(ترمذی، ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ اس سے دو مسئلے ہوئے:ایک یہ کہ روزہ دار افطار پہلے کرے نماز مغرب کے بعد افطار کرنا سنت کے خلاف ہے۔دوسرے یہ کہ چند کھجوریں افطار کے وقت کھانا مسنون ہے تین یا پانچ،بعض روایات میں تین خرمے کاذکر ہے۔مرقات نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہما کبھی بعد نماز مغرب افطار کرتے تھے یا تو بیان جواز کے لیے تاکہ لوگ نماز سے پہلے افطار کو فرض نہ سمجھ لیں یا اس لیے کہ اتفاقًا اس وقت افطارنے کے لیے کچھ موجود نہ ہوتا۔بہرحال نماز سے پہلے افطار سنت ہے اور نماز کے بعد افطار جائز مگر خلاف سنت،ہاں اگر کچھ موجود نہ ہو تو بعد نماز افطار کرلے یا حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں افطار سے مراد کھانا تناول کرنا ہے یعنی افطار تو نماز سے پہلے کرلیتے تھے اور کھانا بعد نماز کھاتے تھے،بہرحال حدیث واجب التاویل ہے۔

۲؎اس ترتیب سے پتہ لگا کہ تر کھجور پر روزہ افطارنا بہت اچھا ہے،پھر اگر یہ نہ ملیں تو خشک چھواروں پر افطار کرنا،ہمارے رمضان شریف میں کثرت سے بازار میں کھجوریں آجاتی ہیں اور عام طور پر لوگ خریدتے ہیں، مسجدوں میں بھیجتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۳؎غرضکہ روٹی چاول یا کسی پرتکلف چیز پر روزہ افطار نہ فرماتے تھے،پنجاب میں بعض روزہ داروں کو دیکھا گیاکہ سگریٹ سے روزہ افطارتے ہیں،**نعوذباللہ** روزہ دار کے منہ میں پہلے پاکیزہ چیز جانی چاہئیے سگریٹ گندی بدبو دار چیز بھی ہے اور اس سے روزہ افطارنا مضر صحت بھی ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ آگ سے پکی چیز سے روزہ نہ افطارے بلکہ گرمی میں پانی سے سردی میں کھجور سے افطارے،جب آگ کی پکی چیز سے روزہ نہ افطارنا چاہئیے تو خود آگ سے روزہ افطارنا کتنا برا ہو گا،بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ والے ہمیشہ آبِ زمزم سے روزہ افطاریں یہ غلط ہے سنت کے خلاف ہے،سنت ہے کھجوریا چھوارے سے افطارنا اگر یہ نہ لیں تو پانی سے افطارنا۔

	روایت ہے حضرت زید بن خالد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو روزے دار کو افطار کرائے یا غازی کو سامان دے تو اسے ان ہی کی طرح ثواب ہے ۱؎(بیہقی شعب الایمان) محی السنہ نے شرح سنہ

	میں اسے روایت کیا اور فرمایا صحیح ہے۲

۱؎ اس لیے کہ روزہ دار کو افطار کرانے یا غازی کو سامان دینے میں نیکی پر مدد کرنا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے: "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى"۔چونکہ روزہ دارنفس و شیطان سے جہادکرتا ہے اس لیے اسے غازی کے ساتھ ذکر فرمایا۔خیال رہے کہ روزہ افطار کرانے سے ثواب روزہ مل جائے گا مگر اس سے روزہ ادا نہ ہوگاوہ تو رکھنے سے ہی ادا ہوگا،ثواب مل جانا اور ہے فرض ادا ہونا کچھ اور۔

۲؎یہ حدیث ترمذی،ابن ماجہ،نسائی،ابن حبان وغیرہم محدثین نے نقل فرمائی،ترمذی نے اسے حسن صحیح فرمایا،شاید حضرت مصنف قدس سرہ ان اسنادوں پر مطلع نہ ہوئے اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطارتے تو فرماتے پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوئیں اور ان شاءاللہ ثواب ثابت ہوگیا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس میں رب تعالٰی کا انتہائی شکر ہے کہ پیاس اور رگوں کی خشکی ایک عارضی چیزیں تھیں جو افطار کرتے ہی دور ہوگئیں مگر اس عارضی تکلیف پر جو رب تعالٰی نے ثواب عطا فرمایا وہ عظیم الشان ہے اور دائمی ہے۔ان شاءاللہ یا محض برکت کے لیے فرمایا گیا یا ہماری تعلیم کے لیےکہ ہم کو روزہ مقبول یا مردود ہونے کی خبر نہیں،اگر رب تعالٰی نے قبول فرمالیا ہو تو پھر اجر ہی اجر ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اِنَّ بمعنی اِذْ اور اس کا تعلق گزشتہ تینوں چیزوں سے ہے مگر پہلی توجیہ قوی بھی ہے اور موقعہ کے مناسب بھی۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن زہرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطارتے تو فرماتے الٰہی میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا ۱؎(ابوداؤد مرسلًا)

۱؎ افطار کے وقت یہ دعا مانگنا سنت ہے،مرقات نے فرمایا کہ اگر یہ بھی کہہ لے وَبِكَ اٰمَنْتُ اگرچہ اس کلمہ کی کوئی اصل تو نہیں مگر درست ہے،بعض لوگ آخر میں یہ بھی کہہ لیتے ہیں"وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ"یہ کل کے روزے کی نیت ہےاور زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا بدعت حسنہ ہے،بعض لوگ افطار کے وقت یوں کہتے ہیں"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِرِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ"اس میں بھی حرج نہیں۔غرضکہ دعائیہ کلمات میں زیادتی جائز ہے،بعض لوگ اَلتَّحِيَّاتُ میں درود ابراہیمی میں لفظ مُحَمَّدٍ سے پہلے سَيِّدِنَا بڑھادیتے ہیں،بعض حجاج تلبیہ میں یہ زیادتی کردیتے ہیں"اِنَّ عَبْدَكَ وَابْنَ عَبْدَيْكَ وَاقِفٌ بَيْنَ يَدَيْكَ حَالُهٗ لَا يَخْفٰى

عَلَیْكَ"وغیرہ اس میں بھی حرج نہیں،ہاں درود وظیفوں کے الفاظ بالکل نہ بدلے جائیں کیونکہ وہ کسی خاص اثر کے لیے ہوتے ہیں اور یہ اثر منقولہ الفاظ سے وابستہ ہے اور دعائیں محض ثواب کے لیے یہاں جتنے الفاظ زیادہ اتنا ثواب زیادہ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کرتے رہیں ۱؎کیونکہ یہود اور عیسائی دیر سے افطار کرتے ہیں ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی مسلمانوں کا جلدی روزہ افطارتے رہنا دین کے غلبے کا سبب ہے۔معلوم ہوا کہ سنتوں بلکہ مستحبات کی پابندی مسلمانوں کی شوکت اور دین کے ظہورودبدبہ کا باعث ہے،پھر فرائض کا کیا پوچھنا،ہندوستان کے مسلمان اذان اور گائے کی قربانی پر کفار سے لڑتے رہے،کیوں؟غلبۂ اسلام کو قائم رکھنے کے لیے۔خیال رہے کہ یہاں جلدی سے مراد وقت جواز میں جلدی ہےجب سورج ڈوب جائے پھر دیر نہ لگائے،بلاوجہ دیر لگانا سنت کے خلاف ہے اور اتنی دیر کہ تارے گتھ جائیں مکروہ تحریمی۔

۲؎یعنی دیر سے افطار کرنے میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔مرقاۃ و اشعہ نے فرمایا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کی درستی سارے کفار کی مخالفت سے وابستہ ہے ان سے مشابہت میں دین کی کمزوری ہے۔ افسوس ان مسلمانوں پر جو محض عیسائیوں کی مشابہت کے لیے داڑھیاں منڈائیں،کھڑے ہو کر پیشاب کریں، ننگے سر پھریں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ"اورفرماتاہے:"وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ"۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بہت دیر کرکے روزہ افطارنے کودین سمجھتے ہیں،سورج ڈوبتے ہی فورًا روزہ افطارنا چاہیئے اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:"ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ"۔فِی الَّیْلِ نہ فرمایا یعنی روزے کو رات میں بالکل داخل نہ کرورات آتے ہی روزہ ختم کرو۔

	روایت ہے حضرت ابو عطیہ سے فرماتے ہیں میں اور مسروق حضرت عائشہ کے پاس گئے ۱؎ہم نے عرض کیا اے ام المؤمنین حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو حضرات ہیں ایک تو افطار بھی جلد کرتے ہیں اور نماز بھی جلد پڑھتے ہیں اور دوسرے صاحب افطار بھی دیر سے کرتے ہیں اور نماز بھی دیر

	سے پڑھتے ہیں ۲؎فرمانے لگیں کون صاحب نماز و افطار میں جلدی کرتے ہیں ۳؎ہم نے عرض کیا عبداللہ ابن مسعود بولیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور دوسرے حضرت ابو موسیٰ ہیں۴؎(مسلم)

۱؎ یہ دونوں حضرات جلیل القدر تابعی ہیں،ان میں نماز مغرب اور افطار روزہ میں اختلا ف ہوا،فیصلہ کے لیے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے کیونکہ آپ بڑی فقیہہ عالمہ تھیں۔

۲؎نماز سے مراد نماز مغرب ہے اور جلدی سے بہت ہی جلدی آفتاب کا کنارہ چھپتے ہی بالکل متصل اور دیر سے مراد چند منٹ کی احتیاطًا دیر لگانا ہے نہ کہ تارے گھ جانے تک کی تاخیر لہذا ان میں سے کسی بزرگ پر اعتراض نہیں،ایک صاحب عزیمت پر عامل ہیں دوسرے رخصت پر۔

۳؎ سبحان اللہ! جناب ام المؤمنین کا کیسا حکیمانہ سوال ہے،دیر لگانے والے کا نام نہ پوچھا تاکہ ان پر الزام کا ذکر نہ ہو۔

۴؎آخری جملہ راوی کا اپنا ہے،حضرت ام المؤمنین نے جناب عبداللہ کے عمل کو سنت مستحبہ کے موافق بتایا اور قدرے تاخیر کو مستحب قرار دیا۔معلوم ہوا کہ جناب ام المؤمنین مزاج شناس رسول ہیں اور احوال دان مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔غالب یہ ہے کہ یہ خبر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو پہنچی ہوگی اور انہوں نے اپنے عمل میں تبدیلی کرلی ہوگی،صحابہ سے یہ توقع ہوسکتی ہی نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے واقف ہوکر اس کے خلاف کام کریں۔

	روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کے لیے بلایا۱؎تو فرمایا برکت والے ناشتہ کے لیے آؤ کیونکہ سحری میں برکت ہے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ حضرت عرباض سحری کے وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے تو فرمایا آؤ سحری کھالوانہیں باقاعدہ دعوت دے کر گھر سے نہ بلایا ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ کھاتے وقت اگر کوئی مسلمان آجائے تو اس پر کھانا پیش کردینا سنت ہے۔

۲؎اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ سحری کھانا سنت بھی ہے لہذا اس میں اخروی برکت ہے اور اس سے روزے میں مدد بھی ملتی ہے لہذا اس میں دنیوی برکت بھی ہے۔خیال رہے کہ هَلُمَّ اسم فعل ہے ایک کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بہت کے لیے بھی،رب تعالٰی نے سارے مشرکوں سے فرمایا:"هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی اچھی سحری چھوارے ہیں ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ سحری کے وقت کچھ کھانا کھاکر آخر میں کچھ چھوارے بھی کھالے تاکہ روزے کی ابتداء بھی چھواروں سے ہو اور انتہا بھی،سحری کھانا بھی سنت ہے اور چھوہارے کھانا بھی سنت ہے اس صورت میں دو سنتوں کا اجتماع ہوکر ان شاءاللہ روزہ نورٌ علی نور ہوجائیگا،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سحری میں بہت کھانا نہ کھاؤ جو بدہضمی کا باعث ہو چند کھجوری کھا کر پانی پی لو۔

باب تنزیہ الصوم

باب روزے کو پاک و صاف رکھنا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱تنزیہ کے لغوی معنی ہیں دور رکھنا یا الگ کرنا۔اصطلاح شریعت میں تنزیہ صوم یہ ہے کہ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا مکروہ ہوجاتا ہے یا اس کا ثواب کم ہوجاتاہے ان سے روزہ کو الگ رکھنا یعنی روزہ دار کا الگ رہنا تاکہ روزہ ہر نقصان سے پاک وصاف رہے یہ چیز بہت ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جھوٹی باتیں اور برے کام نہ چھوڑے ۱تو اللہ تعالٰی کو اس کے کھانا پانی چھوڑ دینے کی پرواہ نہیں ۲(بخاری)

۱ یہاں جھوٹی بات سے مراد ہر ناجائز گفتگو ہے،جھوٹ،بہتان،غیبت،چغلی،تہمت،گالی،لعن طعن وغیرہ جن سے بچنا فرض ہے اور برے کام سے مراد ہر ناجائز کام ہےآنکھ کان کا ہو یا ہاتھ پاؤں وغیرہ کا،چونکہ زبان کے گناہ دیگر اعضاء کے گناہوں سے زیادہ ہیں اس لیے ان کا علیحدہ ذکر فرمایا،یہ حدیث بہت جامع ہے۔دو جملہ میں ساری چیزیں بیان فرمادیں اگرچہ برے کام ہر حالت میں اور ہمیشہ ہی برے ہیں مگر روزے کی حالت میں زیادہ برے کہ ان کے کرنے میں روزے کی بے حرمتی اور ماہ رمضان کی بے ادبی ہے اس لیے خصوصیت سے روزے کا ذکر فرمایا ہر جگہ ایک گناہ کا عذاب ایک مگر مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کا عذاب ایک لاکھ ہے،کیوں؟ اس زمین پاک کی بے ادبی کی وجہ سے۔

۲یہاں حاجت بمعنی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی ضرورتوں سے پاک ہے بلکہ بمعنی توجہ،التفات،پرواہ یعنی اللہ تعالٰی ایسے شخص کا روزہ قبول نہیں فرماتا قبول نہ ہونے سے روزہ گویا فاقہ بن جاتا ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ روزہ شرعًا تو درست ہوجائے گا کہ فرض ادا ہوجائے گا مگر قبول نہ ہوگا شرائط جواز تو صرف نیت ہے اور کھانا پینا،صحبت چھوڑدینا مگر شرائط قبول میں باتیں چھوڑنا ہے جو روزہ کا اصل مقصود ہے۔روزہ کا منشاء نفس کا زور توڑنا ہے جس کا انجام گناہ چھوڑنا ہے جب روزے میں گناہ نہ چھوٹے تو معلوم ہوا نفس نہ مرا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روزہ ہر عضو کا ہونا چاہئیے،صرف حلال چیزوں یعنی کھانے پینے کو نہ چھوڑو بلکہ حرام چیزوں یعنی جھوٹ و غیبت کو بھی چھوڑو،مرقات نے فرمایا کہ ایسے بے باک روزے دار کو اصل روزہ کا ثواب ملے گااور ان چیزوں کا گناہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوس و کنار کرلیتے

	تھے اور حضور اپنے نفسی حاجت پر سب سے زیادہ مالک (قادر) تھے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دار اگر اپنے نفس پر پورا قابو رکھتا ہو یا بیماری یا بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے یا تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے بوس و کنار کرسکتا ہےاور جو قابو نہ رکھےوہ ہرگز ہرگز یہ کام نہ کرے،اس لیے ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسی حاجت پر قادر تھے،حضرت عائشہ کا ایسے واقعات بیان فرمانا مسئلہ شرعی کے بیان کے لیے ہے اسے بے غیرتی کہنا حماقت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ**"۔طبیب لوگ بیماریوں و علاجوں کے بیان میں کھلی کھلی باتیں بیان کرتے ہیں بے غیرتی کے لیے نہیں بلکہ بیان علاج کے لیے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں بحالت جنابت صبح ہوتی تھی ۱؎ احتلام کے بغیر ۲؎ پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ نماز تہجد کے بعد اپنی ازواج مطہرات سے مقاربت فرماتے اور فورًا غسل نہ فرماتے تھے بلکہ نماز فجر کے وقت پو پھٹنے کے بعدکیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض تھی جس کی بہت پابندی فرماتے تھے خصوصًا رمضان شریف میں۔

۲؎ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوسکتاکیونکہ احتلام شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ ابلیس عورت کی شکل میں خواب میں آتا ہےاور یہ حضرات اس کے اثر سے محفوظ ہیں بلکہ جو بیبیاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوتی ہیں انہیں بھی کبھی خواب سے احتلام نہیں ہوتا جیسا کہ ہم **باب الغسل** میں عرض کرچکے ہیں،ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بغیر خواب نیند میں انہیں انزال ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی زیادتی منی کے باعث۔حق یہ ہے کہ وہ حضرات اس سے بھی محفوظ ہیں یہاں حضرت ام المؤمنین کا **مِنۡ غَیۡرِ حُلُمٍ** فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابت مقاربت سے ہوتی تھی یہ منشاء نہیں کہ وہاں احتلام کا امکان ہے۔حضرت ام المؤمنین کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخالطت سے ہی جنبی ہوتے تھے نہ کہ احتلام سے کہ وہاں احتلام کا تو ا مکان ہی نہیں۔(مرقاۃ واشعہ)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ روزے کے بعض حصہ میں جنبی رہنا روزہ کو فاسد نہیں کرتاخواہ روزہ فرض ہویا نفل،یہ قول صحیح ہے۔حضرت ابوہریرہ پہلے فرمایا کرتے تھے کہ جو جنابت میں سویرا پالے اس کا روزہ نہیں مگر یہ حدیث سن کر رجوع فرماگئے اور بولے کہ حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ عنہما مجھ سے زیادہ جانتی ہیں اس حدیث کی تائید اس آیت سے بھی ہے"**فَالۡـٰٔنَ بٰشِرُوۡہُنَّ**"نیز اس آیت سے بھی"**اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ**"کیونکہ

جب رمضان میں رات بھر صحبت کرنے کی اجازت دی گئی تو پوپھٹنے تک صحبت جائز ہوئی اب لامحالہ غسل پو پھٹنے پر ہی ہوگا،نیز اگر روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو روزہ میں کوئی نقصان نہیں،بعض علماء نے فرض و نفلی میں فرق کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اور بحالت روزہ فصدلی ۱(مسلم،بخاری)	

۱ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محرم بھی تھے اور روزہ دار بھی،اس حال میں پچھنے لگوائے فصدلی جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ دونوں واقعہ الگ الگ ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرا م بھی فصدلی ہے اور بحالت روزہ بھی۔معلوم ہوا کہ فصد سے نہ احرام خراب ہو نہ روزہ فاسد مگر احرام میں ضروری یہ ہے کہ بال نہ اکھڑے ورنہ کفارہ واجب ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد نہ تو روزہ توڑتی ہے اور نہ اس سے روزہ مکروہ ہوتا ہے،یہ ہی اما اعظم ابوحنیفہ کا فرمان ہے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے فصد کرنے والا اور کرانے والا دونوں کا روزہ باقی رہتاہے ٹوٹتا نہیں۔امام احمد کے ہاں حاجم و مجحوم دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر ان پر کفارہ نہیں صرف قضا ہے،یہ حدیث ان کے خلاف ہے ان کی دلیل دوسری حدیث ہے جس کے متعلق اس کی شرح میں ان شاءاللہ عرض کیا جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بحالت روزہ بھول جائے کھاپی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے ۱کہ اسے رب تعالٰی نے کھلایا پلایا ہے ۲(مسلم،بخاری)	

۱ یہ حکم فرض و نفل تمام روزوں کے لیے ہے کہ ان میں بھول کر کھاپی لینے سے روزہ نہیں جاتا۔بھول یہ ہے کہ روزہ یاد نہ رہے اور کھانا پینا ارادۃً ہو اس میں نہ قضا ہے نہ کفارہ۔خطا یہ ہے کہ روزہ یاد ہو مگر بغیرارادہ پانی حلق سے اتر جائے جیسے کلی یا غرارہ کرتے وقت اس میں قضا ہے کفارہ نہیں۔عمد یہ ہے کہ روزہ بھی یاد ہو کھانا پینا بھی ارادۃً ہو اس میں قضا بھی ہے کفارہ بھی،جماع بھی کھانے پینے کے حکم میں ہے لہذا اگر روزہ دار بھول کر صحبت کرلے تو بھی روزہ نہیں جائے گا،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔**فلیتم** امر سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ شروع کردینے سے فرض ہوجاتا ہے اس کا پورا کرنا فرض ہے۔

۲ یعنی یہ بھول رب تعالٰی کی رحمت ہے،اس نے چاہا کہ میرا بندہ کھا پی بھی لے اوراس کا روزہ بھی ہوجائے۔ خیال رہے کہ ہماری بھول چوک غفلت و کمزوری کی بنا پر ہوتی ہے مگر اس پر معافی دینا رب تعالٰی کی طرف سے ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بھول تو شیطانی اثر سے ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ مَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ"پھر اسے رب کی طرف منسوب کیوں فرمایا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا۱؎ عرض کیا یارسول اللہ میں تو ہلاک ہوگیا ۲؎ فرمایا تجھے کیا ہوا عرض کیا میں نے بحالت روزہ اپنی بیوی سے صحبت کرلی ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو غلام پاتا ہے جسے آزاد کردے ۴؎ بولا نہیں فرمایا تو کیا مسلسل دوماہ کے روزے رکھ سکتا ہے بولا نہیں ۵؎ فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کا کھانا پاتا ہے بولا نہیں ۶؎ فرمایا بیٹھ جا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف فرمایا ۷؎ ہم اسی حال میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنبیل لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں عرق بڑی زنبیل ہوتی ہے ۸؎ فرمایا مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے بولا میں ہوں فرمایا یہ لے اور صدقہ کردے ۹؎ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں خدا کی قسم مدینہ کے دو گوشوں یعنی دو سنگلاخوں کے بیچ میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی خاندان محتاج نہیں ۱۰؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتی کہ آپ کے دانت مبارک چمک گئے ۱۱؎ فرمایا اپنے گھر والوں کو ہی کھلا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حاضر ہونے والے صاحب حضرت سلمہ ابن صخر انصاری بیاضی ہیں،بعض نے فرمایا ان کا نام سلیمان انصاری ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔انہوں نے رمضان میں بحالت روزہ دن میں اپنی زوجہ سے صحبت کرلی تھی اس لیے حاضر بارگاہ ہوئے۔

۲؎ اس طرح کہ اسلامی قانون شکنی کرکے سخت سزا کا مستحق ہوچکا اور اپنی بیوی کو اس جرم میں مبتلا کردیا کہ وہ بھی روزہ دار تھیں اس لیے ہلاکت کو صرف اپنی طرف نسبت کیا یہ نہ کہا کہ ہم دونوں ہلاک ہوگئے کہ وہ بے قصور تھیں انہوں نے جبرًا صحبت کی تھی۔

۳؎ بیوی کو مجبور کرکے وہ اس پر نہ راضی تھی نہ اس کے لیے آمادہ تھی۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ماہ رمضان میں بحالت روزہ عمدًا دن میں صحبت کرلینے سے قضاء بھی واجب ہے کفارہ بھی۔دوسرے یہ کہ عمدًا کھا پی لینے سے بھی کفارہ واجب ہے کیونکہ کفارہ کا سبب رمضان میں روزہ توڑنا ہے،روزہ جیسے جماع سے ٹوٹ جاتا ہے ویسے ہی کھانے پینے سے۔تیسرے یہ کہ اگر عورت سے جبرًا صحبت کی ہو تو اس

پر کفارہ نہیں بلکہ مرد پر ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ میں صرف مرد سے خطاب فرمایا۔چوتھے یہ کہ کفارہ میں ترتیب معتبر ہے کہ اگر غلام آزاد کرسکتا ہے تو یہ کرے اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے اگر یہ ناممکن ہو تو ساٹھ مسکینوں کا کھانا۔دارقطنی میں

بروایت حضرت ابوہریرہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان کے دن میں بحالت روزہ عمدًا کھالیا تھا اسے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا،اسی دارقطنی میں بروایت سعید ابن المسیب ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے روزہ توڑ دیا ہے اسے بھی کفارہ کا حکم دیا گیا۔بہرحال رمضان میں جس طرح بھی عمدًا روزہ توڑے کفارہ واجب ہے یہ ہی احناف کا قول ہے۔

۵؎ یعنی مجھ میں دو ماہ مسلسل روزہ رکھنے کی طاقت نہیں کہ اپنے نفس کو بیوی سے نہیں روک سکتا جیساکہ دوسری روایت میں وارد ہے۔معلوم ہوا کہ روزے کی طاقت نہ ہونا،بڑھاپے،بیماری،غلبہ شہوت ہر طرح ثابت ہوجاتا ہے۔

۶؎ یعنی میرے پاس اپنے کھانے کو نہیں ہے ساٹھ مسکینوں کو کہاں سے کھلاؤں جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔

۷؎ یعنی انتظار فرمایا کہ کہیں سے کچھ آجائے تو اس کو ادائے کفارہ کے لیے دے دیا جائے۔خیال رہے کہ ایسے فقیر پر کفارہ واجب نہیں صرف توبہ کرے مگر یہاں کا یہ واقعہ خصوصیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

۸؎ یہ کھجوریں صدقہ کی تھیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیرات کرنے کے لیے حاضر کی گئی تھیں۔عرق وہ بڑا ٹوکرہ ہے جس میں تیس صاع کھجوریں آتی ہیں۔کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو فی مسکین آدھا صاع کھجوریں دی جاتی ہیں لہذا یہ کھجوریں اس کے کفارے کے لیے کافی تھیں،بعض نے فرمایا کہ اس زنبیل میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں ہر مسکین کو چوتھائی صاع یعنی مد کھجوریں دی جائیں۔

۹؎ یعنی اس صدقہ کا پہلے تو مالک بن جا پھر مالک ہوکر اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو خیرات کردے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شرعی حیلے درست ہیں کہ کسی فقیر کو زکوۃ کا مالک بنادیا پھر وہ زکوۃ اس سے دوسری جگہ خیرات کرادی،سید کو دلوادی یا مسجد میں خرچ کرادی۔حیلے کی مکمل بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے جہاں آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے اس کا ثبوت دیا گیا۔

۱۰؎ یعنی کفارہ فقیروں کو دینا چاہیے مگر مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ فقیرو حاجت مند ہم ہی ہیں۔مطلب یہ تھا کہ اجازت ہو تو اسے میں اور میرے بال بچے ہی کھالیں،طلب کے لیے بھی منہ چاہیئے کس ڈھنگ سے داتا سے مانگا۔

۱۱؎ یعنی مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک میں سے کیلیاں ظاہر ہوگئیں۔

۱۲؎ یعنی اپنا یہ کفارہ تو خود بھی کھالے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلا دے تیرا کفارہ ادا ہوجائے گا۔یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار خداداد کہ مجرم کے لیے اس کا کفارہ اس کے لیے انعام بنادیا ورنہ کوئی شخص اپنا کفارہ اپنی زکوۃ نہ تو خود کھاسکتا ہے نہ اس کے بیوی بچے مگر یہاں اس کا اپنا ہی کفارہ ہے اور اپنے آپ ہی کھارہا ہے۔یہاں بعض لوگوں نے بڑے غوطے کھائے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کفارہ نہ تھا کیونکہ وہ فقیر تھا اور ایسے فقیر پر مالی کفارہ واجب نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ابھی تو یہ کھالے جب کبھی تیرے پاس مال آئے تو کفارہ ادا کردینا مگر یہ غلط ہے چند وجھوں سے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا فَتَصَدَّقْ بِهٖ اس کا صدقہ دے دے پھر یہ

کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کفارہ نہ تھا،اگر فقیر کو بقدر کفارہ مال دے دیا جائے تو وہ کفارہ ضرور دے یہاں ایسا ہی ہوا۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ نہ فرمایا کہ آئندہ تو کفارہ دے دینا،تم یہ کہاں سے کہتے ہو یہ قید اپنی طرف سے ہے حدیث میں نہیں۔تیسرے یہ کہ روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف تجھے ہی کافی ہے دوسرے کو کافی نہ ہوگا۔(ہدایہ)اگر آئندہ کفارہ دلوانا ہوتا تو اس خصوصیت کے کیا معنے۔چوتھے یہ کہ دارقطنی میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ نے تیرا کفارہ ادا کردیا،پھرآئندہ کفارہ دینے کے کیا معنے۔ پانچویں یہ کہ امام زہری وغیرہ محدثین نے اسے اس شخص کی خصوصیات سے مانا،دیکھو مرقات و اشعۃ اللمعات وغیرہ۔غرضکہ یہ تاویل بہت رکیک ہے حق وہ ہی ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد اختیارات میں سے ہے۔اس اختیار کی پوری بحث ہماری کتاب"سلطنت مصطفیٰ"میں ملاحظہ فرمائیے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ انہیں چومتے اور ان کی زبان شریف چوستے تھے ۱(ابوداؤد)۲

۱ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ ماہ رمضان میں واقع ہوتا تھا جب کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی روزہ دار ہوتی تھیں اس لیے معلوم ہوا کہ روزہ دار اگر اپنے نفس پر قادر ہو تو اپنی بیوی کا بوسہ بھی لے سکتا ہےاور اس کی زبان بھی چوس سکتا ہے بشرطیکہ ایک دوسرے کا تھوک دوسرے کے منہ میں نہ جاوے،اگر جائے تو نگلے نہ بلکہ تھوک دے،یہ مسئلہ بتانے کے لیے حضرت ام المؤمنین یہ واقعہ بیان فرمارہی ہیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ طبیب بیان علاج میں بڑی بڑی خفیہ باتیں بیان کردیتے ہیں اس بیان میں شرم نہیں کرتے اگر شرم کریں تو علاج کیسے ہو،اسی طرح یہ حضرات مسئلہ شرعی بیان کرنے کے لیے بلاحجاب خفیہ باتیں بیان فرمادیتے ہیں اگر شرم کریں تو دینی مسائل کیونکر واضح ہوں اور لوگوں کو ہدایت کیسے ملے۔

۲ مرقاۃ،اشعۃ اللمعات وغیرہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی اسناد میں سعد ابن اوس بصری اور محمد ابن دینار ہیں،سعد ابن اوس تو ضعیف ہیں اور زبان چوسنے کی روایت سوائے محمد ابن دینار کے کسی نے نہ کی اور محمد ابن دینار بھی ضعیف ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ دار کے بوس و کنار کے متعلق پوچھا آپ نے اسے اجازت دے دی ۱ خدمت عالی میں دوسرا حاضر ہوا اور یہ ہی پوچھا تو اسے منع فرمادیا جس کو اجازت دی تھی وہ بڈھا تھا اور جسے منع کیا وہ

	جوان تھا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تجھ جیسے روزہ دار کو بحالت روزہ بوس و کنار کی اجازت ہے یہ مسئلہ بتانا تھا۔

۲؎ اس تفریق سے مسئلہ فقہی واضح ہوا کہ بوڑھا یا بیمار یا کمزور یا بہت متقی جو بوس و کنار کے باوجود اپنے نفس پر قابو رکھے اسے اس کی اجازت ہے،دوسرے کے لیے نہیں تاکہ روزہ نہ توڑ بیٹھے،یہ حدیث صحیح ہے اس کی اسناد بہت جید و قوی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے روزہ کی حالت میں قے آجائے تو اس پر قضا نہیں اور جو جان کر قے کرے وہ قضا کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم سوائے عیسیٰ ابن یونس کسی سے نہیں معلوم کرتے،امام محمد بخاری نے فرمایا کہ میں انہیں محفوظ نہیں جانتا ۲؎

۱؎ اسی پر چاروں اماموں کا عمل ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ یاد ہوتے ہوئے عمدًا قے کرے تو روزہ جاتا رہے گا کیونکہ قے کا کچھ غیرمحسوس حصہ حلق میں واپس لوٹ جاتا ہے جس کا احساس نہیں ہوتا جیسے سونا وضو توڑ دیتا ہے کہ اس میں اکثر ریح نکل جاتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا،ہاں امام ابو یوسف نے عمد کے ساتھ منہ بھر قے ہونے کی پابندی لگائی ہے مگر قے کردینے سے صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہ ہوگا۔قے کے پورے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ اہ کی ضمیر کا مرجع حدیث ہے یعنی میں اس حدیث کو محفوظ نہیں جانتا۔خیال رہے کہ امام ترمذی و بخاری کو یہ حدیث غریب ہوکر ملی،اس کو حاکم ابن حبان،دارقطنی نے صحیح اسنادوں سے نقل فرمایا،حاکم نے فرمایا حدیث صحیح شرط شیخین ہے،دارقطنی نے فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں،مؤطاء میں امام مالک نے حضرت ابن عمر پر موقوفًا روایت کی،نسائی وعبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ پر موقوفًا روایت کی،ابن ماجہ نے مرفوعًا نقل فرمائی جس کا مضمون و الفاظ اس سے کچھ متفاوت ہے،غرضکہ متن حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت معدان ابن طلحہ ۱؎ سے کہ ابو الدرداء نے انہیں خبردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کردیا ۲؎ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا میں نے کہا کہ حضرت ابوالدرداء نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار فرمادیا فرمایا انہوں نے سچ کہا اور میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی

	انڈیلا۳؎(ابوداؤد،ترمذی،دارمی)

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت عمر حضرت ابوالدرداء وثوبان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
۲؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے میں عمدًا قے کی کسی ضرورت سے تو اسے روزے کا مفسد مانا جس کے بعد کھانا وغیرہ ملاحظہ فرمالیا۔
۳؎حضرت ثوبان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں،انہوں نے حضرت ابوالدرداء کی تصدیق فرماتے ہوئے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کو ناقض وضو بھی قرار دیا۔چنانچہ آپ نے وضو کیا اور پانی میں نے حاضر کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ منہ بھرکر قے روزہ بھی توڑ دیتی ہے اور وضو بھی،یہ ہی ہمارا مذہب ہے یہ حدیث ہمارے امام اعظم قدس سرہ کی دلیل ہے،امام شافعی کے ہاں قے سے وضو نہیں ٹوٹتاوہ یہاں وضو سے مراد کلی کرنا لیتے ہیں مگر قول امام اعظم قوی تر ہے بلاوجہ شرعی معنی چھوڑنا کمزور سی بات ہے۔

	روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار دفعہ روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا۱؎(ترمذی،ابوداؤد)۲؎

۱؎ اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ و مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روزے میں ہر وقت ہر قسم کی مسواک بلاکراہت جائز ہےزوال سے پہلے کرے یا بعد،تر مسواک کرے یا خشک،بہرحال بلاکراہت درست ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ روزے دار کی منہ کی بو اللہ تعالٰی کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہےکیونکہ وہاں لفظ **خلوف** ہے نہ کہ لفظ **بخر**۔**خلوف** منہ کی وہ بو ہے جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ میں پیدا ہوجاتی ہے وہ مسواک سے نہیں جاتی جیساکہ بار ہا کا مشاہدہ ہے۔رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور والا واقعہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کہ آپ نے روزہ میں مسواک کرلی،پھر توریت لینے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا اے موسیٰ دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہ ہی مہک پیدا ہوجو مسواک سے جاتی رہی ہے ورنہ مسواک سے روزے کی قضا اور پھر دس روزے رکھنے کا حکم کسی امام کے ہاں نہیں،امام شافعی کے ہاں زوال کے بعد روزے میں مسواک مکروہ ہے اور امام احمد کے ہاں آخری دن میں مکروہ مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے۔چنانچہ دارقطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے دار کا بہترین مشغلہ مسواک ہے۔طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ ابن جبل سے پوچھا کیا میں روزے میں مسواک کرسکتا ہوں فرمایا ہاں پوچھا دن کے کس حصہ میں فرمایا ہر حصہ میں۔خیال رہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو رب تعالٰی کو ایسی ہی پیاری ہے جیسے غازی کے قدم کی گردوغبار،اگر غازی اپنے قدموں پر ویسے ہی خاک ڈال لے تو ثواب ملتا نہیں اور اگر وہ قدموں کی دھول جھاڑ دے تو ثواب گھٹتا نہیں،ایسے ہی اگر وہ روزہ دار بہ تکلف منہ میں بو پیدا کرلے تو ثواب ملتا نہیں اور اگر مسواک کرے تو ثواب گھٹتا نہیں اسی لیے بیہقی،ابن حبان،طبرانی وغیرہ میں عام صحابہ کا یہ عمل بیان ہوا کہ وہ حضرات روزے میں ہر وقت مسواک کرلیتے تھے۔ اس کی پوری تحقیق یہاں مرقاۃ میں دیکھو۔
۲؎اس حدیث کو ترمذی نے حسن فرمایا اور احمد وابن خزیمہ نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میں آنکھوں کا بیمار ہوں کیا بحالت روزہ سرمہ لگاسکتا ہوں فرمایا ہاں۱(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ابوعاتکہ راوی ضعیف مانے جاتے ہیں۲	

۱؎ یہی تینوں اماموں کا مذہب ہے یعنی امام ابوحنیفہ،شافعی و مالک کہ روزہ دار کو سرمہ لگانا،آنکھ میں خشک یا پتلی اگرچہ چکنی ہو دوا ڈالنا ہر وقت جائز ہے یعنی سونے سے پہلے بھی اور بعد بھی اگر دوا کا رنگ یا مزا حلق میں محسوس ہو جب بھی مضر نہیں،امام احمد سونے سے پہلے سرمہ لگانا مکروہ فرماتے ہیں یہ حدیث ان تینوں آئمہ کی دلیل ہے۔

۲؎ یہ حدیث بہت طریقوں سے مختلف اسنادوں سے بہت کتب میں مروی ہے تمام اسنادیں ضعیف ہیں لیکن زیادتی اسناد اور عمل علماء کی وجہ سے قوی ہوگئی تمام اسنادیں بالتفصیل یہاں مرقات نے نقل فرمائیں اور اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھو کہ تعدد اسناد اور عمل علماء سے حدیث ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔

روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج میں۱ بحالت روزہ سر مبارک پر پیاس یا گرمی کی وجہ سے پانی ڈالتے دیکھا ۲(مالک،ابوداؤد)	

۱؎ عرج مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک منزل کا نام تھا اور مدینہ منورہ میں ایک محلّہ بھی تھا،یہاں دونوں احتمال ہیں کہ یا یہ سفر کا واقعہ ہو یا گھر کا۔

۲؎ یعنی غسل نہیں فرمارہے تھے بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے صرف سر شریف پر پانی بہارہے تھے۔اس حدیث سے یہ دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسامات کے ذریعہ جو پانی وغیرہ جسم میں پہنچ جائے وہ روزہ کے لیے مضر نہیں لہذا روزے دار کا نہانا پانی میں غوطہ لگانا،سر یا جسم پر تیل کی مالش کرنا،بھیگا کپڑا جسم پر لپیٹنا روزے کے لیے مضر نہیں۔ٹیکے(Injection)گودنے کا مسئلہ پہلے بیان ہوچکا کہ ان سے روزہ نہیں جاتا جیسے سانپ،بچھو،بھڑ کے کاٹ لینے سے۔دوسرے یہ کہ روزے میں سر پر پانی ڈالنا،زیادہ نہانا مکروہ نہیں جب کہ گھبراہٹ کے اظہار کے لیے نہ ہو،اگر دکھلاوے اور گھبراہٹ کے اظہار کے لیے ہو تو مکروہ ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ایک شخص پر تشریف لائے جو فصد لے رہا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے تھے۱ رمضان کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے تو فرمایا فصد لینے والے اور فصد کرانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا ۲(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی) شیخ امام السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے	

فرمایا کہ جن بعض علماء نے فصد کی اجازت دے دی وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ دونوں قریب الافطار ہوگئے فصد کرانے والا تو ضعف کی وجہ سے اور فصد کرنے والا اس لیے کہ وہ اس سے امن میں نہیں کہ سینگی چوسنے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں کچھ پہنچ جائے[۳]	

[۱] یعنی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا لہذا میں نے آپ کے کلمات نہایت صحیح سنے یا یہ مطلب ہے کہ مجھ پر اس دن اللہ کا بڑا فضل تھا کہ میرا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا ہوا تھا۔

[۲] یہی مذہب ہے امام احمد و اسحاق کا فصد سے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے روزے میں بارہا فصد کرائی ہے لہذا یہ حدیث یا منسوخ ہے یا اس کی تاویل لازم ہے۔چنانچہ علماء نے اس کی بہت تاویلیں کی ہیں جن میں سے ایک تاویل وہ ہے جو خود مشکوۃ شریف میں ہی آگے آرہی ہے ۔

[۳] فصد لینے والا پہلے نشتر سے عضو پر زخم لگاتا ہے،پھر سنگی کا چوڑا حصہ زخم پر رکھ کر اس کا باریک حصہ اپنے منہ میں لے کر زور سے چوستا ہے پھر اس سوراخ کو آٹے وغیرہ سے بند کردیتا ہے جس سے عضو کا خون جمع ہوتا رہتا ہے خون نکل جانے کی وجہ سے فصد کرانے والا بہت کمزور ہوجاتا ہے بسا اوقات فورًا اسے کچھ کھانا پینا پڑتا ہے اور فصد لینے والے کے منہ بلکہ حلق میں بے اختیاری طور پر چوستے وقت کچھ خون پہنچ جاتا ہے لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں قریب الافطار ہوگئے،فصد لینے والا تو اس لیے کہ شاید کچھ خون حلق میں اتر گیا ہو اور فصد کرانے والا اس لیے کہ شاید وہ زیادتی کمزوری کی بنا پر کچھ کھانے پینے پر مجبور ہوجائے۔ سنگی کو ملازم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زخم سے چپٹ جاتی ہے ۔بعض علماء نے فرمایا کہ وہ دونوں صاحب فصد کے وقت غیبتیں بھی کررہے تھے اس غیبت کی وجہ سے فرمایا کہ ان کا روزہ جاتا رہا یعنی روزے کا ثواب جاتا رہا،بعض نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی حضرات شام کے وقت افطار کے قریب فصد کا کام کررہے تھے تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یعنی یہ دونوں افطار کرنے والے ہی تھے تھوڑا اور ٹھہر جاتے۔غرضکہ یہ حدیث واجب التاویل ہے اور فصد کرانے والی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جو رمضان میں بغیر شرعی اجازت اور بغیر بیماری ایک دن کا روزہ نہ رکھے تو اگرچہ پھر عمر بھر روزہ رکھے اس کی قضا نہ کرے گا[۱] (احمد،ترمذی، ابوداؤد،ابن ماجہ دارمی)اور بخاری نے ترجمہ باب میں روایت کیا۔ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد یعنی امام بخاری کو فرماتے سنا کہ ابو المطوس راوی سے اس حدیث	

کے سواء اور حدیث مجھے معلوم نہیں ۲؎	

۱؎ یعنی بلاوجہ رمضان میں ایک روزہ بھی نہ رکھنے والا اس کے عوض عمر بھر روزہ رکھے تو وہ درجہ اور ثواب نہ پائے گا جو رمضان میں رکھنے سے پاتا اگرچہ شرعًا ایک روزہ سے اس کی قضا ہوجائے گی ادائے فرض اور ہے درجہ پانا کچھ اور۔رخصت سے مراد شرعی اجازت ہے جیسے سفر یا عورت کا حمل یا بچہ کو دودھ پلانا وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ وقت پر عبادت کرلینا بہت بہتر ہے،نماز وغیرہ ساری عبادت کا یہی حال ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جوانی کی عبادت بڑھاپے کی عبادت سے افضل ہے کہ عبادات کا اصل وقت جوانی ہے۔شعر

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں ۔۔۔ جب بڑھاپا آگیا کچھ بات بن پڑتی نہیں

ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہوچکی ۔۔۔ یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی

وقت کی قدر کرو،اسے غنیمت جانو۔ع! گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

۲؎ یعنی اس حدیث کی اسناد میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے راوی ابوالمطوس ہیں ان سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے ابن خلف قرطبی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر خیال رہے کہ ایک اسناد ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعیف ہوجانا لازم نہیں،ترمذی کی اسناد میں ابوالمطوس ہیں باقی ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی و احمد نے مختلف اسنادوں سے یہ حدیث نقل کی،تعدد اسناد ضعیف حدیث کو قوی کردیتاہے۔(مرقات)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے روزے دار وہ ہیں جنہیں روزوں سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ۱؎اور بہت سے شب خیز وہ ہیں جنہیں شب خیزی میں بے خوابی کے سواء کچھ میسر ۲؎(دارمی)اور لقلیط ابن صبرہ کی حدیث باب سنن الوضوء میں بیان کردی گئی۔	

۱؎ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے میں گالی گلوچ،جھوٹ،غیبت،بہتان وغیرہ گناہوں سے نہیں بچتے کہ یہ لوگ بھوک پیاس کی تکلیف تو اٹھاتے ہیں مگر روزہ کا ثواب حاصل نہیں کرتے،چونکہ روزے میں بمقابلہ بھوک کے پیاس کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اس لیے صرف پیاس کا ذکر فرمایا۔خیال رہے کہ ایسے روزے سے فرض شرعی ادا ہوجائے گا ادا اور چیز ہے اس کے شرائط کچھ اور اور قبولیت دوسری چیز ہے اس کے شرائط بھی دوسرے۔

۲؎ یعنی وہ تہجد خواں جو حضور قلبی کے بغیر تہجد پڑہیں وہ جاگنے کی مشقت تو اٹھالیتے ہیں مگر اس کا ثواب نہیں پاتے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مغصوب زمین میں نماز پڑھیں اور نماز میں ممنوعات سے بچیں نہیں اورسنن و مستحبات کا لحاظ نہ رکھیں اس فرمان کا منشاء یہ نہیں ہے کہ ایسے لوگ روزہ یا تہجد چھوڑ دیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ برائیاں چھوڑ دیں اللہ تعالٰی انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مقبول عبادتوں کی توفیق دے،ہم کمزور ہیں نفس امارہ اور شیطان جیسے قوی دشمنوں میں گھرے ہیں،اے قوی و قادر ہمیں اپنی امان میں لے لے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں فصد،قے،احتلام ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غیر محفوظ ہے اورعبد الرحمٰن ابن زید راوی حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۲؎	

۱؎ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔قے سے مراد وہ قے ہے جو خود بخود ہوجائےلہذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں قے کو روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا گیا کیونکہ وہاں وہ قے مراد تھی جو خود کی جائے۔

۲؎لہذا یہ شاذ بھی ہے اور ضعیف بھی۔خیال رہے کہ یہ حدیث صرف ترمذی کی اسناد میں ضعیف ہے اسے دار قطنی،بیہقی،ابوداؤد نے بھی روایت کیا،ابو حاتم نے کہا کہ ابوداؤد کی روایت اشبہ بالثواب ہے،ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت ہی صحیح ہے،بزار نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے اور طبرانی نے ثوبان سے مرفوعًا روایت کی،بزار نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ثابت بنانی سے ۱؎فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روزہ دار کے لیے فصد ناپسند کرتے تھی ۲؎فرمایا نہیں مگر ضعف کی وجہ سے ۳؎(بخاری)	

۱؎ آپ ثابت ابن اسلم مشہور تابعی ہیں،بصرہ کے علماء اعلام میں سے تھے،حضرت انس کے ساتھ چالیس سال رہے۔

۲؎صحابہ کرام سے فصد کے متعلق یہ سوالات اس حدیث کی وجہ سے ہوتے تھے جو لوگوں میں مشہور ہوچکی تھی"اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ"اس کا مطلب ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔

۳؎یعنی چونکہ فصد لینے سے خون نکل جانے کے باعث آدمی کمزور پڑجاتا ہے ممکن ہے کہ روزہ پورا نہ کرسکے یا بہت تکلیف اٹھائے اس لیے روزے میں فصد بہتر نہ جانتے تھے اس حدیث نے گزشتہ حدیث"اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ"کی تفسیر کردی جیساکہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔

روایت ہے امام بخاری سے تعلیقًا ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر روزہ کی حالت میں فصد لیتے تھے پھر چھوڑ دی پھر رات میں فصد لیتے تھے ۲؎	

ا بغیر اسناد حدیث بیان کرنے کو تعلیق کہتے ہیں،تعلیقات بخاری سب مقبول و معتبر ہیں کیونکہ امام بخاری اسی جگہ اسناد چھوڑتے ہیں جہاں انہیں حدیث کی صحت کا یقین ہوتا ہے جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو ثقہ تابعین کا ارسال بھی قبول ہے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرما دینا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا بالکل قبول ہے یہ حضرات امام بخاری سے زیادہ رتبہ والے ہیں۔

۲ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ جوانی اور طاقت کے زمانہ میں روزہ میں فصد لے لیتے تھے کہ اس وقت آپ کو ضعف کا اندیشہ نہ تھا پھر بڑھاپے اور کمزوری میں یہ عمل چھوڑ دیا کیونکہ فصد لے کر روزہ پورا کرنا دشوار تھا۔

روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں اگر کلی کرے پھر منہ میں کا پانی اگل دے تو اسے تھوک کا اور جو پانی کا اثر اس کے منہ میں رہ گیا ہے اسے نگل جانا مضر نہیں ا اور علک (مصطگی) نہ چبائے ۲ اگر علک والا تھوک نگل گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس سے منع کرنا چاہیے ۳ (بخاری) ترجمہ باب	

ا یعنی روزہ دار کو کلی کرکے تھوک نگلنا جائز ہے اگرچہ اس میں پانی کی ٹھنڈک اور اس کا اثر رہ گیا ہو کیونکہ اس قدر اثر سے بچنا ناممکن ہے۔اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز سے روزہ دار نہ بچ سکے اس سے روزہ نہیں جاتا لہذا اگر گردو غبار،دھواں،مکھی،مچھر اور آٹے کی مشین کا اڑتا ہوا آٹا،کلی کے پانی کی تری روزہ دار کے حلق میں چلی جائے تو اس سے روزہ نہیں جائے گا۔

۲ علک عرب کا مشہور گوند ہے جسے دانتوں کی صفائی اور مضبوطی کے لیے چبایا جاتا ہے مصطگی کی طرح دانہ دانہ ہوتا ہے۔

۳ خلاصہ یہ ہے کہ روزہ میں گوند مصطگی وغیرہ چباکر تھوک دینا مکروہ ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ گوند کے کچھ اجزاء حلق میں اتر جائیں گویا اس میں روزہ کو قریب الافطار کردینا ہے۔جو شخص یہ چباکر اچھی طرح تھوک دے پھر تھوگ نگلے تو اگرچہ گوند کے کچھ نامعلوم ذرے حلق میں اتر جائیں روزہ نہ جائے گا۔

مسئلہ: درزی نے رنگین دھاگہ دانت سے توڑا جس سے اس کا تھوک رنگین ہوگیا تو اگر دھاگہ کی طرح تیز رنگین ہوگیا اس کا نگلنا روزہ توڑ دیگا اور اگر خفیف رنگین ہوگیا تو نہیں۔

مسئلہ: عورتوں کے لیے مسواک مکروہ ہے کہ ان کے مسوڑھے کمزور ہوتے ہیں،ان کے لیے علک،سکڑا،انگلی موٹا کپڑا مسواک کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ: مردوں کے لیے مسی اور سکڑا ملنا مکروہ ہے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔

باب صوم المسافر

باب مسافر کا روزہ ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ شریعت میں مسافر وہ ہے جو اپنے شہر سے تین منزل یعنی چھتیس کوس(۵۷میل)کے ارادہ سے نکلے پھر جب تک وہ گھر لوٹ نہ آئے یا کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے مسافر ہی ہوگا کہ اس پر نماز میں قصر واجب ہوگا اور روزہ قضا کرنے کی اجازت ہوگی۔امام ابوحنیفہ،مالک،شافعی و ثوری رضی اللہ عنہم کے ہاں مسافر کو روزہ رکھنا بہتر ہے اور امام احمدواوزاعی کے ہاں افطار بہتر،یہ عام حالات میں ہے بعض حالات میں اس پر افطار واجب ہوجاتاہے جیسے مسافر غازی جب روزہ کی وجہ سے بجائے جہاد کرنے کے دوسرے پر بوجھ بن جائیں۔(از لمعات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت حمزہ ابن عمر اسلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھوں وہ بہت روزے رکھتے تھے ۱؎تو حضور نے فرمایا اگر چاہو روزہ رکھو اگر چاہو افطار کرو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱ یہاں مرقات نے فرمایا کہ آپ صائم الدھر یعنی ہمیشہ کے روزہ دار تھے چاہتے تھے کہ سفر میں بھی کبھی روزہ نہ چھوڑیں تب یہ سوال کیا سفر میں روزہ رکھنا گناہ تو نہیں شاید آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن چکے تھے کہ سفر میں روزہ اچھا نہیں اس لیے یہ سوال کیا۔

۲؎اس جواب سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر عام حالات میں روزہ رکھ لینا بہتر تاکہ عام مسلمانوں کی موافقت بھی ہوجائے اور رمضان کے بعد قضاء گراں بھی نہ پڑے کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا ذکر پہلے فرمایا۔خیال رہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے کا اختیار نہیں لہذا بازاروں میں علانیہ نہ کھائے پیئے،نہ سگریٹ پیتا پھرے بلکہ چھپ کر کچھ کھائے پیئے،حیض و نفاس والی عورتوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ چھپ کر کھائیں پئیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا جب کہ ماہ رمضان کے سولہ دن گزر گئے تھے ۱؎تو ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے

	افطار کیا تو نہ روزہ داروں نے بے روزوں کو عیب لگایا اور نہ بے روزوں نے روزہ داروں کو۲؎ (مسلم)

۱؎ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی درمیان رمضان میں سفر کرے تو اسے افطار جائز نہیں اس پر روزہ ہی فرض ہے،افطار کی اجازت صرف اسے ہے جسے بحالت سفر رمضان شروع ہو۔اس حدیث میں ان کی کھلی تردید ہے،دیکھو سولہ رمضان کو سفر شروع ہوا اور بعض صحابہ نے روزے نہ رکھے۔

۲؎ یہ حدیث بظاہر ان علماء کی دلیل ہے جو سفر میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کو یکساں کہتے ہیں کسی کو ترجیح نہیں دیتے مگر یہ استدلال ضعیف سا ہے کیونکہ یہاں عیب لگانے کی نفی ہے ترک مستحب پر نہ عیب لگایا جاتا ہے نہ اعتراض ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اس غزوہ میں حالات معمول پر ہوں گے ورنہ بحالت جنگ روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے تو لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو ملاحظہ کیا جس پر سایہ کیا گیا تھا ۱؎ فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا ایک روزہ دار ہے فرمایا سفر میں یوں روزہ رکھنا بھلائی نہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ان صاحب کا نام قیس یا قیصر ہے،کنیت ابواسرائیل ہے،گرمی سخت تھی،سفر کی حالت تھی،غزوہ تبوک کا موقعہ تھا،جب کہ لشکر اسلام میں کھانے کی بھی کمی تھی،یہ ایک درخت کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے،بغیر سحری کا روزہ منہ میں تھا کہ بے ہوش ہو کر گر گئے،صحابہ کرام نے اپنی چادروں سے سایہ کرلیا یا ان پر خیمہ لگادیا کیونکہ عرب کے عام درختوں کا سایہ کافی نہیں ہوا کرتا۔(ازمرقات)

۲؎ بلکہ برا ہے یا تو **الصوم** میں الف لام عہدخارجی ہے یا سفر میں یا دونوں میں یعنی ایسے سخت سفر میں ایسا بے سرو سامانی کا روزہ بھلائی نہیں بلکہ برا ہے اور رب تعالٰی کے اس فرمان کے خلاف ہے "**یُرِیۡدُ اللہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الْعُسْرَ**" لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سفر میں روزے رکھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ صالحین کی خدمت نوافل سے افضل ہے یعنی یہ صاحب اگر روزہ نہ رکھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی خدمت کرتے،اب روزہ رکھ کر خود جلیل القدر صحابہ سے خدمت لینے لگے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ہم میں سے بعض روزہ دار تھے بعض بے روزہ ہم گرم دن میں ایک منزل پر اترے روزہ دار تو گر گئے ۱؎ اور بے روزہ کھڑے رہے انہوں نے خیمے لگائے اونٹوں کو پانی پلایا ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج بے روزہ ثواب

	لے گئے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی روزہ دار حضرات ضعف کی وجہ سے منزل پر پہنچتے ہی لیٹ گئے کوئی کام نہ کرسکے،یہاں گرنے سے مراد بے ہوش ہوکر گرنا نہیں ورنہ ان پر بھی وہ عتاب ہوجاتا جو پچھلی حدیث میں گزرا۔

۲؎ اور تمام وہ ضروری کام کئے جو سفروں میں عموماً اور جہاد میں خصوصًا کئے جاتے ہیں لہذا یہ سارے کام ثواب ہیں۔

۳؎ ثواب سے مراد کامل ثواب ہے یعنی روزہ داروں نے توروزوں کا ثواب پایا جسے یہ لوگ بھی بعد رمضان قضاء کرکے حاصل کرلیں گے مگر بے روزوں نے جہاد کی تیاری اور لشکر اسلام کی خدمت کرکے وہ ثواب کمالیا جس کی وہ قضاء نہ کرسکیں گے۔شعر

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں نگاہوں کی قضا کب ادا ہوں

کیا تمہیں خبر نہیں کہ سیدنا علی مرتضٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نماز عصر قضاء کردی۔خیال رہے کہ چونکہ یہ روزہ دار حضرات بقیہ صحابہ پر بوجھ نہ بنے اس لیے ان پر عتاب نہ فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے ۱؎ توروزے رکھتے رہے حتی کہ عسفان پہنچ گئے ۲؎ پھر پانی منگایا تو اسے اپنے ہاتھ میں اٹھایا ۳؎ تاکہ آپ کو لوگ دیکھ لیں ۴؎ پھر افطار فرماتے رہے حتی کہ مکہ معظّمہ آگئے ۵؎ اور یہ واقعہ رمضان میں تھا ۶؎ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تو جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ فتح مکہ کے سال۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقعوں پر رمضان میں سفر کیا ہے ان دو سفروں کے علاوہ اور کبھی رمضان میں سفر ثابت نہیں۔(مرقات)وہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ ہم ایک بار سخت گرمی میں سفر جہاد میں تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء ہم میں کوئی روزہ دار نہ تھا وہاں رمضان کا ذکر نہیں۔

۲؎ عسفان مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کے راستہ پر دوسری منزل ہے،مشہور جگہ ہے۔

۳؎ یہ الیٰ بمعنی فی ہے جیسے "لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ"اور ہوسکتا ہے کہ بمعنی مع ہو جیسے "مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ"یا جیسے "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوٰلَهُمْ اِلٰۤی اَمْوٰلِكُمْ"اور ممکن ہے کہ بمعنی عَلٰی ہو اور ہوسکتا ہے کہ اپنے ہی معنے میں ہو یعنی انتہاء کے لیے اور اصل عبارت یوں ہو اِلٰی مَدِّیَدِہٖ یعنی پانی کا پیالہ اپنے ہاتھ میں اٹھایا اپنے ہاتھ پر یا

دست مبارک کے ساتھ پیالہ بھی اوپر اٹھایا یا پیالہ ہاتھ میں لے کر ہاتھ پورا بلند کردیا،الحمدللہ! عبارت میں کوئی اشکال نہ رہا۔

۴؎ یہ لوگوں کو دکھانا ماہ رمضان کی بے حرمتی کے لیے نہ تھا بلکہ لوگوں کو مسئلہ بتانے کے لیے کیونکہ وہاں سب ہی مسافر تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر راستہ میں مسافروں کے ساتھ رمضان میں علانیہ کھاسکتا ہے۔

۵؎ بعض شارحین نے اَفْطَرَ کے معنے یہ سمجھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر توڑ دیا،اسی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ مسافر کو رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دینا بھی جائز ہے مگر یہ غلط ہے۔اَفْطَرَ کے وہی معنے ہیں جو فقیر نے عرض کئے ورنہ ابھی حدیثوں میں گزر چکا کہ بعض صحابہ سفر جہاد میں روزہ کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گر گئے،ان پر صحابہ نے سایہ تو کیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روزہ توڑنے کی اجازت نہ دی۔

۶؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے ۲ رمضان ۸ھ میں بعد عصر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔(مرقات)اور بیس رمضان کو مکہ معظمہ فتح ہوا،بعض مؤرخین نے دسویں ۱۰ رمضان کو روانگی بیان کی ہے۔

۷؎ بعض شیعہ سفر میں روزہ مطلقًا ناجائز کہتے ہیں اور اس قول کو سیدنا عبداللہ ابن عباس کیطرف منسوب کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں،حضرت ابن عباس کا قول وہ ہے جو یہاں منقول ہوا۔

	مسلم کی روایت میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ آپ نے بعد عصر پانی پیا ۱؎

۱؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ سرکار نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ تھا اس کا اظہار عصر کے بعد اس طرح کیا،یہ مطلب نہیں کہ روزہ رکھ کر توڑ دیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پانی پینا ایک مسئلہ شرعیہ کی عملی تبلیغ تھی نہ کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس ابن مالک کعبی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے مسافر سے آدھی نماز معاف فرمادی ۲؎ اور روزہ مسافر دودھ پلانے والی اور حاملہ سے ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یہ انس ابن مالک وہ مشہور انس نہیں جو ابوطلحہ انصاری کے سوتیلے بیٹے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں وہ تو انصاری نجاری خزرجی ہیں،بہت سی احادیث کے راوی ہیں بلکہ یہ انس ابن مالک عبداللہ ابن کعب کی اولاد سے ہیں اسی لیے کعبی کہلاتے ہیں،ان سے بہت ہی کم احادیث یعنی صرف یہ ہی مروی ہے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات میں فرمایا

کہ بیس صحابہ کے نام انس ہیں جن میں سے دو کے نام انس ابن مالک ہیں:ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص بہت سی احادیث کے راوی،دوسرے یہ،ان کا قیام بصرہ میں رہا۔

۲؎ اس طرح کہ مسافر پر نماز میں قصر واجب ہے صرف جائز نہیں جیساکہ ہم مسافر کے باب میں ثابت کرچکے ہیں اور اپنی کتاب"جاءالحق"حصہ دوم میں بہت دلائل سے بیان کرچکے ہیں۔

۳؎ یعنی ان تین شخصوں سے روزہ کا فوری وجوب معاف ہوچکا ہے اگر چاہیں تو قضا کردیں۔خیال رہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزے کی قضاء ہی واجب ہے وہ فدیہ نہیں دے سکتیں،یہ ہی ہم احناف کا مذہب ہے یہ دونوں اس حکم میں مسافر کی طرح ہیں،نیز ان دونوں عورتوں کو قضاء کی اجازت جب ہے جب کہ انہیں روزہ سے اپنے بچہ پر خوف ہو۔اشعہ نے فرمایا کہ مالدار عورت جس کا بچہ دودھ پیتا ہو وہ بچہ کے لیے دودھ پلائی رکھے اور خود روزہ رکھے۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن محبق سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے پاس سواری ہو جو اسے بحالت سیری منزل تک پہنچادے ۲؎ وہ رمضان کے روزے رکھے جہاں پائے ۳؎ (ابوداؤد) ۴؎

۱؎ آپ خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے بیٹے سنان ابن سلمہ بھی صحابی،سنان بڑے پہلوان تھے،بہت سے غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ یعنی آرام و آسائش سے منزل پر افطار سے پہلے پہنچ جائے یا اس کا سامان خورد و نوش ساتھ ہو تو وہ سفر میں روزہ قضا نہ کرے بلکہ تمام مسلمانوں کی موافقت میں روزے رکھے۔

۳؎ یہ حکم استحبابی ہے یعنی آرام کے سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے قضا کردینا مناسب نہیں۔آج کل ریل و موٹر کے سفروں میں تو بہت آسانیاں ہیں ان سفروں میں روزہ رکھنا ہی اچھا ہے۔

۴؎ اس حدیث کی اسناد میں عبدالصمد ابن حبیب ازدی ہے اکثر محدثین کے ہاں قوی نہیں ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے جیساکہ بار ہا عرض کیا گیا،یہاں بھی فضیلت عمل ہی کا ذکر ہے یعنی آسان سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے لہذا قبول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال رمضان میں مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے ۱؎ تو روزے رکھتے رہے حتی کہ کراع الغمیم پہنچ گئے ۲؎ لوگ بھی روزہ دار رہے پھر حضور نے پانی کا پیالہ منگایا اسے اٹھایا حتی کہ آپ کو لوگوں نے دیکھا پھر

	پیا ۳؎ اس کے بعد حضور سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھ لیا ۴؎ فرمایا یہ لوگ گنہگار ہیں یہ لوگ گنہگار ہیں ۵؎ (مسلم)

۱؎ فتح مکہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی بھی رمضان میں اور فتح فرمانا بھی رمضان میں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔

۲؎ یہ مشہور جگہ ہے مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے،عسفان سے تین میل فاصلہ پر،چونکہ اس جنگل کا نقشہ بکری کی پنڈلی کی طرح ہے اس لیے اسے کراع کہا جاتاہے۔غمیم بمعنی جنگل یعنی بکری کی پنڈلی کے نمونہ کا جنگل۔

۳؎ یعنی آج تک روزہ رکھاآج سے افطار شروع فرمایا،یہ مطلب نہیں کہ آج روزہ رکھ کر توڑ دیا جیساکہ ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی صحابہ کرام میں سے بعض نے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر عمل کرکے روزہ نہیں رکھا ہےاور بعض نے اس خیال سے رکھ لیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سفر میں اب سے روزہ نہ رکھنا سنت اور روزہ رکھنا خلاف سنت ہے۔غرضکہ ان سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی۔

۵؎ اس جملہ کی تکرار تاکید بلکہ تغلیظ کے لیے ہےیعنی یہ لوگ یقینًا سخت گنہگار ہیں دو وجہ سے:(۱)ایک یہ کہ میری موجودگی میں انہیں اجتہاد نہ کرنا چاہیے تھابلکہ براہ راست مجھ سے مسئلہ پوچھ لینا چاہیے تھاکیونکہ اجتہاد حدیث نہ مل سکنے پر ہوتا ہے۔(۲)دوسرے یہ کہ آج سے روزہ نہ رکھنا میری سنت ہوچکا تھالہذا ان کا روزہ رکھنا خلاف سنت ہوا اور سنت کی مخالفت یقینًا گناہ ہے۔فقیر کی اس تقریر سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ صحابہ کرام تو فسق سے پاک ہیں پھر وہ حضرات یہ گناہ کیسے کر بیٹھےکیونکہ ان بزرگوں نے نہ تو گناہ کی نیت سے یہ کام کیا تھا نہ بعد میں اس پر قائم رہے اور فسق کے لیے دونوں چیزیں ضروری ہیں اور یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ خطائے اجتہادی پر پکڑ نہیں‌اور نہ وہ گناہ ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گنہگار کیوں فرمایاکیونکہ سرکار نے اپنی موجودگی میں ان کے اجتہاد کو گناہ قرار دیا کہ انہیں مجھ سے پوچھنا چاہیئے تھا،یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اس پر وہ حضرات گنہگار کیوں ہوگئےکیونکہ اس وقت سے افطار کرنا سنت ہوچکا تھااور سنت کی مخالفت یقینًا گناہ ہے۔خیال رہے کہ عدم سنت اور ہے اور مخالفت سنت کچھ اور اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ روزہ نماز بذات خود ثواب کا باعث نہیں بلکہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ثواب کا باعث ہے۔جو عبادت ان کی اتباع سے خالی ہوجائے وہ گناہ بن جاتی ہے،عید کے دن کا روزہ ،سورج نکلتے ڈوبتے نماز پڑھنا منع ہےایسے ہی اب ان کے لیے روزہ گناہ ہوگیا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے پر مکہ معظّمہ میں رہنا گناہ ہوگیا تھا۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عوف سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر میں رمضان کے روزے رکھنے والا ایسا ہے جیسے گھر میں افطار کرنے والا ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یہاں اَلسَّفَر میں الف لام عہدی ہے اور اس سے وہ سفر مراد ہے جس میں روزہ ہلاکت یا سخت تکلیف کا باعث ہو یا وہ سفر جہاد مراد ہے جس میں روزہ دار بجائے جہاد کرنے کے دوسرے غازیوں پر بوجھ بن جائے لہٰذا یہ حدیث سفر میں روزہ رکھنے کی احادیث کے خلاف نہیں یعنی ایسا مسافر سفر میں روزہ رکھنے سے ایسا ہی گنہگار ہوگا جیسے غیر مسافر گھر میں رہ کر بلاعذر روزہ نہ رکھنے پر گنہگار ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اندر سفر میں روزہ کی طاقت رکھتا ہوں تو کیا مجھ پر گناہ ہے فرمایا وہ تو اللہ عزوجل کی طرف سے رخصت ہے جو اسے قبول کرے تو اچھا ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر گناہ نہیں ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ احادیث کی تفسیر ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے کی بھی اجازت ہے اور نہ رکھنے کی بھی۔یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کو روزہ نہ رکھنا بہتر،رکھنا خلاف اولیٰ کیونکہ سرکار نے نہ رکھنے کو حسن فرمایا اور رکھنے کو لَاجُنَاحَ۔جواب یہ ہے کہ عرب کے سفر خصوصًا گرمی کے موسم کے عمومًا دشوار ہوتے تھے اور ان میں روزہ سخت تکلیف کا باعث،بعض لوگ اندازہ میں غلطی کرکے روزہ رکھ لیتے تھے اور پھر بڑی مشقت جھیلتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ ان حالات میں روزہ نہ رکھنا ہی بہتر لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں روزے کو افضل قرار دیا گیاورنہ عام حالات میں بحالت سفر روزہ رکھ لینا ہی بہتر ہے۔

باب القضاء

باب روزہ کی قضا ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قضاء سے روزوں کی قضا مراد ہے جیساکہ اس موقعہ سے اور آئندہ حدیثوں سے معلوم ہورہا ہے۔خیال رہے کہ ہر عبادت کی قضا بہت جلد کرلینا چاہیئے کیونکہ موت کی خبر نہیں حتی کہ اگر حائضہ یا مسافر کے پانچ روزے قضا ہوگئے پھر حائضہ پاک ہونے اور مسافر گھر آنے کے تین دن بعد فوت ہوگئے تو ان تین دن کی پکڑ میں آجائیں گے۔رب کی پناہ!

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں مجھ پر رمضان کے روزے ہوتے تھے ۱؎ تو میں سوائے شعبان کے قضا نہ کرسکتی تھی ۲؎ یحیٰ ابن سعید نے فرمایا آپ کی مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغولیت ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ جو نسائی عوارض یا بیماری کی وجہ سے رہ جاتے تھے پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں رمضان کے روزوں کی قضا شعبان سے پہلے نہ کرسکتی تھی شعبان میں قضا کرتی تھی کہ وہ آخری مہینہ ہوتا تھا جس کے بعد دوسرا رمضان ہوتا تھا یا ماہ شعبان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزے رکھتے تھے اس لیے میں فراغت پالیتی تھی۔

۳؎ اس جملہ کا مطلب ہے کہ دس ماہ میں جس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیار رہتی تھی کہ نہ معلوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس وقت شرف قربت عنایت فرمائیں اس لیے روزہ قضا نہ کرتی تھی۔معلوم ہورہا ہے کہ ام المؤمنین ان دس ماہ میں نفلی روزے بھی نہ رکھتی تھیں جب فرض قضا نہ کرسکتی تھیں تو نفل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خاوند کو حق ہے کہ ایک عورت کی باری کے دن میں دوسری عورت سے صحبت کرے کیونکہ باری صرف رات کے قیام کی ہوتی ہے نہ کہ صحبت کی۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دیگر عبادات سے افضل ہے،دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے نفلی روزے نہ رکھتی تھیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر روزہ دار رہتی تھیں۔تیسرے یہ کہ ام المؤمنین کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتادینے سے معلوم تھا کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں وفات نہ پاؤں گی۔اگر آپ کو اپنی وفات کا ہر دم خطرہ رہتا تو آپ پر قضا بہت جلد کرنا ضروری ہوتا

جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے پر پہلے سال حج نہ کیا کیونکہ آپ کو اپنی زندگی کا یقین تھا،ہم پر فرض ہوتے ہی کرلینا ضروری ہے تاخیر گناہ ہے۔چوتھے یہ کہ ایک سال کے رمضان کی قضا دوسرے رمضان آنے سے پہلے ضرورکرلینا چاہئیے شعبان میں ضروری کرلے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی عورت کو نہ تو یہ درست ہے کہ جب اس کا خاوند موجود ہو تو اس کی بغیر اجازت روزہ رکھے[1] نہ یہ کہ اس کی بلا اجازت اس کے گھر میں کسی کو آنے دے[2](مسلم)

[1] یعنی خاوند جب گھر پر ہو تو اس کی صریحی یا عرفی اجازت کے بغیر نہ نفلی روزے رکھے نہ نفلی اعتکاف کرے کیونکہ مرد کو دن میں صحبت کرنے کا حق ہے اور اس کا روزہ یا اعتکاف اس حق کو روک دے گا لہذا حق والے سے اجازت لے لے،اس حکم سے نذر منتیں اور رمضان کے روزے علیحدہ ہیں کہ وہ حق شرع ہیں۔اگر عورت نے بغیر خاوند کی اجازت نفلی روزہ رکھ لیا تو وہ اس سے تڑوا کر صحبت کرسکتا ہے جس کی قضا واجب ہوگی اسی لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث باب القضاء میں لائے۔فقیر کی اس تقریر سے بہت سے اعتراضات اٹھ گئے،حدیث واضح ہوگئی۔خیال رہے کہ عورت کو نفل نماز سے منع نہیں فرمایا گیا کیونکہ وہ تھوڑی دیر میں ہوجاتی ہے اس سے خاوند کا حق صحبت نہیں مارا جاتا۔

[2] یعنی خاوند کی ناراضگی پر کسی مرد و عورت،اجنبی یا قریبی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ خاوند عورت کو اس کے ماں باپ سے ملنے سے نہیں روک سکتا،ہاں انہیں اپنے گھر میں آنے سے روک سکتا ہے،عورت وہاں جاکر ملے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذہ عدویہ سے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ حائضہ کا کیا حال ہے کہ وہ روزہ تو قضا کرتی اور نماز قضا نہیں کرتی[1] حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ عارضہ ہم کو آتا تھا تو ہم کو روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا[2](مسلم)

[1] یعنی نماز بھی فرض ہے روزہ بھی فرض اور حیض و نفاس دونوں سے مانع،پھر نماز کی قضا کیوں نہیں ہوتی اور روزے کی کیوں ہوتی ہے۔معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں پوچھنا برا نہیں،ہاں احکام شرعیہ پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔فقیر نے ایک کتاب لکھی"اسرار الاحکام"اس میں احکام شریعت و طریقت کی عقلی حکمتیں بیان کی ہیں۔

[2] سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز جواب ہے کہ مجھے عقلی حکمتوں سے غرض نہیں ہم تو حکم کے تابع ہیں،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی قضا کا حکم دیا نماز کی قضا کا نہیں اس لیے یہ فرق ہوگیا،ہمیں عقلی حکمتوں سے کیا غرض۔بیمار طبیب کے نسخے پینے کی کوشش کرتا ہے دواؤں کے اوزان سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔فقہاء فرماتے ہیں

کہ روزے کی قضا میں ندرت ہے کہ سال میں سات آٹھ روزے قضاء کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس میں دشواری نہیں اور قضائے نماز میں کثرت ہے کہ ہر مہینہ سات آٹھ دن کی فی دن پانچ نمازیں قضاء کرنی پڑتیں یعنی چالیس بلکہ بعض کو پچاس نمازیں اس میں بہت دشواری ہوتی اس لیے نمازوں کی قضا نہیں روزوں کی ہے۔واللہ و رسولہ اعلم!

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مرگیا اور اس پر روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے ادا کرے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جس شخص پر رمضان یا نذر کا روزہ قضا ہوگیا پھر اسے قضا کرنے کا موقعہ ملا مگر قضا نہ کیا کہ مرگیا تو اس کا ولی وارث اس کی طرف سے روزہ ادا کردے۔امام احمد کے ہاں اس طرح کہ روزے رکھ دے اور باقی تمام اماموں کے ہاں اس طرح کہ روزوں کا فدیہ دے دے چند وجھوں سے:ایک یہ کہ رب تعالٰی فرماتاہے: "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ"جو روزہ کی طاقت نہ رکھیں ان پر فدیہ ہے اور میت بھی طاقت نہیں رکھتا۔دوسرے یہ کہ خود حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہوا کہ "الا لا یصوم احدٌ عن احد و لا یصلین احد عن احد" کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے جیساکہ آگے آرہا ہے۔تیسرے یہ کہ خود صحابہ کرام کا فتوےٰ یہ رہا کہ میت کی طرف سے روزوں کا فدیہ دیا جاوے روزہ رکھا نہ جائے،دیکھو مرقات۔چوتھے یہ کہ قیاس شرعی بھی یہ ہی چاہتاہے کیونکہ نماز بمقابلہ روزہ زیادہ اہم اور ضروری ہے مگر میت کی طرف سے کوئی نمازیں نہیں پڑھتا تو روزے کیسے رکھ سکتا ہے محض بدنی عبادت خود ہی کرنی پڑتی ہے دوسرے سے نہیں کرائی جاتی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو مرجائے اور اس پر ماہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھلا دیا جائے ۱؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر پر موقوف ہے ۲؎	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے کہ وہاں ولی کے روزے رکھنے سے مراد حکمی روزہ تھا یعنی ادائے فدیہ۔فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کی نمازوں کا بھی فدیہ دے دیا جائے کیونکہ نماز روزے سے زیادہ اہم ہے۔حیلہ اسقاط کی اصل یہ حدیث ہے۔اس حیلہ کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ اگرچہ حدیث موقوف ہی صحیح ہے مگر یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ صحابہ کرام کے وہ اقوال جو عقل سے وراء ہوں وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں کہ صحابی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی یہ فرمایا ہے عقل کی اس میں گنجائش نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت مالک سے انہیں روایت پہنچی کہ حضرت عمر سے پوچھا جاتا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ دے یا نماز پڑھ دے تو فرماتے تھے کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے۱؎ (موطا)

۱؎ اس حدیث کی تائید آیات قرآنیہ کررہی ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَّيْسَ لِلْاِنْسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰى"اور فرماتاہے:"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"۔جن سے معلوم ہوا کہ سعی اور کسب یعنی بدنی عبادات خود بندے ہی کو کرنا ہوں گی دوسرے سے نہیں کراسکتا۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں یا بعد موت کوئی شخص کسی کی طرف سے محض بدنی عبادتیں روزہ نماز وغیرہ نہیں ادا کرسکتا۔نسائی شریف میں حضرت ابن عباس سے بعینہٖ یہ فتویٰ نقل فرمایا،عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر سے یہ قول نقل کیا،امام مالک نے فرمایا کہ میں نے کسی صحابی یا تابعی کے متعلق یہ نہ سناکہ کسی نے کسی کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کردینے کی اجازت دی ہو،یہ گفتگو نماز و روزے میں نیابت کے متعلق ہے۔رہا ان عبادات کا ثواب بخشناوہ باتفاقِ اہلِ سنت بالکل جائزہے۔(مرقات)اس کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

باب صیام التطوع

باب نفلی روزے [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] تطوع طوع سے بنا،بمعنی رغبت و خوشی،رب فرماتاہے:"قَالَتَآ اَتَیۡنَا طَآىِٕعِیۡنَ"۔نفلی عبادات کو تطوع اس لیے کہا جاتا ہے کہ بندہ وہ کام اپنی خوشی سے کرتا ہےرب تعالٰی نے اس پر فرض نہ کی یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں مسلسل اتنے روزے رکھتے کہ ہم گمان کرتے یا اسے مخاطب تو گمان کرتا کہ آپ اس ماہ بالکل افطار نہ کریں گے اور کسی مہینہ میں مسلسل اتنا افطار فرماتے کہ معلوم ہوتا اس مہینہ میں آپ روزہ کوئی نہ رکھیں گے۔غرضکہ روزہ نفلی میں آپ ہیشگی نہ کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے رہتے حتی کہ ہم کہتے افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے رہتے حتی کہ ہم کہتے روزے نہ رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ سوائے رمضان کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں [1] اور میں نے حضور کو شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھتے نہ دیکھا [2] ایک روایت میں یوں ہے فرماتی ہیں کہ قریبًا سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بجز تھوڑے دنوں کے سارے شعبان کے روزے رکھتے [3] (مسلم،بخاری)

[1] یہ کلی حکم ہے جس سے کوئی مہینہ مستثنٰی نہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ماہ رمضان کسی مہینہ کے مکمل روزے کبھی نہ رکھے۔

[2] یعنی آپ رمضان کے علاوہ باقی تمام مہینوں میں روزے ضرور رکھتے تھے مگر شعبان میں زیادہ رکھتے تھے۔فِیْ شَھْرٍ اَکْثَرَ کی ضمیر سے حال ہے اور فِیْ شَعْبَانِ مِنْهُ کی ضمیر سے حال یا یہ دونوں ظرف ہیں۔

[3] اس عبادت کا دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی کل شعبان سے مراد قریبًا کل ہے،چونکہ شعبان رمضان کا پڑوسی ہے اس لیے وہ بھی حرمت والا ہے،نیز اس مہینہ میں رمضانی عبادات کی تیاری کرنا چاہیئے،اس لیے اس ماہ میں نفلی نماز روزے کثرت سے ادا کرنا بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ کے پورے روزے بھی رکھتے تھے ا؎ بولیں مجھے خبر نہیں کہ رمضان کے سواء کسی اور پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں یا کسی مہینہ کا پورا افطار کیا ہو ہر مہینہ میں کچھ روزے رکھتے تھے ۲؎ حتی کہ اپنی راہ تشریف لے گئے ۳؎(مسلم)

ا؎ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ خصوصیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدم و ہمراز تھیں اور آپ کے ہر حال پر نگاہ رکھتی تھیں،ساتھ ہی بڑی فقیہ و عالمہ بھی تھیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی و بیرونی حالات زیادہ تر آپ ہی سے پوچھے جاتے تھے۔

۲؎ حَتّٰی یَصُوْمَ میں حَتّٰی بمعنی کے ہے یعنی کسی مہینہ میں سارا افطار اس لیے نہ کیاتاکہ ہر ماہ میں بعض دن روزے رکھناسنت ہوں اور ہوسکتا ہے کہ حَتّٰی انتہائے غایت کا ہومگر اس میں بہت تکلیف ہے۔(مرقات)

۳؎ یہ حَتّٰی تین جملوں کی انتہا ہے اور اپنی راہ تشریف لے جانے سے مراد وفات پاجانا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یا کسی اور سے پوچھا اور عمران سن رہے تھے تو حضور نے فرمایا اے ابو فلاں کیا تم نے آخر ماہ شعبان کے روزے نہ رکھے ا؎ وہ بولے نہیں فرمایا جب یہ روزے رکھ چکو تو دو دن روزے رکھ لینا ۲؎(مسلم،بخاری)

ا؎ سرر اور اسرار مہینہ کے اول دنوں کو بھی کہتے ہیں،درمیانی کو بھی اور آخر کو بھی مگر زیادہ آخری رات کو کہاجاتا ہے کیونکہ اس میں چاند بالکل چھپا ہوتا ہے،بعض لوگوں نے یہاں اول یا درمیانی مہینہ مراد لیا ہے کیونکہ شعبان کی آخری تاریخ میں روزہ منع ہے جیساکہ گزرچکا مگر لمعات،اشعۃ اللمعات،مرقات وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں آخری کے معنے ہی میں ہے یہ صاحب ہر مہینہ کے آخر روزہ رکھنے کے عادی تھے یا اس کی منت مان چکے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سن کر انہوں نے شعبان کے آخر میں روزہ نہ رکھا تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

۲؎ یعنی ہماری ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف شعبان کے آخر میں روزے رکھیں،تم چونکہ ہر ماہ آخر میں دو روزوں کے عادی ہو یا نذر مان چکے ہواس لیے تم بعدعید اس کے عوض دو روزے رکھ لینا۔(لمعات ومرقات)اس شرح سے حدیث بالکل واضح ہوگئی اور اس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں ۱؎ اور فرض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے ۲؎ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ محرم سے مراد عاشورہ کا دن ہے نہ کہ سارا ماہ محرم ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے زیادہ رکھا کرتے،چونکہ عاشورہ کا دن محرم میں واقع اور عاشورہ میں بڑے اہم واقعات ہوچکے ہیں:آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت،نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا،یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند یوسف علیہ السلام سے ملنا،فرعون کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام کی نجات،ایوب علیہ السلام کی شفا،یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا وغیرہ عاشورہ ہی کے دن ہوئے،بعد میں شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ اور قیامت کا آنا اسی دن میں ہونے والا تھااس لیے سارے محرم کو اللہ کا مہینہ فرمایا گیا یعنی اللہ کے محبوبوں کا مہینہ کہ جو اللہ کے بندوں کا ہوجائے وہ اللہ کا ہوجاتا ہے اورجس دن یا جس مہینہ میں کوئی اہم کام ہوا ہواس میں عبادتیں کرنا بہتر ہے لہذا ربیع الثانی کی گیارہویں،ربیع الاول کی بارھویں،رجب کی ستائیسویں افضل تاریخیں ہیں اور ان میں عبادات،روزہ،نوافل،میلاد شریف وغیرہ کرنا بہت بہتر ہے۔یہ حدیث بہت سے صوفیانہ و عالمانہ مسائل کا ماخذ ہے۔صوفیائے کرام بہت سے اعمال کی زکوۃ عاشورہ کے دن ادا کرتے ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھئے۔

۲؎ فرض سے مراد نماز پنجگانہ ہے مع سنن مؤکدہ اور وتر کے،اور رات کی نماز سے مراد تہجد ہے یعنی فرائض وتر اور سنن مؤکدہ کے بعد درجہ نمازِ تہجد کاہے کیوں نہ ہو کہ اس نماز میں مشقت بھی زیادہ ہے اور خصوصی حضور بھی غالب،یہ نماز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ"۔رب تعالٰی نے تہجدپڑھنے والوں کے بڑے فضائل بیان فرمائے:"تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ"اور فرماتاہے:"وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیٰمًا"وغیرہ۔فقیر کی وصیت ہے کہ ہر مسلمان ہمیشہ تہجد پڑھے اور اس نماز کا ثواب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ کردیا کرے بلکہ انہی کی طرف سے ادا کیا جائے ان شاءاللہ! وہاں سے بہت کچھ ملے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزوں کو دوسرے دنوں پر بزرگی دے کر تلاش کرتے ہوں ۱؎ سوائے اسی دن یعنی عاشوراء کے دن اور اس مہینے یعنی ماہ رمضان کے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس کو بہت بہتر بھی سمجھتے ہوں اور مبالغہ سے اس کی جستجو بھی کرتے ہوں اور سال بھر تک اس کا انتظار فرماتے ہوں یعنی آپ کا انتظار اور تلاش کرنا اتفاقًا نہ تھا بلکہ ان کو سب سے افضل بیان کرنا تھا۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنوں میں عاشورے کے دن کو بہت افضل جانتے تھے اور مہینوں میں رمضان کے مہینہ کو۔عاشورے کی افضیلت کے وجوہ ابھی عرض کئے گئے۔ماہ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے، اس میں شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے اس کا آخری عشرہ اعتکاف کا زمانہ ہے،اس مہینہ میں جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے،نیز اس مہینہ میں دوزخ بند رہتی ہے جنت کے دروازے کھلے رہتے ہیں،شیطان قید ہوجاتے ہیں اس لیے یہ مہینہ دوسرے مہینوں سے افضل ہے۔خیال رہے کہ قریش عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور ہجرت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی عمل تھا ہجرت کے بعد اسلام میں اس دن کا روزہ فرض ہوا،پھر رمضان کی فرضیت سے اس روزے کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر سنیت اور استحباب اب بھی باقی ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ صوم عاشورہ کا افضل اور یوم عرفہ کا افضل یعنی نویں ذی الحجہ کہ وہ حج کا دن ہے لہذا یہ حدیث عرفہ کی افضیلت کی حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا۱؎ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ دن ہے جس کی یہود و عیسائی تعظیم کرتے ہیں۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہم سال آئندہ زندہ رہے تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے ۳؎(مسلم)	

۱؎ پہلے وجوبی حکم دیا اور فرضیت رمضان کے بعد استحبابی۔واقعہ یہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت یہود مدینہ کو روزہ رکھتے پایاان سے اس کی وجہ پوچھی وہ بولے کہ اس دن اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی کہ اسے غرق کیا،سرکار نے فرمایا"نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْکُمْ"بمقابلہ تمہارے موسیٰ علیہ السلام کا ہم پر زیادہ حق ہے یہ فرماکر عاشورہ کا روزہ مسلمانوں پر فرض کردیا،پھر روزہ رمضان سے اس کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر حضور استحبابًا خود بھی یہ روزہ رکھتے رہے اور صحابہ کو بھی حکم دیتے رہے تب وہ واقعہ پیش آیا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎ لہذا اگر ہم بھی عاشورے کی تعظیم کریں گے تو اہل کتاب سے مشابہت ہوجائے گی اور کفار سے مشابہت اسلام میں حرام ہے،یہ عرض معروض ۱۰ھ میں ہوئی۔(مرقات)

۳؎ یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے اس طرح بچ جائیں گے کہ وہ صرف عاشورے کا ایک روزہ رکھتے ہیں اور ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھ کر دو کرلیا کریں گے یعنی مشابہت کے خوف سے نیکی بند نہ کریں گے بلکہ اس میں زیادتی کرکے فرق کردیا کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال تک تشریف فرما نہ رہے بلکہ اسی سال ربیع الاول میں وفات پا گئے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اب سنت یہی ہے کہ عاشورے کے دو روزے رکھے،سنت قولی تو صراحۃً ہے اور سنت فعلی ارادۃً۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا شرک یا حرام نہیں بلکہ رکن اسلام ہے۔نماز پنجگانہ کی رکعتیں بقرعید کی نماز و قربانی اور حج کے سارے ارکان یادگار انبیاء ہی ہیں(علیہم

السلام)دیکھو ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول لہٰذا عرس،میلاد شریف،گیارہویں پاک سب افضل چیزیں ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی احکام کے مالک و مختار ہیں،عاشورے کے روزے کی کوئی آیت موجود نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چاہا فرض ہوگیااور جب چاہا مستحب رہ گیا۔تیسرے یہ کہ حدیث قرآن سے منسوخ ہوسکتی ہے،دیکھو عاشورے کا روزہ حدیث سے ثابت تھا اور اس کا نسخ رمضان سے ہوا جو قرآن سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ کفار سے ہر تشبہ برا نہیں بلکہ بری باتوں میں یا ان چیزوں میں تشبہ حرام ہےجسے اسلام نے ان کا قومی یا مذہبی نشان قرار دیا ہو۔تشبہ اور اشتراک میں بڑا فرق ہے،دیکھو ۱۰ ھ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کا ایک ہی روزہ رکھا اور صحابہ کے عرض کرنے پر بھی اس روزے کو حرام نہ کہا۔پانچویں یہ کہ تھوڑے فرق سے تشبہ اٹھ جاتا ہے،تشبہ کے بہانے سے عبادات بند نہ کرو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو میلاد شریف کو کنہیا جنم سے اور نیاز فاتحہ کوکناگتوں سے تشبیہ دے کر حرام کہتے ہیں،اللہ سچی سمجھ عطا فرمائے۔چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا علم تھا کہ اس سال ہوجائے گی اسی لیے صرف اس موقعہ پر اگر فرمایا،یہ اگر اپنے شک کے لیے نہیں بلکہ اوروں کو شک میں رکھنے کے لیے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا"۔

روایت ہے حضرت ام الفضل بنت حارث سے ۱؎ کہ کچھ لوگوں نے ان کے پاس عرفہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے متعلق گفتگو کی بعض نے کہا کہ حضور روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ حضور روزہ دار نہیں ۲؎ تو ام الفضل نے ایک پیالہ دودھ حضور انور کی خدمت میں بھیجا جب کہ آپ عرفات میں اپنے اونٹ پر قیام فرما تھے تو آپ نے پی لیا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام لبابہ ہے،حضرت عباس کی بیوی عبداللہ ابن عباس و فضل ابن عباس کی والدہ ہیں،ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔

۲؎ یہ واقعہ حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں قیام فرما تھے۔خیال رہے کہ یہاں صیام مصدر ہے جمع نہیں جیسے قیام کبھی مصدر ہے کبھی جمع،صیام صوم کی جمع بھی آئی ہے اور صائم کی بھی اور مصدر بھی۔

۳؎ سبحان اللہ! ام الفضل کی فراست پر قربان جاؤں کہ آپ نے نہایت آسانی سے ان کا جھگڑا ختم کردیااور دودھ بھیجا کیونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ مرغوب تھا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ غیرحاجی کے لیے سنت ہے حاجی کے لیے سنت نہیں بلکہ ایسے کمزور کو جو روزہ رکھ کر ارکان حج ادا نہ کرسکے مکروہ ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر دودھ پینا اسی کے اظہار کے لیے تھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقر عید کے عشرہ میں کبھی روزہ رکھتے نہ دیکھا [1] (مسلم)

[1] اس میں ام المؤمنین اپنے علم کی نفی کررہی ہیں نہ کہ اصل روزے کی لہذا یہ حدیث نسائی کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ آپ نویں بقر عید کو روزہ رکھتے تھے،نیز سرکار نے فرمایا کہ بقر عید کے پہلے عشرے کا ہر روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ بعد رمضان بقر عید کے پہلے عشرے کی عزت ہے۔خیال رہے کہ اگر نفی اور ثبوت کی احادیث میں تعارض ہو تو ثبوت والی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا آپ روزے کیسے رکھتے ہیں تو اس کی بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے [1] جب حضرت عمر نے آپ کی ناراضی دیکھی تو عرض کیا ہم اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفٰے کے نبی ہونے سے راضی ہیں ہم اللہ و رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں [2] حضرت عمر یہ بار بار کہتے رہے حتی کہ حضور کی ناراضی جاتی رہی [3] پھر حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ جو ساری عمر روزے رکھے وہ کیسا فرمایا نہ اس نے روزے رکھے نہ افطار کیا یا فرمایا نہ روزہ رکھ سکا اور نہ افطار کرسکا [4] عرض کیا جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا کیا کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے [5] عرض کیا جو ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا یہ داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں [6] عرض کیا جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا میری تمنا ہے کہ مجھے یہ طاقت ملتی [7] پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر ماہ میں تین دن کے روزے اور رمضان سے رمضان تک کے روزے ساری عمر کے روزے ہیں [8] عرفہ کے دن کا روزہ مجھے اللہ کے کرم پر امید ہے کہ ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے کا کفارہ ہوجائے [9] اور عاشورہ کے

	دن روزہ مجھے اللہ کے کرم پر امید ہے کہ پچھلے سال کا کفارہ بنادے۔(مسلم)

۱؎ چند وجہ سے یہ ناراضی ہوئی:ایک یہ کہ سوال میں بے ادبی کا شائبہ ہے،سائل کو چاہیئے کہ اپنے متعلق سوال کرے نہ کہ مفتی کے بارے میں،انہیں پوچھنا چاہئیے تھا کہ میں کس طرح روزے رکھا کروں۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مختلف تھے آپ کبھی زیادہ روزے رکھتے تھے کبھی کم تو جواب دشوار تھا۔تیسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کم کرتے تھے تاکہ امت پر دشواری نہ ہو ان پر آسانی رہے۔چوتھے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام حقوق ازواج اور سلطنت کے انتظام،مہمانوں کی تواضع میں زیادہ مشغول رہتے تھے جس کی وجہ سے روزے کبھی کم رکھتے تھے۔پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑے اعمال پر وہ ثواب ملتا تھا جو دوسروں کو زیادہ اعمال پر بھی نہیں ملتا۔ممکن تھا کہ وہ سائل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سن کر انہیں کم سمجھتا جیسے بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سن کر انہیں کم جانا۔(مرقات و اشعہ ولمعات)

۲؎ یعنی میں سارے مسلمانوں کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ ہم سے جو بے ادبیاں سرزد ہوجاتی ہیں ان کی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں آپ کے مراتب کا انکار ہے بلکہ محض درباری آداب سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔شعر

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں　　　　ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

مرقات نے یہاں فرمایا کہ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی پر رب تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے اس لیے جناب عمر نے اللہ کے غضب کا بھی ذکر کیا۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے غضب سے سوائے رب کی بارگاہ کے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

۳؎ معلوم ہوا کہ عاجزی اور خوشامد بڑی اکسیر ہے۔شعر

عجز کار انبیاء و اولیاء ست　　　　عاجزی محبوب درگاہ خداست

۴؎ ایسا شخص ہمیشہ دن میں کھانے سے محروم رہا اور روزوں کا ثواب بھی نہ پاسکا کیونکہ سال میں پانچ دن روزے منع تھے وہ ان دنوں میں بھی روزے رکھ گیا گنہگار ہوا یا یہ حکم اس کے متعلق ہے جو ہمیشہ کے روزوں پر قادر نہ ہو بہت مشقت اٹھاکر اور نفس کو ہلاکت میں ڈال کر روزے رکھے اور ان روزوں کی وجہ سے حق والوں کے حقوق ادا نہ کرسکے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرت ابو طلحہ انصاری اور حمزہ ابن عمرو اسلمی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ان پانچ دنوں کے سواء ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مطلع ہونے پر منع نہ کیا،نیز بیہقی شریف میں ہے کہ جو ہمیشہ روزے رکھے اس پر دوزخ ایسی تنگ ہوجائے گی جیسے نوے کا عدد کہ کلمہ کی انگلی کا کنارہ انگوٹھے کی جڑ میں لگادیا جائے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ تنبیہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ہمیشہ روزے رکھنے کی وجہ سے ایسے عادی ہوجائیں کہ انہیں روزے میں تکلیف ہو۔(لمعات و مرقات)لہذا امام اعظم ابوحنیفہ کا چالیس سال مسلسل روزے رکھنا اس عتاب کی زد میں نہیں آتا۔

۵؎ یعنی عام لوگوں پر بھی دشوار ہے اس سے بھی لوگوں کے سارے کاروبار بند ہوجائیں گے۔اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ ممانعت کی وجہ لوگوں کی کمزوری ہے اگر کسی میں ہمیشہ روزے رکھنے کی طاقت ہو جس سے اس کا کوئی کام بند نہ ہو تو اس کے لیے وہی افضل ہے۔

۶؎ یعنی آپ ہمیشہ یوں ہی روزے رکھتے تھے یہ بہتر طریقہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ عوام پر یہ بھی مشکل ہے یہ تو داؤد علیہ السلام ہی تھے جو اس طرح روزے رکھ گئے دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے اور دوسری حدیثیں پہلے معنے کی تائید کرتی ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین روزے داؤد علیہ السلام کے پاس ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ عمل اتنا کرو جو تمہیں علم سے نہ روکے اور علم میں اتنے مشغول ہونا جو تمہیں اعمال سے نہ روکے،درمیانی چال اچھی۔

۷؎ یعنی مجھ پر امت کا بوجھ،ازواج کے حقوق،مملکت کے انتظامات نہ ہوتے تو میں اسی طرح روزے رکھا کرتا،اگر میں ایسے روزے رکھنے لگوں تو کمزور مسلمان بھی اس سنت پر عمل کرنے لگیں جس سے ان کے کاروبار بند ہوجائیں گے۔یہاں طاقت رکھنے سے مراد موقعہ پاناہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ وصال رکھاکرتے تھے کہ وہ ہمیشہ نہ رکھتے تھے کبھی کبھی،پھر بھی صحابہ کو اس سے منع فرمادیا لہذا اس عبادت سے کوئی دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھے کہ **نعوذباللہ** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کمزور تھے اور آپ میں ان روزوں کی بھی طاقت نہ تھی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان حضرت بایزید بسطامی نے ایک بار تین سال تک پانی نہ پیا،اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب قدس سرہ نے ایک بار انتیس دن کچھ نہ کھایا اور کسی کام میں فرق نہ آیا۔یہ واقعہ مجھے میرے مرشد برحق صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا۔ہر مہینہ کی تیرھویں،چودھویں،پندرھویں تاریخ کے روزے رکھ لیے جائیں اور پورے ماہ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو اس سے ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتاہے:"**مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا**"۔جب ایک کا دس ملتا ہے تو ان شاءاللہ! تین روزوں میں تیس کا ثواب ملے گا اس حساب سے ساری عمر کے روزے ہوجائیں گے یہ سب رحمتیں اس رحمت والے محبوب کے صدقے سے ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم

۸؎ پہلے عرض کیا جاچکا کہ یہ **صِیام** مصدر ہے نہ کہ **صوم** یا **صائم** کی جمع یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ کا روزہ اگلے پچھلے دو سال کے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اگر گناہ صغیرہ نہ ہوں تو درجے بلند کردیتاہے،گناہ کبیرہ بغیر توبہ اور بندوں کے حق بغیر ادا کئے معاف نہیں ہوتے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ آئندہ ایک سال کے گناہ مٹانے کے معنے یہ ہیں کہ اسے گناہ سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث غیر حاجیوں کے لیے ہے حاجی کے لیے عرفات میں اس دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

۹؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشورے کے روزے سے نویں بقر عید کا روزہ افضل ہے کیونکہ عاشورہ کا روزہ تو ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عرفہ کا روزہ دو سال کا مگر عاشورہ کا دن عرفے کے دن سے بعض اعتبار سے افضل ہے۔لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں عاشورے کے دن کی افضیلت بیان کی گئی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ۱؎ اس دن میں ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر قرآن اتارا گیا ۲؎ (مسلم)

۱؎ یا تو پوچھا گیا کہ اس دن میں روزہ رکھنا کیسا ہے اور اس کا کیا ثواب ہے یا یہ کہ یارسول اللہ آپ ہر پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں اس میں کیا خصوصیت ہے۔(مرقات و لمعات)

۲؎ یعنی پیر کے دن دنیا کو دو نعمتیں ملیں:ایک میری تشریف آوری اور دوسرے نزول قرآن کی ابتداء کہ غار حرا میں پہلی وحی "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ"الایہ پیر کے دن ہی آئی لہذا اس دن روزہ رکھنا بہت ہی بہتر ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وقت اور جگہ اشرف واقعات کی وجہ سے اشرف ہوجاتے ہیں۔(مرقات)دوسرے یہ کہ حضو ر انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کریمہ اللہ تعالٰی کی بڑی ہی نعمت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نعمتوں میں شمار کیا،رب تعالٰی نے صرف اس نعمت پر مَنَّ فرما کر احسان جتایا کہ فرمایا:"لَقَدْ مَنَّ اللہُ عَلَی الْمُؤۡمِنِیۡنَ"الایہ۔تیسرے یہ کہ اہم واقعات کی یادگاریں منانا سنت سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ یادگار میں کھیل کود نہ ہونا چاہیئے بلکہ عبادتیں ہوں اس لیے میلاد شریف،عید معراج،عرس وغیرہ کا ثبوت ہوتاہے۔پانچویں یہ کہ امام مالک کے ہاں پیر کا دن جمعہ سے بھی افضل ہے،ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ عدویہ سے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کہ مہینہ کے کون سے حصہ میں روزے رکھتے تھے فرمایا اس کی پرواہ نہ کرتے تھے کہ کس حصہ میں روزہ رکھیں ۱؎ (مسلم)

۱؎ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال نگاہ میں رکھتی تھیں اس لیے سرکار کے حالات زیادہ تر ام المؤمنین ہی سے پوچھے جاتے تھے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ میں مختلف روزے رکھتے تھے کبھی زیادہ کبھی کم مگر تین دن سے کم کبھی نہ رکھتے تھے،اکثر تیرہویں،چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھتے تھے،کبھی ان کے علاوہ اور تاریخوں میں بھی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان تین تاریخوں میں روزے رکھتے تھے کیونکہ وہاں اکثری حالت کا ذکر ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ان تین روزوں کی تاریخ میں دس۱۰ قول ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاری سے انہوں نے خبر دی ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رمضان

کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے ۲؎ تو ساری عمر کے روزوں کی طرح ہوگا ۳؎ (مسلم) ۴؎	

۱؎ اپنے سے نیچے راوی کو یعنی اپنے شاگرد ابن عمرو ابن ثابت کو،انہوں نے یہ حدیث بیان کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎ مسلسل یا متفرق مگر متفرق افضل،اس طرح کہ عید کے سویرے ایک روزہ رکھ لے،باقی پانچ روزے پورے مہینے میں کچھ فاصلہ کرتے ہوئے رکھ لے۔

۳؎ کیونکہ سال میں دن تقریبًا تین سو ساٹھ ہوتے ہیں اور ہر نیکی کا ثواب دس گناہ تو رمضان کے تیس روزے تین سو بن گئےاور یہ چھ روزے ساٹھ ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ ہر مہینہ میں تین روزے عمر بھر کے روزے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان روزوں کا بھی یہی ثواب ہوا اور ان کا بھی یہی،ثواب ایک لیکن اس کے حاصل کرنے کے ذریعے بہت۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث قریبًا تیس صحابہ سے مروی ہے،ترمذی نے اسے حسن فرمایا،باقی انتیس اسنادیں اس کی نہایت صحیح ہیں۔چنانچہ اسے طبرانی،بزاز،ابن ماجہ،نسائی،ابن خزیمہ،ابن حبان،احمد،بیہقی وغیرہ کتب نے ابوہریرہ،جابر،ثوبان،براء ابن عازب،ابن عباس،سعد ابن سعید،ابو ایوب انصاری اور حضرت عائشہ صدیقہ سے روایتیں کیں،اس حدیث کوضعیف کہنا سخت غلطی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید و قربانی کے دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ نحر کے دن سے تشریق کے سارے دن مراد ہیں،چونکہ ان میں سے اکثر میں قربانی ہوتی ہے اس لیے تغلیبًا ان سب کو نحر کا دن فرمادیا،دسویں ذی الحجہ صرف قربانی کا دن ہے،گیارھویں بارھویں قربانی کا دن بھی ہے اور تشریق کا بھی اور تیرھویں صرف تشریق کا دن ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے:یکم شوال اور دسویں،گیارھویں،بارھویں،تیرھویں ذی الحجہ۔

مسئلہ: جو شخص ان دنوں میں روزے کی نذر مان لے تو دوسرے اماموں کے ہاں وہ نذر ہی درست نہیں اور امام اعظم کے ہاں نذر صحیح ہے مگر اس کی قضاء واجب۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو دن روزہ جائز نہیں عید و بقرعید ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ دو دن سے مراد دو قسم کے دن ہیں اور بقر عید سے مراد دسویں ذی الحجہ سے مع تین دن بعد والے جیساکہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔غرضکہ یہ حدیث مجمل ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

	روایت ہے حضرت نبیشہ ہذلی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریق کا زمانہ کھانے اور پینے اور اللہ کے ذکر کا زمانہ ہے ۱؎(مسلم)۲؎

۱؎ بقرعید کے تین دن بعد تک یعنی ۱۳ تاریخ تک اہلِ عرب قربانی کے گوشت سکھاتے تھے اس لیے ان دنوں کو تشریق یعنی سکھانے اور دھوپ دکھانے کا زمانہ کہا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ چار دن بندوں کی مہمانی کے ہیں جن میں رب تعالٰی میزبان بندے مہمان اس لیے ان دنوں میں روزہ رکھنا گویا رب تعالٰی کی دعوت سے انکار،اس زمانہ میں خوب کھاؤ خوب پیئو اور خوب اللہ کا ذکر کرو،یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفصیل ہے جس نے بتایا کہ وہاں بقر عید سے مراد یہ چاروں دن تھے۔

۲؎ احمد،طبرانی،دار قطنی،ابن ابی شیبہ وغیرہم نے مختلف الفاظ سے روایتیں کیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منٰی کے زمانہ میں اعلان کراتے تھے،صحابہ منٰی کے بازار میں شور کرتے پھرتے تھے کہ خبردار ایام تشریق میں روزے نہ رکھنا یہ دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے ۱؎مگر یہ کہ اس کے آگے پیچھے بھی روزہ رکھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی نفلی روزہ صرف جمعہ کا نہ رکھے یا جمعرات جمعہ یا جمعہ ہفتہ دو دن روزے رکھے،اس کی تحقیق آگے آرہی ہے۔

۲؎ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام محمد کے ہاں صرف جمعہ کا روزہ جائز ہے یہ ممانعت تنزیہی ہے وہ بھی بعض صورتوں میں جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔نفلی روزہ صرف جمعہ کا نہ رکھنا بہتر اس کی وجہ اللہ رسول ہی جانتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ دن غسل کرنے،کپڑے بدلنے،خطبہ سننے،نماز جمعہ پڑھنے وغیرہ عبادات کا ہے ممکن ہے روزے کی وجہ سے بندہ یہ کام بخوبی انجام نہ دے سکے جیسے حاجی کے لیے عرفے کے دن روزہ رکھنا بہتر نہیں کہ وہ اس دن روزہ رکھ کر آج کے کام اچھی طرح نہ کرسکے گا۔شارحین نے اوربہت سی وجہیں بیان کی ہیں لیکن یہ وجہ زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہود کے ہاں ہفتہ کا دن افضل ہے اور عیسائیوں کے ہاں اتوار بہتر،وہ لوگ ان دنوں میں روزے رکھتے ہیں اگر مسلمان اپنے افضل دن یعنی صرف جمعہ کا روزہ رکھیں تو ان سے مشابہت ہوجائے گی۔واللہ اعلم!

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کی رات کو دیگر راتوں میں شب بیداری سے خاص نہ کرو ۱؎اور جمعہ کے دن کو دیگر دنوں میں روزے سے خاص نہ کرو ۲؎مگر یہ کہ جمعہ اس تاریخ میں آجائے جس میں کوئی روزہ رکھتا ہو ۳؎(مسلم)

۱؎ اس طرح کہ صرف اسی رات میں عبادت کو لازم کرلو یا سمجھ لودوسری راتوں میں بالکل ہی غافل رہوبلکہ اور راتوں میں بھی عبادت کیا کرو،اس توجیہ پر حدیث بالکل صاف ہے یعنی جمعہ کی رات میں عبادت کرنا منع نہیں بلکہ اور راتوں میں بالکل عبادت نہ کرنا مناسب نہیں کہ یہ غفلت کی دلیل ہے،چونکہ جمعہ کی رات ہی زیادہ عظمت والی ہے،اندیشہ تھا کہ لوگ اس کو نفلی عبادتوں سے خاص کرلیں گے اس لیے اسی رات کا نام لیا گیا۔

۲؎ کیونکہ جمعہ ہفتہ بھر کی عید ہے صرف عید میں روزہ رکھنا کیسا۔لمعات میں امام مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کوئی فقیہ صرف جمعہ کے روزے کو منع نہیں کرتا بلکہ بعض فقہاء ارادۃً جمعہ ہی کا روزہ رکھتے ہیں۔ (اشعہ)خلاصہ یہ کہ تمام فقہاء کے ہاں یہ حدیث خلافِ اولیٰ کے لیے ہے کیوں کہ آگے صراحۃً حدیث میں آرہاہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو بہت کم افطار کرتے،روزہ ہی رکھتے تھے۔

۳؎ مثلا کوئی شخص ہر گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا عادی ہو اور اتفاق سے اس دن جمعہ آجائے تو رکھ لے اب خلاف اولی بھی نہیں،بعض لوگ مخصوص تاریخوں میں خاص عبادتیں کرنے کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے عبادت یا دن مقرر کرنا حرام ہے اور ان دو حدیثوں کی آڑ پکڑتے ہی،الحمدللہ اس جملے نے ان کے خیال کو باطل کردیا،صاف بتادیا کہ جمعہ کا روزہ مقرر کرنے کی وجہ سے حرام نہیں ہوا بلکہ اسکی وجوہ کچھ اور ہیں جو پہلے عرض کی گئیں ورنہ یہ تاریخوں کا مقرر کرنا کیوں درست ہوتا۔اس کی پوری بحث اس جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمائیے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے تو اللہ اسے آگ سے ستر سال کی راہ دور رکھے گا۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عربی میں خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں،چونکہ اہلِ عرب اپنے کاروبار میں اس موسم سے سال شروع کرتے ہیں اس لیے اس سے پوراسال بھی مراد لے لیتے ہیں وہی یہاں مراد ہے اور حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے۔روزے سے نفلی روزہ مراد ہے اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نفلی روزے کے باب میں لائے یعنی بندہ مسلم اگر ایک نفلی روزہ رکھے اور اللہ قبول کرے تو دوزخ میں جانا تو کیا وہ دوزخ سے قریب بھی نہ ہوگا اور وہاں کی ہوا بھی نہ پائے گا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبداللہ کیا مجھے یہ خبر نہ ملی کہ تم ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو۱؎ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو،افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سوؤ بھی ۲؎ کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری آنکھو ں کا بھی حق ہے۳؎ اور تم پر تمہاری بیوی	

کا بھی حق ہے اور تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے ۴؎ جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں ۵؎ ہر مہینہ تین روزے ساری عمر کے روزے ہیں ہر مہینہ میں تین روزے رکھو ۶؎ اور ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرو ۷؎ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں ۸؎ فرمایا تو تم بہترین روزے یعنی روزہ داؤد رکھو کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو اس سے زیادہ نہ کرو ۹؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ سوال انکاری ہے یعنی مجھے خبر ملی ہے کہ تم سوائے پانچ ممنوعہ دنوں کے باقی سال بھر مسلسل نفلی روزے رکھتے رہتے ہو اور رات کو عبادت کہ نہ دن میں کبھی افطار کرتے ہو نہ رات میں سوتے ہو۔

۲؎ ورنہ تم اتنے کمزور ہوجاؤ گے کہ فرضی عبادتیں اور لوگوں کے شرعی حقوق ادا نہ کرسکو گے اور نفل کی وجہ سے فرض چھوڑنا یا فرض چھوٹنے کے اسباب پر عمل کرنا نہ عقلًا مناسب ہے نہ شرعًا۔خیال رہے کہ اس صورت میں یہ ممانعت تحریمی ہے،جو چیز فرائض چھڑا دے وہ حرام ہے۔

۳؎ ہمیشہ روزہ رکھنے سے تمہارا جسم بہت کمزور ہوجائے گا اور بالکل نہ سونے سے نگاہ کمزور پڑجانے کا خطرہ ہے۔

۴؎ اور ہمیشہ روزہ رکھنے اور شبِ بیداری کرنے سے تم کما نہ سکو گے اور بیوی کو منہ نہ لگاؤ گے،ملاقاتی لوگ اور مہمان چاہتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ کھاؤ پیو اور رات کو دو گھڑی ان سے بات چیت کرو،تم یہ بھی نہ کرسکو گے۔ان جملوں سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ روزے رکھنے کی ممانعت ہم جیسے لوگوں کے لیے ہے جو تمام حقوق چھوڑ بیٹھیں۔جن کے لیے ہمیشہ کا روزہ اور رات بھر کا جاگنا مذکورہ حقوق سے آڑ نہ ہو ان کے لیے اس میں حرج نہیں مگر ایسے بہادر لوگ لاکھوں میں ایک آدھ ہیں،جیسے حضرت طلحہ وغیرہ صحابہ میں اور امام ابوحنیفہ تابعین میں۔

۵؎ یعنی کامل روزے نہ رکھے جس سے پورا ثواب ملے۔ہماری پہلی شرح سے معلوم ہوچکا کہ یہاں مَنْ سے مراد وہ عام مسلمین ہیں جو دن میں عبادتوں میں مشغول ہوکر باقی حقوق ادا نہ کرسکیں۔

۶؎ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے تو ہر مہینہ میں تین روزوں کا ثواب پورے مہینہ کے روزوں کا ہوگا،بہتر یہ ہے کہ یہ تین روزے چاند کی ۱۳،۱۴،۱۵ کو رکھے جائیں۔

۷؎ یہ جملہ قرآن کریم کے تیس پارے بنانے کی اصل ہے،زمانہ نبوی میں قرآن کریم کی تقسیم سورتوں اور منزلوں پر تھی رکوع اور پاروں پر نہ تھی،پھر خلافت عثمانیہ میں اس میں رکوع قائم کئے گئے کہ حضرت عثمان غنی تراویح کی رکعتوں میں جس قدر تلاوت کرکے رکوع فرماتے اس کا نام رکوع رکھا گیا اور حاشیہ پر ع کا نشان لگایا گیا تاکہ تراویح کا باقاعدہ رواج دینے والے جناب عمر اور اس رواج کو تمام دنیا میں پھیلانے والے حضرت عثمان کی طرف اشارہ ہو،تراویح روزانہ بیس رکعت ہوتی تھیں اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن اس لیے قرآن کریم کے پانچ سو چالیس رکوع ہوئے،بہت عرصہ

بعد قرآن کریم کے تیس پارے کئے گئے تاکہ روزانہ تلاوت کرنے والوں کو آسانی رہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرلیا کریں۔

۸؎ لہٰذا مجھے زیادہ عبادت کی اجازت دیجئے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت سے ان کے لیے اتنے نوافل اور روزے ناجائز ہوگئے تھے اس لیے آپ خوشامد کرکے زیادہ کی اجازت حاصل کررہے ہیں۔اس سے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات خداداد معلوم ہوئے وہاں ہی صحابہ کا شوق عبادت بھی ظاہر ہوگیا،اللہ ان بزرگوں کے طفیل ہمیں بھی عبادت کا شوق دے۔

۹؎ کہ روزانہ فمی بشوق کی ترتیب پر ایک منزل پڑھوتاکہ ہفتہ میں ایک قرآن ختم ہو۔ابھی عرض کیا جاچکا کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمرو جیسی طاقت رکھتے ہوں،ان سے کمزور مہینہ میں ختم کریں اور ان سے زیادہ قوی ہفتہ سے کم میں بھی ختم کرسکتے ہیں،ایک مہینہ میں بھی ختم نہ کرنا بڑی محرومی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے ۱؎(ترمذی نسائی)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جمعرات اور پیر کے دن نفلی روزے رکھتے تھے اس کی وجہ اگلی حدیث میں آرہی ہے۔پیر کو یوم الاثنین غالبًا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔بعض نے کہا کہ عرب میں ہفتہ اتوار سے شروع ہوتا ہے لہٰذا اتوارا پہلا دن ہوا اور پیر دوسرا اور جمعرات پانچواں مگر علماء کا قول یہ ہے کہ ہفتہ سنیچر سے شروع ہوتا ہے۔(مرقات)احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کا پہلا دن جمعہ ہے کہ اس دن ہی پیدائش عالم کی ابتداء پڑی۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال پیرو جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں ۱؎ لہٰذا میں چاہتاہوں کہ میرے عمل اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ والا ہوں ۲؎(ترمذی)	

۱؎ اس طرح کہ اعمال لکھنے والے فرشتے بندوں کے ہفتہ بھر کے اعمال ان دودنوں میں رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔خیال رہے کہ اعمال کا اٹھانا یعنی آسمانوں پر پہنچانااور ہے اور رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیشی کچھ اور،اعمال کا اٹھانا تو روزانہ چوبیس گھنٹے میں دوبار ہوتا ہے کہ دن کے اعمال رات سے پہلے،اور رات کے اعمال دن سے پہلے وہاں پہنچائے

جاتے ہیں مگر پیشی ہفتہ میں دو بار لہذایہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں روزانہ دوبار اعمال اٹھانے کا ذکر ہے۔(مرقات)یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال لکھنے والے فرشتے اعمال نامے ان فرشتوں پر پیش کرتے ہیں جواعمال ناموں کی نقل اپنے رجسٹروں میں کرتے ہیں۔(اشعہ)تب تو یہ حدیث بالکل صاف ہے۔

۲؎تاکہ روزے کی برکت سے رحمت الٰہی کا دریا جوش مارے۔خیال رہے کہ سال بھر کے اعمال کی تفصیلی پیشی شعبان میں ہوتی ہےکیونکہ وہ اللہ کے ہاں سال کا آخری مہینہ ہے اور رمضان سال کا شروع مہینہ جیسے دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔غرضکہ فرشی سال اور ہے جس کی ابتداء محرم سے انتہاء بقرعید پر،عرشی سال کچھ اور۔(ازمرقات)

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابو ذر جب تم ہر مہینہ تین روزے رکھو تو تیرھویں،چودھویں پندرھویں کے رکھو ۱؎(ترمذی،نسائی)

۱؎انہی دنوں کو عربی میں ایام بیض یعنی چمک دار دن کہا جاتا ہے جن کی راتیں روشن ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تاریخوں میں اکثر روزے رکھتے تھے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں پہلی تین تاریخوں میں روزے رکھتے تھے ۱؎اور جمعہ کے دن بہت کم افطار کرتے تھے ۲؎(ترمذی،نسائی)اور ابوداؤد نے تین ایام تک روایت کی۔

۱؎ پہلی دوسری تیسری تاریخوں میں یا ان کے قریب۔حضرت ابن مسعود کی یہ روایت اپنے علم کے لحاظ سے ہے ورنہ سرکار کا یہ عمل کبھی کبھی تھا اکثر ۱۳،۱۴،۱۵ کو روزہ رکھا کرتے تھے لہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے خلاف ہے کہ سرکار مہینہ کے روزوں میں خاص تاریخوں کے پابند نہ تھے اور نہ اس کے مخالف کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض یعنی تیرھویں،چودھویں،پندرھویں کے روزے رکھتے تھے۔

۲؎یعنی اکثر جمعہ کو روزہ رکھتے تھے،چونکہ جمعہ کی نیکی کا ثواب ستر گناہ ہے۔ظاہر یہ ہے کہ آپ صرف جمعہ کا روزہ رکھتے تھے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے نہیں،ہر شخص کو اس دن کے روزے کی اجازت ہے لہذا یہ حدیث مذہب حنفی و فقہاء کے فتوی کی مؤید ہے کہ جمعہ کا روزہ ممنوع نہیں،جہاں ممانعت آئی ہے وہاں کسی عارضہ سے ہے یا بمعنی خلاف اولیٰ ہے۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ میں ہفتہ اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے تھے اور دوسرے مہینہ میں منگل،بدھ اور جمعرات کا ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی آپ نے ہفتہ کے سارے دنوں میں اپنے روزے تقسیم کردیئے تھے تاکہ کوئی دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کی برکت سے محروم نہ رہے۔چنانچہ ایک مہینہ میں تین دن اور دوسرے مہینہ میں اگلے تین دن روزے رکھتے تھے اور جمعہ کے روزے کی تو عادت کریمہ تھی ہی جیساکہ ابھی حدیث پاک میں گزرگیا۔ ہم لوگ دنوں سے برکت حاصل کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سے دن برکت پاتے تھے جیسے ہم چاند سے روشنی پاتے ہیں اور چاند سورج سے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے تھے کہ میں تین روزے ہر مہینہ میں رکھوں جن میں پہلا روزہ پیر یا جمعرات کا ہو ۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہ حکم استحبابی تھا نہ کہ وجوبی،اسی واسطے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے وہ روزے نفل ہوتے تھے۔مرقات نے فرمایا کہ اثنین پیر کے دن کا نام بن چکا ہے جیسے بحرین ایک علاقہ کا نام ہے اور ناموں میں تبدیلی نہیں ہوتی اس لیے یہاں رفع کی حالت میں اثنان نہ آیا بلکہ اثنین ہی آیا۔بعض کا خیال ہے کہ یہاں یوم پوشیدہ ہے اثنین اس کا مضاف الیہ ہے مگر پہلی بات بہت قوی ہے۔مطلب یہ ہے کہ کسی مہینہ میں پیر منگل اور بدھ کے روزے رکھو اور کسی میں جمعرات،جمعہ اور ہفتہ کے بعض شارحین کے خیال میں یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے یعنی تمہیں اختیار ہے کہ پیر سے شروع کرو یا جمعرات سے۔

	روایت ہے حضرت مسلم قرشی سے فرماتے ہیں کہ یا میں نے یا کسی اور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بھر کے روزوں کے متعلق پوچھا ۱؎ تو فرمایا کہ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے رمضان کا اور اس کے متصل کا روزہ رکھو ۲؎ اور ہر بدھ و جمعرات کا روزہ رکھو تو تم نے ساری عمر کے روزے رکھ لیے ۳؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ کہ پانچ ممنوعہ دنوں کے علاوہ باقی ساراسال روزہ رکھنے کا شرعی حکم کیا ہے ثواب ہے یا گناہ۔

۲؎ متصل سے مراد یا شعبان ہے یا شوال یعنی اکثر شعبان اور سارے رمضان کے روزے رکھو یاسارے رمضان اور چھ شوال کے روزے رکھو،یہ حدیث مجمل ہے جس کی شرح پہلی احادیث تھیں۔

۳؎ یعنی ان روزوں میں تمہیں ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عمر بھر کے روزے بذات خود ممنوع نہیں بلکہ اگر ضعف پیدا کریں جس سے مسلمان دوسرے حقوق ادا نہ کرسکے تو ممنوع ہیں لہذا بعض صحابہ کرام اور مشائخ عظام کا عمر بھر روزے رکھنا اس حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مقام عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ا(ابوداؤد)	

ا یعنی حاجی کو نویں بقرعید کے دن عرفات شریف میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیاتاکہ حاجی اس دن دعا مانگے،نمازوں کے جمع کرنے اور حج کے دیگر کاموں سے عاجز نہ ہوجائےاور روزے کی وجہ سے اس کے اخلاق اپنے ساتھیوں کے ساتھ خراب نہ ہوجائیں،یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ نے بارہا اس دن روزہ رکھا ہے،حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر سردی میں ایسا موقع آئے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں گرمیوں میں نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے وہ اپنی بہن صماء سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہفتہ کے دن بجز اس کے جو تم پر فرض ہو اور روزہ نہ رکھوا اگر تم میں سے کوئی انگور کی چھال یا درخت کی لکڑی کے سواء کچھ نہ پائے تو وہ ہی چبائے ۲(احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)۳	

ا یعنی نفلی روزہ صرف ہفتہ کے دن نہ رکھوکیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے کہ وہ اگرچہ اس دن روزہ تو نہیں رکھتے مگر اس کی تعظیم بہت ہی کرتے ہیں تمہارے اس روزے میں ان سے اشتباہ ہوگا۔جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے لہذا یہ حدیث ہفتہ کے دن کے روزے کی احادیث کے خلاف نہ ہوگی کہ وہ بیان جواز کے لیے ہیں اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے۔اگر ہفتہ کے ساتھ اور دن کا بھی روزہ رکھ لیا جائے تو نہ مشابہت رہے گی نہ ممانعت۔یہاں فرض سے مراد صرف شرعی فرض نہیں بلکہ بمعنی ضروری ہے لہذا رمضان،قضائے
رمضان،نذر،کفارہ،عاشورے،گیارھویں،بارھویں وغیرہ متبرک تاریخوں کے روزے اس دن میں رکھنا بلاکراہت جائز ہیں۔(مرقات ولمعات)

۲یعنی ہفتہ کے دن اتفاقیہ فاقہ بھی نہ کرے اگر گھر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ہوتو معمولی چیز نگل کر ہی فاقہ سے بچ جائے،یہ فرمان مبالغہ کے لیے ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت تحریمی ہواور حدیث منسوخ ہو۔

۳اس حدیث کو حاکم نے صحیح اور شرط بخاری پر کہااور نووی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے،ابوداؤد فرماتے ہیں حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے اتو اللہ تعالٰی اس کے اور آگ کے درمیان ایسی خندق کر دے گا جیسی آسمان اور زمین کے درمیان ۲(ترمذی)	

۱؎ اللہ کی راہ سے مراد جہاد،حج،عمرہ،طلب علم دین کا سفر ہےیعنی ان میں سے جو مسافر ایک دن بھی رکھ لے یا اس سے مراد رضائے الٰہی ہے یعنی جو کوئی گھر یا سفر میں ایک نفلی روزہ رکھ لے۔

۲؎ یعنی پانچ سو سال کی راہ اس سے پہلے ستر سال کی راہ کا فاصلہ بھی آچکا ہے مگر ان میں آپس میں تعارض نہیں کیونکہ اخلاص کے فرق سے ثواب میں فرق ہوجاتا ہے۔خندق فرماکر اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ ان شاءاللہ اس تک آگ تو کیا آگ کی تپش بھی نہ پہنچ سکے گی جیسے اتنی لمبی چوڑی خندق پھلانگ کر دشمن نہیں پہنچ سکتا۔

روایت ہے حضرت عامر ابن مسعود سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈی غنیمت جاڑوں کے روزے ہیں ۲؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مرسل ہے ۳؎	

۱؎ ان کے نام اور ان کی صحابیت میں بڑا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ یہ عامر ابن عبداللہ ابن مسعود ہیں،تابعی ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ عامر ابن مسعود ابن امیہ ابن خلف جمحی ہیں،یعنی صفوان ابن امیہ کے بھتیجے۔حق یہی ہے کہ آپ صحابی نہیں تابعی ہیں۔

۲؎ جن میں تکلیف بہت کم اور اصل روزے کا ثواب پورا جیسے جہاد میں دشمن بغیر مقابلہ بھاگ جائے اور سردی کا موسم بھی ہو کہ غازی بلا تکلیف ثواب اور غنیمت لے آتا ہے،سردی کے رمضان کا بھی یہی حال ہے۔خیال رہے کہ یہ اصل ثواب میں گفتگو ہے ورنہ گرمی کے روزوں میں زیادہ مشقت کا ثواب بھی ملے گا اسی لیے حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ مجھے تین چیزیں بڑی پیاری ہیں:اکرام الضیف،صیام الصیف،جہاد بالسیف،مہمان کی خدمت،گرمی کے روزے،تلوار سے جہاد۔

۳؎ کیونکہ عامر ابن مسعود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہ پائی۔خیال رہے کہ آپ ابراہیم ابن عامر قرشی کے والد ہیں اور آپ کی اس کے سواء کوئی حدیث نہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث مامن ایام الحدیث قربانی کے باب میں ذکر ہوچکی۔	

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورے کے دن روزہ رکھتے پایا ۱؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو ۲؎ وہ	

بولے یہ وہ عظمت والادن ہے جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبویا،موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا ہم بھی رکھتے ہیں۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۴؎ چنانچہ یہ روزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رکھا۵؎ اور اس روزہ کا حکم بھی دیا۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ہجرت کے دوسرے سال میں جب عاشورے کا دن آیا تو آپ نے یہود کو روزہ دار دیکھا کیونکہ ربیع الاول شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے تھے اس سال کا عاشورہ گزر چکا تھا۔

۲؎ خیال رہے کہ یہود کے مہینے اور تاریخیں اسلامی مہینوں اور تاریخوں کے علاوہ تھیں مگر انہوں نے عاشورے کے دن کو روزہ کے لیے چھانٹ لیا تھا جس میں چاند کے حساب سے ہی روزے رکھتے تھے محض برکت کے لیے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہود کے مہینہ ہی اور تھے تو ان کا عاشورا کے دن روزہ کیسا۔

۳؎ شرعی قاعدہ سے دینی باتوں میں کفار کی خبر معتبر نہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ خبر معتبر مانی یا اس لیے کہ عبداللہ ابن سلام وغیرہ علمائے یہود جو اسلام لاچکے تھے انہوں نے بھی یہ خبر دی یا اس لیے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ وحی سے معلوم تھا،اس کی تائید کرانے کے لیے ان سے یہ سوال فرمایا گیا یا اس لیے کہ یہود کے ہاں یہ خبر متواتر تھی،متواتر خبریں کفار کی بھی معتبر ہیں،تواتر مستقل بڑا ثبوت ہے۔

۴؎ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سارے بھائی ہیں اصل دین میں سب متفق ہیں۔اے یہود! تم نے تو ان کی کتاب ہی بدل دی اور تم اصل دین ہی میں ان کے مخالف ہوگئے تو جب تم ان کی خوشی میں شرکت کرتے ہو تو ہم بھی ان کی خوشی میں شریک ہوں گےاور ان کی یادگار قائم کریں گے۔اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ ہم عاشورہ کا روزہ تمہاری مشابہت کے لیے نہیں رکھتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے لیے رکھتے ہیں اور موافقت انبیاء علیہم السلام اسلام میں بڑی پیاری چیز ہے،دیکھو سورۂ ص کا سجدہ داؤد علیہ السلام کی موافقت کے لیے ہے نہ کہ داؤدیوں کی مشابہت کے لیے۔فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث سے یہ شبہ اٹھ گیا کہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت اسلام میں منع ہے۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شروع اسلام میں یہ مشابہت ممنوع نہ تھی بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی باتوں میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے حتی کہ اسلام کا پہلا قبلہ بیت المقدس رہاکیونکہ انہی کے تالیف قلوب کے لیے پھر جب ان کی ہٹ دھرمی کھل گئی تو اسلام میں ان کی مخالفت لازم کردی گئی۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ رکھنا موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے لیے ہے نہ کہ ان کی متابعت کے لیے۔موافقت اور متابعت میں زمین وآسمان کا فرق ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ"یہاں موافقت کا ذکر ہے کہ آپ سارے انبیاء کی موافقت فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرموسیٰ علیہ السلام تجلیات ظاہری

زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا،یہاں اتباع کا ذکر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے موافق ہیں اور انبیائے کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع۔

۶؎ چنانچہ شروع اسلام میں عاشوراء کا روزہ فرض رہا،پھر رمضان کی فرضیت سے عاشورا کے روزوں کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر سنیت اب بھی باقی ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ معظم واقعات کی یادگاریں منانا رکن اسلامی ہے۔دوسرے یہ کہ یہ یادگاریں محض اس لیے حرام نہ کہی جائیں گی کہ ان میں مشابہت کفار کا شائبہ ہے۔تیسرے یہ کہ اسلامی یادگاریں کھیل کود سے نہ منائی جائیں بلکہ عبادتوں سے منائی جائیں،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یادگار میں روزہ رکھا جوکہ عبادت ہے۔چوتھے یہ کہ اللہ والوں کی خوشی میں شرکت کرنا کچھ ملنے کا بہانہ ہوجاتاہے،بادشاہوں کے نوکر چاکر شہزادوں کی سالگرہ میں دکھلاوے کی خوشی مناکر بھی کچھ پا لیتے ہیں تو اگر ہم عید میلاد،عید معراج دل سے منائیں تو ان شاءاللہ منہ مانگی مرادیں پائیں گے بلکہ پارہے ہیں ان تمام عیدوں کی اصل یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن دنوں میں روزے زیادہ رکھتے تھے ان میں اکثر ہفتہ و اتوار کو رکھتے تھے۱؎ اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کی عید کے دن ہیں میں چاہتاہوں کہ ان کی مخالفت کروں۲؎(احمد)

۱؎ خیال رہے کہ ہفتہ یا اتوار یا دونوں دنوں کے روزے رکھنا یہودیوں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور ان دنوں کی تعظیم کے لیے روزہ رکھناسخت منع لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہفتہ کے روزے سے منع فرمایا گیا تھا کیونکہ وہاں دوسری نوعیت کا روزہ مراد تھا اور یہاں پہلی قسم کا روزہ مقصود ہےاور ہوسکتا ہے کہ وہاں صرف ہفتہ کا روزہ مراد ہواور یہاں ہفتہ اتوار دونوں دن کا روزہ ہے۔

۲؎ یعنی ہفتہ کا دن یہود کی عید ہے اور اتوار کا دن عیسائیوں کی عید ان میں وہ خوب کھاتے پیتے ہیں اور عیش کرتے ہیں ہم نے ان کی مخالفت میں روزہ رکھا۔مشرکین سے مراد یہودی،عیسائی ہیں کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی لہذا یہ دونوں مشرک ہوئے۔قرآن شریف میں عموماً شرک بمعنی کفر اور مشرک بمعنی کافر استعمال ہوا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ"اور فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ"۔ان آیتوں میں شرک بمعنی کفر ہے، ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی مشرکین سے کفار مراد ہوں۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور ہم کو اس پر رغبت دیتے اور عاشورہ کے دن ہماری تحقیقات فرماتے تھے پھر جب رمضان فرض

	ہوا تو نہ ہمیں اس کا حکم دیا نہ منع کیا نہ تحقیقات فرمائی ا(مسلم)

ا یہ دونوں واقعے ہجرت کے بعد ہیں،ہجرت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روزہ کا حکم نہیں دیا تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں عاشورہ کا روزہ فرض تھاکیونکہ اس کا حکم دینا اور عاشورہ آنے پر تحقیقات فرمانا کہ کس نے روزہ رکھا اور کس نے نہیں فرضیت کی علامت ہے۔رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کی فرضیت اٹھ گئی مگر سنیت باقی رہی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک یہ روزہ رکھاہے۔مسلم،بخاری میں حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے یہ اعلان کرایا کہ جس نے کچھ کھالیا ہو وہ بقیہ دن کچھ نہ کھائے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھ لے کیونکہ آج عاشورہ ہے،یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔

	روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار کام نہ چھوڑتے تھے عاشورہ کا روزہ،بقر عید کے دس دن اور ہر مہینہ تین دن کے روزے ااور فجر سے پہلے کی دو رکعتیں۔(نسائی)

ا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک یہ تینوں قسم کے روزے رکھےلہذا یہ سب سنت ہیں،بقر عید کے دس دن سے مراد نو دن ہیں ورنہ دسویں بقرعید کو روزہ حرام ہے یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری عمل مراد ہے نہ کہ ہمیشہ کالہذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو بقرعید کے عشرہ میں روزہ رکھتے نہ دیکھا،بقر عید کا عشرہ بہت ہی بہترین زمانہ ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں بہترین ہیں کہ ان سب میں شب قدر ہے اور بقرعید کے پہلے عشرہ کے دن افضل ہیں کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی کے روشن دنوں میں روزے نہ چھوڑتے تھے نہ گھر میں نہ سفر میں ا(نسائی)

ا یہاں مرقات نے فرمایا ایام بیض کے متعلق علماء کے نو قول ہیں جن میں سے زیادہ قوی قول یہ ہے کہ وہ چاند کی تیرھویں،چودھویں،پندرھویں راتیں ہیں،انہیں ایام بیض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی راتیں اجیالی ہیں اور یا اس لیے کہ ان کے روزے دنوں کو نورانی اور اجیالا کرتے ہیں اور یا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کے اعضاء جنت سے آکر سیاہ پڑگئے تھے،رب تعالٰی نے انہیں ان تین روزوں کا حکم دیاہر روزے سے آپ کا تہائی جسم چمکیلا ہواحتی کہ تین روزوں کے بعد سارا جسم نہایت حسین ہوگیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کی زکوۃ ہے اور جسم کی

	زکوۃ روزہ ہے[1](ابن ماجہ)

[1] کہ روزے کی برکت سے اکثر آدمی دبلے ہوجاتے ہیں،جسم کا کچھ گوشت گل جاتا ہے یا روزہ کی برکت سے جسم گناہوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے یا روزہ کی برکت سے آگ روزہ دار تک نہ پہنچ سکے گی۔غرضکہ روزہ زکوۃ کے سے تینوں کام کرتا ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزے رکھتے تھے عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالٰی سوائے عداوت والوں کے باقی سب مسلمانوں کو بخش دیتا ہے[1]ان کے متعلق فرمایا ہے انہیں چھوڑ دو حتی کہ آپس میں صلح کرلیں[2](احمد،ابن ماجہ)

[1] سبحان اللہ! یہ دونوں دن بڑی عظمت اور برکت والے ہیں کیوں نہ ہوں کہ انہیں عظمت والوں سے نسبت ہے،جمعرات تو جمعہ کا پڑوسی ہے اور حضرت آمنہ خاتون کے حاملہ ہونے کا دن ہےاور پیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن بھی ہے اور نزول قرآن کریم کا بھی جیساکہ پہلے گزر چکا۔بخاری شریف میں ہے کہ ایک صحابی(حضرت عباس رضی اللہ عنہ)نے ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا،پوچھا کیا حال ہے بولا سخت عذاب میں گرفتار ہوں مگر پیر کے دن میرا عذاب کچھ ہلکا ہوتا ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی سے مجھے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو اس انگلی کے اشارے سے کہا تھا جا تو آزاد ہے۔سبحان اللہ! تاقیامت ان دو دنوں میں اللہ کے فضل سے ہم گنہگار بخشش اور مغفرت کی مٹھائیاں لیتے رہیں گے۔شعر

خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پیر و جمعرات کے دن ان مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے جو ان دنوں میں روزہ رکھنے کے عادی ہیں۔

[2] یہ خطاب کہ انہیں چھوڑ دو یاتو اس فرشتے سے ہوتا ہے جو اعمال کے رجسٹروں سے لوگوں کے گناہ مٹانے پر مقرر ہے یا ان لوگوں سے ہوتا ہے جو ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔(مرقات،اشعہ)یعنی ابھی ان کے گناہ باقی رہنے دو جب تک کہ یہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔عداوت سے مراد دنیاوی عداوتیں ہیں جو جائداد مال وغیرہ کے باعث ہوں دینی عداوتیں تو عبادت ہیں،ہر مسلمان ہر کافر سے عداوت رکھے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ مِنۡ اَزۡوٰجِکُمۡ وَ اَوۡلٰدِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ"۔اس معلوم ہوا کہ مسلمان سے کینہ و عداوت اللہ تعالٰی کی بڑی رحمت سے محرومی کا باعث ہے،سینہ پاک رکھو تاکہ اس میں مدینہ کے انوار دیکھو،گندی تختی پر حرف کندہ نہیں ہوتے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جو رضائے الٰہی کی تلاش میں ایک دن روزہ رکھے ۱؎ تو اللہ اسے دوزخ سے اتنا دور کردے گا جیسے اُڑنے والے کوّے کی دوری جب وہ بچہ ہو حتی کہ بوڑھا ہوکر مرجائے ۲؎(احمد)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس روزے سے مراد نفلی روزہ ہے اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نفلی روزوں کے باب میں لائے۔تلاش رضاء الٰہی کی قید اس لیے ہے کہ کوئی عمل بغیر اخلاص نہ قبول ہو،نہ اس کا کوئی ثواب،نہ اس کے فوائد کا ظہور ہو۔اس میں اشارۃً بتایا جارہا ہے کہ جب ایک نفلی روزے کے ثواب کا یہ حال ہے تو اندازہ لگالو کہ فرضی روزے کا ثواب کتنا ہوگا۔

۲؎ کوّے کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہے۔(مرقات)اور یہ بہت تیز اُڑتا ہے،یہاں دوزخ سے انتہائی دوری بتانے کے لیے بطور تمثیل ارشاد ہوا کہ کوّے کا بچہ اگر پیدا ہوتے ہی اُڑنا شروع کردےاور مرتے دم یعنی ایک ہزار سال تک برابر اڑتا رہے تو اندازہ لگالو کہ اپنے گھونسلے سے کتنی دور جالیگا،رب تعالٰی اس روزہ دار کو دوزخ سے اتنا دور رکھے گا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے وہم و گمان سے وراء ہیں۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمہ ابن قیس سے روایت کی ۱؎	

۱؎ مرقات نے فرمایا حق یہ ہے کہ ان کا نام سلمہ ابن قیس نہیں بلکہ سلمہ ابن قیصر حضرمی ہے،طبرانی نے ان کا نام سلامہ بتایا۔واللہ اعلم!

باب

باب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

۱چونکہ اس باب میں گزشتہ بابوں کے متعلق مختلف مضامین بیان ہوں گے نفلی روزے،روزہ رکھ کر توڑ دینا،روزے کی قضا وغیرہ اس لیے مصنف نے اس کا ترجمہ یا عنوان قائم نہ فرمایا گویا یہ **باب المتفرقات** ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے ہم نے عرض کیا نہیں۱فرمایا تو اچھا ہمارا روزہ ہے ۲پھر دوسرے اور دن تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ہدیۃً آیا ہے۳ فرمایا مجھے دکھاؤ میں نے تو آج روزہ دار ہو کر صبح کی تھی پھر آپ نے کھالیا ۴(مسلم)	

۱حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال تمام ازواج پاک سے تھااور یہ جواب بھی سب کی طرف سے ہوا یعنی نو ازواج میں سے کسی کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں جو مالک کونین ہے ان کے اپنے گھر کا یہ حال ہے۔شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر و فاقہ اختیاری ہے،فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔

۲یعنی چونکہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں لہذا ہم اب اس وقت سے روزہ نفلی کی نیت کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ روزے نفل کی نیت ضحوی کبرےٰ یعنی نصف نہارشرعی سے پہلے پہلے ہوسکتی ہے رات سے ہونا ضروری نہیں۔مصنف اسی مقصد کے لیے یہ حدیث یہاں لائے۔

۳یعنی کسی شخص نے کھجور کا حلوہ بطور ہدیہ بھیجا ہے حضور ملاحظہ فرمائیں۔عربی میں **حیس** کے معنی ہیں خلط یا مخلوط چیز۔اصطلاح میں یہ ایک حلوہ ہے جو مکھن،پنیر،کھجور سے یا آٹے،مکھن اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے۔حریسہ اس سے اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔فقیر نے مدینہ طیبہ میں حیس بھی کھایا ہے اور حریسہ بھی۔

۴یہ صورت پہلے کا عکس ہوئی کہ وہاں تو گھر میں کھانا نہ ہونے کی وجہ سے روزے کی نیت کرلی گئی تھی اور یہاں کھانا دیکھ کر رکھا ہوا نفلی روزہ توڑ دیا گیا،ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ یا نماز شروع کرنے سے واجب ہوجاتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا ضروری ہوتاہے کیونکہ رب تعالٰی نےفرمایاہے: "لَا تُبۡطِلُوۡۤا

اَعۡمَالَكُمۡ"اور فرماتاہے:"فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا"یعنی اہل کتاب نے نیک اعمال شروع کیے انہیں نبھایا نہیں۔معلوم ہوا کہ نیکی شروع کرکے پوری کرنا واجب ہے۔اگر کوئی شخص نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دے تو اس کی قضاء واجب ہے ان دو گزشتہ آیتوں کی وجہ سے اور اس حدیث کی وجہ سے جو بروایت حضرت عائشہ صدیقہ آگے آرہی ہیں اور نفلی حج و عمرہ پر قیاس کی وجہ سے کہ یہ دونوں چیزیں احرام باندھتے ہی واجب ہوجاتی ہیں کہ اگر انہیں پورا نہ کرسکے تو قضاءکرنا واجب ہے۔خیال رہے کہ نفلی روزہ اور نمازیں بلا عذر توڑنا ناجائز ہیں،دعوت اور مہمان کی آمد بھی عذر ہیں یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ توڑنا عذرًا تھا یعنی کئی روز سے کھانا ملاحظہ نہ فرمایااور اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے اس روزے کی قضا نہ کی لہذا یہ حدیث نہ شافعیوں کی دلیل ہے نہ مالکیوں کی اور نہ حنفیوں کے خلاف۔

نوٹ: شوافع کے ہاں نفلی روزہ توڑنے سے مطلقًا قضاء واجب نہیں اور مالکیوں کے ہاں اگر بلاعذر توڑا ہو تو قضاء واجب ہے،ہمارے ہاں مطلقًا قضا واجب۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے ہاں تشریف لائے[1] تو وہ حضور کی خدمت میں چھوارے وگھی لائیں[2] حضور نے فرمایا اپنا گھی تو مشکیزہ میں لوٹ دو اور اپنے چھوارے اس برتن میں ڈال دو میں روزہ دار ہوں[3] پھر گھر کے ایک گوشہ میں کھڑے ہوئے تو فرض کے علاوہ نماز پڑھی پھر ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی[4](بخاری)

[1] ام سلیم بنت ملحان کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں کہ یہ حضرت انس کی والدہ ہیں اور ابوطلحہ کی زوجہ،ان کے نام میں بہت اختلاف ہے امامہ ہے یا طیکہ یا غمیصہ یاربیصاء،پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں،ان سے حضرت انس پیدا ہوئے،پھر حضرت ابو طلحہ سے اسلام کی شرط پر نکاح کیا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے اور ام سلیم نے خاطر وتواضع کے طور پر یہ پیش کیاباقاعدہ دعوت نہ تھی ورنہ ام سلیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روزہ کے دن دعوت نہ دیتیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزے کے عذر سے دعوت قبول نہ فرماتے،نیز دعوت میں عمومًا روٹی سالن پیش کیا جاتا ہے نہ کہ فقط کھجور گھی۔اس لیے معلوم ہوا کہ ملاقاتی اور مہمان کی خاطر وتواضع کرنا سنت ہے،علماء فرماتے ہیں کہ بغیر کھائے پیئے مُردوں کی سی ملاقات ہے۔

[3] روزے کا اظہار اس لیے فرمادیاتاکہ جناب ام سلیم کو اس رد فرمادینے پر رنج نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ دار کو اگر پتہ ہو کہ میرے روزے سے گھر والے مطلع ہو کر نہ کھانے پر ناراض نہ ہوں گے تو روزہ نہ توڑنا افضل ہےاور اگر انکے رنجیدہ ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دینا اور کچھ کھالینا بہتر ہے بعد میں قضاء کی جائے،یہ بھی معلوم

ہوا کہ اپنی چھپی عبادت کا ہر اظہار ریاء نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے پینے کا سامان جمع رکھنا توکل کے خلاف نہیں،دیکھو حضرت ام سلیم کے گھر گھی کی مشکیں بھری ہوئی تھیں اور چھواروں کے ٹوکرے۔

۴؎ گھر کے گوشہ میں نماز تو اس لیے پڑھی تاکہ وہ گھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل سے متبرک ہوجائے اور یہ جگہ گھر والوں کے لیے دائمی جائے نماز بن جائے اور دعا اس لیے کی تاکہ معلوم ہو کہ روزہ دار اگر کھانا نہ کھائے تو گھر والوں کے لیے دعا ضرور کردے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے اور وہ ہو روزہ دار تو کہہ دے میں روزہ دار ہوں ۱؎ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو قبول کرلے پھر اگر روزہ دار ہو تو دعا کردے اور اگر بے روزہ ہو تو کھالے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یا اس طرح کہ دعوت قبول ہی نہ کرے یا اس طرح کہ قبول کرلے اور پہنچ بھی جائے مگر وہاں کھائے نہیں یہ عذر کر دے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔خیال رہے کہ نفلی روزے کا چھپانا بہتر ہے مگر چونکہ یہاں چھپانے سے یا صاحب خانہ کے دل میں عداوت پیدا ہوگی یا رنج و غم،مسلمان کے دل کو خوش کرنا بھی عبادت ہے اس لیے روزے کے اظہار کا حکم دیا گیا۔

۲؎ دعا کا حکم تو استحبابی ہے کہ وہیں نفل پڑھ کر یا بغیر نفل پڑھے دعاکردینا بہتر ہے اور کھانے کا حکم وجوبی بھی ہوسکتا ہے اور استحبابی بھی جیسا دعوت دینے والا اور جیسا موقعہ ویسا حکم۔(مرقات)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دعوت کے موقعہ پر روزہ توڑنے کا حکم ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت فاطمہ زہرا آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانی حضور کے دائیں طرف تھیں ۱؎تو ایک لونڈی ایک برتن لائی جس میں شربت تھا حضور کو پیش کیا آپ نے اس سے پیا پھر ام ہانی کو دے دیا انہوں نے پیا ۲؎پھر بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے روزہ توڑ لیا میں تو روزہ	

دار تھی ۳؎ تو فرمایا کیا تم کوئی روزہ قضاء کررہی تھیں بولیں نہیں فرمایا اگر نفلی روزہ تھا تو تمہیں کچھ ضرر نہیں ۴؎(ابوداؤد،ترمذی،دارمی)اور احمد و ترمذی کی روایت میں اسی کی مثل ہے اور اس میں یہ ہے کہ آپ بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ دار تھی تو فرمایا نفلی روزہ دار اپنے نفس کا خود مختار ہے اگر چاہے روزہ پورا کرے اگر چاہے افطار کرلے۵؎	

۱؎ غالبًا مجلس کی یہ ترتیب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھی کیونکہ ام ہانی فاطمہ زہرا کی نند بھی تھیں اور پھوپھی بھی،عمر میں بھی آپ سے بڑی تھیں اس لیے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں طرف بٹھالا اور ام ہانی کو دائیں طرف،اب بھی اجتماع کے موقع پر نشست گاہوں میں مرتبہ کے مطابق ترتیب چاہیئے۔ غالبًا یہ واقعہ ام ہانی کے اپنے گھر میں نہ ہوا بلکہ کسی دوسرے گھر میں ورنہ ام ہانی میزبانی کی خدمت خود انجام دیتیں۔خیال رہے کہ ام ہانی نے مکہ معظّمہ سے ہجرت نہیں کی تھی۔

۲؎ سنت یہ ہے کہ مجلس میں پانی وغیرہ کا برتن پہلے بزرگ کی خدمت میں پیش کیا جائے،پھر داہنی طرف کو دور چلے کہ اگرچہ اس طرف چھوٹا آدمی یا بچہ ہی ہو اور بائیں طرف بڑا مگر دیا جائے داہنی طرف ہی اور یہاں تو اتفاقًا داہنی جانب ام ہانی تھیں جو رشتہ اور عمر میں فاطمہ زہرا سی بڑی تھیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزیز قرابت دار مرد و عورت ایک دوسرے کا جوٹھا پانی پی سکتے ہیں۔جن روایات میں ہے کہ عورت مرد کا جوٹھا نہ پیئے نہ مرد عوت کا وہاں اجنبی لوگ مراد ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۳؎ **سبحان اللہ!** کیا عجیب عمل ہے کہ ام ہانی نے پہلے روزہ توڑا پھر مسئلہ پوچھا،ان کے نزدیک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ تبرک پینا روزے سے افضل تھا،ان کے دل نے فتویٰ دیا کہ روزے کی قضاء یا کفارہ ادا کرلوں گی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوٹھا پھر کہاں ملے گا،عشق کے رنگ نرالے ہیں۔شعر

نیست ایں باراں ازیں ابر شما　　　　هست باراں دیگر و دیگر سما

عشق کا مدرسہ ہی دوسرا ہے اور اس کے آسمان و زمین ہی کچھ اور۔

۴؎ یعنی اگر یہ روزہ نذر یا قضائے رمضان وغیرہ تھا تب تو اس کا توڑنا منع تھا اگر محض نفلی تھا تو توڑنا بالکل جائز اگرچہ اس کی قضاء واجب۔اس سے معلوم ہوا کہ مرید یا شاگرد اپنے پیر یا استاد کے تبرک کھانے کے لیے نفلی روزہ توڑ سکتا ہے دعوت کی طرح یہ بھی روزہ توڑنے کا ایک عذر ہے۔

۵؎ ان ظاہری الفاظ سے امام شافعی نے فرمایا کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے قضاء واجب نہیں لیکن یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ یہاں گناہ کی نفی ہے نہ کہ قضاء کی۔قضاء کا حکم تو اگلی حدیث میں آرہا ہے۔**اَمِیْرُ نَفْسِہٖ** کا مطلب یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کسی موقعہ اور محل پر افطار بہتر سمجھے تو توڑ سکتا ہے۔اس حدیث پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ فتح مکہ رمضان میں ہوئی ام ہانی اس دن مسافر نہ تھیں ان پر روزہ رمضان فرض تھا نفلی روزہ نہ رکھ سکتی تھیں اس لیے ترمذی نے فرمایا کہ اس کی

اسناد میں کچھ ضعف ہے،نسائی نے کہا کہ اس کی اسناد میں بہت اختلاف ہے،امام منذری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں اور اگر صحیح ہو بھی تو یہاں فتح مکہ کے دن سے زمانہ فتح مکہ مراد ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں عرصہ تک قیام فرمایا تھالہٰذا یہ واقعہ ماہ رمضان کے بعد پیش آیا۔شیخ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ سے سفر رمضان میں ہوا مگر فتح بعد رمضان لیکن پہلی توجیہ قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ سارے مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ بھی رمضان میں ہی ہوئی۔

روایت ہے حضرت زہری سے وہ عروہ سے وہ عائشہ صدیقہ سے راوی فرماتی ہیں کہ میں اور حفصہ دونوں روزہ دار تھیں۱؎ اور ہمارے سامنے وہ کھانا آیا جس کی ہمیں رغبت تھی ہم نے اس میں سے کھالیا حضرت حفصہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں روزہ دار تھیں ہمارے سامنے مرغوب کھانا آیا تو ہم نے اس سے کھالیا۲؎ سرکار نے فرمایا اس کی جگہ ایک دن کی قضا کرو۳؎ ترمذی حافظین کی ایک جماعت نے اسے زہری سے انہوں نے حضرت عائشہ سے مرسلًا روایت کیا۴؎ اور اس میں عروہ کا ذکر نہ کیا یہ ہی صحیح تر ہے اور روایت کیا ابوداؤد نے اسے عروہ کے مولے زمیل سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا۵؎	

۱؎ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگ بیبیوں کا یہ روزہ نفلی تھا قضائے رمضان یا نذر کا فرضی روزہ نہ تھاکہ فرضی روزہ توڑ دینے کی ہمت کوئی عام مسلمان بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ ازواج مطہرات محض اچھا کھانا دیکھ کر ایک اہم عبادت توڑ دیں لہٰذا بعض شافعیوں کا اسے فرضی روزہ قرار دینا درست نہیں ان بزرگوں کی شان کے خلاف ہے۔

۲؎ یہ دونوں بزرگ سمجھیں کہ جب دعوت کے لیے نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے تو ہدیہ کے لیے بھی جائز ہونا چاہیے کہ دونوں قریبًا یکساں ہیں یہ ہی اجتہادی غلطی یا خطا تھی۔

۳؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کیونکہ اقضیاء امر ہے اور امروجوب کے لیے ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ اگر نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے اورجس کی قضاء واجب ہو وہ خود بھی واجب ہوتا ہے لہٰذا نفلی روزہ شروع کردینے سے واجب ہوجاتاہے۔شوافع فرماتے ہیں کہ یا تو یہ روزہ قضا یا نذر کا واجب روزہ تھا اس کا جواب تو ابھی عرض کر دیا گیا اور یا یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی کیونکہ نفل پہلے بھی نفل ہے اور بعد شروع بھی نفل،شروع کے بعد واجب ہوجانا اس کی نفلیت کے خلاف ہے مگر وہ حضرات بھی نفل حج وعمرہ کو شروع ہوجانے کے بعد واجب مانتے ہیں اور توڑ دینے یا چھوڑ دینے پر قضاء لازم سمجھتے ہیں لہٰذا ان کا یہ استدلال یہاں بھی کمزور ہے،نیز

جب نذرمان لینے سے نفل واجب ہوجاتے ہیں تو شروع کردینے سے بھی واجب ہوجانے میں کوئی مضائقہ نہیں اس مسئلے پر بہت قوی دلائل ہیں جو ابھی کچھ پہلے عرض کئے جاچکے ہیں۔دارقطنی نے حضرت جابر سے اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی دعوت کی جب سب حضرات کھانے لگے تو ایک صاحب الگ بیٹھ گئے بولے میرا روزہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا توڑ دو اور اپنے بھائی میزبان کو خوش کرو اور اس کی قضاء کرلو۔(مرقات و لمعات)

۴؎ یہاں مرسل سے اصطلاحی مرسل مراد نہیں یعنی صحابی کا چھوٹ جانا بلکہ لغوی مرسل مراد ہے یعنی اسناد میں راوی کا رہ جانا جسے محدثین کے ہاں منقطع کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جناب زہری و حضرت عائشہ کے درمیان عروہ ہیں جن کا اس اسناد میں ذکر نہیں۔

۵؎ یعنی اسناد میں بھی انقطاع ہے کیونکہ زمیل نے عروہ سے حدیث نہیں سنی،نیز زمیل مجہول شخص ہیں لہذا یہ اسناد ضعیف ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ ضعف مضر نہیں کیونکہ ابن حبان وغیرہ نے **عن جریر ابن حازم عن یحیی ابن سعید عن عروہ عن عائشہ** روایت کی اور ابن ابی شیبہ نے **عن خصیف عن سعید ابن جبیر عن عائشہ** روایت کی اور طبرانی نے **عن خصیف عن عکرمۃ عن ابن عباس عن عائشہ** روایت کی اور بزاز نے **عن حماد ابن ولید عن عبید اللہ ابن عمرو عن نافع عن ابن عمر عن عائشہ** روایت کی اور طبرانی نے **عن محمد ابن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ھریرۃ عن عائشہ** روایت کی۔جب اتنی صحیح اسنادیں موجود ہیں تو حدیث صحیح ہے اور اس سے دلیل پکڑنا درست لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ام عمارہ بنت کعب سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حضور کے لیے کھانا منگایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم بھی کھاؤ بولیں میں روزہ دار ہوں ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب روزہ دار کے پاس کچھ کھایاجائے تو اسے فرشتے دعائیں دیتے ہیں جب تک کہ وہ فارغ ہوں ۳؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ آپ کا نام نسیبہ ابن کعب ابن عوف ہے،کنیت ام عمارہ،صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں،عاصم ابن زید کی بیوی ہیں،بیعت عقبہ اور بیعت رضوان میں حاضر تھیں،غزوہ احد میں آپ نے گیارہ زخم کھائے حتی کہ زخموں کی وجہ سے آپ کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہا اس کے باوجود تمام غزووں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

۲؎ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا انہوں نے نہ کھایا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ روزہ دار مہمان کی تواضع خاطر کھانے سے کرسکتاہے،ہاں رمضان میں روزہ توڑوں اور روزہ چوروں کو نہ کھانا کھلائے نہ ان کے لیے

پکائے کہ یہ گناہ پر مدد ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔دوسرے یہ کہ اگر مہمان کی ناراضی کا اندیشہ نہ ہو تو میزبان نفلی روزہ نہ توڑے اور مہمان سے عذر کر دے۔

۳؎کیونکہ یہ روزہ دار دو عبادتیں کررہا ہے ایک روزہ دوسرا کھانا کھاتے دیکھ کر صبر اس لیے اس کا اجروثواب بھی زیادہ ہے اور فرشتوں کی دعائیں نفع میں۔ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے مراد اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ حضور ناشتہ کررہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال ناشتہ کرلو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ دار ہوں ۲؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنی روزی کھارہے ہیں اور بلال کی بہتر روزی جنت میں ہے ۳؎اے بلال کیا تمہیں خبر ہے کہ جب تک روزے دار کے سامنے کچھ کھایا جائے تب تک اس کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں اسے فرشتے دعائیں دیتے ہیں ۴؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،اسلمی ہیں، سہمی ہیں،زمانہ نبوی اور زمانہ خلفائے راشدین میں آپ نے اسلام کی شاندار خدمات کیں،جنگ جمل و صفین میں جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،یزید پلید کے زمانہ میں ۶۲ھ ہجری میں مقام مرو میں وفات ہوئی،وہیں آپ کا مزار ہے جس سے لوگ برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھانا کھاتے میں کوئی آجائے تو اسے بھی کھانے کے لیے بلانا سنت ہے مگر دلی ارادہ سے بلائے جھوٹی تواضع نہ کرے اور آنے والا بھی جھوٹ بول کر یہ نہ کہے کہ مجھے خواہش نہیں تاکہ بھوک اور جھوٹ کا اجتماع نہ ہوجائے بلکہ اگر کھانا کم دیکھے تو کہہ دے بَارَكَ اللہ،یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عبادات نہیں چھپانی چاہئے بلکہ ظاہر کردی جائیں تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گواہ بن جائیں یہ اظہار ریاء نہیں۔

۳؎یعنی آج کی روزی ہم تو اپنی یہیں کھائے لیتے ہیں اور بلال اس کے عوض جنت میں کھائیں گے،وہ عوض اس سے بہتر بھی ہوگا اور زیادہ بھی۔

۴؎حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے،واقعی اس وقت روزہ دار کی ہر ہڈی و جوڑ بلکہ رگ رگ تسبیح کرتی ہے جس کا روزہ دار کو پتہ نہیں ہوتا مگر سرکار سنتے ہیں یہ تسبیح اگرچہ بغیر اختیار ہے مگر اس پر ثواب بے شمار،جب سبزہ کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ جاتا ہے تو ان ہڈیوں کی تسبیح سے خود روزہ دار بلکہ اس کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی ثواب ملے گا۔

باب لیلۃ القدر

باب شب قدر کا ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎شبِ قدر اس امت محمدیہ کی خصوصیات سے ہے ہم سے پہلے کسی کو نہ ملی۔قدر کے معنے ہیں اندازہ لگانا،عزت و عظمت و تنگی،چونکہ اس رات میں سال بھر کے ہونے والے واقعات فرشتوں کے صحیفوں میں لکھ کر انہیں دے دیئے جاتے ہیں،ملک الموت کو سال بھر میں مرنے والوں کی فہرست مل جاتی ہے،حضرت میکائیل کو تقسیم رزق کی فہرست عطاہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ"۔نیز اس رات میں اتنے فرشتے زمین پر اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہوجاتی ہے،ارشاد باری تعالٰی ہے:"تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا"اس لیے اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں،نیز اس رات کی عزت وعظمت بہت زیادہ ہے،اس شب میں عبادت کرنے والارب تعالٰی کے ہاں عزت پاتاہے لہذا اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں۔اس میں بہت اختلاف ہے کہ یہ رات کب ہوتی ہے۔بعض کے خیال میں یہ مقرر نہیں کسی سال کسی مہینہ اور کسی تاریخ میں،دوسرے سال کسی مہینہ اور تاریخ میں،بعض کا خیال ہے کہ رمضان شریف میں ہوتی ہے مگر تاریخ مقرر نہیں،بعض کے خیال میں رمضان کے آخری عشرہ میں ہے،بعض کہتے ہیں کہ اس عشرہ کی طاق تاریخوں میں ہے اکیسویں تئیسویں وغیرہ مگر زیادہ قوی قول یہ ہے کہ ان شاءاللہ شب قدر ہمیشہ ستائیسویں رمضان کی شب ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں ۹ حرف ہیں،یہ لفظ سورۂ قدر میں تین جگہ ارشاد ہوا ہے نوتیہ ستائیس ہوتے ہیں،نیز سورۂ قدر میں تیس حرف ہیں جن میں سے ستائیسواں حرف ہے "ھی"یہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹتی ہے۔(روح البیان)اس کی پوری تحقیق اور اس رات میں کرنے کے اعمال ہماری کتاب "مواعظ نعیمیہ"اور"اسلامی زندگی"میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق تاریخوں میں ڈھونڈو ۱؎(بخاری)

۱؎ اس حدیث سے اتنامعلوم ہوا کہ شبِ قدر ہر سال ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور ہوتی بھی ہے آخری عشرہ میں،وہ بھی طاق تاریخوں میں،قرآن کریم بھی اس کی تائید فرمارہا ہے کیونکہ ایک جگہ ارشاد ہے:"شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ"۔جس سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن ماہ رمضان میں ہے دوسری جگہ ارشاد ہے:"اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ"جس سے معلوم ہوا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا یہ دونوں آیتیں جب ہی جمع ہوسکتی ہیں جب کہ شبِ قدر رمضان میں

ہو۔خیال رہے کہ شبِ قدر کو رب تعالٰی نے ہم سے چھپالیا تاکہ ہم اس کی تلاش میں بہت راتوں میں عبادات کریں۔تلاش کرنے سے مراد عبادتیں کرنا ہے۔حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کا علم دیا مگر اس کے اظہار کی اجازت نہ دی۔اسمِ اعظم کی طرح عوام سے اسے چھپا رکھا تاکہ اس کی تلاش رہے اور اچھی چیز کی تلاش بھی عبادت ہے لہذا یہ چھپانا ہمارے لیے بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کو شب قدر خواب میں دکھائی گئی کہ رمضان کے آخری ہفتہ میں ہے۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خوابیں آخری ہفتہ پر متفق ہوگئیں۲؎ ہیں تو جو شب قدر تلاش کرے وہ آخری ہفتہ میں تلاش کرے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ ترجمہ بہت احتیاط سے کیا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ کسی صحابی نے خواب دیکھا کہ وہ رمضان کی اکیسویں شب ہے،کسی نے دیکھا کہ تیئیسویں ہے،کسی نے پچیسویں اور کسی نے ستائیسوں یا انتیسویں کہا ہے یعنی آخری عشرہ کی طاق راتیں،چونکہ ان میں اکثر راتیں آخری ہفتہ میں ہیں یعنی تیئیسویں سے انتیسویں تک اس لیے آخری ہفتہ ارشاد ہوا۔اس جملہ کی شرح میں شارحین کو بہت دشواری ہوئی ہے،فقیر نے جو عرض کیا وہ زیادہ قرین ہے۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

۲؎ یعنی اے صحابہ تمہاری خوابیں شخصی تعیین میں تو مختلف ہیں مگر نوعی تعیین میں متفق ہیں کہ ہر شخص نے اسے رمضان کے آخری ہفتہ میں دیکھا۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کا خواب معتبر ہے خصوصًا جب کہ نبی کی تصدیق بھی ہوجائے،دیکھو اذان خواب ہی میں صحابہ نے دیکھی تھی جو آج تک اسلام میں جاری ہے بلکہ اسلام کا شعار ہے،ایسے ہی یہ بھی ہے لہذا اکیسویں،تیسویں،پچیسویں،ستائیسویں،انتیسویں میں اس کی تلاش کی جائے۔اس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو جب نو دن باقی رہیں سات دن باقی رہیں پانچ دن باقی رہیں ان میں ۱؎(بخاری)	

۱؎ عرب میں دستور ہے کہ ابتدائی مہینہ میں تاریخوں کا اعتبار شروع مہینہ سے کرتے ہیں یعنی پانچویں تاریخ وہ جس سے پہلے چار تاریخیں گزر گئی ہوں،آٹھویں وہ جس سے پہلے مہینہ کے سات دن گزر چکے ہوں مگر مہینہ کے انتہا میں آخر کی طرف سے حساب لگاتے ہیں اس طرح کہ نویں تاریخ وہ جس کے بعد مہینہ کے نو دن باقی ہوں یعنی اکیسویں،ساتویں تاریخ وہ جس کے بعد مہینہ کے سات دن باقی ہوں یعنی تیسویں اور اس کے ساتھ لفظ تَبْقٰی بول دیتے ہیں یعنی اس کے بعد اتنے روز باقی ہیں اسی محاورے سے یہ فرمان عالی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ شبِ قدر رمضان کی اکیسویں،تیسویں،پچیسویں وغیرہ میں تلاش کرو۔شارحین نے اس جملے کے اور بہت سے معنے کئے ہیں کہ سابعہ سے

ستائیسویں شب مراد ہے،تاسعہ سے انتیسویں اور خامسہ سے پچیسویں مگر فقیر نے جو معنی کئے آسان تر ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم! اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنا آسان نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا ۱؎ پھر ترکی خیمہ کے اندر درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا ۲؎ پھر سر مبارک خیمہ سے نکال کر فرمایا کہ ہم نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا ۳؎ پھر ہمارے پاس آنے والا آیا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے ۴؎ تو جس نے ہمارے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے ۵؎ مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی پھر بھلادی گئی ۶؎ میں نے اس رات کی سویرے اپنے کو کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا ہے ۷؎ لہذا تم اسے آخری عشرہ میں ڈھونڈو ہر طاق تاریخ میں تلاش کرو ۸؎ راوی فرماتے ہیں کہ اس نے بارش دیکھی اور مسجد پر چھپّر تھا ۹؎ چنانچہ مسجد ٹپکی اور میری آنکھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیسویں کے سویرے دیکھا کہ آپ کی پیشانی پاک پر کیچڑ کا اثر تھا ۱۰؎ مسلم،بخاری معنے اور لفظ مسلم کے ہیں اس مضمون تک کہ مجھے بتایا گیا وہ آخری عشرہ میں ہے باقی بخاری میں ہے۔	

۱؎ یہاں اول واو کے شد سے بھی ہوسکتا ہے تفعیل کا واحد مذکر کیونکہ لفظ **عشر** واحد بھی ہے مذکر بھی اور ہمزہ کے پیش واؤ کے زبر سے بھی اولیٰ کی جمع کیونکہ **عشر** معنے کے لحاظ سے مونث ہے اور جمع ہے،پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے اگلا جملہ بھی اس کی تائید کررہا ہے کہ اس میں **اوسط** واحد مذکر آیا ہے یعنی نبی کریم کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔

۲؎ اس خیمہ کو عربی میں خرتان کہتے ہیں اور فارسی میں خرکاء۔یہ نمدہ یا کمبل کا چھوٹا سا گول خیمہ ہوتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مسجد میں لگایا گیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں اپنے لیے جگہ خاص کرلیتا ہے جہاں چادر وغیرہ تان لے جس میں بغیر اجازت کوئی نہ آسکے۔

۳؎ اس وقت تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی اطلاع نہیں دی گئی تھی،آپ نے صرف اجتہاد سے یہ تلاش فرمائی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بھی علم تھا کہ شب قدر رمضان ہی میں ہے دوسرے مہینوں میں نہیں،یہ حدیث ان بزرگوں کے خلاف ہوگی جو کہتے ہیں کہ شبِ قدر سال بھر میں کبھی ہوجاتی ہے۔

۴؎ چونکہ اس عشرہ کی ہر رات میں شبِ قدر ہونے کا احتمال تھااس لیے یہاں **اواخر** جمع ارشاد ہوا۔(مرقات)یعنی بیسویں تاریخ کو فرشتہ نےآکر عرض کیا کہ شبِ قدر اگلے عشرہ میں ہے رب تعالٰی چاہتا تھا کہ محبوب کا سارا مہینہ اعتکاف میں گزرےاس لیے پہلے اطلاع نہ دی۔

۵؎ تاکہ اس کی یہ محنت رائیگاں نہ جائے اور شبِ قدر کی تلاش میں کامیاب ہوجائے۔اس جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر رمضان میں ہے اور آخری عشرہ میں ہے۔

۶؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی خصوصی علامت بتائی گئی تھی پھر وہ بھلا دی گئی تاکہ امت اس کی تلاش میں کوشش کرے اور ثواب پائے،معین رات صراحۃً نہ بتائی گئی تھی کہ اس کا بھول جانا کچھ بعید ازعقل ہے۔خیال رہے کہ جو چیز ضروریات دین سے نہ ہو پیغمبر اسے بھول سکتے ہیں اور اس بھول میں اللہ کی بہت حکمتیں ہیں،یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر وغیرہ تمام چیزوں کا تفصیلی علم عطا ہوا،خود فرماتے ہیں:"**فتجلی لی کل شیئ و عرفت**"ہر چیز میں شب قدر بھی یقینًا داخل ہے بھلا دی گئی فرماکر یہ بتایا کہ یہ بھولنا ہماری اپنی کوتاہی سے نہیں ہوا بلکہ رب تعالٰی کی طرف سے ہوا،رب تعالٰی فرماتاہے:"**فَلَا تَنۡسٰۤی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ**"۔

۷؎ یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس سال شبِ قدر میں بارش ہوگی،مسجد نبوی شریف ٹپکے گی جس سے مسجد میں کیچڑ ہوجائے اور ہم اس کیچڑ میں نماز فجر ادا کریں گے،یہ مطلب نہیں کہ ہر سال شبِ قدر میں بارش ہوا کرے گی اور ہم کیچڑمیں فجر پڑھا کریں گے۔

۸؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر بالکل نہ بھلائی گئی تھی بلکہ اس کا تقررو تعین بھلا دیا گیا تھااس لیے فرمایاکہ شبِ قدر آخری عشرہ رمضان کی طاق تاریخوں تئیسویں،پچیسویں وغیرہ میں ہےڈھونڈو۔

۹؎ کہ بجائے ستونوں کے کھجور کے تنے تھے اور بجائے کڑیوں کے کھجور کی شاخیں تھیں جن پر کھجور کے پتے ڈال دیئے گئے تھے دھوپ بھی چھن کر آتی تھی اور بارش بھی اسی لیے تھوڑی بارش سے مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔

۱۰؎ تب ہمیں پتہ لگا کہ آج اکیسویں شب کو **لیلۃ القدر** ہوگئی۔اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ شب قدر اکیسویں رمضان میں ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سال اکیسویں شب تھی ہمیشہ نہیں۔ہم عرض کر چکے ہیں کہ دلائل ہر رات کے متعلق موجود ہیں مگر ستائیسویں شب کے دلائل ہی قوی اور زیادہ ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں پیشانی زمین پر ضرور لگائے اگرچہ فرش پر معمولی کیچڑ ہو اور نماز میں پیشانی وغیرہ پونچھے نہیں مٹی کیچڑ لگنے دے،ہاں بعد نماز پونچھ ڈالے کہ یہ عبادت کا اثر ہے جس کے اظہار میں ریاء کا اندیشہ ہے۔

اور عبداللہ ابن انیس کی روایت میں ہے کہ فرمایا کہ وہ تئیسویں رات ہے۱؎	

۱؎اس جملہ میں لَیۡلَۃٌ کو یا تو زبر ہے تو معنے ہوئے کہ بارش وغیرہ کا یہ واقعہ تئیسویں رمضان کی شب میں ہوا تب راویوں کی یاد میں اختلاف ہے،حضرت ابو سعید خدری کو یاد رہا کہ اکیسویں شب کو بارش ہوئی اور حضرت عبداللہ ابن انیس کو تئیسویں شب یاد رہی اور یا لیلۃ کو پیش ہے تو معنے یہ ہوں گے کہ شب قدر تئیسویں رمضان کی رات ہے کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات بہت عبادت کرنے کا حکم دیا۔

روایت ہے حضرت زرین بن حبیش سے۱؎فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی ابن کعب سے پوچھا میں نے کہا کہ تمہارے بھائی ابن مسعود فرماتے ہیں جو سال بھر شب بیداری کرے وہ شب قدر پالے گا ۲؎وہ بولے اللہ ان پر رحم کرے انہوں نے چاہا یہ لوگ بھروسہ نہ کرلیں ورنہ وہ جانتے ہیں کہ شبِ قدر رمضان میں ہے اس کے آخری عشرہ میں ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے۳؎پھر آپ نے بغیر ان شاءاللہ کہے قسم کھائی کہ وہ ستائیسویں شب ہے۴؎میں نے کہا آپ کس دلیل سے یہ فرماتے ہیں اے ابو المنذر فرمایا اس نشانی یا اس دلیل سے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی کہ اس دن سورج بغیر شعاؤں کے طلوع ہوتا ہے ۵؎(مسلم)	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں،آپ کی عمر ایک سوبیس یا ایک سوتیس یا ڈیڑھ سو برس ہوئی،آدھی عمر جاہلیت میں گزاری،آدھی اسلام میں،زبردست قاری تھے،حضرت ابن مسعود و ابی ابن کعب کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲؎شبِ بیداری سے مراد نماز تہجد پڑھنا ہے کیونکہ تمام سال پوری رات جاگنا شرعًا ممنوع ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا"۔یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ شبِ قدر نہ تو رمضان کی کسی خاص تاریخ سے مخصوص ہے نہ خود رمضان شریف سے بلکہ سال کے کسی مہینہ میں ضرور ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے شب قدر کی صبح کو طلاق ہےتو کہنے سے سال بھر کے بعد طلاق واقع ہوگی کیونکہ نکاح یقینی تھا اور شبِ قدر کی تعیین میں شک ہے سال میں یقینًا ہوتی ہے یقینی چیز یقینی سے ہی زائل ہوسکتی ہے۔

۳؎ یعنی میرا بھی گمان غالب قریبًا یقین ہے اور حضرت ابن مسعود کا بھی کہ شبِ قدر ستائیسوئیں رمضان کی رات ہے مگر انہوں نے اس کا اظہار محض اس لیے نہ کیا کہ تم لوگ اس کی تلاش نہ چھوڑو تلاش میں لگے رہو کہ ثواب پاتے رہو کہ اچھی چیز کی تلاش بھی اچھی ہے۔

۴؎ یعنی یوں فرمایا کہ قسم خدا کی شبِ قدر ستائیسویں رمضان کی شب ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ پر قسم کھائی جاسکتی ہے مثلًا حنفی کہے قسم خدا کی آمین اونچی آواز سے پکارنا منع ہے یا اللہ کی قسم رفع یدین نہ کرنا سنت ہے،دیکھو حضرت ابی ابن کعب اپنے اجتہاد سے جانی ہوئی بات پر قسم کھارہے ہیں آپ کو اتنا اعتماد ہے۔

۵؎ یعنی شبِ قدر کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے سویرے کو سورج کی بوقت طلوع شعاعیں نہیں پڑتیں،سفید بغیر شعاع طلوع ہوتا ہے بعد میں شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں اور میں نے یہ آزمالیا کہ ستائیسویں رمضان کو ایسا ہوتا ہے۔اس دلیل کا کبریٰ نص سے ثابت ہے اور صغریٰ ان کے اجتہاد سے لہذا دلیل اجتہادی ہوئی۔اشعۃ اللمعات میں اس جگہ فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے شبِ قدر کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشر کی ساتویں رات ہے خواہ سات باقی ہوں یا سات گزر گئی ہوں یعنی تیئیسویں یا ستائیسویں شب،جناب عمر نے پوچھا دلیل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے آسمان بنائے سات،زمین سات،ہفتہ کے دن سات،انسان کی پیدائش سات اندام سے،نیز انسان کھاتا ہے سات اعضاء سے،سجدہ کرتا ہے سات اعضاء پر،طواف میں سات چکر ہیں،رمی جمار میں سات کنکر ہی مارے جاتے ہیں لہذا شب قدر بھی سات کا ہی عدد چاہیئے حضرت عمر نے فرمایا اب ابن عباس تم نے وہ ہی چیز جان لی جو ہمارے علم میں بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں اس قدر مشقت فرماتے تھے جو دیگر ایام میں نہ کرتے تھے ۱؎(مسلم)

۱؎ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بھی کرتے تھے اور عمومًا شب بیداری بھی یا تو اس لیے کہ اس عشرہ میں شب قدر ہے یا اس لیے کہ مہمان جارہا ہے الوداع سامنے ہے جو اوقات مل جائیں غنیمت ہے یا اس لیے کہ مہینہ کا خاتمہ زیادہ عبادتوں پر ہو۔بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں دنیا سے کنارہ کرکے عبادت زیادہ کرتے ہیں کہ اب چلتا وقت ہے جو ہوسکے کرلیں۔شعر

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر بستر ہوجاتے ۱؎ راتوں کو خود جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ میزر ازار سے بنا،بمعنی تہبند یا پائجامہ،لفظی معنے ہوئے اپنا تہبند باندھ لیتے۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ہے شاق کاموں کے لیے تیار ہوجاتے جیسے کہا جاتا ہے اٹھ باندھ کمر کیا بیٹھا ہے اور ہوسکتاہے کہ مقصد یہ ہو کہ حضور انور صلی

اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ازواج پاک سے قطعًا علیحدہ رہتے اعتکاف کی وجہ سے بھی اور زیادہ عبادتوں میں مشغولیت کے سبب سے بھی۔

۲؎ یعنی اس عشرہ کی راتوں میں قریبًا تمام رات جاگتے تھے تلاوت قرآن،نوافل،ذکر اللہ میں راتیں گزارتے تھے اور ازواج پاک کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور نے تمام رات بیداری و عبادت کبھی نہ کیں۔خیال رہے کہ یہاں احیاءؐ سے مراد ہے عبادت کے لیے جاگنا اور لیلہ اس کا ظرف ہے یعنی رات بھر عبادت کے لیے جاگتے،ہوسکتا ہے کہ لیلہ مفعول بہ ہو یعنی رات کے اوقات کو اپنی عبادت سے زندہ کردیتے یا زندہ رکھتے جو وقت اللہ کی یاد میں گزرے وہ زندہ ہے جو غفلت میں گزرے وہ مردہ۔جامع صغیر میں ہے کہ جو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے اس نے گویا شب قدر میں عبادت کی،طبرانی نے بروایت حضرت ابو امامہ روایت کی کہ جو نماز عشاء جماعت سے پڑھے وہ گویا آدھی رات عبادت گزار رہا اور جو فجر بھی جماعت سے پڑھ لے تو گویا وہ تمام رات عابد رہا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے اگر میں جان لوں کہ شب قدر کون سی رات ہے تو اس میں کیا پڑھوں ۱؎ فرمایا یہ عرض کرو الٰہی تو معاف فرمانے والا ہے معافی پسند کرتا ہے مجھے معافی دے دے ۲؎ (احمد،ابن ماجہ،ترمذی)اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔	

۱؎ یعنی اگر کبھی میری آنکھوں سے حجاب اٹھ جائیں اور میں شجر وحجر کو سجدہ کرتے،فرشتوں کو اترتے،شب قدر کا نور پھیلتے،روح فرشتہ کو زمین پر آتے دیکھوں جس سے معلوم کرلوں کہ یہ شبقدر ہے تو میں اس میں دعا کیا مانگوں۔معلوم ہوا کہ بعض اولیاء کبھی شبقدر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں مگر انہیں بھی چھپانے کا حکم ہے کہ شب قدر کو چھپانا سنت ہے۔(مرقاۃ)

۲؎ یہ دعا مختصر ہے اور بہت جامع ہے کیونکہ جب رب تعالٰی نے بندے کو معافی دے دی تو سب کچھ دے دیا۔خیال رہے کہ گنہگار گناہوں سے معافی مانگتے ہیں اور نیک کار نیکی کرکے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں کہ خداوند تیری بارگاہ کے لائق نیکی نہ ہوسکی تو معاف فرمانے والا ہے معافی پسند کرتا ہے مجھے معافی دے دے۔شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند   عارفاں از اطاعت استغفار

حضرت عائشہ صدیقہ رب تعالٰی کے فضل سے گناہوں سے محفوظ ہیں،پھر بھی معافی مانگنے کا حکم دیا گیا،گناہوں سے معافی نہیں بلکہ وہ معافی جو عرض کی گئی۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں میں نے	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ رات یعنی شبِ قدر ڈھونڈو جب نو دن باقی رہیں یا سات دن باقی رہیں یا پانچ دن باقی رہے یا تین دن یا آخری رات ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی شبِ قدر کو اکیسویں رمضان یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں کی راتوں میں تلاش کرو۔اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ عرب میں کبھی آخر ماہ سے حساب لگاتے ہیں۔وہاں **یبقین** یا **بقیت** کہہ دیتے ہیں اور یہ حساب اس حساب سے ہے کہ رمضان تیس دن کا ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے ۱؎(ابوداؤد)اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث سفیان و شعبہ نے ابو اسحاق سے حضرت ابن عمر پر موقوف روایت کی۔	

۱؎ اس جواب کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ ہمیشہ شبِ قدر رمضان میں ہوگی اس کے علاوہ دوسرے مہینہ میں نہیں ہوگی نہ تو یہ ہوگا کہ کوئی سال شب قدر سے بالکل خالی رہے کہ کسی مہینہ میں شبقدر نہ ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سواء کسی اور مہینہ میں ہو جاوے۔دوسرے یہ کہ رمضان کے ہر حصہ میں شب قدر ہوسکتی ہے آخری عشرہ سے خاص نہیں،کبھی شروع تاریخوں میں ہوگی،کبھی درمیانی میں اور کبھی آخری تاریخوں میں۔یہ حدیث ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیشہ شبقدر رمضان ہی میں ہوگی مگر تاریخ مقرر نہیں کبھی کسی تاریخ میں اور کبھی کسی میں۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن انیس سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا ایک جنگل ہے جس میں میں رہتا ہوں ۱؎ اور **الحمدللہ** وہاں ہی نمازیں پڑھتا ہوں ۲؎ مجھے ایک رات بتادیجئے جس میں میں اس مسجد میں آیا کروں ۳؎ فرمایا تیئسویں رات آجایا کرو ۴؎ ان کے بیٹے سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد کیا کرتے تھے فرمایا جب عصر پڑھ لیتے تو مسجد نبوی میں چلے جاتے ۵؎ پھر کسی کام کے لیے نہ نکلتے حتی کہ نماز فجر پڑھ لیتے ۶؎ جب فجر پڑھ لیتے تو اپنی سواری مسجد کے دروازے پر پاتے اس پر سوار ہوکر اپنے جنگل چلے جاتے ۷؎(ابوداؤد)۸؎	

۱؎ یعنی میرا مکان مدینہ منورہ سے دور اپنی زمین میں واقع ہے جہاں میرا کنواں باغ وغیرہ ہے وہاں ہی میرے جانور رہتے ہیں اور وہاں ہی میرے بال بچے۔عرب میں یہ بات عام مروج تھی کہ باغوں زمینوں والے اپنی زمینوں میں رہتے تھے۔

۲؎ اس طرح کہ اس زمین میں میں نے مسجد بنالی ہے جہاں ہم سب گھر والے باجماعت نمازیں پڑھ لیا کرتے ہیں،راہگیر مسافر بھی وہاں نمازیں پڑھتے ہیں جیساکہ پنجاب میں کنوؤں کی مسجدوں میں ہوتا ہے لہذا ان صحابی پر ترک جماعت کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۳؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوجایا کروں رات بھر نوافل پڑھنے کے لیے یعنی شبِ قدر بتادیں تاکہ زمان اور مکان دونوں کی برکتیں حاصل کرلیا کروں،شبِ قدر ہو مسجد نبوی کی زمین پاک ہو اور میری جبین نیاز ہو اس طرح نوافل ادا کیا کروں رب تعالٰی کبھی ہم کو بھی یہ سعادت میسر کرے۔

۴؎ یعنی تیئیسویں رمضان کی رات یہاں آکر شب بیداری اور نوافل ادا کیا کرو کہ یہ رات شبِ قدر ہے،یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ تیئیسویں رمضان شبِ قدر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضو انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کا علم دیا گیا۔

۵؎ یعنی میرے والد بائیسویں رمضان کی عصر پڑھ کر مسجد نبوی میں داخل ہوجاتے تھے.ظاہر یہ ہے کہ نماز عصر اپنے گھر پڑھ کر آتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ نماز عصر یہاں مسجد نبوی شریف میں ہی پڑھتے ہوں،تب داخلہ سے مراد ٹھہرنے کا داخلہ ہوگا،اس طرح کہ یہاں عصر پڑھی پھر ضروریات سے فارغ ہوئے پھر رات بھر قیام کے ارادے سے مسجد میں آگئے۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ حاجت سے مراد مطلق ضرورت ہے تو آپ تمام ضروریات انسانی سے ایسے فارغ ہوکر مسجد میں داخل ہوتے تھے کہ پھر وضو کے لیے بھی باہر نہ آتے تھے وضو ٹوٹتا ہی نہ تھا اس جملہ کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت ہی مناسب ہے۔خیال رہے کہ آپ معتکف نہ ہوتے تھے کیونکہ فرضی اعتکاف تو چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اور اعتکاف سنت رمضان کے پورے آخری عشرہ کا اور اعتکاف نفلی ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے مگر اس میں مسجد سے باہر آنا ممنوع نہیں جب چاہے معتکف باہر آجائے اور جب چاہے اندر جائے اور پھر نیت اعتکاف کرلے لہذا جن شارحین نے اس سے اعتکاف سمجھا وہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔آپ اس رات کی حاضری کو غنیمت جانتے تھے اور ایک منٹ کے لیے بھی باہر نہ آتے تھے۔

۷؎ اور پھر شہر میں کبھی کبھار آتے۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اس رات کو وہ شب قدر جان کر یہ عبادت کرتے تھے جیساکہ مرقات میں ہے۔

۸؎ ابوداؤد نے یہ حدیث ضمرہ ابن عبداللہ ابن انیس سے روایت کی،اس اسناد میں محمد ابن اسحاق راوی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اگر وہ حدثنا کہہ کر روایت کریں تو اسناد صحیح ہوتی ہے اصل حدیث مسلم کی ہے بروایت بشر ابن سعید۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شبقدر بتانے تشریف لائے ۱؎ تو دو مسلمان مرد لڑ پڑے ۲؎ حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں شب قدر بتانے آیا تھا مگر فلاں فلاں لڑ پڑے تو شبِ قدر اٹھالی گئی ۳؎ ممکن ہے یہ اٹھالیا جانا تمہارے لیے بہتر ہی ہو ۴؎ اب اسے آخری نویں،ساتویں،پانچویں میں تلاش کرو ۵؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی خبر بھی دے دی گئی اور بتانے کی اجازت بھی دے دی گئی اس لیے سر کار بتانے کے لیے تشریف لائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبقدر کا علم دیا۔

۲؎ غالبًا یہ حضرات عبداللہ ابن ابی حدرد اور کعب ابن مالک تھے جن کا جھگڑا قرض کے متعلق تھا جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا معاف کرادیا اور باقی آدھا ادا کرنے کا حکم دے دیا۔

۳؎ یعنی میرے علم سے اس کا تقرر دور کردیا گیا اور مجھے بھلا دی گئی،یہ مطلب نہیں کہ خود شب قدر ہی ختم کردی اب وہ ہوا ہی نہ کرے گی ان جھگڑنے والوں کا جھگڑانا حق بھی تھا اور اعتدال سے زیادہ بھی جس کا اثر یہ ہوا۔معلوم ہوا کہ دنیاوی جھگڑے منحوس ہیں ان کا وبال بہت ہی زیادہ ہے ان کی وجہ سے اللہ کی آتی ہوئی رحمتیں رک جاتی ہیں۔

۴؎ یعنی اس شر کے ضمن میں تمہارے لیے خیر ہے کہ اب تم شبِ قدر تلاش کرو گے اور اس کی تلاش بھی عبادت ہے،لہذا تم اس پر بھی بہت ثواب پاؤ گے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شبِ قدر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو وہ بھی لوگوں پر ظاہر نہ کرے کہ اس کا ظاہر نہ کرنا سنت ہے اور ظاہر کردینا خلاف سنت اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کردیا تھا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحقیقی اطلاع نہ دی تھی یا علامتیں بتائیں یا نوعی تقرر ظاہر کیا۔

۵؎ یعنی رمضان کی انتیسویں،ستائیسویں،پچیسویں راتوں میں زیادہ جستجو کرو غالب یہ ہے کہ ان میں سے کسی رات میں ہے۔اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اس جھگڑے سے خود شبقدر نہ اٹھی تھی بلکہ اس کا تعین اٹھا ورنہ اس کے تلاش کرنے کے کیا معنی،تلاش وہ چیز کی جاتی ہے جو ہو مگر اس کا پتا نہ ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شبِ قدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت میں اترتے ہیں ۱؎ ہر اس کھڑے بیٹھے بندے کو دعائیں دیتے ہیں جو اللہ کا ذکر	

	کررہا ہو ۲؎ پھر جب بندوں کی عید کا دن ہوتا ہے تو اللہ ان بندوں سے اپنے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے ۳؎ فرماتا ہے اے میرے فرشتوں اس مزدور کی اجرت کیا ہونی چاہیے جو اپنا کام پورا کردے ۴؎ عرض کرتے ہیں الٰہی اس کی اجرت یہ ہے کہ اسے پورا ثواب دیا جائے ۵؎ فرماتا ہے اے فرشتوں میرے بندے بندیوں نے میرا فریضہ پورا کردیا جو ان پر تھا پھر دعائیں شور مچاتے نکل پڑے ۶؎ مجھے اپنی عزت و جلال اپنے کرم اپنی بلندی اپنے غلبہ مرتبہ کی قسم میں ان کی دعا قبول کروں گا ۷؎ پھر فرماتا ہے لوٹ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ۸؎ اور تمہاری برائیوں کو خوبیاں بنادیا ۹؎ فرمایا پھر یہ لوگ بخشے ہوئے لوٹتے ہیں ۱۰؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا"۔اس سے پتہ لگا کہ وہاں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ملائکہ سے مراد فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو ان کے ساتھ اترتی ہے،یہ جماعت سوائے شبِ قدر کے اور کبھی نہیں اترتی بعض بزرگوں نے کبھی اس جماعت کو دیکھا بھی ہے روح کی تفسیریں اور بہت ہیں مگر قوی یہ ہی ہے کہ وہ حضرت جبریل ہیں۔

۲؎ اس تعلیم سے معلوم ہوا کہ شبِ قدر میں صرف نماز ہی پڑھنا لازم نہیں بلکہ نماز،تلاوت قرآن اور تمام قسم کے ذکر اللہ کئے جائیں پھر نماز نفل کھڑے ہو کر پڑھی جائے یا بیٹھ کر ہر طرح فرشتوں کی دعائیں مل جاتی ہیں۔

۳؎ فرماتا ہے اے فرشتو تم نے تو کہا تھا کہ خلافت الٰہیہ انسان کو کیوں عطا ہورہی ہے یہ تو خون ریزی کرے گا فساد پھیلائے گا دیکھو انسانوں میں ایسے عابد بھی ہیں جو دن کو روزے رکھ کر راتوں کو اس طرح جاگ لیتے ہیں اور ایسی عبادتیں کرلیتے ہیں جو کسی مخلوق سے نہ ہوسکے۔خیال رہے کہ روزہ جہاد اشاعت دین شہادت وغیرہ وہ عبادتیں ہیں جو صرف انسان ہی کر سکتا ہے فرشتوں سے بھی نہیں ہوسکتیں رکوع سجدہ تو عبادات مشترکہ ہیں مگر یہ عبادات انسان سے خاص ہیں اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:"وَحَمَلَهَا الْاِنْسٰنُ"جنات سفر حج اور جہاد کی مشقتوں کو کیا جانیں۔

۴؎ یعنی ان بندوں نے رمضان کی عبادات پوری کرلیں روزے،تراویح،اعتکاف،شبِ قدر کی شب بیداری وغیرہ سب کام پورے کرچکے اب بتاؤ ہم کیا کریں ا ور انہیں کیا دیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان کا کام تو مرتے وقت پورا ہوتا ہے ابھی یہ کیوں فرمایا گیا،کیوں یہاں اس ماہ کی عبادات پوری کرلینا مراد ہے۔

۵؎ کہ یہ تو ان مزدورں کا حق ہے جوتو نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا ہے آگے جو تو کرم فرمائے تو تیرا کرم ہے جو سب کے وہم گمان سے وراء ہے یہ کلام در پردہ فرشتوں کی سفارش ہے۔خیال رہے کہ فرشتے مؤمنوں کے لیے عمومی

دعا تو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"اور خصوصی دعائیں خاص موقعوں پر کرتے ہیں،یہ سب کچھ اسکا عوض ہے جو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں انسانوں کی شکایت کی تھی اسی لیے شبِ قدر میں فرشتے ہی دعائیں کرنے آتے ہیں،اور آج فرشتوں ہی سے یہ خطاب ہے۔

۶؎اس حدیث سے پتہ لگا کہ عیدالفطر کی نماز جنگل میں نکل کر پڑھنا بہتر ہے اور یہ نماز درحقیقت اس نعمت کا شکریہ ہے کہ جس نے ہمیں رمضان کی عبادات کی توفیق بخشی قرآن کریم فرماتاہے:"وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰىكُمْ"بے روزہ چوروں اور روزہ چھوڑوں اور روزہ توڑوں کو عید کی خوشی منانے کا حق ہی نہیں مگر آج کل عید کی زیادہ خوشی یہ ہی لوگ مناتے دیکھے گئے۔

۷؎یعنی بعد نماز عید جو دعا مانگیں گے وہ قبول کروں گا معلوم ہوا کہ نماز عید کے بعد دعا ضرور مانگے،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے نہیں مانگنا چاہیے۔

۸؎اس طرح کہ تمہارے سارے گناہ بخش دے،چھوٹے ہوں یا بڑے یہ ہی زیادہ ظاہر ہے۔

۹؎مرقات نے فرمایا کہ معافی و بخشش توگنہگاروں کے لیے ہے اور گناہوں کو نیکیاں بنا دیناتوبہ کرنے والوں کے لیے اس کی تائید اس آیت سے ہے"اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نامۂ اعمال سے گناہ مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں جن پر اجروثواب ملتاہے یہ رب تعالٰی کے کرم سے کوئی بعید نہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں ع گاہے بدشنامے خلعت دہند۔

۱۰؎یہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو عیدگاہ جا کر نماز پڑھتے ہیں رہے وہ لوگ جو وہاں نہیں جاتے جیسے دیہاتی لوگ اور عورتیں وغیرہ ان کی بخشش اس کے بغیر بھی ہوتی ہے جیسے عام مسلمانوں کی بخشش روزہ نماز سے بچوں اور دیوانوں کی بخشش محض کرم سے اس کی عطا ہماری طلب پر موقوف نہیں۔شعر

مانہ بودیم وتقاضا مانبود ۔۔۔ لطف تو ناگفتہ مامے شنید

باب الاعتکاف

اعتکاف کاباب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا اعتکاف عکف سے بنا بمعنی ٹھہرنا یا قائم رہنارب تعالٰی فرماتاہے:"یَّعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ" اورفرماتاہے:"وَاَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ فِی الۡمَسٰجِدِ"۔شریعت میں بہ نیت عبادت مسجد میں خاص ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔اعتکاف بڑی پرانی عبادت ہے رب تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ و اسمٰعیل علیہما السلام سے فرمایاتھا:"اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآٮِٕفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ"۔اعتکاف تین قسم کاہے: اعتکاف فرض جیسے نذر مانا ہوا اعتکاف،اس میں روزہ شرط ہے اور اس کی مدت کم از کم ایک دن و رات ہے۔اعتکاف سنت،یہ بیسویں رمضان کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک ہے۔اعتکاف نفل اس میں نہ روزہ شرط ہے نہ اس کی مدت مقرر جب بھی مسجد میں جائے تو کہہ دے میں نے اعتکاف کی نیت کی جب تک مسجد میں رہوں۔ حق یہ ہے کہ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کسی نے نہ کیا تو سب سنت کے تارک ہوئے اگر ایک نے بھی کرلیا تو سب کی طرف سے ادا ہوگیا مرد تو جماعت والی مسجد میں ہی اعتکاف کرسکتا ہے جہاں نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہو مگر عورت اپنے گھر میں کوئی جگہ صاف و پاک کرکے وہاں ہی اعتکاف کرلے جسے مسجد خانہ کہتے ہیں(لمعات مرقات)وغیرہ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے حتی کہ اللہ نے انہیں وفات دی اپھر آپ کی بیویوں نے آپ کے بعد اعتکاف کیا ۲(مسلم،بخاری)	

ا اس ہمیشگی سے معلوم ہوا کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہےاور چونکہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم امت کو صراحۃً نہ دیا بلکہ رغبت دی معلوم ہوا کہ یہ اعتکاف واجب نہیں کیونکہ وجوب کے لیے حکم دینا ضروری ہے،لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے،پھر سارے مدینہ منورہ میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ ہی اعتکاف کرتے تھے سب مسلمان نہ کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔
۲یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج پاک نے ہمیشہ اپنے گھروں میں اعتکاف کیا نہ کہ مسجد نبوی شریف میں مسجد میں تو ایک بار ان بیویوں نے اعتکاف کیا تھا،اعتکاف کے لیے کپڑے کے خیمے لگائے تھے جو

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکھڑوادیئے تھے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اگرچہ عورت مسجد میں بھی باپردہ رہ کر اعتکاف کرسکتی ہے مگر اس کے لیے گھر میں اعتکاف بہت اچھا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے بڑھ کر ہر بھلائی کے سخی داتا تھے۱؎ اور آپ رمضان میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے۲؎ ہر رات جبریل امین آپ سے ملتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل پر قرآن پیش فرماتے تھے۳؎ تو جب آپ سے جبریل ملتے تب آپ بھیجی ہوئی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی بالخیر ہوتے تھے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کہ ہمیشہ ہی مال کی،اعمال کی ،علم کی،ہر رحمت الٰہیہ کی سخاوت کرتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی سخاوت آج تک نہ کسی نے کی نہ کوئی کرسکتا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی صفت جواد کے مظہر اتم ہیں قرآن کریم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کریم یعنی سخی داتا فرمایا۔شعر

یارب تو کریمی و رسول تو کریم　　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

۲؎ کہ ماہ رمضان میں تو کسی کو کسی طرح رد فرماتے ہی نہ تھے،جنت مانگنے والوں کوجنت، رحمت کے سائلوں کو رحمت،خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور کو مانگنے والوں کو اپنی توجہ کرم،مال مانگنے والوں کو مال،اعمال،کمال، لقائے ذوالجلال غرضکہ جو سائل جو مانگتا تھا منہ مانگی پاتا تھا۔بعض عشاق اب بھی رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چیز مانگتے ہیں مسلمانوں کو بھی رمضان میں بہت سخاوت کرنا چاہیئے کہ یہ سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ ہر رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ اول سے آخر تک سارا قرآن مع تجوید و مخارج حروف کے دور فرماتے تھے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رمضان میں دور قرآن کرنا یا قرآن کا دورہ کرنا سنت رسول بھی ہے اور سنت جبریل بھی۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے سارا قرآن جانتے ہیں،نزول قرآن تو امت پر احکام جاری کرنے کیلیے ہوا،کیونکہ ہر رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پورا قرآن سن بھی رہے ہیں اور حضرت جبریل کو سنا بھی رہے ہیں،حالانکہ ابھی سارا قرآن نازل نہیں ہوا تھا،نزول کی تکمیل تو وفات سے کچھ پہلے ہوئی چونکہ یہ تلاوت خصوصیت سے اعتکاف میں ہوتی تھی اس لیے مصنف یہ حدیث اعتکاف کے باب میں لائے۔

۴؎ یعنی جیسے ہوا کی سخاوت پر عالم قائم ہے کہ ہر شخص ہوا سے ہی سانس لیتا ہے اور ہوا ہی سے بارش آتی ہے،ہوا سے ہی کھیت و باغ پھلتے پھولتے ہیں پھر ہر جگہ ہوا موجود ہے ہر جاندار وغیر جاندار کو ہر طرح فیض پہنچاتی ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات جبریل کے موقعہ پر ہر ایک کو ہر طرح ہرچیز دیتے تھے۔ خیال رہے کہ رب تعالٰی رمضان میں بہت جودو کرم فرماتا ہے،اس سنت الٰہیہ کے مطابق حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں زیادہ سخاوت کرتے تھے،ہوئے جو رب تعالٰی کے مظہر اتم صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم پر سارا قرآن ایک بار پیش کیا جاتا تھا جس سال حضور انور کو وفات دی گئی اس سال دوبار پیش کیا گیا ۱؎ اور حضور ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے وفات کے سال بیس دن اعتکاف کیا ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی شروع نبوت سے ما بعد ہجرت شروع سے ہر رمضان میں حضرت جبریل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک پارہ روز دورہ کرتے تھے جس سے پورے رمضان میں ایک ختم ہوتا تھا وفات کے سال دو پارہ روز دور کیا جس سے مہینہ میں دو ختم ہوئے۔ یوں سمجھو کہ افضل رسول پر افضل مہینہ میں افضل کلام افضل مقام میں لاکر سنتے اور سناتے تھے، یہاں معاوضہ سے مراد مدارستہ ہے یعنی دور شعر

نور آیا تو لایا نور پر نورانی رات　　　　اس لیے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کی خبر تھی کہ اس سال ہوگی اسی لیے اس سال سفر آخرت کی تیاری خصوصیت سے فرمارہے ہیں یہ حدیث اہل سنت کے بہت سے مسائل کی اصل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص بڑھاپے میں یا مرض وفات میں خصوصیت سے آخرت کی تیاری کرے دنیاوی تعلقات کم کرنا شروع کردے یہ بھی سنت رسولی ہے، اللہ تعالٰی توفیق دے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو مسجد میں رہتے ہوئے میری طرف اپنا سر جھکادیتے میں کنگھی کردیتی ۱؎ اور بجز ضروریات انسانی گھر میں تشریف نہ لاتے ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کا دروازہ مسجد میں تھا تو بحالت اعتکاف آپ مسجد میں رہتے اور حضرت عائشہ گھر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے سر مبارک حجرہ میں کردیتے ام المؤمنین کنگھی کردیتی تھیں۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے :ایک یہ کہ معتکف کا اپنے بعض اعضاء مسجد سے نکال دینا جائز ہے یہ مسجد سے نکلنا نہیں کہا جاتا اسی طرح حائضہ عورت کا اپنے بعض اعضاء مسجد میں داخل کردینا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ کنگھی وغیرہ مسجد میں نہ کرنا بہتر ہے کہ اس سے بال مسجد میں گریں گے اڑیں گے۔چوتھے یہ کہ جو کام مسجد میں رہ کر کیئے یا کرائے جاسکتے ہیں ان کے لیے معتکف مسجد سے نہ نکلے۔

۲؎ حاجت انسانی سے مراد صرف پیشاب پاخانہ ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احتلام سے محفوظ ہیں۔ فقہاء صرف چار کاموں کے لیے معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں پیشاب پاخانہ غسل جنابت اور نماز جمعہ اگر اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو اور اس پر جمعہ فرض ہو، غسل جمعہ کے متعلق روایت نہ ملی۔حضرت شیخ نے یہاں اشعہ میں فرمایا کہ

معتکف غسل نفل کے لیے بھی مسجد سے نکل سکتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اگر مسجد میں رہتے ہوئے کسی ٹپ وغیرہ میں اس طرح غسل کرلے کہ مسجد میں مستعمل پانی بالکل نہ گرے تو وہاں ہی کرے غسل خانہ میں نہ جائے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں۱؎ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی ۲؎فرمایا اپنی نذر پوری کرو ۳؎(مسلم،بخاری) ۴؎	

۱؎ زمانہ جاہلیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے زمانہ کو کہتے ہیں جب اہلِ عرب بالکل اندھیروں میں تھے گذشتہ نبیوں کی تعلیم گم ہوچکی تھی،مگر یہاں اشاعت نبوت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے کیونکہ حضرت عمر کی یہ نذر قبول اسلام کے بعد کی ہے کہ آپ نے مسلمان ہو کر یہ نذر مانی مگر پوری نہ کرسکے کیونکہ کفار مکہ کا بہت زور تھا وہ آپ کو مسجد حرام میں رات گزارنے نہ دیتے تھے وہاں ٹھہرنے میں آپ کو جان کا خطرہ تھا۔(مرقاۃ)

۲؎ رات سے مراد رات مع دن ہے،اہل عرب رات بول کر پورے چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں،ورنہ نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور وہ دن ہی میں ہوتا ہے۔ امام شافعی کے ہاں صرف رات بھر کا بھی اعتکاف ہوسکتا ہے ان کے ہاں روزہ شرط نہیں وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں،مگر یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے آگے صراحتہً حدیث آرہی ہے کہ بغیر روزہ اعتکاف نہیں اس صریحی حدیث کے ہوتے ہوئے اس اشارہ پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

۳؎ یہ امر وجوبی ہے کیونکہ حضرت عمر کی نذر اسلام قبول کرلینے کے بعد کی ہے مسلمان کی نذر درست ہے،اگر کافر زمانہ کفر میں کسی اچھے کام کی نذر مانے،پھر مسلمان ہوجائے تو اسے نذر پورا کرنا مستحب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو کعبہ معظّمہ یعنی مسجد حرام میں اعتکاف کا حکم دیا، بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مسجد نبوی میں اعتکاف کی نذر مانی ہو تو دوسری مسجد میں اعتکاف نہیں کرسکتا،ان کی دلیل یہ حدیث ہے بعض کے ہاں کرسکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

۴؎ یہ حدیث ابوداؤد،نسائی اور دارقطنی نے بھی نقل کی مگر ان کی روایت میں ہے کہ جناب عمر نے کعبہ معظّمہ کے پاس ایک دن و رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی،نسائی دار قطنی نے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعتکاف اور روزے کا حکم دیا۔(مرقات)فتح القدیر میں ہے کہ مسلم و بخاری کی روایت میں بھی ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن و رات کے اعتکاف کی نذر پوری کی تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے	

	تھے ایک سال اعتکاف نہ کرسکے ۱؎جب اگلا سال آیا تو حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن اعتکاف کیا ۲؎(ترمذی)

۱؎ کسی مجبوری کی وجہ سے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاعذر اعتکاف کبھی نہ چھوڑا،ہمیشہ رمضان کے آخری عشرے میں کرتے تھے۔(مرقات)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ گزشتہ رمضان کے اعتکاف کی قضاء نہ تھی ورنہ اس رمضان تک انتظار نہ فرماتے،وہ رمضان گزرتے ہی قضاء کرلیتے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رمضان میں جس کے بعد وفات شریف واقع ہوئی بیس دن اعتکاف فرمایا تھا ایسے ہی اس رمضان میں کیا،ہوسکتاہے کہ دس دن گزشتہ رمضان کی قضاء ہی ہوں تو یہ قضا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے ورنہ آپ پر اعتکاف فرض نہ تھا اور قضاء صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے جیسے ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظہر چار رکعت رہ گئی تھیں تو بعد عصران کی قضاء کی پھر ہمیشہ یہ رکعتیں پڑھتے رہے،وہ بھی خصوصیات میں سے تھا۔مرقات نے فرمایا کہ موقف نفلوں کی قضا کرلینا بہتر ہے جیسے نفل تہجد۔

	اورابوداؤد،وابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو نماز فجر پڑھتے پھر اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہوجاتے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر امام اوزاعی و لیث نے فرمایا کہ اعتکاف بعدفجر شروع کیا جائے مگر باقی تمام آئمہ کے ہاں اعتکاف سنت و فرض بعد عصر شروع کیا جائے،وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت سے اعتکاف گاہ میں داخلہ تیاری اعتکاف کے لیے ہوتا تھا،اصل اعتکاف بعد عصر شروع فرماتے تھے اسی لیے آپ فرمارہی ہیں کہ اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہو جاتے یہ نہ فرمایا کہ اعتکاف شروع کردیتے تھے،اعتکاف شروع کرنا اور ہے اور اعتکاف گاہ میں داخلہ کچھ اور۔اعتکاف گاہ سے مراد چٹائی کا وہ حجرہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے لیے بنایا جاتا تھا کہ چٹائی گول شکل میں کھڑی کردی جاتی تھی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف بیمار کی مزاج پرسی یوں فرماتے تھے کہ اسی طرح چلتے رہتے تھے مڑتے نہ تھے اس کا مزاج پوچھ لیتے تھے۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف پیشاب یا پاخانہ کے لیے مسجد سے باہر جاتے اور اتفاقًا کوئی بیمار مل جاتا تو چلتے ہوئے ہی مزاج پرسی فرمالیتے نہ تو ٹھہرتے نہ اس کی خاطر راستہ سے مڑتے جمہور علماء کے ہاں معتکف کے لیے یہی حکم ہے اگر وہ مزاج پرسی کے لیے بقدر اداء نماز ٹھہرے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اس سے کم ٹھہرا تومکروہ ہوگا،جمہور علماء کا ماخذیہ حدیث ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ نہ تو بیمار کی مزاج پرسی کرے ۱؎ اور نہ جنازے ہی کو جائے ۲؎ نہ عورت کو ہاتھ لگائے نہ اسے چھوئے ۳؎ نہ کسی کام کو جائے سوائے ضروری کام کے ۴؎ بغیر روزہ اعتکاف نہیں ہوتا ۵؎ اور صرف جامع مسجد میں ہی اعتکاف کرے ۶؎(ابوداؤد) ۷؎

۱؎ نہ مزاج پرسی کے لیے مسجد سے نکلے اور نہ مسجد سے باہر اس کے لیے ٹھہرے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ وہاں چلتے ہوئے مزاج پرسی مراد تھی اور یہاں ٹھہر کر۔

۲؎ یعنی نماز جنازہ کے لیے مسجد سے باہر نہ جائے اگرچہ خارج مسجد میں نماز جنازہ ہو کہ معتکف اندرونِ مسجد رہناچاہیے بلا ضرورت وضوو غسل کی جگہ بھی نہ جائے اگرچہ یہ جگہ مسجد کی حدود میں ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی معتکف اپنی بیوی کو نہ شہوۃً ہاتھ سے چھوئے نہ اسے چمٹائے نہ صحبت کرے صحبت سے تو اعتکاف یقینًا جاتا رہے گا اور بوس و کنار یا شہوۃً چھونے سے انزال ہوگیا تو اعتکاف گیا،ورنہ سخت مکروہ ہوا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی غسل گرمی کے غسل کے لیے مسجد سے نکلنا بھی جائز نہیں،صرف پیشاب پاخانہ غسل جنابت کے لیے نکل سکتا ہے حتی کہ جس پر جمعہ فرض نہیں جیسے عورت یا دیہاتی وہ نماز جمعہ کے لیے مسجد سے نہیں جاسکتا۔

۵؎ یہ حکم اعتکاف فرض یااعتکاف سنت کے لیے ہے کہ ان دونوں میں روزہ شرط ہے اعتکاف نفل میں نہ روزہ شرط ہے نہ وقت کی پابندی۔

۶؎ یہ حکم مرد کے اعتکاف کے لیے ہے،عورتوں کےاعتکاف کے لیے مسجد شرط نہیں وہ اپنے گھروں میں اعتکاف کریں۔ جامع مسجد سے مراد جماعت والی مسجد ہے جہاں مؤذن وامام مقرر ہواور نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہو ایسی ہی مسجد میں اعتکاف کرے اور اگراس سے جمعہ والی مسجد مراد ہو جہاں نماز جمعہ بھی ہوتی ہو تو یہ حکم استحبابی ہے کہ جمعہ والی مسجد میں اعتکاف مستحب ہے جائز تو ہر مسجد میں ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاَنۡتُمۡ عٰکِفُوۡنَ فِی الۡمَسٰجِدِ"۔خیال رہے کہ سب سے افضل اعتکاف حرم کعبہ یعنی مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں پھر وہاں جہاں کا امام افضل ہو پھر وہاں جہاں جماعت بڑی ہوتی ہو مرقات و لمعات،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مرد مسجد میں ہی اعتکاف کرسکتا ہے۔

۷؎ یہ حدیث کچھ فرق سے نسائی نے بھی نقل کی مؤطا امام مالک میں کچھ تھوڑی تبدیلی سے ہے اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمٰن ابن اسحاق ہیں جن پر بعض محدثین نے جرح کی ہے مگر بعض محدثین نے انہیں ثقہ کہا اور جب جرح و

تعدیل میں تعارض ہوا تو تعدیل مقدم ہوتی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ فرمانا کہ سنت یہ ہے مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بات محض اٹکل و قیاس سے نہیں کہی جاسکتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب اعتکاف کرتے تو آپ کے لیے بستر بچھادیا جاتا یا ستون توبہ کے پیچھے آپ کا تخت پوش ڈال دیا جاتا [1] (ابن ماجہ)

[1] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ستون توبہ کے پاس اعتکاف کرتے تھے وہاں آپ کے لیے کبھی تو صرف بستر بچھادیا جاتا تھا اور کبھی چار پائی کیطرح تخت بھی۔ معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں چار پائی یا تخت پر سو سکتا ہے بشرطیکہ بالکل پاک و صاف ہو ستون توبہ مسجد نبوی میں وہ ستون ہے جہاں ابولبابہ نے توبہ کی تھی اسی ستون سے انہیں باندھ دیا گیا تھا اب حجاج وہاں کھڑے ہو کر توبہ استغفار کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ اعتکاف گناہوں سے باز رکھتا ہے [1] اور معتکف کو تمام نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے تمام نیکیاں کرنے والے کیطرح [2] (ابن ماجہ)

[1] یعنی اعتکاف کا فوری فائدہ تو یہ ہے کہ یہ معتکف کو گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ **عکف** کے معنی ہیں روکنا، باز رکھنا، کیونکہ اکثر گناہ غیبت، جھوٹ اور چغلی وغیرہ لوگوں سے اختلاط کے باعث ہوتی ہے معتکف گوشہ نشین ہے اور جو اس سے ملنے آتا ہے وہ بھی مسجد و اعتکاف کا لحاظ رکھتے ہوئے بری باتیں نہ کرتا ہے نہ کراتا ہے۔

[2] یعنی معتکف اعتکاف کی وجہ سے جن نیکیوں سے محروم ہوگیا جیسے زیارت قبور، مسلمانوں سے ملاقات، بیمار کی مزاج پرسی، نماز جنازہ میں حاضری اسے ان سب نیکیوں کا ثواب اسی طرح ملتا ہے جیسے یہ کام کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے، ان شاءاللہ غازی، حاجی، طالب علم دین کا بھی یہ ہی حال ہے۔

کتاب فضائل القرآن

قرآن کے فضائل کا بیان [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] فضائل فضیلت کی جمع ہے فضیلت **فضل** سے بنا بمعنی زیادتی عرف میں فضیلت اس خصوصی بزرگی کو کہتے ہیں جو دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ خیال رہے کہ فضل صفت ہے اور فضول عیب یعنی عبث یا فائدہ سے خالی۔ قرآن کی وجہ تسمیہ ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلد اول کے مقدمہ میں ملاحظہ کیجئے کہ یہ لفظ **قرءٌ** سے بنایا **قرأۃ** سے یا قرن سے قرآن کے فضائل بعض عمومی ہیں یعنی سارے قرآن کے فضائل اور بعض خصوصی یعنی بعض سورتوں یا بعض آیتوں کے خصوصی فائدے و تاثیریں، جن آیات میں حمد و نعت ہیں وہ ذکر بھی افضل،ذاکر بھی اعلیٰ اور مذکور بھی بہتر مگر جن آیات میں کفار کا ذکر ہے وہاں ذکر اعلیٰ ذاکر افضل مگر مذکور بدترین خلق،اسی لیے **قل ھو اللہ** تین بار پڑھنے میں سارے قرآن کی تلاوت کا ثواب ہے کہ یہ حمد کی سورت ہےاور تبت یدا تین سو بار بھی پڑھ لو تو بھی یہ ثواب نہیں کعبہ معظّمہ سارا ہی خدا کا گھر ہے مگر رکن اسود بہت اعلیٰ ہے،مسجد ساری بیت اللہ ہے مگر محراب و منبر اعلیٰ ہیں لہذا اس فضیلت پر منکرین حدیث کا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ سارا ہی قرآن کلام الٰہی ہے پھر یہ فرق مراتب کیسا نبیوں،ولیوں میں فرق مراتب موجود ہے حالانکہ وہ سارے اللہ کے پیارے ہیں"**تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ**"۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے [1](بخاری)

[1] قرآن سیکھنے سکھانے میں بہت وسعت ہے بچوں کوقرآن کے ہجے روزانہ سکھانا،قاریوں کا تجوید سیکھنا سکھانا،علماء کا قرآنی احکام بذریعہ حدیث وفقہ سیکھانا سکھانا صوفیائے کرام کا اسرار و رموز قرآن بسلسلہ طریقت سیکھنا سکھانا سب قرآن ہی کی تعلیم ہے صرف الفاظ قرآن کی تعلیم مراد نہیں،لہذا یہ حدیث فقہاء کے اس فرمان کے خلاف نہیں کہ فقہ سیکھنا تلاوت قرآن سے افضل ہے کیونکہ فقہ احکام قرآن ہے اور تلاوت میں الفاظ قرآن چونکہ کلام اللہ تمام کلاموں سے افضل ہے لہذا اس کی تعلیم تمام کاموں سے بہتر اور اسرار قرآن الفاظ قرآن سے افضل ہیں کہ الفاظ قرآن کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک پر ہوا اور اسرار و احکام کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ہوا،تلاوت سے علم فقہ افضل رب تعالیٰ فرماتاہے:"**نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ**" عمل بالقرآن علم قرآن کے بعد ہے لہذا عالم عامل سے افضل ہے آدم علیہ السلام عالم تھے فرشتے عامل مگر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام افضل و مسجود رہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم صفہ میں تھے ۱؎ فرمایا تم میں کون یہ چاہتا ہے کہ ہر صبح بطحان یا عقیق کی طرف نکل جایا کرے اور بغیر گناہ کئے بغیر رشتہ توڑے دو اونچی اونٹنیاں لے آیا کرے ۲؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہم سب چاہتے ہیں ۳؎ فرمایا تو تم میں سے ہر شخص روزانہ صبح کو کیوں نہ مسجد چلا جایا کرے وہاں قرآن کریم کی دو آیتیں سیکھ لیا کرے یا پڑھ لیا کرے ۴؎ یہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور تین تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار چار سے اور اسی قدر اونٹوں سے بہتر ہیں ۵؎ (مسلم)

۱؎ صفہ کے معنی ہیں چبوترہ (تھڑا) مسجد نبوی سے متصل پیچھے کی جانب تھوڑا سا چبوترا بنادیا گیا تھا جہاں مہمان اترتے تھے اور علم سیکھنے والے فقراء صحابہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے یہ حضرات اصحاب صفہ کہلاتے انہیں کی سی صفات رکھنے والوں کو آج صوفیاء کہتے ہیں، یعنی صفائی دل اور صوف کا لباس رکھنے والی جماعت یہ حضرات کم و بیش ہوتے رہتے تھے کبھی ستر اور کبھی دو سو سے زیادہ گویا یہ مدرسہ نبوی تھا عقبہ ابن عامر اور ابوہریرہ بھی انہی میں سے تھے۔

۲؎ یعنی تھوڑی دور جا کر تھوڑی سی دیر میں بہت سا حلال مال لے آوے عرب میں اونٹنی بڑا عزیز مال تھا عقیق مدینہ منورہ سے دو تین میل پر ایک بازار ہے جہاں جانور زیادہ فروخت ہوتے ہیں بطحان مدینہ پاک کا ایک وسیع جنگل ہے بطح بمعنی وسعت یا پتھریلا علاقہ۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ یہ تو ہم سب چاہتے ہیں۔خیال رہے کہ وہ حضرات اگرچہ تارک دنیا تھے مگر دین کے لیے دنیا حاصل کرنے کو بہت افضل جانتے تھے دنیا اگر دین کے لیے ہو تو عین دین ہے اور اگر طین (مٹی گارے) کے لیے ہو تو دنیا ہے یعنی دنی چیز لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ لوگ تو محبِ دنیا نہ تھے پھر یہ جواب کیوں دیا۔

۴؎ یہ گفتگو صرف صفہ والے اصحاب سے نہیں ہے وہ تو ہر وقت گویا مسجد ہی میں رہتے تھے،بلکہ تاقیامت مسلمانوں سے ہے کہ دنیاوی کاروبار میں مشغول ہونے سے پہلے کچھ علم قرآن حاصل کرلیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی مدرسے مسجد میں ہونا بہتر ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ صفہ میں تھا جو مسجد سے متصل تھا گویا مسجد ہی میں تھا ،نیز معلوم ہوا کہ صبح سویرے علم قرآن حاصل کرنا افضل و صبح کے کام میں برکت ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء بلاتامل طلباء کو علم سکھایا کریں ۔

۵؎ یعنی پانچ آیات پانچ اونٹوں سے افضل اور چھ یا سات آیتیں اسی قدر اونٹوں سے افضل عرب میں ابل مطلقًا اونٹ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ اور جمل نر اونٹ کو ناقہ مادہ کو جیسے انسان یا آدمی مطلقًا انسان کو کہتے ہیں اور رجل مرد کو امراۃ عورت کو۔خیال رہے کہ یہاں آیت سے مراد آیت سیکھانا یا اس کی تعلیم میں مشغول رہنا ہے یعنی ایک آیت سیکھنا

ایک اونٹنی کی ملکیت سے بہترہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آیت قرآنی تو تمام دنیا سے بہتر ہے ایک اونٹ کا ذکر کیوں ہوا یا یہ تفصیل ان اہل عرب کو سمجھانے کے لیے ہے جنہیں اونٹ بہت مرغوب ہے جیسے میٹھی نیند سونے والوں کو سمجھانے کے لیے فجر کی اذان میں کہتے ہیں"**الصلوۃ خیر من النوم**"نماز اس نیند سے بہتر ہے حالانکہ نماز تو ساری دنیا سے بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر لوٹے تو وہاں تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیاں پائے۱؎ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا تو تین آیتیں جنہیں کوئی اپنی نماز میں پڑھ لے۲؎وہ اسے تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہیں ۳؎(مسلم)

۱؎یعنی جب سفر،بازار سے گھر پہنچے تو وہاں یہ حلال دولت پائے،اہل عرب مادہ اونٹنی کو خصوصًا جب وہ حاملہ بھی ہواونچی اور موٹی بھی بہت ہی پسند کرتے ہیں،اس لیے یہ مثال ارشاد ہوئی کیونکہ اونٹنی سے نسل چلتی ہے اونٹ سے نہیں چلتی اور ظاہر ہے کہ اچھی نسل کی اونٹنی کی نسل بھی اچھی ہوگی ۔

۲؎قرآن کریم اعلٰی چیز ہے اور جب نماز میں پڑھا جائے تو **نورٌعلٰی نور** ہے کہ نماز و قرآن کی برکتیں جمع ہوجاتی ہیں اور اگر تقدیر سے حرم مکہ یا حرم مدینہ میں نماز نصیب ہوجائے تو اس تلاوت کی برکتیں بے شمار ہو جاتی ہیں کہ تین خوبیاں جمع ہوگئیں،نماز،تلاوت،حرم کی زمین۔

۳؎ان اونٹنیوں کا نفع صرف دنیا میں ہےاور آیات قرآنیہ کا نفع دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور فانی سے باقی بہتر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی مال میں مشغول ہو کر آخرت سے لاپرواہ نہ ہوجایئے،یہ مطلب نہیں کہ دنیا بالکل چھوڑ دوکہ اسلام میں ترک دنیا منع ہے بلکہ جو دنیا دین کمانے کا ذریعہ ہو وہ بھی دین ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا عالم۱؎معزز فرشتوں اور محترم و معظم نبیوں کے ساتھ ہوگا۲؎اور جو قرآن پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو اور قرآن اس پر گراں ہو اس کیلئے دو ثواب ہیں ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎قرآن کریم کا ماہر وہ عالم ہے جو الفاظ قرآن،معانی ورسائل قرآن اسرار و رموز قرآن کا واقف ہو،اس کا بڑا درجہ ہے۔

۲؎شیخ نے فرمایا کہ یہاں سفرہ سے فرشتوں کی جماعت مراد ہے اور **کرام بررۃ** سے انبیاء کرام مقصود ۔مرقات نے فرمایا کہ یہ تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں۔**سَفَرَہ**یا تو **سَفَر** سے بنا ہے یعنی سفر کرتے رہنے والے فرشتے جو ہمیشہ حق تعالٰی اور رسولوں کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں وحی وغیرہ کے لیے یا **سِفْرٌ** سے بنا بمعنی کتاب،جس کی جمع اسفار ہے"**یَحْمِلُ اَسْفَارًا**"یعنی وہ فرشتے جو لوح محفوظ سے مضامین صحیفوں میں نقل کرتے رہتے ہیں یا کاتبین اعمال فرشتے

یا سفار بمعنی اصلاح سے بنا یعنی وہ فرشتے جو رب تعالٰی کی طرف سے بندوں پر مصلحت و رحمت کی خبریں لاتے ہیں چونکہ یہ فرشتے اول درجہ کے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں اور گناہوں سے بہت ہی پاک و صاف اس لیے ان کے یہ تین لقب ہوئے قرآن کریم کا عالم ان فرشتوں اور نبیوں کا سا کام کرتا ہے اس لیے اس کا حشر بھی انہیں جماعتوں کے ساتھ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ قیامت میں اچھوں کا ساتھ اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے۔شعر

گر محمد کا ساتھ ہوجائے　　　پھر تو سمجھو نجات ہوجائے

بعض نے فرمایا کہ یہ تینوں صفتین صحابہ کرام کی ہیں کہ انہوں نے قرآن جمع بھی کیا اور وہ اللہ کے ہاں مقبول اور گناہوں سے محفوظ بھی ہیں مرقات۔

۳؎سبحان اللہ! عالم بالقرآن کا تو وہ مرتبہ ہے جو ابھی ذکر ہوا اور جو کند ذہن،موٹی زبان والا قرآن پاک سیکھ تو نہ سکے مگر کوشش میں لگا رہے کہ مرتے دم تک کوشش کئے جائے وہ ڈبل ثواب کا مستحق ہے،شوق محنت۔خیال رہے کہ یہ دوگنا ثواب عالم قرآن کے مقابلہ میں نہیں ہے،عالم قرآن تو فرشتوں نبیوں اور صحابہ کے ساتھ ہے بلکہ اس کے مقابلہ میں جو بے تکلف قرآن پڑھ کر بس کردے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو شخصوں پر غبطہ ہے ۱؎ ایک وہ جس کو اللہ تعالٰی نے علم قرآن دیا وہ دن و رات اسے پڑھتا ہو۲؎دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا وہ دن رات اس سے خیرات کرے۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں حسد بمعنی غبطہ،رشک ہے حسد تو کسی پر جائز نہیں نہ دنیا دار پر نہ دین دار پر شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام پر حسد ان کی دینی عظمت پر ہوا تھا نہ کہ دنیاوی مال و دولت پر مگر مارا گیا حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت پر جلنا اور اس کا زوال چاہنا،رشک کے معنے ہیں دوسرے کی سی نعمت اپنے لیے بھی چاہنا دینی چیزوں میں رشک جائز ہے۔

۲؎یعنی عالم دین ہو دن رات نمازیں پڑھتا ہو قرآن پر عمل کرتا ہو ہر وقت اس کے مسائل سوچتا ہو،اس میں غور و تامل کرتا ہو،یقوم میں یہ سب کچھ داخل ہے۔مبارک ہے وہ زندگی جو قرآن و حدیث میں تامل و غور کرنے میں گزر جائے اور مبارک ہے وہ موت جو قرآن و حدیث کی خدمت میں آئے اللہ نصیب کرے۔شعر

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

انسان جس شغل میں جئے گا اسی میں مرے گا اور ان شاءاللہ اسی میں اٹھے گا بعض صحابہ کرام قبر میں بھی سورۂ ملک پڑھتے سنے گئے جیسا کہ مشکوۃ شریف میں آئے گا۔

۳؎ چونکہ خفیہ خیرات علانیہ خیرات سے افضل ہے،اس لیے یہاں رات کا ذکر دن سے پہلے ہوا یعنی وہ مالدار خفیہ بھی خیرات کرے اور علانیہ بھی،خیال رہے کہ سنت کی نیت سے اپنے اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھا کرتا ہے ترنج کی سی ہے ۱؎ جس کی خوشبو بھی اچھی اور لذت بھی اعلیٰ ۲؎ اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا چھوارے کی سی ہے جس میں خوشبو کوئی نہیں مزا میٹھا ہے ۳؎ اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا،اندرائن(تمہ)کی سی ہے جس میں خوشبو کوئی نہیں اور مزا کڑوا ۴؎ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان گھاس کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی اور مزہ کڑوا ۵؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ مؤمن جو قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے ترنج کیطرح ہے ۶؎ اور وہ مؤمن جو قرآ ن پڑھے تو نہیں اس پر عمل کرے چھوارے کی طرح ہے ۷؎	

۱؎ یعنی تلاوت قرآن کرتا رہتا ہے منزل نہیں چھوڑتا،معلوم ہوا کہ ہمیشہ تلاوت قرآن کرنا بہت بڑی عبادت ہے خواہ معنے سمجھے یا نہ سمجھے،ترنج عرب کا مشہور پھل ہے جس کا رنگ بہت اچھا ہوتا ہے خوشبو نہایت اعلیٰ مزہ بہت بہترین،دماغ اور معدہ کو بہت قوت دیتا ہے اس کے بہت فوائد کتب طب میں مذکور ہیں۔

۲؎ یہ ہی اس مؤمن کا حال ہے کہ لوگ اس کی تلاوت سے ایمانی لذت بھی حاصل کرتے ہیں اور ثواب بھی خود اسے بھی لذت و ثواب دونوں ملتے ہیں،قرآن شریف بہت ہی لذیذ چیز ہے۔

۳؎ ایسے ہی یہ غافل مسلمان ہے کہ اس کا ظاہر خاص اچھا نہیں مگر باطن نور ایمانی سے منور ہے لوگ اس سے ظاہری فائدہ نہیں اٹھاتے مگر اس کی صحبت سے کچھ نہ کچھ باطنی فیض پالیتے ہیں مؤمن کی صحبت بھی اچھی ہے۔

۴؎ اندرائن ایک مشہور کڑوا پھل ہے جس میں کسی قسم کی بو نہیں اور سخت کڑوا ہوتا ہے،منافق کا نہ ظاہر اچھا نہ باطن۔

۵؎ یعنی بے دین جو ریاء کے لیے یا مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے قرآن پڑھے،اگرچہ خود تو بدمزہ ہے کہ منافق ہے مگر اس کی تلاوت سے سننے والوں کو کچھ نہ کچھ راحت ضرور مل جاتی ہے،جیسے ریحانہ گھاس(نیازبو)کہ ہے تو بدمزہ مگر اس کی خوشبو سے دماغ ضرور معطر ہوجاتا ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تلاوت قرآن کا اثر ظاہر و باطن میں ہوتا ہے کہ اس سے زبان، کان،دل،دماغ ایمان سب ہی تازہ ہوتے ہیں۔دوسرے یہ کہ قرآن پاک کی تاثیر یں مختلف ہیں جیسے پڑھنے والے کی زبان ویسے ہی تاثیر قرآن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انڈے

پر"قل ھو اللہ"پڑھ کر دم کردیا تو سونا ہوگیا،اور فرمایا کہ کلام ربانی کے ساتھ زبان فرید ہونی چاہیے دیکھو یہاں مؤمن ومنافق کی تلاوتوں میں فرق فرمایا گیا پھر جیسا مؤمن ویسی ہی تلاوت کی تاثیر ۔تیسرے یہ کہ ہر تلاوت قرآن کرنے والے سے دھوکہ نہ کھاؤ ان میں کبھی منافق بھی ہوتے ہیں،قرآن کریم ریڈیو کی پیٹی ہے، تلاوت والے کے دل کی سوئی اگر شیطان کیطرف لگی ہوئی ہے تو اس کے سامنے تو قرآن ہوگا مگر اس کے منہ سے شیطان بولے گا اور اگر دل کی سوئی مدینہ پاک کی طرف ہے تو ان شاءاللہ زبان سے مدینہ کے فیضان نکلیں گے۔

۶؎مرقات نے فرمایا کہ جس گھر میں ترنج ہو وہاں جنات نہیں آتے ایک شاعر کہتا ہے۔

کانکم شجر الا ترجّ طآب معا　　　حملا ونورًا وطآب العود والورق

۷؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت بھی مستقل عبادت ہے اور اس پر عمل مستقل نیکی محبوب کا پیغام،وطن کا خط پڑھنے،سننے میں بھی مزہ آتا ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن محض بے کار ہے قرآن عمل کے لیے ہے نہ کہ پڑھنے کے لیے کیونکہ دوا کھانے پینے اور برتنے کے لیے ہوتی ہے محض نسخہ پڑھ لینے سے شفا نہیں ہوتی،ان بے وقوفوں کو خبر نہیں کہ بعض دواؤں کا سونگھنا مفید ہوتا ہے بعض کا محض دیکھنا فائدہ مند،سبزہ دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے اور بعض دواؤں کے سننے سے فائدہ ہوتا ہے،بیمار عشق کے لیے محبوب کا ذکر سننا بہت مفید دوا ہے لیموں یا ترش چیزوں کا ذکر کرو تو منہ میں پانی بھر جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس قرآن کے ذریعہ کچھ قوموں کو سر بلند کرے گا اور کچھ کو گرادے گا۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی جو مسلمان قرآن کریم کو صحیح طرح سمجھیں صحیح طرح عمل کریں تو وہ دنیا و آخرت میں بلند درجے پائیں گے اور جو اس سے غافل رہیں،یا غلط طرح سمجھیں،غلط طور پر عمل کریں وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے،قرآن کریم سے زندگی و موت طیب ہوتی ہے یہ محبوبین کے لیے ماء(پانی) ہے،اور مجوبین کے لیے دماء (خون) ہے،اب بھی قرآن پاک کے صحیح متبع بڑی عظمت عزت کے مالک ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا"۔حضرت عمر نے ابن ابزی غلام کو مکہ معظّمہ کا حاکم بنایا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ اگرچہ غلام ہے مگر قرآن کا ماہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ حضرت اسید ابن حضیر۱؎فرماتے ہیں اس اثناء میں کہ وہ رات میں سورہ بقر پڑھ رہے تھے ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا تھا کہ گھوڑا کودنے لگا ۲؎وہ خاموش ہوگئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا وہ پھر چپ ہوگئے تو	

	گھوڑا پھر ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا آپ نے قرأت بند کردی ۳؎ ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے سے قریب تھا آپ ڈرے کہ گھوڑا اس تک پہنچ جائے جب انہوں نے یحییٰ کو ہٹایا تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا دیکھا کہ شامیانہ کیطرح ہے جس میں چراغ جیسے ہیں ۴؎ جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا ۵؎ فرمایا اے ابن حضیر پڑھا کرو اے ابن حضیر پڑھا کرو ۶؎ عرض کیا یارسول اللہ میں ڈرا کہ یحییٰ کو گھوڑا روند دے یحییٰ اس سے قریب ہی تھے تو میں ان کے پاس چلا گیا ۷؎ اور میں نے آسمان کیطرف سر اٹھایا تو شامیانہ سا تھا جس میں چراغ جیسی چیزیں تھیں ۸؎ میں باہر آگیا حالانکہ وہ نظر نہ آئیں فرمایا کیا جانتے ہو یہ کیا تھا عرض کیا نہیں فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز پر جھک پڑے تھے ۹؎ اگر تم پڑھتے رہتے فرشتے اس طرح سویرا کر دیتے لوگ انہیں دیکھتے فرشتے ان سے نہ چھپتے ہیں ۱۰؎ مسلم،بخاری،لفظ بخاری کے ہیں مسلم میں بجائے متکلم **فخرجت** کے یوں ہے کہ وہ شامیانہ اوپر چڑھ گیا ۱۱؎

۱؎ آپ نقباء انصار میں سے ہیں جلیل القدر صحابی ہیں ۲۰ یا ۲۱ ھ میں وفات پائی حضرت عمر نے آپ کا جنازہ اٹھایا اور نماز پڑھائی۔

۲؎ غالبًا یہ تہجد کا وقت تھا،آپ نماز تہجد سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن کررہے تھے آخر شب میں نماز کے سواء تلاوت بھی ثواب ہے عمل صحابہ ہے۔

۳؎ بچے کی جان کے خوف سے اور اس واقعہ میں غور و تامل کرنے کے لیے کیونکہ تلاوت میں سکون قلبی نہ رہا تھا دل اور طرف متوجہ ہوگیا تھا سکون قلب حاصل کرنے کے لیے یہ تلاوت بند فرمائی،اگر نمازی کو عین نماز کی حالت میں سانپ بچھو نظر آئے تو انہیں مارا سکتا ہے تاکہ سکون دل میسر ہوا لہذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ آپ نے دنیاوی وجہ سے دینی کام کیوں بند کردیا یہ بند کرنا نہیں بلکہ اس کو کامل بنانے کی تدبیر ہے۔

۴؎ غالب یہ ہے کہ شامیانہ روزانہ ہی ان کی تلاوت پر لگ جاتا تھا مگر آج ان کی نگاہ سے حجاب اٹھا دیئے گئے ہیں اس لیے آپ کی نگاہوں نے اسے دیکھ بھی لیا،بلکہ آپ کی فیض صحبت سے آپ کے گھوڑے نے بھی اسے دیکھ لیا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ مرید اپنے شیخ کی خدمت میں قلبی واردات اور خفیہ اثرات اعمال کی مخفی تاثیریں عرض کرسکتا ہے اس میں ریاء نہیں،بلکہ کبھی اس سے اپنی خامی دور ہوتی ہے اور کبھی مدارج میں ترقی ہوتی ہے مریض اپنا ہر حال

طبیب سے عرض کرتا ہے حصول صحت کے لیے غرضکہ ان امور کا اظہار عوام پر نہ کرے،خَواص پر خصوصًا اپنے شیخ پر کرے۔

۶؎یعنی آئندہ بھی تلاوت قرآن کیا کرو ان جیسے واقعات دیکھ کر گھبرانا نہیں یہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے یہ ہی شرح زیادہ ظاہر ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ امر بمعنی ماضی ہے یعنی تم نے اور زیادہ تلاوت کی ہوتی بند کیوں کردی اور دوسری شرح کی بنا پر اگلا جواب بالکل ظاہری ہے جو حضرت اسید نے عرض کیا۔

۷؎یعنی دل تو میرا بھی چاہتا تھا کہ تلاوت خوب کروں کسی سستی وغیرہ کی وجہ سے میں نے تلاوت بند نہ کی،بلکہ واقعہ یہ پیش آیا جس کی وجہ سے مجھے تلاوت بند کرنی پڑی۔

۸؎اس عجوبہ کو پہلے گھوڑے نے دیکھا جس سے وہ بدکا،پھر میں نے اسے دیکھا اس کا بدکنا میرے دیکھنے کا باعث بنا۔

۹؎حضرت اسید کا ان فرشتوں کو دیکھ لینا اس وجہ سے ہوا کہ آج رب تعالٰی نے ان کی آنکھ سے غیبی حجابات اٹھا دیئے تھے جیسے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تیز بارش دیکھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کو دفن کرنے قبرستان تشریف لے گئے تھے واپسی پرآپ نے عرض کیا کہ حضور اس بارش میں آپ کہاں تھے بھیگے کیوں نہیں،فرمایا تمہارے سر پرکیا کپڑا ہے عرض کیا آپ کا تہبند فرمایا اس تہبند کی برکت سے تم نے یہ غیبی نورانی بارش دیکھ لی،ورنہ یہ بار ش کسی کو نظر نہیں آتی،مثنوی شریف میں ا س واقعہ کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے،جس کے آخری اشعار یہ ہیں۔

گفت چہ برسر فگندی از ازار — گفت کردم آں ردائے تو خمار
گفت بہرآں نمود اے پاک حبیب — چشم پاکت را خداباران غیب
نیست ایں با راں ازیں ابر شما — نیست باراں دیگر و دیگر سما

بعض بزرگ مرید کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو اس کی آنکھ سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں اور عالم غیب کا مشاہدہ کرلیتا ہے مولانا فرماتے ہیں شعر۔

سرمہ کندر چشم خاکِ اولیاء — تابہ بنی زابتدا تا انتہاء

۱۰؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ فرشتے پرے باندھ کر ان کی تلاوت سن رہے تھے ان کے سامنے شامیانہ کیطرح حجاب بن گئے۔ان کے چہرے چراغوں کی طرح چمک رہے تھے نورانی اجسام کا ازدہام آڑ بن سکتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے فرمایا آج ہم نے شیطان پکڑ لیا تھا چاہا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیں،اگر باندھ دیتے تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔

۱۱؎کیونکہ وہ آسمان کے رہنے والے فرشتے تھے تلاوت سننے اور قاری سے قرب حاصل کرنے یہاں آئے تھے،تلاوت بند ہوجانے پر اپنے مقام پر چلے گئے،زمینی فرشتے نہ تھے کہ نیچے آتے اگرچہ فرشتے آسمان پر رہتے ہوئے زمین والوں کی آواز سن لیتے ہیں مگر قربت حاصل کر نے کے لیے ایسی مجلس خیر میں آتے ہیں نعت خواں ایک شعر پڑھا کرتے ہیں۔شعر

فرشتے محفل میلاد میں رحمت کے آتے ہیں — رسول اللہ خود اس بزم میں تشریف لاتے ہیں

شعر کا ماخذ یہ حدیث ہے مجلس ذکر میں اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا بہت سی روایات سے ثابت ہے دیکھو ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اس کے پہلو میں دراز رسیوں سے گھوڑا بندھا تھا تو ان پر ایک بادل چھا گیا وہ جھکنے لگا اور خوب جھکنے لگا اور ان کا گھوڑا بدکنے لگا۱پھر جب صبح ہوئی تو وہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ماجرا عرض کیا فرمایا یہ سکینہ رحمت ہے جو قرآن کی وجہ سے اتری ۲(مسلم،بخاری)	

۱گھوڑے کا یہ بدکنا ایک عجیب چیز کے نظارہ کیوجہ سے تھا جیساکہ عرض کیا گیا۔

۲فرشتوں کی ایک جماعت کا نام سکینہ ہے چونکہ ان کے اترنے سے مؤمن کے دل کو سکون و چین حاصل ہوتا ہے اس لیے اسے سکینہ کہتے ہیں مؤمن پر بعض خاص حالات میں بھی اور خاص عبادات کے موقعہ پر بھی یہ فرشتے اترتے ہیں رب تعالٰی ہجرت کے غار کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت صدیق اکبر کے متعلق فرماتا ہے:"فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ"۔صدیق اکبر کو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت غم اور کفار کا اندیشہ تھا اسی لیے ان پر سکینہ اتری۔خیال رہے کہ بزرگوں کے تبرکات سے بھی سکون قلبی نصیب ہوتا ہے انہیں بھی رب تعالٰی نے سیکنہ فرمایا ہے۔چنانچہ تابوت سکینہ جس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات عمامہ نعلین وغیرہ تھے ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"فِیۡہِ سَکِیۡنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمْ وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوۡسٰی وَاٰلُ ہٰرُوۡنَ تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ"۔بعض لوگ قبروں پرتلاوت قرآن پاک کراتے ہیں تاکہ اس تلاوت سے میت کو سکون قلبی نصیب ہو اس کا ماخذ یہ حدیث ہے اور بعض لوگ اپنی قبروں میں اپنے بزرگوں کے تبرکات عمامہ وغیرہ اور اپنا شجرہ آیات قرآنیہ رکھ دینے کی وصیت کرتے ہیں تاکہ سکون قبر میسر ہو ان کا ماخذ قرآن کریم کی مذکورہ آیت ہے۔ صحابہ کرام نے اپنے کفنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن،بال تہبند شریف رکھوائے،خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی بی بی زینب کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھا اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید ابن معلے سے فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۱کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے جواب نہ دیا پھر میں حاضر ہوا ۲اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ رہا تھا فرمایا کیا اللہ تعالٰی نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ رسول	

	جب تمہیں بلائیں تو فورًا جواب دو ۳؎ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارے مسجد میں جانے سے پہلے قرآن کریم کی عظیم الشان سورۃ نہ بتاؤں ۴؎ پھر حضور نے میرا ہاتھ پکڑا جب باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کریم کی عظیم الشان سورہ بتاؤں گا۵؎ فرمایا وہ **الحمدللہ رب العلمین** ہے یہ تو وہ سات مکرر آیتیں ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئیں ۶؎ (بخاری)

۱؎ یہ حضرت مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوئے جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم برسرمنبر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اور آیت "**قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ**" تلاوت فرما رہے تھے انہوں نے **تحیۃ المسجد** نفل کی نیت باندھ لی ایک گوشہ میں نماز پڑھنے لگے۔

۲؎ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا سن لیا مگر نماز کی مشغولیت کی وجہ سے حاضر نہ ہوا پھر بعد سلام حاضر ہوا اور معذرت کے لیے یہ عرض کیا۔

۳؎ یہاں اللہ رسول کے بلانے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا ہے ورنہ رب تعالٰی بلاواسطہ کسی کو نہیں بلاتا اس لیے دَعَا واحد کا صیغہ ارشا دہوا۔(مرقاۃ)اس فرمان سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اگر عین نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں تو اسی وقت اسی حالت میں حاضر بارگاہ ہوجانا واجب ہے۔دوسرے یہ کہ اس حاضر ہوجانے سے بلکہ جو خدمت سرکار فرمائیں اس کے بجالانے سے نماز ٹوٹے گی نہیں وہ نماز ہی میں رہے گا،اور خدمت سے فارغ ہو کر بقیہ رکعتیں پوری کرے گا جیسے حضور سے خطاب اور حضور کو سلام نماز نہیں توڑتا،ایسے ہی حضور کی یہ اطاعت نماز فاسد نہیں کرتی۔(مرقات)نمازی وضو ٹوٹنے پر پانی کے پاس جائے تو نماز نہیں جاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت الٰہی کا سمندر ہیں آپ کے پاس آنے سے نماز کیسے جائے گی۔

۴؎ پہلے سے یہ فرماکر منتظر بنادیا،تاکہ خوب یاد رکھیں جو بات انتظار کے بعد ملے،اس کی قدر ہوتی ہے،سورۃ قرآن شریف کا وہ حصہ ہے جس میں مضمون مکمل ہو اور اس کا نام بھی ہو۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تمام آسمانی کتابوں کے مضامین قرآن شریف میں ہیں۔اور سارے قرآن شریف کے مضامین سورۂ فاتحہ میں اور ساری سورۂ فاتحہ کے مضامین **بسم اللہ** میں اور ساری بسم اللہ کے مضامین اس کے ب کے نقطہ میں۔ دیکھو ریلوے ٹائم ٹیبل یا جغرافیہ میں پورے ملک یا پورے شہر کی طرف ایک نقطہ سے اشارہ کردیا جاتا ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو بڑی سورہ فرمایا اور ہر رکعت میں یہ دہرائی جاتی ہے۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وعدہ یاد تھا مگر آپ نے ابتداءً نہ تعلیم دی تاکہ ان کے اپنے شوق کا پتہ لگے کہ انہوں نے یہ بات یاد رکھی یا نہیں اور ان کا شوق پورا ہے یا نہیں۔

۶؎ خلاصہ فرمان یہ ہے کہ سورہ فاتحہ بہت سی خوبیوں کی جامع سورۃ ہے اس میں حمد الٰہی، نعت پاک مصطفوی،وعدے وعیدیں، حشر و نشر کا ذکر ،محبوب و مردود بندوں کا تذکرہ،رب تعالٰی سے سوال کی تعلیم،دین برحق کی پہچان وغیرہ تمام مضامین ہیں دیکھو ہماری تفسیر نعیمی کلاں،اس میں سات آیتیں ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں ان کا نزول دوبار ہوا ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد یہ سورۃ سات حرفوں سے خالی ہے:ث،ج،خ،ز،ش،ظ،ف لہذا یہ سبع مثانی ہے یعنی سات مقرر آیتیں،نیز یہ سورت اس امت کی خصوصیات سے ہے کسی کو ہم سے پہلے نہ ملی،اس لیے رب تعالٰی نے اس کی عطاء کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ ارشاد ہوا:"وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ"اگرچہ قرآن پاک میں یہ سورۃ بھی تھی مگر اس کا ذکر مستقل طور پر فرمایا لمعات،مرقات۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی بعض سورتیں بعض سے اعلیٰ و افضل ہیں اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ ۱؎ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جائے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی گھروں میں مردے دفن نہ کرو کہ یہ تو خصوصیت انبیاء ہے یا اپنے گھروں کو ذکر اللہ سے خالی نہ رکھو جیسے قبرستان خالی ہوتا ہے ایسے گھر قبرستان ہیں اور وہاں کے باشندے مردے دوسرے معنے زیادہ موزوں ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ مؤمن مردے اپنی قبروں میں ذکر اللہ کرتے ہیں،مگر وہ ذکر ہم نہیں سنتے،ہم کو قبرستان سنسان معلوم ہوتا ہے اسی لیے یہ ارشاد ہوا،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ یعنی شیاطین کا سرگروہ ابلیس اس گھر سے دور رہتا ہے یا سورۂ بقر پڑھتے وقت قرین شیطان دور رہتا ہے اگرچہ بعد میں آجائے یا اس گھر کے باشندوں کو وہ جنت سے بہکا نہیں سکتا،انہیں بے دین بے ایمان نہیں بناسکتا،ان شاءاللہ لہذا حدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ شیطان کو دفع کرنیکی یہ تمام تدابیر ہیں،نفس امارہ ان سے نہیں مرتا اس کی موت اس کی مخالفت سے ہے اسی لیے اگرچہ رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے مگر لوگ گناہ کرتے ہیں نفس امارہ موجود ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن پڑھا کرو ۱؎ کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی آئے گا ۲؎ دو چمکدار سورتیں یعنی سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھا کرو ۳؎ یہ دونوں قیامت کے دن یوں آئیں گی جیسے بادل کے ٹکڑے یا سائبان یا صف بستہ چڑیوں کی ٹولیاں ہیں ۴؎ اپنے پڑھنے والوں کیطرف سے جھگڑیں گی ۵؎ سورۂ بقر پڑھا کرو اس کالینا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ۶؎

	جسے جھٹلانے والے جھٹلانہیں سکتے ۷؎(مسلم)

۱؎یعنی ہمیشہ تلاوت کیا کرواور اس موقعہ کو غنیمت جانو قرآن کریم کی تلاوت مستقل عبادت ہے معنی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں مرکب دوائیں معجونیں مفید ہیں ان کے اجزاء معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

۲؎گنہگاروں کی مغفرت کی سفارش کرے گا نیک کاروں کی بلندی درجات کی صحابہ سے مراد قرآن کی تلاوت کرنے والے، اس کو سیکھنے سکھانے،اس پر عمل کرنے والے سب ہی مراد ہوتے ہیں مگر یہاں تلاوت کرنے والے مراد ہیں جیساکہ اس مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎مرقات نے فرمایا کہ یہ دونوں سورتیں باقی سورتوں میں ایسی ہیں،جیسے تاروں میں چاند اس لیے انہیں زہرا دین یعنی چمک دار سورتیں فرمایا گیا ورنہ سارا قرآن نور ہے لہٰذا حدیث واضح ہے ۔

۴؎یہ تین تشبیہیں تین قسم کے تلاوت کرنے والوں کے لحاظ سے ہیں،جیسا قاری کا اخلاص کل قیامت میں ویسا ہی ان کا سایہ، بہت مخلص کے لیے یہ سورتیں ابر رحمت بن کر سایہ بھی کریں گی اور روشنی بھی دیں گی درمیانی اخلاص والے کے لیے سائبان و شامیانہ کی طرح اور معمولی اخلاص والے کے لیے پرندوں کی جماعت کی طرح یہ شک راوی کو نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا،نیز یہاں ثواب تلاوت مراد نہیں بلکہ خود یہ سورتیں کل ان شکلوں میں ہوں گی یہاں کے عرض اور اعمال وہاں جسم و جوہر ہوں گے آج ہم خواب میں آئندہ حالات کو جسمانی شکل میں دیکھتے ہیں بادشاہ مصر نے آئندہ قحط کے سات سال گایوں اور بالیوں کی شکل میں دیکھے تھے۔

۵؎یا تو اس کے دشمنوں سے جھگڑا کریں گی یا عذاب کے فرشتوں سے جھگڑکر اسے چھڑائیں گی یا خود رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر اسے بخشوائیں گی مگر یہ جھگڑا ناز کا ہوگا نہ کہ مقابلہ کا آج پیارا بیٹااپنے باپ سے جھگڑکر دوسروں کی سفار ش کر تا ہے لہٰذا حدیث واضح ہے کوئی اعتراض نہیں۔

۶؎یعنی قیامت میں ان سورتوں کے پڑھنے والے کا ثواب دیکھ کر نہ پڑھنے والے کف افسوس ملیں گے،جنتی لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے دنیا میں ایک سانس بھی بغیر ذکراللہ کے نہ لی ہوتی۔

۷؎اس جملہ کے کئی معنے ہیں ایک یہ منافقین ریاء کا ر یہ سورتیں یاد نہ کرسکیں گےیا ان کی تلاوت نہ کرسکیں گے یا انہیں یہ دونوں سورتیں بہت دراز اور گراں معلوم ہوں گی مخلصین پر آسان ہوں گی۔دوسرے یہ کہ جادو گر وغیرہ ان سورتوں کا اثر اپنے جادو کے زور سے زائل نہیں کرسکتے اور ان کی تلاوت کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچاسکتے۔ تیسرے یہ کہ ان کی صداقت اس قدر ظاہر ہے کہ انہیں جھوٹے لوگ جھٹلا نہیں سکتے۔

	روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور قرآن والے جو اس پر عمل کرتے تھے یوں بلائے جائیں گے ۱؎کہ سورۂ بقرو آل عمران آگے آگے ہوں گی گویا سفید بادل ہیں یا کالے شامیانے ۲؎ جن کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا۳؎گویا وہ صف بستہ

	پرندوں کی دو ٹولیاں اپنے عاملوں کیطرف سے جھگڑتی ہوں گی ۴؎(مسلم)

۱؎عزت عظمت کے ساتھ وفد کی شکل میں بارگاہ الٰہی میں پیشی کے لیے لائے جائیں گے رب تعالٰی فرماتاہے:"يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا"۔

۲؎یعنی یہ سورتیں بعض بڑے مخلصین کے لیے سفید بادل کی طرح اور ان سے کم درجہ والوں کے لیے سیاہ شامیانہ کیطرح اوپر سایہ کئے ہوں گی،جن سے یہ لوگ گرمی محشر سے محفوظ ہوں گے یہ بادل و شامیانے ان لوگوں کے ساتھ چلتے ہوں گے تمام محشر والے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہ یہ حضرات قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں،اب جو کہے کہ قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمن و کافر کی بھی پہچان نہ ہوگی وہ جھوٹا ہے۔

۳؎عربی میں شرق بکری کے کان کی پھٹن کو کہتے ہیں،یہاں اس سے ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ مراد ہے یہ فاصلہ بسم اللہ شریف کا ہوگا،یہاں بھی بسم اللہ ہی دو سورتوں میں فاصلہ و فرق کرتی ہے،بعض نے فرمایا کہ شرق بمعنی نورو چمک ہے یعنی ان دونوں سورتوں کے درمیان روشنی ہو گی۔ مقصد یہ ہے کہ سورتیں خود گہرے بادل کی طرح ہوں گی مگر ان سے اندھیرا نہ ہوگا بلکہ محشر کی جگمگاہٹ ان کے نیچے ہی محسوس ہوگی،یہ چمک سورج وغیرہ کی نہ ہوگی نور الٰہی کی ہوگی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"۔

۴؎یعنی اللہ تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر اپنے قاری عاملین وعالمین کو بخشوائیں گی پہلے عرض کیاجاچکاہے کہ یہ جھگڑا مقابلہ کا نہ ہوگا بلکہ نازو انداز کا ہوگا رب تعالٰی ہم کو بھی ان سورتوں کی شفاعت نصیب کرے آمین۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابو المنذر کیا جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی شاندار آیت ہے ۱؎میں نے عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں فرمایا اے ابو المنذر کیا جانتے ہو تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی شاندار آیت ہے ۲؎میں نے عرض کیا"اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" ۳؎ تو حضور نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمہیں علم مبارک ہو ۴؎اے ابوالمنذر(مسلم)

۱؎حضرت ابی ابن کعب اور آپ کے تین چچا زاد بھائی اس زمانہ میں پورے قرآن کریم کے حافظ تھے سوال یہ ہے کہ اے ابی ابن کعب بتاؤ جو قرآن کریم تم نے سارا حفظ کیا ہے اس میں بہت شاندار آیت کونسی ہے۔(مرقات)اس زمانہ میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا حفظ بقدر نزول ہوتا تھا۔

۲؎اعظم سے مراد اخروی ثواب اور دنیاوی فوائد میں زیادہ ہے،یہ زیادتی اضافی ہے،لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کسی حدیث میں کسی آیت کو اعظم فرمایا اور دوسری حدیث میں دوسری آیت کو۔

۳؎پہلی بار نہ بتانے اور پھر بتادینے کی شارحین نے بہت وجوہ بیان کی ہیں فقیر کی نظر میں قوی وجہ یہ ہے کہ ان دو سوالوں کے درمیان کے وقفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میں جواب بطور فیضان القاء فرمادیا پھر پوچھا تو آپ نے وہ ہی القاء کیا ہوا جواب عرض کردیا حضرات صوفیاء کبھی نظر سے کبھی سینہ پرہاتھ رکھ کر کبھی مرید کو سامنے بٹھا کر کبھی کوئی بات پوچھ کر فیض دیتے ہیں،ان طریقوں کی اصل یہ حدیث ہے(ازلمعات واشعہ)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کو نظر بھر کر دیکھا جس سے ان کے سینہ میں علوم کے دریا بہ گئے۔

۴؎یہ فرمان ہمارے عرض کئے ہوئے مطلب کی تائید ہے یعنی اے ابی تمہیں یہ علم لدنی مبارک ہوکہ بغیر کتابیں پڑھے داتا کی دین اور راہبر کامل کی ایک نگاہ کرم سے تمہیں سب کچھ مل گیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے فطرہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۱؎تو ایک شخص آیا غلے سے لپ بھرنے لگا ۲؎ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں گا ۳؎وہ بولا میں محتاج ہوں میرے بال بچے ہیں اور مجھے سخت حاجت ہے ۴؎فرماتے ہیں میں نے اسے چھوڑ دیا ۵؎جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ آج رات تمہارے قیدی کا کیا بنا ۶؎میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے سخت حاجت اور بال بچوں کا عذر کیا اس پر میں نے رحم کیا تو اس کو رہا کردیا ۷؎فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا اور وہ پھر لوٹے گا ۸؎مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یقین ہوگیا کہ وہ لوٹ کر آئے گا میں اس کی تاک میں رہا ۹؎وہ پھر آیا اور غلے کے لپ بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا اب کے تو تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گاوہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں محتاج ہوں اور مجھ پر بال بچوں کا بہت بوجھ ہے میں اب نہ آؤں گا،مجھے رحم آگیا اسے رہا کردیا ۱۰؎جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے قیدی کا

	کیا بنا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے سخت محتاجی اور بال بچوں کا عذر کیا مجھے اس پر رحم آگیا اسے رہا کردیا۱۱؎ فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا اور وہ پھر آئے گا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے وہ پھر آئے گا یقین ہوگیا کہ وہ ضرور آئے گا میں گھات میں رہا وہ آیا غلے سے لپیں بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا تو کہا کہ اب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا یہ آخری تیسری بار ہے کہ تو کہہ جاتا ہے کہ نہ آئے گا پھر آجاتا ہے ۱۲؎ وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں آپ کو چند ایسے کلمات سکھائے دیتا ہوں کہ اللہ ان کی برکت سے آپ کو نفع دے گا۱۳؎ جب آپ بستر میں جائیں۱۴؎ تو آیۃ الکرسی **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** آخری آیت تک پڑھ لیں تو اللہ کی طرف سے حافظ رہے گا۱۵؎ اور صبح تک شیطان آپ کے قریب نہ بھٹکے گا۱۶؎ میں نے اسے چھوڑ دیا۱۷؎ جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بنا تمہارے قیدی کا میں نے عرض کیا اس نے کہا کہ مجھے ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ مجھے نفع دے گا، حضور نے فرمایا وہ ہے تو جھوٹا مگر تم سے سچ بول گیا۱۸؎ کیا جانتے ہو کہ تم تین دن سے کس سے گفتگو کررہے ہو میں نے کہا نہیں فرمایا یہ شیطان ہے ۱۹؎ (بخاری)

۱؎ یعنی صحابہ کرام جو اپنے فطرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کرجاتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود فقراء میں تقسیم فرمادیں تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمالے اس جمع شدہ فطروں کی حفاظت اس دفعہ حضرت ابوہریرہ کے سپرد ہوئی۔

۲؎ یعنی فطرے کا گندم چرانے اور لے جانے لگا میں نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔خیال رہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت دانہ، غذائیں پھل، مٹھائیاں سب کچھ کھاتے ہیں، ساتھ ہی کوئلہ وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بغیر بسم اللہ پڑھے کھائے تو شیطان کھانے میں شریک ہوجاتا ہے، لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ ابلیس کے

کھانے کی کیا حاجت اس سے معلوم ہوا کہ شیطان چوری کرتا ہے اس لیے آیۃ الکرسی وغیرہ مال پر دم کردی جائے تاکہ جن وانس کی چوری سے محفوظ رہے۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اولیاء اللہ خصوصًا صحابہ کرام شیطان کو دیکھ سکتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے ان کی آنکھوں سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں،ان حضرات نے تو بارہا فرشتوں کو دیکھا جن کی کیا حقیقت ہے دوسرے یہ کہ شیطان ان کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا،وہ لوگ نورانی ہیں،نور کی طاقت نار سے زیادہ ہے جن کا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو اس کی گرفت سے کون چھوٹے۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے شیطان گھبراتا ہے،وہاں حاضری کی ہمت نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم شیطان کے متعلق فرماتا ہے:"اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"کہ وہ اور اس کی ذریت تو تم کو دیکھتے ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھتے،آیت کا منشا یہ ہے کہ تم ان جنات کو ان کی اصل شکل میں نہیں دیکھ سکتے لیکن جب وہ شکل انسانی میں ہوں،تو انہیں دیکھا جاسکتا ہے لہٰذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں،مرقات یا آیت میں عام انسانوں کا ذکر ہے اور یہاں اللہ کے خاص بندوں کا تذکرہ۔

۴؎ ادائے قرض وغیرہ معلوم ہوا کہ شیطان جھوٹ بولتا ہے۔وہ نہ محتاج ہے نہ اس کے بال بچوں کو فاقہ ہے،دفینے کانیں اس کی نگاہ میں ہیں سفلی عمل کرنے والوں کو وہ روزانہ مال پہنچاتا ہے،جسے ناجائز دست غیب کہا جاتا ہے جائز دست غیب رب تعالٰی کی رحمت ہے،ناجائز دستِ غیب حرام۔

۵؎ یا اس لیے چھوڑ دیا کہ ابھی اس نے چوری نہیں کی تھی ارادہ ہی کیا تھا یا چوری تو کرلی تھی مگر چوری حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے حق العبد رہتی ہے اور وہاں پہنچ کر حق اللہ بن جاتی ہے،پہلی صورت میں بندہ اس سے مال چھین کر اسے چھوڑ سکتا ہے۔ دوسری صورت میں بندہ معاف نہیں کرسکتا ہاتھ ہی کٹیں گے یا اس لیے کہ اگر زکوۃ و خیرات سے فقیر چوری کرے تو ہاتھ نہ کٹیں گے کیونکہ اس مال میں اس کا بھی حق ہے جیسے بیوی بخیل خاوند کے مال سے اپنے حق کے بقدر چوری کرے تو مجرم نہیں کہ اس نے چوری نہیں کی بلکہ اپنا حق لیا بہرحال حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انہیں چور کو چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۔

۶؎ یعنی جب میں نماز فجر کے لیے حاضر بارگاہ ہوا تو بغیر میرے کچھ عرض کئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال فرمایا معلوم ہوا کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر ظاہر و چھپی چیزیں دیکھتی ہیں کوئی چیز ان سے مخفی نہیں وہ تو قبر کے اندر کے عذاب اور دلوں کے حال سے خبردار ہیں۔**مصرع**

چشم تو بینندہ ما فی الصدور (اقبال)

۷؎ اس جملہ میں فقیر کی عرض کی ہوئی توجیہ کی تائید ہوئی کہ حضرت ابوہریرہ کو اس پر رحم کرنے کا بھی حق تھا اور چھوڑ دینے کا بھی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ پر عتاب نہ فرمایا کہ ابو ہریرہ تمہیں چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۔

۸؎ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوا۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ ہونے والے واقعات کا رب تعالٰی نے علم بخشا جو آئندہ ہونے والا ہے وہ بتارہے ہیں۔شعر

خدا مطلع ساخت برجملہ غیب　　　علی کل شیئ خبیر آمدی

۹؎یعنی آج شب کو میں خوب چوکنا رہا سویا نہیں،غافل نہ رہا،اسے پکڑنا بھی تھا اور اس کا تماشا بھی دیکھنا تھا۔
۱۰؎حضرت ابوہریرہ نے اس کا یہ قول کہ اب نہ آؤں گا اس کی توبہ سمجھا اس لیے چھوڑ دیا،اسے سچا نہ سمجھا،کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے معلوم ہوچکا تھا یہ رحمت اس کی توبہ پر ہے نہ کہ اسے غریب سمجھ کر اس بار بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ پر عتاب نہ فرمایا لہذا حدیث بالکل واضح ہے کوئی اعتراض نہیں یا آپ نے خیال فرمایا کہ یہ جھوٹ سے توبہ کرچکا ہے اور اب سچ بول رہا ہے پہلے جھوٹا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ جھوٹ کی خبر دی تھی اور اب سچ بول رہا ہے۔
۱۱؎اس رحم کی وجہ ابھی عرض کردی گئی اس چھوڑ دینے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پاک کی مخالفت نہیں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آئندہ چھوڑ دینے سے منع نہ کیا تھا۔
۱۲؎خیال رہے کہ شیطان نے صرف ایک دفعہ یعنی دوسری بار میں ہی کہا تھاکہ میں اب نہ آؤں گا مگر حضرت ابوہریرہ فرمارہے ہیں کہ تو کہہ جاتا ہے میں نہ آؤں گا اس لیے شارحین نے فرمایا کہ یہاں **تزعم** مضارع ہے مگر بمعنی ماضی ہے یعنی تو کہہ گیا تھا اب نہ آؤں گا اور پھر آگیا یا حکمی و حقیقی دونوں طرح کہہ جانا مراد ہے یعنی تو پہلی بار میں حکمًا اور دوسری بار میں حقیقتًا کہہ گیا تھا کہ اب نہ آؤں گا لہذا یہ حدیث واضح ہے۔
۱۳؎یعنی میں آپ پر ایک عمل مجرب بتا کر احسان کرتا ہوں آپ اس کے عوض مجھ پر یہ احسان کردیں کہ مجھے چھوڑ دیں کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے ابلیس کی اس خوشامد سے معلوم ہوا کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہوئے بہت گھبراتا ہے ورنہ وہ حاضر ہوجانے پر راضی ہوجاتاہے اب جس کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت نہ ہو وہ شیطان سے بدتر ہے شیطان یا تو خدا سے ڈرتاہے کہ کہتاہے:"**اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیۡنَ**"یا جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی ہیبت چاہیے ڈاکٹر اقبال یوں دعا کرتے ہیں۔شعر

مکن رسوا بروئے خواجہ مارا حساب من زچشم اونہاں گیر

۱۴؎یعنی سونے کے لیے لیٹیں بستر پر یا فرش خاک پر یا تخت پر،بستر کا ذکر عرف کی بنا پر ہے اور سونا خواہ دن میں ہو یا رات میں۔
۱۵؎یعنی خود رب تعالٰی یا اس کا مقرر کردہ،فرشتہ آپ کے جان و مال کی حفاظت کرے گا کہ گھر تو گر جانے آگ لگ جانے وغیرہ سے محفوظ رہے گا اور مال چوری وغیرہ سے امان میں رہے گا جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔
۱۶؎یعنی دینی یا دنیاوی نقصان پہنچانے کے لیے شیطان ابلیس آپ کے قریب نہ آسکے گا،مطلقًا قریب آنے کی نفی نہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں رہا کہ بار ہا دیکھا گیا ہے کہ ہم آیۃ الکرسی پڑھ کر سوتے ہیں پھر بھی احتلام ہوجاتا ہے اور احتلام شیطان سے ہوتا ہے ہاں آیۃ الکرسی کی برکت سے شیطان نماز قضا نہ کراسکے گا کہ یہ دینی نقصان ہے یوں ہی اس

کی برکت سے اولًا تو گھر میں چور سانپ وغیرہ آئیں گے نہیں اگر اتفاقًا آگئے تو شیطان اسے اس موقعہ پر غافل نہ کرسکے گا کہ اس میں دنیاوی نقصان ہے،ان شاءاللہ آنکھ کھل جائے گی اور یہ شخص ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۱۷؎اس بار رحم کھا کر نہ چھوڑا بلکہ اس کے احسان کے عوض اور اس چھوڑ دینے میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہ تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ کیا تھا۔

۱۸؎اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ شیطان قرآن شریف سے بھی واقف ہے اور آیات قرآنیہ کے احکام و اسرار واشارات سے بھی خبردار ہے،امام فخرالدین رازی نے فرمایا کہ شیطان ہر دین کے اچھے برے اعمال سے تفصیل وار واقف ہے اور ہر شخص کی نیت وارادہ پر مطلع ہے،اس کے بغیر وہ خلق کو بہکا نہیں سکتا،جب اس بہکانے والے کے علم کا یہ حال ہے تو خلق کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا پوچھنا۔دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ چاہیئے قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"شیطان اور اس کی ذریت تم سب کو دیکھتے ہیں مگر تم انہیں نہیں دیکھے یعنی وہ حاضر ناظر ہے کیوں، لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے تو جس کے ذمہ خلق کی ہدایت ہے وہ بھی حاضر و ناظر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔دوسرے یہ کہ شیطان کافر بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مؤمن کو چاہیئے جہاں سے اسے علم ملے لے لے،ہاں بے دین کو استاد دین کا نہ بنائے یہاں حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو استاد نہ بنایا جیسے قابیل کو کوے نے طریقہ دفن سکھایا،مگر کوا ان کا استاد نہ تھا۔خیال رہے کہ کافر و بے دین کی اچھی بات پر جلد اعتماد نہ کرے ممکن ہے وہ شہد میں زہر دے رہا ہوں،یہاں جناب ابوہریرہ نے شیطان کی جب مانی جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید و تصدیق فرمادی۔ چوتھے یہ کہ آیۃ الکرسی دفع شیطان کے لیے اکسیر ہے خود شیطان اس کی خبر دے گیا کہ میرے بھاگنے کا ذریعہ آیۃ الکرسی ہے بھگانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تائید فرمادی،اور بھاگنے والے مردود نے بھی اس کی خبر دے دی۔ پانچویں یہ کہ کافر کی سچی بات کی مسلمان تصدیق و تائید کرسکتا ہے۔

۱۹؎یعنی ابلیس تھا جو اس مال میں برکت مٹانے آیا تھا ورنہ اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی،یہ حدیث تسخیر جنات کی اصل ہے،بعض عامل حضرات جنات کو اپنے عمل سے قید کردیتے ہیں۔بالکل حق ہے دلیل یہ حدیث ہے،فقیر کی اس مذکورشرح سے حسب ذیل اعتراضات اٹھ گئے:اول یہ کہ حضرت ابوہریرہ کو شیطان نظر کیسے آگیا۔قرآن پاک فرماتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے،دوسرے یہ کہ حضرت ابوہریرہ کی گرفت میں شیطان کیونکر آگیا،وہ ہوا یا آگ کے شعلہ کی طرح ہے جسے پکڑا نہیں جاسکتا۔ تیسرے یہ کہ شیطان کو چوری کی کیا ضرورت ہے، چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہ کو اسے پکڑ کر چھوڑ دینے کا کیا حق تھا،پانچویں یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ وہ جھوٹا ہے اور پھر آئے گا تو جناب ابوہریرہ نے اس کی بات کا اعتبار کیوں کیا۔چھٹے یہ کہ شیطان کو کیا خبر کہ قرآن کریم کی کس آیت میں کیا تاثیر ہے ساتویں یہ کہ اس سے لازم آیا کہ شیطان حضرت ابوہریرہ کا استاد ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے اوپر سے آواز سنی ۱؎تو آپ نے

سر مبارک اٹھایا حضرت جبریل نے عرض کیا یہ آسمان کا وہ دروازہ کھولا گیا ہے جو آج کے سوا کبھی نہ کھولا گیا ۲؎ اس سے ایک فرشتہ اترا جبریل بولے یہ وہ فرشتہ زمین پر اترا ہے جو آج کے سوا کبھی نہ اترا ۳؎ اس نے سلام کیا پھر بولا آپ خوش و خرم ہوں ان دو نوروں سے جو آپ کو دیئے گئے ۴؎ آپ سے پہلے کسی کو نہ دیئے گئے ۵؎ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقر کی آخری آیتیں ۶؎ ان دونوں کا ایک حرف بھی آپ نہ پڑھیں گے مگر آپ کو اس کا اجر ملے گا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ سمع کا فاعل حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ اگلی ضمیریں بھی انہیں کی طرف راجع ہیں نقیض نقض سے بنا بمعنی ٹوٹنا چونکہ لکڑی وغیرہ کے ٹوٹنے کے وقت سخت آواز پیدا ہوتی ہے،اس لیے اب ہر سخت آواز کو نقیض کہہ دیتے ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ آسمان کے بے شمار دروازے ہیں،جن سے مختلف چیزیں آتی جاتی ہیں،بعض دروازوں سے رزق آتے ہیں، بعض سے عذاب بعض سے دعائیں و توبہ جاتی ہیں، بعض سے خاص فرشتے اترتے ہیں،ایک دروازہ وہ بھی ہے جو صرف معراج کی رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھولا گیا،آج کا یہ دروازہ اس فرشتے کے لیے کھولا گیا تھا اس سے پہلے نہ یہ فرشتہ کبھی زمین پر آیا تھا اور نہ یہ دروازہ کبھی کھلا تھا۔

۳؎ یعنی نہ کسی کام کے لیے یہ زمین پر آیا نہ کسی پیغمبر کو کوئی پیغام سنانے کے لیے یہ فرشتہ صرف آج ہی آیااور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں آیا ہے اس فرشتہ کا نزول حضوانور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و عزت کے اظہار کے لیے ہے ورنہ یہ پیغام تو حضرت جبریل بھی عرض کرسکتے تھے۔

۴؎ چونکہ یہ دونوں سورتیں دنیا میں سیدھے راستہ کی ہادی ہیں اورپلصراط پر روشنی جس کے ذریعہ ان کی تلاوت کرنے والا آسانی سے اسے طے کرلے گا۔اس لیے انہیں نور فرمایا۔ خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں پھر آپ پر یہ نور اترے تو بفضلہٖ تعالٰی نورٌ علٰی نور ہوئے۔

۵؎ یعنی آپ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کو ایسی شاندار آیات و سورتیں نہ ملیں تو ریت انجیل وغیرہ میں ایسی شان کی آیت نہیں،یوں تو سارا قرآن شریف ہی ان کتب سے افضل ہے مگر یہ آیات بہت ہی افضل۔

۶؎ یعنی سورۃ بقر کا آخری رکوع "لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ" تک۔

۷؎ یعنی ان آیات کے ہر حرف کی تلاوت پر آپ کو اور آپ کے صدقہ سے آپ کی امت کو خصوصی ثواب ملے گا علاوہ تلاوت کے ثواب کے کہ وہ ثواب تو قرآن شریف کے تمام حروف پر ہے۔(اشعہ) یا حرف سے مراد آیت ہے یعنی ان میں

جو آیات دعا ہیں، ان میں سے ہر آیت قبول کی اور اس آیت کی دعا ان شاءاللہ منظور ہوگی۔مرقات ان دونوں جگہ میں بہت شاندار دعائیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بقرہ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں کہ جو انہیں رات میں پڑھے تو وہ اسے کافی ہیں ا (مسلم،بخاری)

ا یعنی دکھ درد رنج و غم میں کافی ہیں کہ ان کا تلاوت کرنے والا ان شاءاللہ دکھ درد سے محفوظ رہتا ہے اور اگر اتفاقًا کبھی آ بھی جائیں تو اللہ مشکل حل کردیتا ہے یا تمام ورد وظیفوں کی طرف سے کافی ہیں،یا نماز تہجد میں جو ان آیتوں کی تلاوت کیا کرے تو بہت سی تلاوت سے کافی ہیں نماز تہجد میں اس کی تلاوت ضرور کی جائے کہ بہت ہی مفید ہے ایک رکعت میں یہ آیات پڑھے،دوسری میں"اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" سے لے کر"تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ"تک ان شاءاللہ ان سے حضور قلبی بھی نصیب ہوگا اور بہت فیضان بھی میسر ہوگا۔اگر شروع رات میں بھی پڑھ لی جائیں اور تہجد میں بھی بہت مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شروع سورہ کہف کی دس۱۰ آیتوں پر پابندی کرے ا وہ دجال سے بچ جائے گا ۲ (مسلم)

ا اس طرح کہ روزانہ ان کی تلاوت کرلیا کرے یا ہرجمعہ کو بعض لوگ ہر جمعہ کو سورۂ کہف کی تلاوت کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ دجال سے مراد وہ ہی بڑا دجّال ہے جو قرب قیامت نکلے گا اس کا فتنہ اتنا سخت ہوگا کہ ہر نبی نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا یعنی اگر اس کی تلاوت کرنے والے کے زمانے میں دجال ظاہر ہوا تو ان شاءاللہ اس کے فتنے سے یہ محفوظ رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ دجال سے مراد تمام فتنہ گر بے دین لوگ مراد ہوں جیساکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے ان آیات کی برکت سے یہ شخص ہر بے دین فتنہ گر کے شر سے بچا رہے گا۔ سورۂ کہف میں اصحاب کہف کا ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں کافر بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا ان کی آیات پڑھنے والے پر ان شاءاللہ وہی فیضان ہوتا ہے بعض روایات میں تین آیات ارشا د ہوئیں مگر دس میں تین بھی داخل ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اس سے عاجز ہو کہ ہر رات تہائی قرآن پڑھ لیا کرو لوگ بولے کیسے تہائی قرآن پڑھا جاسکتا

	ہے ا؎فرمایا"قل ھو ل اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے ۲؎(مسلم)

ا؎یعنی روزانہ دس پاروں کی تلاوت مشکل ہے،ایک دو دن تو ہمت کرکے پڑھا جاسکتاہے۔

۲؎شارحین نے اس جملہ کے بہت معنے کئے ہیں،بہترین معنے یہ ہیں کہ ایک بار"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھنے کا ثواب دس پارے تلاوت کرنے کے برابر ہے۔لہٰذا تین بار تلاوت کرلینے سے سارا قرآن شریف پڑھ لینے کا ثواب ہے۔ ختم شریف وغیرہ میں تمام سورتیں ایک ایک بار پڑھی جاتی ہیں مگر سورۂ اخلاص تین بار،اس عمل کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ قرآن کرم میں تین قسم کے مضامین ہیں: اللہ تعالٰی کی ذات و صفات،قصے،احکام اور سورۂ اخلاص میں ذات و صفات الٰہی کا مکمل ذکر ہے،اس لیے یہ سورۃ قرآ ن کریم کے تہائی کا ثواب رکھتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حمد کی آیات دیگر آیات سے افضل ہے۔

	بخاری میں حضرت ابو سعید سے یہ روایت ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کی امامت نماز کرتا تھا ا؎تو ہمیشہ"قل ھو اللہ احد"پر قرأت ختم کرتا تھا۲؎جب صحابہ لوٹے تو یہ ماجرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے۴؎ان سے پوچھا وہ بولے اس لیے کہ رحمٰن کی صفت ہے مجھے اس کا پڑھنا بڑا پسند ہے۵؎تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے خبر دیدو کہ اللہ اس سے محبت کرتاہے ٦؎(مسلم،بخاری)

ا؎کیونکہ امامت کا حق سلطان اسلام یا سردار قوم کو ہے جب کہ وہ علم شریعت رکھتے ہوں،چونکہ یہ اس فوج کے کمانڈر تھے اس لیے ان کے امام بھی رہے۔

۲؎یعنی ہر نماز کی آخری رکعت میں اور جماعت کی دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھا کرتے تھے قرأت ختم کرنے کے بعد کے یہ ہی معنے ہیں،یہ مطلب نہیں کہ ہر رکعت میں اور سورت پڑھ کر"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھتے تھے کہ یہ تو مکروہ ہے۔

۳؎ یا تو حکایۃً کہا گیا یا شکایۃً کیونکہ صحابہ کرام نماز میں کوئی سورت مقرر نہ کرتے تھے،فرائض میں یہ مکروہ بھی ہے ہاں نوافل میں سورتوں کا تقرر جائز ہے مثلًا کوئی شخص ہمیشہ تہجد میں"قُلْ هُوَ اللّٰهُ"ہی پڑھا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کی شکایت استاد سے مرید کی شکایت پیر سے حتی کہ اپنے امام کی شکایت سلطان اسلام سے کرسکتے ہیں یہ غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

۴؎ محض نماز کو مختصر کرنے کے لیے"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھتے تھے یا اس لیے کہ انہیں دوسری سورتیں کم یاد ہیں یا کسی اور وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ فریقین کا بیان لے کر حاکم کو فیصلہ کرنا چاہیئے۔ فتوے اور ہے فیصلہ کچھ اور فتوے صرف ایک فریق کے بیان پر دیا جاسکتا ہے،دیکھو داؤد علیہ السلام نے بکریوں والے فرشتوں میں سے ایک کا بیان سن کر فتوے دے دیا تھا یہ حدیث تعلیم فیصلہ کے لیے ہے۔

۵؎ یعنی مجھے اللہ تعالٰی سے محبت ہے اور عاشق کو اپنے محبوب کا ذکر پیارا ہوتا ہے اور وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے اس لیے میں بھی نماز میں اکثر یہ سورت پڑھاکرتا ہوں،ورنہ مجھے اور سورتیں بھی یاد ہیں۔

۶؎ یا تو اس سورۃ سے محبت کرنے کی بنا پر یا اللہ تعالٰی سے محبت کرنے کی بناء پر۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات ذات و صفات الٰہی سے محبت کرنا اللہ تعالٰی کے محبوب بن جانے کا ذریعہ ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بلکہ ان کی اطاعت خدا کی محبوبیت کا ذریعہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے فرمایا:"فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب بندوں کے ایسے حالات سے خبردار ہیں جن کی خود ہمیں بھی خبر نہیں محبوب خدایا مردود بارگاہ ہونا ایک ایسی چھپی ہوئی حالت ہے جو کسی دلیل یا علامت سے معلوم نہیں ہوسکتی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بھی خبردار ہیں اس ایک جملہ میں اس کے تقویٰ پر استقامت، ایمان پر خاتمہ،قبر و حشر میں نجات،جنت میں داخلہ،سب کی خبردے دی گئی،ظاہر یہ ہے کہ ان صحابی کو ہمیشہ نماز میں سورہ اخلاص پڑھنے کی اجازت دے دی گئی،یہ اجازت ان کی خصوصیات سے ہے دوسروں کے لیے یہ عمل مکروہ ہے اسی لیے دوسرے صحابہ نے یہ خوشخبری سن کر خود یہ عمل شروع نہ کردیا،لہذا یہ حدیث فقہی مسئلہ کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا ۱؎ یارسول اللہ میں اس سورۃ"قل ھو اللہ احد"سے بڑی محبت کرتا ہوں سرکار نے فرمایا تیری یہ محبت تجھے جنت میں پہنچادے گی ۲؎(ترمذی)اور بخاری نے اس کے معنے کی روایت کی ۳؎

۱؎ اس عرض کرنے والے کا نام کلثوم یا کرزم ہے،پہلا قول زیادہ قوی ہے(مرقات)

۲؎ سبحان اللہ! کیسا مختصر اور جامع جواب ہے یعنی تو اس سورت سے محبت کی بناء پر اللہ کا پیارا بن جائے گااور اللہ کے پیارے کی جگہ جنت ہی تو ہے،بعض لوگ سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ،وَالضُّحٰی اور سورۂ فتح واحزاب سے بڑی محبت کرتے

ہیں اس لیے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی سورتیں ہیں،ان کی یہ محبت بھی ان شاءاللہ جنتی ہونے کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ اس نے پہلی فصل میں ترمذی کی حدیث نقل کی،حالانکہ بخاری میں اس کی مثل موجود تھی۔چنانچہ بخاری نے حضرت انس سے تعلیقًا ایک بڑا واقعہ روایت کیا کہ ایک انصاری مسجد قباء شریف میں امام تھے وہ ہر رکعت میں الحمد پڑھ کر پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے پھر دوسری سورت اس پر مقتدیوں نے اعتراض کیا،انہوں نے فرمایا کہ میں امامت چھوڑ دوں گا مگر سورۂ اخلاص پڑھنا نہیں چھوڑوں گا۔چونکہ وہ افضل صحابہ میں سے تھے اس لیے لوگ ان کی امامت کو غنیمت جانتے تھے،ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء کی زیارت کے لیے تشریف لائے تب یہ مقدمہ بارگاہ عالی میں پیش کیا گیا۔جس پر سرکار نے ان امام کا بیان لے کر یہ فیصلہ دیا۔(مرقات)اس حدیث کو بزاز اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم دیکھتے نہیں کہ آج رات وہ آیتیں اتری ہیں جس کی مثل دیکھی نہ گئیں ۱؎ "قل اعوذ برب الفلق"اور"قل اعوذ برب الناس"۲؎(مسلم)	

۱؎ اَلَمۡ تَرَ میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہ فرمان اظہار تعجب یا ان سورتوں کی اہمیت دکھانے کے لیے ہے یعنی تعوذ اور پناہ لینے کے متعلق جتنی آیتیں ہیں ان سب میں یہ سورتیں افضل ہیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قل ھو اللہ احد تو ان سورتوں میں بھی افضل ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ بسم اللہ سورت کا جزء نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کا ذکر نہ فرمایا قل اعوذ سے سورت کی ابتداء بتائی نیز پہلی وحی اقرا باسم ربك ہے بسم اللہ وہاں بھی نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں ہیں،اسی پر امت کا اجماع ہے لہذا جو انہیں قرآن نہ مانے وہ کافر ہے،وہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب نے انہیں قرآن نہ مانا غلط ہے ان بزرگوں پر تہمت ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے ۱؎ تو اپنے ہاتھ جمع کرکے ان میں پھونکتے ۲؎ جن میں"قل ھو اللہ احد"اور"قل اعوذ برب الفلق"اور"اعوذ برب الناس"پڑھتے ۳؎ پھر جسم کے جس حصہ تک ہوسکتا وہ ہاتھ پھیرتے ۴؎ اپنے سر مبارک اور چہرے پاک کے سامنے والے حصے سے شروع فرماتے یہ تین بار کرتے	

تھے ۵؎ مسلم،بخاری اور حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی الخ ان شاءاللہ باب المعراج میں بیان کریں گے۶؎	

۱؎ رات کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ عمل دن کے قیلولہ میں نہ کرتے تھے،صرف رات کو سوتے وقت کرتے تھے،بستر سے مراد خوابگاہ ہے لہذا اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جنگل میں بھی رات کو سوتے تو یہ عمل کرکے سوتے۔

۲؎ نفخ اور نفث دونوں کے معنے ہیں پھونکنا مگر نفخ میں محض سانس نکالنا ہوتا ہے اور نفث میں سانس کے ساتھ کچھ لعاب دہن بھی شامل ہوتاہے۔

۳؎ یہاں فقراء کی ف ایسی ہے جیسے رب تعالٰی کا فرمان:"فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ"یا جیسے"اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ"یعنی جب بستر پر لیٹتے اور دم کرنا چاہتے تو یہ سورتیں پڑھتے۔یہ مطلب نہیں کہ دم تو پہلے کرلیتے اور سورتیں بعد میں پڑھتے لہذا ہمارا ترجمہ درست ہے ف کے خلاف نہیں بعض نسخوں میں ونفث واو سے ہے،تب تو بالکل واضح ہے۔

۴؎ تاکہ قرآن کی برکت کے ساتھ اپنے سانس اور ہاتھ شریف کی برکتیں بھی شامل ہوجائیں،اس سے بزرگوں کا دم درود یا مرض کی جگہ ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ پھیر کر دم کرنا ثابت ہوا۔

۵؎ ہم کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے اس سے آفات سے حفاظت رہتی ہے۔

۶؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر ہم اسے باب المعراج میں بیان کریں گے کیونکہ وہ اس باب سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی ۱؎ ایک قرآن کریم جو بندوں کی طرف سے جھگڑے گا ۲؎ قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ۳؎ دوسری امانت ۴؎ تیسری رحم ۵؎ جو پکارے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے اپنے سے ملائے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے اپنے سے دور کرے گا ۶؎(شرح سنہ)	

۱؎ یعنی ان تین چیزوں کو بہت ہی عزت و قرب الٰہی عطا فرمایاجائے گا کہ خاص عرش اعظم کے نیچےانہیں جگہ دی جائے گی جیسے وزیر کی نشست بادشاہ کے بہت قریب ہوتی ہے۔اور ان کے طفیل ان کے عاملوں کو بھی عزت و قرب نصیب ہوگا،اللہ تعالٰی ان کا اجر ضائع نہ کرے گا۔

۲؎بندوں سے مراد قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے والے مسلمان ہیں اور جھگڑنے سے مراد جھگڑ جھگڑ کر ان کی شفاعت کرنا ہے،یعنی قرآن شریف اپنے تلاوت کرنے والوں اور اپنے عاملین کی شفاعت رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر کرے گا،یہ جھگڑا مقابلہ کا نہیں بلکہ ناز کا ہوگا۔

۳؎یعنی قرآن پاک کے بعض معنی ظاہر ہیں جو عام مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔بعض مخفی جو واجب التاویل ہیں،جن تک علماء کی رسائی ہے،یا تلاوت قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے،یعنی الفاظ کا زبان سے پڑھنا اور ایک باطن یعنی اس میں غور و تدبر کرنا یا شرعی احکام قرآن کا ظاہر ہےاور طریقت کے اسرار اس کا باطن جیسے بدن انسان ہمارا ظاہر ہے اور روح انسان ہمارا باطن۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی شفاعت بقدر تعلق ہوگی ظاہر قرآن والوں کی شفاعت اور قسم کی کرے گا اور باطن قرآن سے تعلق رکھنے والوں کی شفاعت اور قسم کی کرے گا۔

۴؎امانت سے مراد خلق و خالق کے حقوق ہیں جو ہمارے ذمہ واجب الادا ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"الخ۔یہاں امانت کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں یا امانت سے مراد عشق الٰہی اور عشق رسول ہے کہ قرآن کو عشق سے بہت تعلق ہے۔

۵؎رحم سے مراد انسانوں کے آپس کی قرابت داریاں ہیں چونکہ ان قرابت داریوں کا تعلق عورت کے رحم سے ہے اس لیے ان قرابتوں کو رحم فرمایا جاتا ہے چونکہ اہل قرابت کے حقوق ادا کرنا بہت ضروری ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ"۔الخ اس لیے یہ بھی وہاں ہوگا۔خیال رہے کہ دنیا کے اعراض کل قیامت میں جواہر ہوں گے ان اعمال کی شکل و صورت ہوگی،یہ بات بھی کریں گے جیسے یہاں خواب میں اعراض اجسام نظر آتے ہیں۔

۶؎یعنی دنیا میں جس نے اپنے اہل قرابت کے حقوق ادا کئے تھے آج اسے قرب الٰہی اور رحمت الٰہی نصیب ہوں گے اور جس نے دنیا میں اپنے اہل قرابت کے حقوق ادا نہ کئے ان سے تعلق نہ رکھا،آج وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا رحم کا یہ پکارنا رب تعالٰی کے حکم سے ہوگا جیسے حکام کے چپڑاسی کچہری کے دروازے پر اعلانات کرتے ہیں۔خیال رہے کہ بندے پر تین قسم کے حق ہیں: اللہ تعالٰی کے عام انسانوں کے اور خاص قرابت والوں کے قرآن پاک کا تعلق حقوق اللہ سے ہے،امانت کا تعلق عام لوگوں سے اور رحم کا تعلق اپنے عزیزوں و قرابت داروں سے اس لیے یہ تین ہی عرش اعظم کے نیچے ہوں گے کامیاب بندہ وہ ہے جو ان سب حقوق کو ادا کرکے جائے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن والے سے کہا جائے گا ۱؎پڑھ اور چڑھ ۲؎اور یوں ہی آہستگی سے تلاوت کر جیسے دنیا میں کرتا تھا آج تیرا ٹھکانہ و مقام

	وہاں ہے جہاں توآخری آیت پڑھے ۳؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ قرآن والے سے مر اد وہ مسلمان ہے جو ہمیشہ تلاوت کرتا ہواور اس پر عامل ہو،وہ شخص نہیں جو قرآن پڑھتا ہو،اور قرآن اس پر لعنت کرتا ہو کہ یہ تلاوت تو عذاب الٰہی کا باعث ہے،بعض آریہ اور عیسائی بھی قرآن پاک پر اعتراضات کرنے کے لیے قرآن پاک پڑھتے بلکہ حفظ تک کرلیتے ہیں،پنڈت کالی چرن چودہ پاروں کا حافظ ہوا۔(مرقات۔)

۲؎ جنت کے درجات اوپر تلے ہیں جس قدر درجے کی بلندی،اسی قدر بہتر ان شاء اللہ اس دن تلاوت قرآن مؤمن کے لیے پروں کا کام دے گی،یا اس سے مراتب قرب الٰہی میں ترقی کرنا مراد ہے،یعنی تلاوت کرتا جا اور مجھ سے قریب تر ہوتا جا۔

۳؎ یعنی جہاں تیرا پڑھنا ختم،وہاں تیرا چڑھنا ختم،وہاں اسی قدر تلاوت کرسکے گا جس قدر تلاوت دنیا میں کرتا تھا اور جس طرح آہستہ یا جلدی یہاں تلاوت کرتا تھا اسی طرح وہاں کرے گا۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنت کے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ درجے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیات اتنی ہی ہیں اور ہر آیت پر ایک درجہ ملتا ہے،اگر درجے اس سے کم ہوں،تو یہ حساب کیسے درست ہواور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان مرقات۔ دوسرے یہ کہ جنت میں کوئی عبادت نہ ہوگی سوائے تلاوت قرآن کے،مگر یہ تلاوت لذت اور ترقی درجات کے لیے ہوگی،جیسے فرشتوں کی تسبیح۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں تلاوت قرآن کریم کا عادی بعد موت ان شاءاللہ حافظ قرآن ہوجائے گا،ورنہ یہ شخص وہاں بغیر قرآن دیکھے سارا قرآن کیسے پڑھتا۔چوتھے یہ کہ بغیر ترجمہ سمجھے بھی تلاوت بہت مفید ہے کہ یہاں تلاوت کو مطلق رکھا گیا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ قرآن میں تفکر کرنا محض تلاوت سے افضل ہے،اسی لیے حضرت صدیق اکبر حفاظ صحابہ سے افضل ہوئے جنت میں ساری امت سے اونچے درجے میں وہ ہی ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے سینے میں قرآن نہیں وہ ویران گھر کی طر ح ہے ۱؎ترمذی،دارمی،اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ جوف کے حقیقی معنے ہیں پیٹ،اسی لیے معتل العین کو اجوف یعنی خالی پیٹ والا کہتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"**مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ**"مگر یہاں جوف سے مراد دل یا سینہ ہے گھر کی آبادی انسان و سامان سے ہے دل کی آبادی قرآن سے باطن یعنی روح کی آبادی ایمان سے تو جسے قرآن بالکل یاد نہ ہو یا اگرچہ یاد تو ہو مگر کبھی اس کی تلاوت نہ کرے یا اس کے خلاف عمل کرے اس کا دل ایسا ہی ویران ہے جیسے انسان و سامان سے خالی گھر۔شعر

آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے   جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے،برباد ہے

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے جسے قرآن مجید میرے دوسرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے روک دے ۱؎ اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا ۲؎ اور اللہ تعالٰی کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ویسی ہی ہے جیسے اللہ کی عظمت اپنی خلق پر ۳؎ ترمذی دارمی، بیہقی شعب الایمان ۴؎ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ قرآن سے مراد حفظ قرآن یا تلاوت قرآن یا تفکر و تدبر فی القرآن ہے۔یعنی جو حافظ یا قاری قرآن یا تجوید یاد کرنے میں عالم دین قرآن کریم سے مسائل مستنبط کرنے میں اتنا مشغول رہے کہ اسے دیگر وظیفے دعاؤں کا وقت ہی نہ ملے۔اسی طرح جو معلم تعلیم علوم قرآن کی مشغولیت کی وجہ سے درود وظیفے دعائیں نہ کرسکے یہاں دعاؤں وظیفوں سے مراد وہ دعائیں وظیفے ہیں جو قرآن مجید کے علاوہ ہیں ورنہ قرآن شریف میں خود بہت دعائیں وظیفے ہیں۔

۲؎ **اعطی** متکلم کا صیغہ ہے اسی لیے سائلین منصوب آیا۔خیال رہے کہ رب تعالٰی سے دعائیں مانگنا صراحۃً اور صاف صاف بھیک مانگنا ہے مگر تلاوت قرآن یا تعلیم قرآن بالواسطہ بھیک ہے جیسے ہمارے دروازہ پر بھکاری کھڑے ہو کر ہماری تعریفیں کرتے ہیں کہ آپ بڑے سخی داتا ہیں یوں ہی درود شریف در پردہ دعا ہے بھکاری غنی کے بال بچوں کو دعائیں دے کر در پردہ بھیک مانگتے ہیں بچے جیتے رہیں جان مال کی خیر ہو،ہم بھی رب تعالٰی کے محبوب کو دعائیں دے دے کر اس سے بھیک مانگتے ہیں اسی لیے درود شریف کے متعلق بھی مشکوۃ شریف میں گزر چکا کہ جو شخص درود شریف میں مشغولیت کی وجہ سے دعا نہ مانگ سکے اس کے تمام ضروریات خود ہی پوری ہوں گے،دکھ،درد، رنج غم خود بخود ہی دفع ہوتے رہیں گے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان عالی ہے یعنی کلام کی شان متکلم کی شان کے بقدر ہوتی ہے۔ایک بات فقیر بے نوا کہے اس پر کوئی دھیان بھی نہیں دیتا وہ ہی بات بادشاہ کہے تو دنیا میں دھوم مچ جاتی ہے چونکہ کلام اللہ رب تعالٰی کا کلام ہے اس لیے تمام مخلوق کے کلام سے یقینًا افضل ہے،اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد خدا تمام خلق سے افضل ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تمام خلق کے کلاموں سے بعد قرآن افضل ہوں گی۔

۴؎ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے عطیہ عوفی کے کہ ان میں کچھ ضعف ہے مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہے۔خصوصًا جب کہ دوسری روایتوں یا قرآنی آیتوں سے اسے قوت پہنچ جائے اس حدیث کو دوسری اسنادوں سے قوت حاصل ہے اس لیے اسے ترمذی نے حسن فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب اللہ قرآن کریم کا

	ایک حرف پڑھے اتو اسے ایک نیکی اور نیکی کا دس گنا ۲میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۳بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف اور میم ایک حرف ۴ترمذی دارمی،ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔

۱ظاہر یہ ہے کہ یہاں حرف سے مراد وہ حرف ہے جو جدا جدا پڑھا جائے لہذا الٓمٓ تین حرف ہیں۔چنانچہ الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم ایک حرف مرقات۔ مگر قوی تر یہ ہے کہ حرف سے مراد مطلقًا حرف ہے علیحدگی کے قابل ہوں یا نہ ہوں کیونکہ حدیث پاک میں کوئی قید نہیں،لہذا قرآن کریم میں لفظ اللہ پڑھنے سے چالیس نیکیاں ملیں گی خیال رہے کہ قرآن پاک میں خبیث چیزوں کے نام بھی ہیں جیسے ابی لہب،ابلیس شیطان،خنزیر،وغیرہ مگر ان ناموں کی تلاوت پر بھی ثواب اسی حساب سے ہوگا کہ یہ حروف یا ان کے ترجمے برے نہیں،بلکہ ان کے مصداق خبیث ہیں یہ تحقیق خیال میں رکھی جائے۔

۲اس فرمان میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ "مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا" یہ تو ادنی ثواب ہے،آگے رب تعالٰی کا فضل ہماری شمار سے باہر ہے "وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ"۔مرقات میں فرمایا کہ یہ ثواب تو عام تلاوتوں کا ہے،مکہ معظّمہ و مدینہ میں تلاوت کا ثواب اس حدیث سے معلوم کرو کہ مکہ معظّمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ پاک میں پچاس ہزار۔

۳چونکہ عربی میں حرف،حرف معانی،حرف مبانی،یعنی حرف ہجاء اور جملہ مفیدہ مطلقًا کلمہ سب کو ہی کہا جاتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ تفسیر فرمائی۔

۴الف،لام،میم کو حرف فرمانا مجازًا ہے ورنہ یہ حرفوں کے نام یعنی اسمائے حروف ہیں اس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ الف میں تین حرف ہیں،ا،ل،ف مگر اس کو ہم ایک حرف ہی مانتے ہیں کہ قرآنی تلاوت میں یہ ایک حرف ہوکر آتا ہے،اگرچہ اس کے اجزا تین ہیں بعض شارحین نے کہا کہ الم ترکیف میں الم کی تیس نیکیاں ہیں اور "الٓمّٓ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ" میں الٓمّٓ کی نوے نیکیاں ہیں،کیونکہ اس میں حرف نو ہیں اسمائے حروف اگرچہ تین ہیں مگر یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے کیونکہ مکتوبی یعنی لکھے ہوئے حرف مراد ہیں نہ کہ مقروئی یعنی پڑھے ہوئے حرف اور مکتوبی حرف سورۂ فیل و بقرہ میں یکساں ہیں۔

	روایت ہے حضرت حارث سے فرماتے ہیں میں مسجد میں گزرا تو لوگ بات چیت میں مشغول تھے ۱میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ۲میں نے آپ کواس کی خبر دی تو فرمایا کیا لوگ یہ حرکت کرنے لگے میں بولا

	ہاں فرمایا آگاہ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب فتنے ہوں گے ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان سے رہائی کی سبیل کیا ہے ۴؎ فرمایا اللہ تعالٰی کی کتاب ۵؎ جس میں تمہارے اگلوں کی خبریں اور پچھلوں کی خبریں اور تمہارے آپس کے فیصلے ہیں قرآن فیصلہ کن ہے ۶؎ وہ غیر درست نہیں ہے جو ظالم اسے چھوڑ دے گا اللہ اس کے ٹکڑے اڑا دے گا ۷؎ اور جو اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا ۸؎ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور وہ حکمت والا ذکر ہے وہ سیدھا راستہ ہے ۹؎ قرآن وہ ہے جس کی برکت سے خیالات بگڑتے نہیں ۱۰؎ اور جس سے دوسری زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں ۱۱؎ جس سے علماء سیر نہیں ہوتے ۱۲؎ جو زیادہ دہرانے سے پرانا نہیں پڑتا ۱۳؎ جس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے ۱۴؎ قرآن ہی وہ ہے کہ جب اسے جنات نے سنا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو صلاحیت کی رہبری کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ۱۵؎ جو قرآن کا قائل ہو وہ سچا ہے جس نے اس پر عمل کیا ثواب پائے گا اور جو اس پر فیصلہ کرے گا منصف ہوگا اور جو اس کی طرف بلائے گا وہ سیدھی راہ کی طرف بلائے گا ۱۶؎ ترمذی،دارمی اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد مجہول ہے اور حارث میں کچھ گفتگو ہوئی ہے ۱۷؎

۱؎ احادیث سے مراد دنیاوی باتیں ہیں جو مسجد میں حرام ہیں اگرچہ جائز باتیں ہی ہوں،وہاں غیبت و جھوٹ وغیرہ حرام گفتگو تو اور سخت حرام ہے،احادیث سے مراد احادیث نبویہ نہیں جیساکہ بعض جاہلوں نے سمجھا۔مسجد میں حدیث شریف و فقہ وغیرہ دینی علوم کا درس بہترین عبادت ہے،اصحاب صفہ مسجد نبوی میں رہتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارے دینی علوم سیکھتے تھے،یہ حار ث تابعی ہیں،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدام خاص میں سے ہیں۔

۲؎ اگرچہ اس وقت اور صحابہ بھی موجود تھے،مگر آپ خصوصیت سے حضرت علی کے پاس گئے کہ حضرت علی دروازۂ شہر نبوت ہیں"انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا"یہ حدیث اگرچہ اسناد مقررہ سے ضعیف ہے مگر متن حدیث صحیح ہے۔مرقات

۳؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں فتنوں سے مراد وہ لڑائیاں اور جھگڑے ہیں جو صحابہ میں رونما ہوئے اور مسجدوں میں دنیاوی باتیں کرنا ان فتنوں کے ظہور کی علامت ہے یعنی اب وہ فتنے قریب آگئے کیونکہ مسجد میں دنیاوی باتیں ہونے لگیں،بعض نے اس سے مراد آگ کا یا دجال کا نکلنا مراد لیا مگر پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں۔ خیال رہے کہ فتنہ عام مصیبت یا آزمائش کو کہتے ہیں۔

۴؎یعنی ایسا کون سا کام کیا جائے جس سے ان فتنوں سے مسلمان بچا رہے۔

۵؎قرآن کریم پر عمل یا اس کی تلاوت میں مشغولیت،معلوم ہوا کہ بعض نیکیوں کی برکت سے انسان دنیاوی آفات سے محفوظ رہتا ہے،درود شریف کی کثرت موت و زندگی کے فتنوں سے محفوظ رکھتی ہے بفضلہٖ تعالٰی۔

۶؎یعنی قرآن شریف ایسی جامع کتاب ہے کہ اس میں گزشتہ امتوں کے واقعات آئندہ تا قیامت بلکہ جنت و دوزخ کے حالات بھی ہیں اور عبادات و معاملات و سیاسیات بھی ہیں۔

۷؎یہ جملہ یا خبر ہے یا بددعا یعنی جو شخص قرآن کے خلاف چلے خدا اس کے ٹکڑے اڑا دے گا یا جو اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے گا خدا تعالٰی اسے برباد کردے گا یعنی وہ کافر ہوجائے گا۔ خیال رہے کہ قرآن شریف کو ناحق جان کر اسے چھوڑ دینا کفر ہےاور اس کو حق جان کر عمل نہ کرنا فسق اور مجبورًا اس پر عمل نہ کرسکنامعذوری ہے جس پر پکڑ نہیں یہاں پہلی صورت مراد ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۸؎غیر قرآن سے مراد علوم عقلیہ یا کفار کی پیروی ہے حدیث و فقہ غیر قرآن نہیں کہ یہ دونوں قرآن کریم کی شرحیں ہیں جیسے صرف و نحو قرآن پاک کے لیے ممدو معاون ہیں لہذا اس حدیث سے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۹؎یہ تمام چیزیں قرآن کریم کے اوصاف بھی ہیں اور اس کے نام بھی قرآن پاک میں خود یہ نام موجود ہیں رسی کے ذریعہ بکھروں کو جمع کیا جاتا ہے رسی کے ذریعے کنوؤں سے گروی کو اوپر نکالا جاتا ہے قرآن کریم میں یہ ساری صفات موجود ہیں رب تعالٰی نے فرمایا:"وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا"۔وہاں حبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دونوں۔ ذکر کے معنے عزت،شہرت،نصیحت تذکرہ ہیں قرآن کریم میں یہ ساری صفات موجود ہیں کہ اسی قرآن کی وجہ سے اہلِ عرب کی دنیا میں شہرت و عزت ہوگئی اس میں ہر قسم کی نصیحتیں اور ہر قسم کے تذکرے ہیں یہ خدا تعالٰی تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے جو اسے چھوڑ دے وہ رب تعالٰی تک نہیں پہنچ سکتا۔

۱۰؎یعنی جو قرآن کریم سے صحیح طور پر استدلال کرے گا وہ اپنے خیالات کو بگڑنے سے محفوظ رکھے گا،اگر کوئی اس سے غلط استدلال ہی کرے اور گمراہ ہوجائے تو قرآن کریم کا قصور نہیں بلکہ اس کے استدلال کا قصور ہے قرآن کریم کو حدیث و فقہ کی روشنی میں سمجھو لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ "یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا"۔نیز اس حدیث سے موجود زمانہ کے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ وہ قرآن کریم کو صحیح طور سے سمجھتے ہی نہیں بعض شارحین نے اس جملہ کے معنے یہ کئے ہیں کہ قرآ ن کریم کو گمراہ لوگ بدل نہیں سکتے،یہ اسی طرح محفوظ رہے گا کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی اس کا حافظ ہے فرماتا ہے:"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ"۔اس صورت میں بہٖ کی ب

تعدیہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم بدلنے کی بہت کوششیں کی گئیں،مگر بدلنے والے مٹ گئے قرآن کریم نہ بدل سکا۔

۱۱؎یعنی قرآن مجید کی عبارت دوسرے کلاموں سے ایسے ممتاز ہے کہ دوسرا عربی کلام خواہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو اس سے خلط نہیں ہوسکتا۔مخلوق کا کلام خالق کے کلام سے مشتبہ نہیں ہوسکتا۔یا اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کی زبان پر گراں نہیں پڑتا۔آسانی سے پڑھ لیاجاتاہے بلکہ حفظ کرلیا جاتاہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ"۔

۱۲؎یعنی قرآن کریم کے اسرار و نکات کبھی ختم نہیں ہوتے،علماء جب بھی غور کرتے ہیں اس سے نئے مسائل و اسرار معلوم کرتے ہیں،قرآن کریم کی کنہ تک کوئی نہیں پہنچتا،یہ ان موتیوں کا وہ سمندر ہے جس کے موتی کبھی ختم نہیں ہوتے۔

۱۳؎قرآ ن کریم کا کھلا معجزہ ہے کہ بغیر معنے سمجھے بھی اس کا پڑھنا اور سننا لذت دیتا ہے اور عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتا ہے اس سے دل اکتاتا نہیں دوسرے کلام کتنے ہی اعلٰی ہوں مگر چند بار پڑھ لینے کے بعد دل اکتا جاتاہے۔

۱۴؎یہ جملہ پہلے جملوں کی یا تو شرح ہے یا دلیل یعنی اس سے علماء سیر نہیں ہوتے،بار بار پڑھنے سے یہ پرانا نہیں پڑ تا کیونکہ اس کے عجیب مضامین کبھی ختم نہیں ہوتے ہر بار عجیب لطف دیتاہے۔

۱۵؎یہ نصیبین کے جنات کا واقعہ ہے جو قرآن شریف نے سورۂ جنّ میں بیان فرمایا کہ جنات کے ایک گروہ نے سوق عکاظ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنا تو اپنی قوم میں جاکر یہ گفتگو کی۔

۱۶؎یہ تمام خوبیاں قرآن کریم سے وہ حاصل کر سکتا ہے جو اسے محض اپنی رائے سے نہ سمجھے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیم سے سمجھے۔ورنہ آج ہربے دین قرآن کریم ہی کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کررہاہے۔

۱۷؎اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی حارث ابن اعور تھے وہ اگرچہ حضرت علی کے ساتھ رہے ہیں اور ان سے چار حدیثیں بھی روایت کی ہیں،مگر اسے نسائی نے کہا یہ قوی نہیں،شعبی نے کہا یہ جھوٹا تھا مگر ابوداؤد نے فرمایا یہ بڑ ا فقیہ علم فرائض کا بڑا عالم اور بہت نسب دان تھا،بہرحال اگرچہ الفاظ حدیث میں کچھ ضعف ہو مگر معنے حدیث بالکل صحیح ہیں نیز فضائل میں حدیث ضعیف بھی قبول(مرقات،لمعات)

	روایت ہے حضرت معاذ جہنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے اور اس کے احکام پر عمل کرے ۱؎تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا ۲؎جس کی روشنی سورج کی روشنی سے اچھی ہوگی جو اگر سورج تم میں ہوتا تو دنیاوی گھروں میں ہوتی ۳؎تو اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو اس پر عامل ہو ۴؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قرآن پڑھنے سے مراد روزانہ اس کی تلاوت کرنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ قرآن پڑھنے سے مراد علوم قرآن سیکھنا ہو یعنی عالم باعمل کا ثواب وہ ہے جو آگے مذکور ہے۔

۲؎ یعنی عالم باعمل کے مؤمن ماں باپ کا درجہ یہ ہوگا خواہ انہوں نے اسے اپنی کوشش سے پڑھا ہو یا نہیں کیونکہ حدیث مطلق ہے پڑھانے کی قید نہیں۔

۳؎ یعنی اگر سورج زمین پر ہوتا تو بتاؤ اس کی چمک دمک روشنی تمہارے گھروں میں کتنی ہوتی اس سے زیادہ اس تاج کے موتی چمکتے ہوں گے۔

۴؎ یعنی پھر عالم باعمل کے متعلق سوچو کہ اس کا درجہ قیامت میں کیا ہوگا،وہ تو ہمارے خیال سے وراء ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر قرآن کھال میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو وہ نہ جلے ۱؎ (دارمی)

۱؎ اس حدیث پاک کی بہت شرحیں کی گئی ہیں،قوی تر شرح یہ ہے کہ آگ سے مراد دوزخ کی آگ ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی عظمت یہ ہے کہ اگر بالفرض کسی کھال میں رکھ کر اسے دوزخ میں ڈالو تو نہ قرآن پاک کا کاغذ جلے نہ وہ کھال تو جس مؤمن کے دل میں اور دماغ میں قرآن پاک کے مضامین ہوں جسم پر قرآنی عمل ہو وہ دوزخ میں کیسے جل سکے گا،بعض نے فرمایا کہ قرآن کریم کا یہ معجزہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر تھا جیسے حضرت جابر کے ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے دستر خوان سے ہاتھ و منہ پونچھ لیے تھے تو وہ آگ میں نہ جلتا تھا مولانا فرماتے ہیں۔شعر

گفت روزے مصطفے دست و دہاں | پس بمالید اندراں دستار خواں

اے دل تر سندہ ازنا رو عذاب | باچنیں دست و وہاں کن انتساب

بعض نے فرمایا کہ یہ کلام فرض و تقدیر پر ہے یعنی قرآن پاک کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ آگ میں اس کا تھیلہ بھی نہ جلے جیسے رب تعالٰی کا فرمان کہ "لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ"۔حضرت ابولبانہ سے روایت ہے فرماتے ہیں قرآنی سورتیں حفظ کرو کہ جس دل میں قرآن ہوگا اسے آگ سے عذاب نہ دیا جائے گا۔(لمعات و مرقات)خیال رہے کہ قرآن پاک کے یہ تمام فوائد مؤمن کے لیے ہیں۔اگر سارا قرآن حفظ کرلیں کفار تو بھی دوزخی ہیں،رام چندر دہلوی کو چودہ پارے حفظ تھے،بے جان جسم کو کوئی دوا مفید نہیں بے ایمان دل کو کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے پھر اسے یاد رکھے ۱؎ اس کے حلال کو حلال اس کے حرام کو حرام جانے ۲؎

	اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے لیے دوزخ ضروری ہوچکی ۳؎احمد ترمذی،ابن ماجہ دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور حفص ابن سلیمان راوی قوی نہیں انہیں حدیث میں ضعیف مانا گیا ہے ۴؎

۱؎ استظہار کے معنے ہیں مدد لینا یعنی قرآن میں اپنے دل سے مدد لے کہ اسے یاد رکھے،ہر وقت اس کا خیال و لحاظ رکھے۔

۲؎یعنی صرف تلاوت و حفظ پر قناعت نہ کرے بلکہ اس کے عقائد کو مانے احکام پرعمل کرے لہذا اس میں حافظ و عالم با عمل دونوں داخل ہیں۔

۳؎ایسے باعمل عامل کو قرآن پاک سے دو عظیم الشان فائدے حاصل ہوں گے:ایک یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔دوسرے یہ کہ اس کے اہلِ قرابت میں سے دس دوزخی مسلمانوں کو اس کی شفاعت سے بخشا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ شفاعت بلندی درجات ہی کی نہ ہوگی بلکہ معافی سئیات کی بھی ہوگی اور علماء حافظ،شہداء وغیرہم کی شفاعت برحق ہے۔ خیال رہے کہ شفاعت کبرے کا سہرا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے شفاعت صغرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بھی کریں گے شفاعت کی تحقیق و تقسیم ہماری "تفسیر نعیمی"جلد سوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎یہ حدیث غریب بھی ہے اور حفص ابن سلیمان راوی کی وجہ سے اس کی یہ اسناد جس میں یہ راوی ہے ضعیف بھی ہے مگر ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ فضائل میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب سے تم نماز میں قرآن کیسے پڑھتے ہو۱؎تو انہوں نے الحمد شریف پڑھی ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس جیسی سورت نہ توریت میں اتری نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ قرآن میں۳؎ اور یہ سات مکرر آیتیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئے۴؎ترمذی اور دارمی نے ماانزلت کی روایت کی اور ابی ابن کعب کا واقعہ ذکر نہ کیا ۵؎ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔

۱؎ یعنی نماز کی ہر رکعت میں کون سی سورۃ پڑھتے ہو،اور کیسے پڑھتے ہو،مجھے پڑھ کر سناؤ۔معلوم ہوا کہ شاگردوں کا امتحان لینا سنت ہے۔فقیر کی اس شرح سے حدیث پر یہ اعتراض نہ رہا کہ حضرت ابی کا جواب سرکار کے سوال کے مطابق

نہیں کیونکہ یہاں قرأت،طریقہ قرأت اورمقرو سب کے متعلق تھا اس لیے جواب میں حضرت ابی کا سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنا دینا ہرسوال کا جواب ہوگیا۔

۲؎سورۂ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے ایک نام ام القرآن بھی ہے کہ یہ سورۃ سارے قرآن کے سارے مضامین کو اپنے میں ایسے لیے ہوئے ہے جیسے ماں بچے کو اپنے پیٹ یا گود میں لیے ہوتی ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"پارہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کا استاد کو پڑھا ہوا سبق سنانا سنت صحابہ ہے۔

۳؎یعنی ایسے فضائل و فوائد والی جامع سورہ کسی اور آسمانی کتاب میں تو کیا ہوتی خود قرآن کریم میں بھی نہیں ہے سورۂ فاتحہ کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں اس لیے یہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس کے فضائل وفوائد کی کچھ تفصیل ہماری "تفسیر نعیمی"پارہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔یہ سورۃ شفاء ہے امان ہے مؤمن کی حرز جان ہے۔

۴؎یعنی قرآن مجید میں ارشاد ہوا"سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ"۔اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے،اس میں سات آیتیں ہیں،اور ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں،نیز اس کا نزول ہجرت سے پہلے بھی ہوا اور بعد بھی اس لیے یہ سبع مثانی ہے یعنی سات مکرر آیتیں اور یہ قرآن عظیم بھی ہے کیونکہ قرآن کریم کی ہرآیت قرآن ہے جیسے پانی کا ہر قطرہ پانی ہے لہذا اس آیت کریمہ میں یہ دونوں وصف سورۃ فاتحہ کے ہیں۔

۵؎یعنی دارمی کی روایت میں حضرت ابی ابن کعب کا یہ واقعہ مذکور نہیں صرف فضائل مذکور ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھو۱؎پھر اسے پڑھا کرو ۲؎کیونکہ جو قرآن سیکھے اور اس کی قرأت کرے اور اس پر عمل کرے اس کی مثال اس تھیلے کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہو جس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہو۳؎اور جو اسے سیکھے پھر سویا رہے ۴؎اس طرح کہ اس کے سینے میں قرآن ہو وہ اس تھیلے کی طرح ہے جو مشک پر سربند کردیا گیا ہو ۵؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ قرآن سیکھنے سے مراد عام ہے جس میں قرآن کے الفاظ معانی،احکام سیکھنا سب ہی شامل ہے فقہاء فرماتے ہیں حفظ قرآن فرض کفایہ ہے مختلف بستیوں میں اتنے حافظ ضرور رہیں جن سے قرآن کریم کا تواتر قائم رہے اور کوئی بے دین قرآن میں تبدیلی نہ کرسکے،لہذا اگر حفظ قرآن چھوڑ دیں تو سب گنہگار ہیں اور اگر اتنے لوگ حفظ کرلیں سب کا فرض ادا ہوگیا علم قرآن کا بھی یہ ہی حال ہے اور بقدر جواز نماز قرآن حفظ کرنا فرض عین ہے جیسے بقدر ضرورت مسائل یاد کرنا سیکھنا فرض عین ہے اور پورا عالم دین بننا فرض کفایہ۔

۲؎یعنی قرآن شریف یادکرنے اور سیکھنے کے بعد اس کا دور نہ چھوڑ دو اور اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کرلو یہ بہت جلد ذہن سے اتر جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ قرأت قرآن یعنی تجوید سیکھو کہ بقدر جواز نماز تجوید سیکھنا بھی فرض عین ہے اور

پورا قاری بننا فرض کفایہ اس لیے عرس،ختم،میلاد اور گیارھویں شریف وغیرہ میں قرآنی رکوع پنج آیات پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں میں قرأت کا چرچا رہے یہ چیزیں خصوصًا تراویح کی نماز بقائے قرآن کا بڑا ذریعہ ہیں

۳؎لہذا ایسے عالم و قاری کا سینہ گویا تھیلا ہے اور اس میں قرآن شریف گویا تھیلے میں بھرا ہوا مشک ہے اور اس قاری کا تلاوت کرنا اس مشک کی مہک ہے جس سے سننے والے فائدہ اٹھاتے ہیں ہر جگہ سے مراد قرآن سننے والے ہیں جو قرآنی علم کی اشاعت کرجائے اس کی مہک سے قیامت تک کے مسلمان فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں،رب تعالٰی خدمت قرآن کی توفیق بخشے۔

۴؎کہ اس کی تلاوت نہ کیا کرے یا اس پر عمل نہ کیا کرے۔

۵؎اس بند تھیلے میں اگرچہ مشک تو ہے اور اسی مشک کی وجہ سے تھیلہ قیمتی بھی ہے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایسے ہی یہ شخص اللہ کے نزدیک قیمتی ہے حافظ قرآن یا عالم قرآن ہونے کی وجہ سے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ خود بھی فائدہ نہیں اٹھاتا کسی پنجابی شاعر نے کیا اچھا کہا۔شعر

علم ودھیرا پڑھ لیا عمل نہ کیتے نیک — آئی گھٹا اتر گئی بوند پئی نہ ایک

احمد یار احمق ہوئیوں علم ودھیرا پڑھ کے — پڑھے لکھے تے مان نہ کریو پھٹ جاندا ددھ کڑھ کے

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شخص صبح کے وقت سورۂ حم مؤمن الیہ المصیر تک ۱؎اور آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی ۲؎اور جوان دونوں کو شام کے وقت پڑھ لیا کرے تو صبح تک اس کی حفاظت ہوگی ۳؎ترمذی،دارمی اور ترمذی نے فرمایا۔یہ حدیث غریب ہے ۴؎	

۱؎یعنی سورۂ مؤمن کی پہلی آیت "حٰمٓ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ "تک پڑھے۔

۲؎کہ جو شخص نماز فجر سے پہلے یا اس کے بعد یہ دو آیتیں پڑھ لیا کرے خواہ آیۃ الکرسی سے پہلے پڑھے اور سورۂ مؤمن کی یہ آیت بعد میں یا اس کے برعکس،مرقات وغیرہ تو شام تک وہ اللہ کی امان و حفظ میں رہے گا کہ شیطان،جادو اور دوسری دنیاوی آفتیں اس تک ان شاءاللہ نہ پہنچ سکیں گی۔

۳؎یعنی بعد نماز مغرب یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو صبح تک اللہ کی حفظ و امن میں رہے گا۔خیال رہے کہ بغیر نماز کوئی وظیفہ یا عمل مفید نہیں تمام وردوظیفوں کے لیے پابندی نماز ضروری ہے

۴؎یہ حدیث احمد و ابن حبان نے بھی روایت کی۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے زمین و	

آسمان کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی ا؎ جس میں سے دو آیتیں وہ اتاریں جن پر سورۂ بقرہ ختم فرمائی ۲؎ یہ ناممکن ہے کہ کسی گھر میں یہ آیتیں برابر تین شب پڑھی جائیں پھر شیطان اس کے پاس بھی پھٹکے ۳؎ ترمذی،دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴؎	

ا؎ دو ہزار برس سے مراد اس قدر مدت کہ اگر سورج ہوتا تو اسی مدت کے دو ہزار برس بن جاتے ورنہ اس وقت سورج نہ تھا نہ دن رات،پھر دن مہینے ہفتے اور سال کیسے بن سکتے ہیں،لکھنے سے مراد فرشتوں کو لکھنے کا حکم دینا ہے خاص خدا م کا کام گویا سلطان ہی کا کام ہے۔خیال رہے کہ مخلوق کی تقدیریں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھی گئیں،مگر یہ تحریر دو ہزار برس پہلے ہوئی لہذا یہ حدیث پچاس ہزار برس کی روایت کے خلاف نہیں کہ و ہاں لوح محفوظ میں تقدیروں کی تحریر مراد ہے،اور یہاں قرآن کریم کی تحریر مراد اور ہوسکتا ہے کہ یہاں دو ہزار برس سے تحریر مراد نہ ہو بلکہ مطلق زیادتی بیان کرنا مقصود ہو۔(مرقات)

۲؎ یہ دو آیتیں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے آخر سورۂ بقر تک ہیں اگرچہ سارا قرآن شریف ہی لوح محفوظ میں تھا اور وہاں سے ہی نازل ہوا مگر ان آیتوں میں وہ خصوصیت ہے جس کا ذکر آگے ہورہا ہے اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔

۳؎ جب ان آیتوں کی برکت سے وہ گھر وہ عمارت وہ جگہ شیطان سے محفوظ ہوجاتی ہے جہاں تین دن یہ آیات پڑھ لی جائے تو جس زبان میں یہ آیتیں رہیں ان شاءاللہ وہ بھی شیطان سے محفوظ رہیں گے۔ان جیسی تمام احادیث میں شیطان سے مراد ابلیس ہوتا ہے،ورنہ قرین شیطان اور نفس امارہ تو بہرحال انسان کے ساتھ رہتے ہیں ان موذیوں سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں جسے اللہ بچائے وہ ہی بچے۔

۴؎ اس حدیث کو نسائی،ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورہ کہف شروع سے تین آیتیں پڑھا کرے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا ا؎ ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔	

ا؎ اس کی شرح پہلے گزرچکی کہ چونکہ سورۂ کہف میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی نے اصحاب کہف کو دقیانوس بادشاہ کے ظلم و ستم سے بچالیا اور وہ بادشاہ ان بزرگوں کو دین حق سے نہ ہٹا سکا اب اس ذکر میں تاثیر ہے کہ روزانہ یا ہر جمعہ کو ان آیات کا پڑھنے والا دجال کے شر سے محفوظ رہے گا کہ اگر اس کی زندگی میں دجال آجائے تو اسے ایمان سے نہ ہٹا سکے گا بزرگوں کے ذکر میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اولا تو پوری سورۂ کہف میں یہ تاثیر رکھی تھی پھر اس کی دس اگلی آیتوں میں یہ تاثیر بخش دی پھر اس کی تین آیتوں میں یہ ہی تاثیر رکھ دی گئی رب تعالٰی

کی عطائیں مختلف رہیں لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔جن میں پوری سورۂ کہف یا اس کی دس۱۰ آیتوں کی یہ تاثیر مذکور ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰس ہے ۱جو سورۂ یسین پڑھے تو اللہ اسے اس کی تلاوت کی برکت سے دس بار قرآن ختم کرنے کا ثواب دے گا۲ترمذی و دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳

۱ جیسے دل سے اصل زندگی وابستہ ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے تو جاندار جاندار ہے اس کو ٹھیس لگتے ہی بے جان ہوجاتا ہے ایسے ہی قرآن کریم کا اصل مقصود سورہ یسین سے وابستہ ہے،یہ سورہ پورے قرآن شریف کا گویا خلاصہ ہے کہ اس میں قیامت کے حالات کا مکمل بیان ہے،اس کی تلاوت سے دل زندہ ،ایمان تازہ ،روح شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔قریب موت اس کی تلاوت سے جان کنی آسان ہوتی ہے ۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ ایمان کا دل ہے قیامت کے حالات کو ماننا اور حالات قیامت جس تفصیل سے سورۂ یسین میں مذکور ہیں دوسری سورت میں مذکور نہیں اس لیے اسے قرآن کا دل فرمایا۔

۲اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سارا قرآن شریف ہی کلام الٰہی ہے مگر اس کی سورتوں کی تاثیریں مختلف ہیں ایک بار سورہ یسین کی تلاوت دس۱۰ قرآن کا ثواب رکھتی ہے یہ اس کی بے مثال خصوصیت ہے۔ خیال رہے کہ دس۱۰ ختم قرآن کا ثواب ملنا اور ہے اور حقیقتاً دس۱۰ قرآن کریم ختم کرنا کچھ اور۔ طبیب کہتے ہیں کہ ایک منقی گرم کرکے کھانے میں ایک روٹی کی طاقت ہے مگر پیٹ بھرے گا روٹی ہی کھانے سے، ختم قرآن ہوگا تیسوں پارے پڑھنے سے۔

۳اس لیے کہ اس کی اسناد میں ھارون ابن محمد ہیں جو محدثین کے نزدیک بہت قوی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے سورہ طٰہٰ اور یسین زمین و آسمان پیدا فرمانے سے ایک ہزار سال پہلے پڑھی۱ جب فرشتوں نے قرآن سنا تو بولے خیر و خوبی ہے اس امت کو جس پر یہ اترے گی اور خوبی ہے ان سینوں کو جو اسے اٹھائیں گے اور خوبی ہے ان زبانوں کو جو اسے پڑھیں گی ۲(دارمی)

۱ حدیث بالکل ظاہر معنی پر ہے واقعی رب تعالٰی نے یہ سورتیں پڑھیں،فرشتوں نے بلاواسطہ سنیں اب رب تعالٰی کی تلاوت کی نوعیت ہماری عقل سے وراء ہے اس طرح قرأت کی جو اس کی شان کے لائق ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یٰسٓ اور طٰہٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف ہیں،چونکہ ان سورتوں کی ابتداء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہوئی اس

لیے یہ سوتیں بہت عظمت والی ہیں اسی وجہ سے رب تعالٰی نے فرشتوں کو سنائیں۔معلوم ہوا کہ نعت کی سورتیں،آیتیں رب تعالٰی کو بڑی پیاری ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی پیدائش زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے ہے۔
۲؎طوبی جنت کا ایک درخت بھی ہے جس کی شاخیں جنت کے ہر محل میں ہیں اور بمعنی خوشخبری بھی یہاں دونوں معنے ہوسکتے ہیں یعنی ساری امت محمدیہ عموماًاوران سورتوں کے حافظ و قاری خصوصًادرخت طوبی کے مالک ہیں یاانہیں خصوصی خوشخبری ہے یہ لوگ بڑے خوش نصب ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رات میں سورہ حٰمٓ الدخان پڑھے وہ اس طرح سویرا کرے گا کہ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کریں گے ۱؎ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عمر ابن خثعم راوی ضعیف مانے گئے ہیں امام محمد بخاری نے فرمایا وہ منکر الحدیث ہے۲؎

۱؎ یعنی اس کی تلاوت کے وقت سے صبح تک اتنےفرشتے اس کے لیے دعائیں مغفرت کرتے رہیں گے۔خیال رہے کہ اس دعا سے خصوصی دعامراد ہے ورنہ حاملین عرش اور دوسرے فرشتے ہمیشہ ہی مؤمنوں کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا"لہذا یہ حدیث اس قرآنی آیت کے خلاف نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ دخان پڑھنا ان معصوموں کی معصوم زبان سے دعائیں لینے کا درجہ ہے۔
۲؎امام عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا کہ محدثین کی اصطلاح میں منکر الحدیث کہنا ضعیف کہنے سے زیادہ سخت ہے یعنی عمر ابن خثعم کو دوسرے محدثین نے تو ضعیف فرمایا مگر امام بخاری نے اسے منکر فرمایا یعنی ضعیف سے بھی سخت تر،خیال رہے کہ یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے فضائل میں حدیث ضعیف قبول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کی رات حم الدخان پڑھے اس کی بخشش ہوگی۱؎ترمذی اورترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ہشام ابو مقدام راوی کو ضعیف کہا گیاہے۲؎

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ دخان دوسری راتوں میں پڑھنا تو اچھا ہے کہ اس کے ذریعہ ہزار ہافرشتوں کی دعائیں ملتی ہیں،لیکن شب جمعہ میں اس کی تلاوت بہت ہی بہتر ہے کہ اس سے فرشتوں کی دعائیں بھی ملتی ہیں اور رب تعالٰی کی مغفرت بھی گویا۔اس رات کی تلاوت سے دو نعمتیں ملتی ہیں۔
۲؎یہ نہ معلوم کہ ان کے ضعف کی وجہ کیا ہے،احناف کے ہاں جرح مجہول معتبر نہیں۔

	روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے تسبیح والی آیتیں پڑھاکرتے تھے۱؎فرماتے تھے ان میں ایک آیت ہزار آیتوں سے بہتر ہے۲؎ترمذی و ابوداؤد

۱؎ یعنی جن سورتوں کے اول میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ یا"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"یا سُبْحٰنَ ہے وہ سورتیں پڑھتے تھے یہ سورتیں کل سات ہیں سورۂ اسراء،حدید،حشر،صف،جمعہ،تغابن،اعلےٰ مرقات۔ظاہر یہ ہے کہ سرکار یہ پوری سورتیں نہ پڑھتے ہوں گےکہ یہ تو بہت زیادہ ہیں بلکہ ان کی چیدہ چیدہ آیات تلاوت فرماتے ہوں گے۔

۲؎ان الفاظ سے یہ پتہ نہ لگا کہ وہ کون سی ہے بعض نے فرمایا کہ وہ آیت"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ"الایہ ہے۔بعض نے فرمایا کہ وہ آیت ہرسورۃ کی شروع کی آیت ہے جس میں **سبح** یا **یسبح** ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ آیت رب تعالٰی کے اسم اعظم یا شبِ قدر کی طرح صیغہ راز میں رکھی گئی ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں **فیھن** سے مراد **جمیعھن** ہے یعنی ان تمام سورتوں میں ایک ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل و بہتر ہے۔

	دارمی نے یہ حدیث خالد ابن معدان سے مرسلًا روایت کی۱؎اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ہے غریب ہے ۲؎

۱؎کیونکہ خالد ابن معدان شامی ہیں،تابعی ہیں۔فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی ہے ہم نے پہلے عرض کیا کہ ثقہ تابعی کا ارسال معتبر ہے اور ان سے مرسل حدیث حجت ہے کہ وہ تابعی خود تو ثقہ ہے اور صحابہ سارے ہی عادل ہیں۔

۲؎اسے نسائی نے حضرت عرباض ابن ساریہ سے مرفوعًا اور معاویہ ابن صالح سے موقوفًا روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ایک تیس آیتوں والی سورۃ نے۱؎ایک شخص کی یہاں تک شفاعت کی کہ اس کی بخشش ہوگئی وہ سورہ **تبارك الذی بیدہ الملك** ہے ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد نسائی،ابن ماجہ)۳؎

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ **بسم اللہ** شریف سورۃ کا جزء نہیں ورنہ سورۂ ملک کی آیتیں۳۱ ہوجاتیں،کیونکہ سورۂ ملک کی **بسم اللہ** کے علاوہ تیس آیتیں ہیں۔

۲؎یعنی ایک شخص سورۂ ملک کا ورد رکھتاتھا اس سے بہت محبت کرتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس سورہ نے اس کی سفارش کی تو اس کی شفاعت کی برکت سے وہ شخص عذاب قبر سے محفوظ رہا لہذا یہاں **شفعت** بمعنی ماضی ہی ہے۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم کی ہربات ہر واقعہ کی تفصیلی خبر ملتی رہتی ہے یا خود ملاحظہ فرماتے رہتے

ہیں۔لمعات نے فرمایا کہ شفعت بمعنی مستقبل بھی ہوسکتا ہے یعنی سورۂ ملک اپنے عاملوں کی شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت کی برکت سے عامل کی بخشش ہوگی۔اس صورت میں یہ فرمان ترغیب کے لیے ہے تاکہ لوگ اس کی تلاوت کیا کریں اس کی شفاعت کی امید رکھیں۔

۳؎ اسے ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہتر ہوتا کہ یہ سورۃ ہر مسلمان کے دل میں ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ ڈال دیا انہیں خبر نہ تھی کہ یہاں قبر ہے ۱؎ پتہ لگا کہ اس میں ایک شخص سورۂ تبارك الذی بیدہ الملك پڑھ رہا ہے حتی کہ اس نے ختم کرلی ۲؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی ۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورہ روکنے والی ہے ۴؎ نجات دینے والی ہے جو اللہ کے عذاب سے نجات دے گی ۵؎ ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اگر قبر کی خبر ہوتی تو وہاں ہرگز خیمہ نہ ڈالتے کیونکہ قبر پر بیٹھنا لیٹنا،اس پر چلنا پھرنا ممنوع ہے۔

۲؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ بعض مردے قبر میں بھی بعض وہ نیکیاں کرتے رہتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس حال میں جیو گے اسی میں مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی میں اٹھو گے،اس لیے کوشش کرو کہ زندگی اچھے اعمال میں گزارو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت بلال اذان دیتے ہوئے قبر سے اٹھیں گے،ان کا ماخذ غالبًا ان جیسی روایات ہیں ان شاءاللہ نعت خواں مسلمان قبر میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہی پڑھیں گے۔رب تعالیٰ قبول فرمائے ان صحابی کا یہ تلاوت سن لینا ان کی کرامت ہے ورنہ ہم لوگ نہیں سنا کرتے۔

۳؎ اور تعجب کا اظہار کیا کہ مردہ بھی تلاوت قرآن کررہا تھا۔

۴؎ یعنی اس سورت کی تلاوت کرنے والے کو زندگی میں گناہوں سے، موت کے وقت خرابی خاتمہ سے، قبر میں عذاب و تنگی گورے، آخرت میں دہشت و سخت عذاب سے بچاتی ہے۔

۵؎ یعنی عذاب قبروحشر سے بچائے گی۔خلاصہ جواب یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی زندگی میں اس سورۃ کی تلاوت کرتا تھا اب قبر میں بھی تلاوت کررہا ہے اور اس سے مذکورہ بالا فائدے حاصل کرچکا ہے اب بھی کر رہا ہے آئندہ بھی کرے گا۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نہ سوتے حتی کہ پڑھ لیتے الم تنزیل اور تبارك	

	الذی بیدہ الملک [1] (احمد،ترمذی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے یوں ہی شرح سنہ میں ہے اور مصابیح میں ہے کہ غریب ہے[2]

[1] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عشاء اور سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے،خواہ مسجد ہی میں یا بستر پر پہنچ کر۔معلوم ہوا کہ شب کو یہ سورتیں پڑھنا سنت ہے اوراس میں بہت فوائد ہیں۔

[2] خیال رہے کہ حدیث کی غرابت اس کے صحیح ہونے کے مخالف نہیں ایک ہی حدیث صحیح بھی ہوتی ہے غریب بھی لہذا ترمذی کا اسے صحیح کہنا اور مصابیح کا غریب فرمانا دونوں درست ہیں،یہ حدیث نسائی ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی حضرت جابر سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس وانس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے [1] اور قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر [2] اور قل یاایھاالکافرون چوتھائی قرآن کے برابر [3] (ترمذی)

[1] یعنی سورۂ اذازلزلت کی تلاوت میں پندرہ پارے تلاوت کرنے کا ثواب ہے یا چونکہ قرآن کریم میں معاش و معاد دونوں کا ذکر ہےاور اذا زلزلت میں معاد کا ذکر ہے یعنی قیامت اور وہاں کے حالات کا لہذا اس کا مضمون مضامین قرآن پاک کا نصف ہے۔

[2] اس کی شرح اور وجہ پہلے عرض کی گئی ہے اسی باب میں۔

[3] کیونکہ قرآن مجید میں اصل مضامین چار ہیں شرک اور بدعقیدگیوں سے دوری ،توحید و رسالت اور تمام عقائد اسلامیہ کا اقرار،احکام قصص،سورۂ کافرون میں شرک سے بیزاری کا کامل طور پر ذکر ہے،لہذا قرآن کا چوتھائی مضمون اس سورۃ میں ہے اس لیے یہ سورۃ چار بار پڑھنے سے پورے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔لمعات و اشعہ وغیرہ جو کوئی سوتے وقت یہ سورۃ پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا،فقیر حقیر بفضل رب قدیر اس پر عامل ہے اور حسن خاتمہ کی رب تعالٰی سے امید رکھتاہے اللہ نصیب کرے۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو صبح کے وقت تین بار یہ کہہ لے کہ میں سننے والے جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں [1] مردود شیطان سے [2] پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے [3] تو اللہ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادے گا جو شام تک اسے دعائیں

	دیں گے اور اگر یہ اس دن مرجائے تو شہید مرے گا۴ اور جو یہ چیزیں شام کے وقت پڑھ لے تو اسی درجہ میں ہوگا۵ ترمذی دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی میری بات سننے والے،میرا درد دل جاننے والے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔خیال رہے کہ **اعوذ** جملہ خبریہ ہے بمعنی ان شاء یعنی اے اللہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

۲؎ تاکہ دن بھر وہ مردود مجھے بہکانہ سکے،عبادتوں میں دھیان نہ بٹا سکے،چونکہ سویرا زندگی کی دکان کھلنے کا وقت ہے اس لیے خصوصیت سے اسی وقت یہ دعا پڑھوائی گئی۔

۳؎"**هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ** سے آخر سورۃ"**وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ** "تک یہ آیات خالص حمد کی ہیں۔

۴؎ یہاں فرشتوں کی دعا سے ان کی خصوصی دعائیں مراد ہیں،ورنہ فرشتے عمومی دعائے مغفرت تو ہر مسلمان کے لیے کرتے رہتے ہیں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا اور شہید سے مراد شہادت حکمی ہے کہ بندہ اگرچہ اپنے بستر پر مرے مگر قیامت میں اس کا شمار ان شہداء میں ہو جو راہ خدا میں مارے گئے۔

۵؎ لغت میں صباح آدھی رات سے زوال تک کو کہتے ہیں اور مساء زوال سے اول نصف رات تک کو مگر اورادووظائف میں صبح صادق سے سورج نکلنے سے کچھ بعد تک ہے اور شام اس کے مقابل یعنی سورج چھپنے سے کچھ رات گئے تک یعنی وقت عشاء آنے سے پہلے۔(ازمرقات)اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے صبح و شام کی نہایت نفیس تحقیق اپنی کتاب "الوظیفۃ الکریم"میں فرمائی ہے ناظرین اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو روزانہ دو سو بار قل ھو اللہ پڑھ لیا کرے۱؎ تو اس کے پچاس سال کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے ۲؎ سوائے قرض کے۳؎ ترمذی،دارمی اور ایک روایت میں پچاس بار ہے اور قرض نہ ہونے کا ذکر نہیں۔

۱؎ یعنی دن و رات کے کسی حصہ میں پوری سورۂ اخلاص دوسو۲۰۰ بار پڑھا کرے۔بہتر یہ ہے کہ ایک دم ہی پڑھے اور اگر مختلف مجلسوں میں پڑھے تو بھی اجر مذکور کی امید ہے۔

۲؎ یعنی عمر بھر یہ پڑھتا رہے تو ان شاءاللہ پچاس سال کے گناہ صغیرہ معا ف ہوں گے اور اگر اتنے گناہ نہ ہوں تو درجے بلند ہوں گے کیونکہ جن اعمال سے گنہگاروں کے عفو سیئات ہوتی ہے نیک کاروں کے لیے رفع درجات۔ یہ قانون کرم ہے لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو نیک لوگ یہ عمل نہ کیا کریں۔

۳؎ کہ قرض تو حق العبد ہے بغیر ادا کیئے یا قرض خواہ کے بغیر معاف کیئے ساقط نہیں ہوتا سارے حقوق العباد کا یہ ہی حال ہے۔

	روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور نے فرمایا جو اپنے بستر پر سونا چاہے ۱؎ تو داہنی کروٹ پر لیٹے ۲؎ پھر سو بار "قل ھو اللہ احد" پڑھ لے ۳؎ تو جب قیامت کا دن ہوگا رب تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں جا ۴؎ ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۵؎

۱؎ بستر کا ذکر اتفاق ہے اگر کوئی زمین پر بھی لیٹے تو یہ پڑھ لے مگر لیٹنا سونے کے لیے ہو ویسے لیٹنے کا حکم نہیں اس لیے اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے ارادے کا ذکر فرمایا۔

۲؎ اس طرح کہ قبلہ کو رخ ہو اور داہنی ہتھیلی داہنے رخسار کے نیچے رکھے کہ سنت اسی طرح لیٹنا ہے پھر بائیں کروٹ لے کر سوجائے، غرضکہ بستر کا رخ قبر کا سا ہو۔

۳؎ فقط لفظ "قل ھو اللہ احد" نہیں بلکہ پوری سورہ مع بسم اللہ کے ہر بار اگر چہ یہ عمل ہے تو مشکل مگر بہت مفید ہے۔

۴؎ یعنی چونکہ تو میرے محبوب کی سنت پر عمل کرتے ہوئے داہنی کروٹ لیٹتا تھا اور میری حمد والی سورۃ پڑھ کر سوتا تھا اس کے انعام میں آج تو جنت کے داہنے باغ میں داخل ہوجا وہ تیرا مقام ہے۔خیال رہے کہ جنتی لوگ تین قسم کے ہوں گے: مقربین حضرات علیین والے ہیں، ابرار یہ یمین والے ہیں، گنہگار جن کی شفاعت کی بنا پر مغفرت ہوچکی یہ یسار والے ہیں رب تعالیٰ نے فرمایاہے: "فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کا داہنا حصہ بائیں سے افضل ہےاور یہ کہ عرش کی داہنی طرف والے بائیں سمت والوں سے بہتر۔

۵؎ علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ درجہ صحیح کو نہ پہنچی مگر اس پر عمر میں کم از کم ایک بار ضرور عمل کرے کہ اس کے عامل کو بڑی بشارت ہے، فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے، مرقات۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک شخص کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی فرمایا جنت ۱؎ (مالک، ترمذی، نسائی)

۱؎ یعنی اس سورۃ شریف کی تلاوت کی برکت سے اس کے لیے جنت واجب و لازم ہوگئی۔خیال رہے کہ نیک اعمال جنت حاصل ہونے کے اسباب میں علت تامہ نہیں بڑے بڑے نیک لوگ پھسل جاتے ہیں مگر یہ شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کی وجہ سے جنتی یقینًا ہوگیا کہ آپ کی زبان رب تعالٰی کا قلم ہے اس شخص کا جنتی ہوجانا قطعی ہوگیا۔

روایت ہے حضرت فروہ بن نوفل سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایسی چیز سکھایئے جو میں بستر پر دراز ہوتے وقت پڑھ لیا کروں تو فرمایا"قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" پڑھ لیا کرو۲؎ کہ یہ شرک سے بیزاری ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ فروہ کی صحابیت میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں،مگر آپ کے والد نوفل صحابی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ"قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ"پڑھتے ہی سو جاؤ یعنی پھر کوئی دنیاوی بات نہ کرو اور اگر کرنا پڑ جائے تو دوبارہ پڑھ لو۔

۳؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس کا عامل ان شاءاللہ ایمان پر ہی مرے گا علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابواء کے درمیان سفر کررہا تھا۱؎ کہ اچانک ہمیں آندھی اور سخت تاریکی نے گھیر لیا ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **تعوذ** فرمانے لگے **اعوذ برب الفلق** سے **اعوذ برب الناس** اور فرمانے لگے اے عقبہ ان دونوں سورتوں سے **تعوذ** کیا کرو کہ کسی پناہ لینے والے نے ان جیسی سے **تعوذ** نہ کیا۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ جحفہ اور ابواء دونوں مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے درمیان دو مقامات ہیں،ابواء تو وہ ہی جگہ ہے جہاں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کی وفات شریف ہوئی،جحفہ شام،مصر اور مغرب والوں کا میقات ہے جہاں سے یہاں کے حجاج احرام باندھتے ہیں اسی جگہ کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا مدینہ کی وبا جحفہ کی طرف منتقل فرمادے چنانچہ وہاں بیماریاں خصوصًا بخار بہت زیادہ ہے حتی کہ اگر پرندہ بھی وہاں سے گزرے تو اسے بھی بخار آجاتا ہے یہ جگہ رابغ کے پاس ہے۔بعض کا خیال ہے کہ اب اسی جحفہ کا نام رابغ ہے،جحفہ اور ابواء کے درمیان بیس میل کا فاصلہ ہے۔(لمعات ومرقات)

۲؎ یعنی کالی آندھی آگئی اور ہم اس میں گھر گئے سفر میں ایسی صورت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں صرف جادو کے لیے ہی نہیں بلکہ دوسری آفتوں میں بھی کام آتی ہیں اگر ان کا تعویذ لکھ کر ساتھ رکھا جائے تو بھی امان ملتی ہے قرآنی آیات سے تعویذ جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن خبیب سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک بارشی اور سخت اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے نکلے ۱؎ تو ہم نے حضور کو پالیا حضور نے فرمایا کہو میں بولا کیا کہوں فرمایا صبح و شام کے وقت "قل هو الله احد" اور فلق و ناس تین تین بار پڑھ لیا کرو ۲؎ یہ تمہیں ہر چیز سے کافی ہوں گی ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد، نسائی)

۱؎ یعنی ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو آگے بڑھ گئے ہم لوگ پیچھے رہ گئے تو ہم نے رفتار تیزکردی تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جائیں۔چنانچہ ہم اپنے مطلوب ومحبوب تک پہنچ گئے اور اپنے مدعا کو پالیا۔

۲؎ ہمارے سلسلہ میں ایک عمل ہے کہ بعد نماز فجر و مغرب حسب ذیل سورتیں پڑھ لیا کرے سورہ حشر کاآخری رکوع،اذا زلزلت الارض، قل یاایھاالکفرون ، قل هو الله احد، تین بار فلق،ناس ہمیشہ اس پر عمل کرے ان شاءاللہ دنیاوی مصیبتوں سے محفوظ رہے گا اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا اور مرتے وقت اپنی جنت کی جگہ خواب میں دیکھ لے گا اور قریب موت اسے خواب میں اطلاع دے دی جائے گی کہ تیرا وقت قریب ہے تیاری کرلے فقیر نے یہ عمل اپنے بزرگوں سے پایا ہے اور بحمدہٖ تعالٰی اس پر عامل ہے اس کے نتائج کی اپنے رب سے امید رکھتاہے اللہ نصیب کرے۔

۳؎ یعنی تجھ سے ہر آفت کے ٹالنے اور ہر مصیبت کو دفع کرنے میں کافی ہوں گی یا تجھے ہر ورد وظیفے سے غنی کردیں گی کہ ان کے ہوتے تجھے دفع ضرر کے لیے اور کوئی وظیفہ کرنا نہ پڑے گا اس دوسرے معنے کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ ان سورتوں سے بہتر کوئی تعویذ نہیں یہ بہترین تعویذ و امان ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں سورہ ہود یا سورۂ یوسف پڑھاکروں ۱؎ فرمایا تم قل اعوذ برب الفلق سے بڑھ کر کوئی ایسی سورت نہیں پڑھ سکتے جو آسان تر اور رب کے نزدیک تمام تر ہو ۲؎ (احمد،نسائی،دارمی)

۱؎ اقراء سے ہمزہ استفہامیہ دور کردیا گیا ہے یعنی کیا میں آفات سے بچنے اور مصیبتوں کے دفع کرنے کے لیے سورۂ یوسف و ہود کا ورد رکھوں،لمعات و مرقات۔غرضکہ یہاں تلاوت کی اجازت نہیں چاہ رہے ہیں بلکہ تعوّذ کی اجازت

حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وردو ظیفوں میں شیخ کی اجازت چاہئیے ورنہ ثواب تو مل جائے گا مگر اثر نہ ہوگا۔یہ حدیث اجازت شیخ کی اصل ہے۔
۲؎یعنی سورۃ فلق پڑھنے میں نہایت آسان ہے کہ مختصر سی سورۃ ہے اور بلائیں دفع کرنے میں تیر بہدف اور جامع ہے کیونکہ اس میں ہرمخلوق کی شر سے پناہ مانگ لی گئی ہے اور وظیفوں و دعاؤں میں جامع وظیفے و دعائیں بہتر ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ ممکن ہے اس سے دو سورتیں فلق و ناس مراد ہوں یعنی ایک کا ذکر فرما کر دونوں کی اجازت دی ہو کیونکہ سورۂ ناس سورۂ فلق کی ساتھی ہے واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو خوب ظاہر کرو ۱؎اور قرآن کے عجائبات کی پیروی کرو اس کے عجائب اس کے فرائض اور اس کے اسرار ہیں ۲؎	

۱؎ اے عالمو قرآن کریم کی لوگوں میں خوب اشاعت کرو اسے چھپا نہ رکھو جیسے یہود و نصاریٰ نے اصل توریت و انجیل چھپادی سورج چھپنے کے لیے نہیں نکلتا چمکنے کے لیے نکلتا ہے قرآن کو چمکنے دو بلکہ خود بھی چمکاؤ اعراب کے معنے ہیں ظاہر کرنا عربی میں حرکات یعنی زبر،زیر،پیش کو اسی لیے اعراب کہتے ہیں کہ اس سے کلمات کی فاعلیت مفعولیت وغیرہ ظاہر ہو کر عبارت کے معنے ظاہر ہوجاتے ہیں۔
۲؎یعنی غرائب سے مراد قرآنی متشابہات نہیں کیونکہ ان کی تاویلیں کرنا منع بلکہ مراد قرآنی احکام ہیں،جو بہت انوکھے اور نرالے ہیں یا فرائض سے مراد کرنے والے کاموں کے احکام ہیں اور حدود سے مراد نہ کرنے والی چیزیں یا فرائض سے مراد وراثت کے حصے ہیں اور حدود سے مراد باقی دیگر احکام ہیں یا فرائض سے مراد عام فہم معنے و احکام ہیں اور حدود سے مراد قرآنی اسرار ہیں یعنی قرآنی احکام اس کے معجزات اس کے وعدے وعید ہیں طلباء و عوام پر ظاہر کرو طلباء پر مدرسوں میں عوام پر مجلسوں اوروعظوں میں۔ قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن جیسے انسان کا ظاہر بدن ہے اور باطن قلب و روح،فرائض میں ظاہر کی طر ف اشارہ ہے،حدود میں باطن کی طرف۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے لیے علم نحو،صرف لغت بلاغت وغیرہ سیکھنا ضروری ہے کہ ان علموں کے بغیر قرآن کے ہر صفات ظاہر نہ ہوسکتے ہیں نہ کئے جاسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا نماز میں قرآن پڑھنا بیرون نماز کی تلاوت سے افضل ہے۱؎اور بیرون نماز قرآن شریف پڑھنا تسبیح و تکبیر پڑھنے سے بہتر ہے ۲؎اور تسبیح پڑھنا،خیرات سے	

بہتر ہے ۳؎ اور خیرات روزے سے افضل ہے ۴؎ اور روزہ آگ سے ڈھال ہے ۵؎	

۱؎ کیونکہ نماز میں تلاوت سے دو عبادتوں کا اجتماع ہے اور ایک عبادت سے دو افضل ہیں،نیز نماز میں جو یکسوئی ہوتی ہے وہ بیرون نماز میسر نہیں ہوتی،نیز نماز میں جو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے وہ بیرون نماز نصیب نہیں ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ دو عبادتوں کا اجتماع افضل ہے لہٰذا فاتحہ ختم وغیرہ بہترین چیز ہے کہ ان میں تلاوت و خیرات کا اجتماع ہوتا ہے یعنی یہ دو عبادتوں کا مجموعہ ہیں۔

۲؎ کیونکہ تسبیح و تہلیل قرآن کا جزء ہیں اور تلاوت میں کل قرآن ہے اور جزء سے کل افضل نیز قرآن میں وظیفہ بھی اور رب تعالٰی کے احکام بھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ سجدہ و رکوع و تشہد سے قیام افضل ہے کیونکہ قیام میں تلاوت قرآن ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ بیرون نماز تلاوت نماز کی تسبیح و تہلیل سے بھی افضل ہے۔

۳؎ یعنی اس خیرات سے بہتر ہے جو ذکر اللہ سے خالی ہو وجہ ظاہر ہے کہ صدقہ ہے ہمارا کام،تسبیح و تہلیل میں ہے رب کا نام، ہمارے کام سے رب کا نام افضل ہے چاہیئے کہ خیرات کے وقت اللہ کا ذکر بھی کیاجائے۔

۴؎ اس وجہ سے کہ صدقہ میں مال راہ خدا میں خرچ کرنا ہے اور روزے میں مال نفس کے لیے روکنا اور بچانا ہے کہ روزہ میں دوپہر کا کھانا بچ جاتا ہے اور مال بچانے سے خرچ کرنا راہ خدا میں بہتر۔بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ روزہ وہ بہتر جس میں بچا ہوا مال خیرا ت کردیا جائے یعنی جب نفلی روزہ رکھے تو دوپہر کا کھانا خیرات کردے تاکہ روزہ خیرات جمع ہو جائیں بلکہ روزہ میں ذکر اللہ زیادہ کرے تاکہ روزہ و تسبیح و تہلیل کا اجتماع نصیب ہو یا یہ وجہ ہے کہ روزہ میں اس صرف روزہ دار کا نفع ہے اور صدقہ میں دینے والے کا بھی اور فقیر کا بھی بھلااور لازم عبادت سے متعدی عبادت بہتر ہے۔خیال رہے کہ یہ فضیلت جزوی ہے ورنہ کلیۃً روزہ خیرات سے بہتر ہے لہٰذا یہ حدیث روزہ کے فضائل کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۵؎ جب روزہ جوان تمام عبادات میں سے آخر درجہ کی عبادت ہے اس کا یہ فائدہ ہے تو سوچ لو کہ اس سے اوپر والی عبادتوں کا کیا فائدہ ہوگا وہ ہمارے خیال و ہم سے وراء ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن اوس ثقفی سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کا بغیر قرآن کریم دیکھے تلاوت کرنا ہزار درجہ ہے ۱؎ اور قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا اس پر دو ہزار درجہ افضل ہے ۲؎	

۱؎ یعنی حفظ تلاوت قرآن کا ثواب دیگر عبادت سے ہزار گنا زیادہ ہے،اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی۔

۲؎ یعنی قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا ثواب دوسری عبادات سے دو ہزار گناہ زیادہ یا حفظ تلاوت سے دو ہزار حصہ زیادہ ہے کیونکہ قرآن کریم دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کی تلاوت بھی عبادت تو دیکھ کر پڑھنے والا دوہری عبادت کرتا ہے اور حفظ تلاوت کرنے والا ایک عبادت کرتا ہے۔خیال رہے کہ چند چیزوں کا دیکھنا عبادت ہے قرآن کریم کعبہ

معظّمہ،عالم دین کا چہرہ ،ماں باپ کو شفقت کی نظر سے دیکھنا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا تو بڑ ی ہی عبادت ہے کہ اس سے مؤمن صحابی بن جاتاہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ دل ایسے زنگ آلود ہوتے رہتے ہیں جیسے لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہوجاتا ہے ۱؎عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان دلوں کی صیقل کیا ہے ۲؎ فرمایا موت کی زیادہ یاد ۳؎اور قرآن کریم کی تلاوت ۴؎ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔	

۱؎ یعنی گناہوں دنیاوی الجھنوں میں مشغولیت ذکر محبوب سے غفلت و غیرہ دل کے زنگ کا سبب ہے یہ زنگ کبھی معمولی ہوتی ہے جو معمولی کوشش سے جاتی رہتی ہے اور کبھی بہت سخت کہ بہت کوشش کے بعد دور ہوتی ہے اور کبھی ناقابل دفع جیسے رین اور ختم کہا جاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتاہے:"كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔خیال رہے کہ یہاں "ھذہ القلوب"سے مراد عام انسانوں کے دل ہیں۔انبیائے کرام اور خاص اولیاءاللہ کے دل اس سے مستثنٰی ہیں۔جو ہمیشہ حفاظت الٰہی میں رہتے ہیں ان کے لیے ذکر موت اور تلاوت قرآن زیادتی نورانیت کے سبب ہیں۔

۲؎یعنی ہر چیز کی صفائی کے آلات الگ الگ ہیں اور ہر ایک کی پالش جدا گانہ ہے تو دلوں کی پالش و صفائی کس چیز سے ہوگی۔

۳؎کیونکہ موت کو یاد کرنے میں دل دنیا سے سرد ہوجاتا ہے آخرت کی طرف راغب ہو کر گناہوں سے متنفر اور نیکیوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے جو شخص روزانہ موت کو یاد کرلیا کرے اس کو درجۂ شہادت ملے گا اگرچہ طبّی موت سے مرے۔(شامی)اسی لیے زیارت قبوت سنت ہے تاکہ اس سے اپنی موت یاد آتی رہے، موت خاموش و اعظ ہے۔

۴؎کیونکہ قرآن گویا اپنے روحانی دیس کا خط ہے جو ہم پردیسیوں کو وہاں کی یاد دلاتا ہے اس دیس کی یاد اس جسمانی عارضی دیس سے دل سرد کردیتی ہے یہ بولتا ہوا واعظ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یاد موت کی کثرت دل کا زنگ دور کرتی ہے اور تلاوت مطلقًا خواہ زیادہ ہو یا کم یہ اثر کرتی ہے۔

روایت ہے حضرت ایفع ابن عبدالکلاعی سے ۱؎فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی کون سی سورۃ بہت بڑی ہے فرمایا"قل ھو اللہ احد"۲؎عرض کیا پھر قرآن کریم کی کون سی آیت بہت بڑی ہے ۳؎فرمایا آیۃ الکرسی،یعنی "اللہ لا الہ الا ھو	

الحی القیوم "۴؎عرض کیا یا نبی اللہ کس آیت کے متعلق آپ چاہتے ہیں کہ اس کی برکت آپ کو اور آپ کی امت کو پہنچے ۵؎فرمایا سورہ بقر کی آخری آیات ۶؎کہ وہ اللہ تعالٰی کی رحمت کے عرشی خزانے ہیں جو اللہ نے اس امت کو بخشے ان آیتوں نے دنیاو آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہ چھوڑی جو اپنے میں لے نہ لی ہو ۷؎(دارمی)	

۱؎ آپ کا نام ایفع ابن ناکور کلاعی ہے ذوالکلاع یمن کا مشہور قبیلہ ہے،شیخ نے فرمایا کہ آپ صحابی ہیں مگر مرقات نے فرمایا کہ آپ تابعی ہیں کیونکہ آپ یمن سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لیے روانہ ہوئے،راستہ میں تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

۲؎کیونکہ اس سورت میں رب تعالٰی کی توحید کا نہایت جامع اور مکمل بیان ہے اور کلام کی عظمت اس کے مضمون کی عظمت سے ہوتی ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ارشاد ہوا کہ سورۂ فاتحہ بڑی اعظم سورۃ ہے کہ وہاں اعظمیت اور لحاظ سے ہے کہ وہ بہت سے مضامین کی جامع ہے اور یہاں اعظمیت دوسری حیثیث سے غالبًا یہاں سوال بھی اسی اعظمیت کا تھا لہذا جواب سوال کے مطابق ہے۔

۳؎جس میں رب کی ذات و صفات کا مکمل و جامع بیان ہو،پہلے سورۃ کے متعلق سوال تھا اب آیت کے متعلق سوال ہے۔

۴؎آخر آیت "وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ"تک آیۃ الکرسی بہت ہی نافع آیت ہے اس کے فضائل حدوعد سے باہر ہیں۔

۵؎یہاں برکت سے مراد دائمی ثواب و فائدہ ہے جو کبھی ختم نہ ہو برکت برک بنا بمعنی بیٹھ جانا نہ ہٹنا۔

۶؎"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے آخر تک اور بہتر یہ ہے کہ "لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ" سے آخر تک پڑھا کرے ان خزانوں کا نزول عرش سے ہوا اور اس امت کے سواءکسی امت کو اس جیسی عظیم الشان نعمت نہ ملی۔

۷؎کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالٰی کی توحید ملکیت عامہ غفاری،ستاری وغیرہ صفات کا بھی اعلٰی بیان ہے اور جامع دعائیں بھی ہیں او ر رب تعالٰی کو بندے کا مانگنا بہت محبوب ہے یہ آیت عمومًا اور تہجد کی نماز میں خصوصًا پڑھنا چاہیئے اس کے بڑے فائدے دیکھے گئے ہیں۔

روایت ہے عبدالملک ابن عمیر سے مرسلًا ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کی دعا ہے ۲؎(دارمی،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎یہ حدیث مرسل اس لیے ہے کہ عبدالملک ابن عمیر تابعی ہیں،امام شعبی کے بعد کوفے کے قاضی رہے،بڑے عالم و متقی وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابی کا ذکر نہ کیا اسی کا نام ارسال ہے۔

۲؎ جسمانی خیالی اور روحانی تمام بیماریوں کی شفاء مطلق ہے بہت بیماریوں میں مختلف طریقوں سے استعمال کی جاتی ہیں۔اور بہت مفید ہوتی ہے تجربہ ہے ایمان و یقین شرط ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرمایا جو رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے اس کے لیے تمام رات عبادت کا ثواب لکھا جائے گا۱؎

۱؎ یہ حدیث اگرچہ حضرت عثمان پر موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ قرآنی سورتوں کے فضائل عقل سے نہیں معلوم ہوسکتے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان شریف سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں آخر آل عمران سے مراد آیت "اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" سے آخر تک ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تہجد کے لیے اٹھتے وقت بھی پڑھتے ہیں۔آسمان کے تاروں کو ملاحظہ فرماتے جاتے اور آیات پڑھتے جاتے۔بہتر یہ ہے کہ تہجد کے وقت اٹھنے پر بھی پڑھے اور نماز تہجد میں بھی مطلب یہ ہے کہ جو کوئی یہ آیتیں رات کے کسی حصہ میں خصوصًا تہجد میں پڑھتے تو اسے تمام رات نوافل پڑھنے کا ثواب ملے گا،سبحان اللہ! رب تعالٰی کی عطا ہمارے خیال سے وراء ہے۔

	روایت ہے حضرت مکحول سے فرماتے ہیں جو جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھے تو رات تک فرشتے اسے دعائیں کرتے رہتے ہیں۱؎(دارمی)

۱؎ یعنی حضرت مکحول شامی جومشہور تابعی ہیں،فرماتے ہیں کہ جو جمعہ کے دن میں پوری سورۂ آل عمران پڑھ لے،وہ فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق ہے دعاؤں سے مراد خاص دعائیں کیونکہ ان کی عام دعائیں تو ہر مسلمان کے لیے وقف ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے،یہ اگرچہ حضرت مکحول کا قول ہے مگر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

	روایت ہے حضرت جبیر ابن نفیر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے سورہ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے۱؎ جو مجھے اس کے عرشی خزانہ سے عطا ہوئیں لہذا انہیں سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ ۲؎ کہ یہ نماز اور باعث قرب الٰہی و دعا ہیں ۳؎(دارمی)مرسلًا ۴؎

۱؎ یعنی امن الرسول سے آخر سورۃ تک کی دو آیتیں عرشی خزانوں میں سے ہیں،خزانوں سے مراد رحمت کے معنوی خزانہ ہیں۔

۲؎ یعنی ان دونوں آیتوں کا ایک ایک کلمہ سیکھو اور سکھاؤ اسی لیے ھن جمع مونث ارشاد ہوا ورنہ دو آیتوں کے لیے ضمیر تثنیہ آنی چاہیئے تھی رب تعالٰی فرماتا ہے:"هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا "اور فرماتا ہے:"وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ

الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا"الخ۔عورتوں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ بمقابلہ مردوں کے عورتیں گناہ زیادہ کرلیتی ہی اس لیے یہ دوزخی زیادہ ہیں یعنی یہ دو آیتیں اپنے سارے گھر والوں کو سکھاؤ کہ ان کے سکھانے سے چھوٹے بچے جلد سیکھ جائیں گے کہ بچوں کا پہلا مکتب ماں کی گود ہے۔

۳؎ صلوۃ سے مراد یا تو استغفار ہے جیسے"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ"میں فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد ہے استغفار یا یہ مطلب ہے کہ نماز میں تلاوت کی جانے والی آیتیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ نماز یا خارج نماز ان آیات کے پڑھنے میں بہت فائدے ہیں ان میں دعاء بھی ہے قربت الٰہی بھی استغفار بھی اور ان سے نماز بھی ہوتی ہے کہ ان میں غفرانك بھی ہے اور والیک المصیر بھی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا ذریعہ ہے ایسی جامعیت دوسری آیات میں کم ہے معلوم ہوا کہ آیات کے فضائل کبھی ا ن کے مضامین کی اہمیت کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔

۴؎ کیونکہ جبیر ابن نفیر تابعی ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ صحابی کا ذکر نہ آیا،حاکم نے حضرت ابوذر سے مرفوعاً روایت کی تھوڑے فرق سے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت کعب سے کہ رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھا کرو ۱؎(دارمی)	

۱؎ ہود منصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی اور جمعہ میم کے پیش سے بھی ہے اورسکون سے بھی مگر قرآن کریم میں میم کے پیش سے ہے۔ اس سے معلوم ہو اکہ جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنا بہت برکتوں کا باعث ہے جیسے اسی دن سورۂ کہف کی تلاوت دفع بلاء کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن میں سورہ کہف پڑھے تواس کا نور ایمانی دو جمعوں کے درمیان چمکتا ہے ۱؎(بیہقی،دعوات الکبیر)۲؎	

۱؎ یہ چمک اس کے چہرے پر ہوگی یا دل میں زندگی میں یا قبر میں یا قیامت کے دن اور دو جمعوں کے درمیان سے مراد اتنی مدت اور اتنا وقت ہے جو شخص ہر جمعہ کو یہ پڑھ لیاکرے تو ان شاء اللہ ہمیشہ ہی منور ہے یہ سورۂ فتنہ دجال سے امان بھی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا بلکہ یہ نور ہی دجّال کی آفت سے بچنے کا ذریعہ ہوگا ان شاء اللہ۔

۲؎ یہ حدیث مختلف طریقوں اور مختلف عبارتوں سے حاکم،دارمی،نسائی،طبرانی بزاز نے بھی روایت کی۔

روایت ہے حضرت خالد ابن معدان سے ۱؎ کہ انہوں نے فرمایا نجات دینے والی سورہ پڑھا کرو جو الم تنزیل ہے ۲؎ مجھے خبر ملی ہے کہ ایک شخص یہ ہی سورہ پڑھتا تھا اس کے سواء کچھ نہ پڑھتا تھا ۳؎ اور وہ تھا بڑا گنہگار تو اس سورۃ نے اس کے اوپر اپنے پر پھیلا دیئے بولی یا رب	

اسے بخش دے ۴؎ کیونکہ یہ میری بہت تلاوت کرتا تھا رب تعالٰی نے اس کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی ۵؎ اور فرمایا اس کے لیے ہر گناہ کے عوض نیکی لکھو اور درجہ بلند کرو ۶؎ راوی نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑے گی کہے گی الٰہی اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کرے اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اس سے مٹا دے ۸؎ اور وہ پرندے کی طرح ہوجائے گی کہ اس پر اپنے پر پھیلا دے گی ۹؎ اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ اسے عذاب قبر سے بچالے گی اور سورہ ملک کے بارے میں اسی طرح فرمایا ۱۰؎ اور حضرت خالد اسے بغیر پڑھے نہ سوتے تھے حضرت طاؤس نے فرمایا یہ دونوں سورتیں قرآن کی تمام سورتوں پر ساٹھ گنا بزرگی رکھتی ہیں ۱۱؎ (دارمی)

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں، ستر صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے، ثقہ ہیں، عالم ہیں۔(اشعہ)

۲؎ یہ سورۃ دنیاوی آفات عذاب قبروحشر سے نجات کا ذریعہ ہے اس لیے اسے منجیہ کہتے ہیں جب قرآنی سورۃ کو منجیہ کہنا درست ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منجی یعنی نجات دہندہ کہا جاسکتاہے۔

۳؎ یعنی صرف اس سورہ کا وظفیہ کرنا اس کے سوائے اس کا کوئی ورد وظفیہ نہ تھا۔

۴؎ یعنی جب وہ قبر میں گیا تو یہ سورت پرندے کی شکل میں نمودار ہوئی اور اس پر اپنے پروں کا سایہ کرلیا تاکہ اس شخص پر عذاب نہ آسکے ظاہر یہ ہے کہ یہ خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دی ہو بعض صحابہ سے بعض گناہ سرزد ہوئے ہیں مگر ان میں فاسق کوئی نہیں گناہ اور ہے فسق کچھ اور۔

۵؎ یعنی اس شفاعت کی برکت سے عذاب قبر دفع ہی ہوگیا۔اولًا تو اس نے عذابِ قبر سے بچایا پھر دفع کیا۔

۶؎ یعنی اس کے نامۂ اعمال سے سارے گناہ مٹا دواور ہر گناہ پر نیکی کا ثواب دو یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ ہٹا کر یہ لکھ دو کہ اس نے نیکیاں کیں کہ یہ تو جھوٹ ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ"۔بادشاہ خوش ہوتے ہیں تو گالی پر انعام دے دیتے ہیں گاہے بدشنام خلعت دہند،لہٰذاحدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ خطیئۃٌ سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں نہ کہ حقوق العباد،لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ الٓمّ تنزیل پڑھنے والا لوگوں کے مال مارے چوری ڈکیتی کرتا رہے اور اس کو ان جرموں پر ثواب ملے۔

ے اور اس کی قبر میں وسعت،نور کردے،اور اسے سوالات نکیرین میں کامیاب فرمادے،کیونکہ یہ مجھے بہت تلاوت کرتا تھا آج اس کا پھل اسے دے۔

۸؎ یعنی مجھے لوح محفوظ سے مٹادے یا قرآنی اوراق سے یا اس کے سینے سے نکال دے۔یہ ناز کی عرض و معروض ہے جیسے ناز پرورده غلام اپنے آقا سے کہے کہ اگر میں تیرا غلام ہوں،تو میری بات مان ورنہ مجھے فروخت فرمادے،یا بیٹا باپ سے عرض کرے کہ اگر میں آپ کا فرزند ہوں تو میرے حق کا لحاظ فرمادیں،اگر نہی ہوں تو مجھے اپنے گھر سے باہر نکال دیجئے،لہذا یہ اگر مگر شک و تردد کے لیے نہیں۔

۹؎ یعنی جیسے مرغی یا چڑیا اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے جس سے بچوں تک باہر کی تکلیف نہیں پہنچنے پاتی،ایسے ہی یہ سورۃ اپنے عامل کو قبر و قیامت میں اپنے پروں میں لے لے گی جس سے اس شخص تک گرمی،وحشت،دہشت وغیرہ نہ پہنچ سکے گی۔

۱۰؎ حضرت خالد ابن معدان نے سورہ ملک کے فضائل بھی تقریبًا ایسے ہی بیان کئے۔

۱۱؎ یعنی بعض خصوصی فائدوں میں دوسری تمام سورتوں سے ساٹھ گنا زیادہ ہیں،یا بعض حالات میں ان کی تلاوت دوسری سورتوں کی تلاوت سے ساٹھ گنا زیادہ مفید ہو جیسے نماز وتر میں"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"اور"قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ"اور"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھنا بہت بہتر ہے اور جمعہ کی فجر میں سورۃ سجدہ اور سورۂ دھر کی تلاوت افضل ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے فضائل تو بہت ہیں۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شروع دن میں سورہ یٰس پڑھ لے اس کی تمام ضرورتیں پوری ہوں گی ۲؎ (دارمی مرسلًا)	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی بے مثل عالم اور بے نظیر فقیہ تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بڑا تو کیا ان جیسا عالم وفقیہ نہ دیکھا،سیا رنگ،ایک آنکھ،چپٹی ناک،ایک ہاتھ شل تھا،پاؤں سے لنگڑے تھے،آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے،اٹھاسی سال عمر پائی ۱۱۵ھ میں وفات ہوئی،امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں اگر علم نسب یا دوسری خصوصیات سے ملتا تو عطاء کو نہ ملتا کہ ان میں کوئی ظاہر خصوصیت نہ تھی مگر علم کے خزانے ان کے سینے میں تھے پاک ہے وہ جس کی عطاء کسی کے کمال پر موقوف نہیں۔شعر

داد حق را قابلیت شرط نیست　　　　بلکہ شرط قابلیت داد اوست

آپ نے حضرت ابن عباس،ابوہریرہ،ابوسعید خدری،جابر ابن عمر،عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے احادیث لیں اور ان سے فیوض حاصل کئے۔

۲؎ بعض بزرگ نماز فجر کے بعد سورہ یٰس کی تلاوت کرتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے،یہ عمل نہایت مجرب ہے اس کا عامل ان شاءاللہ کبھی فقر و فاقہ یا دیگر آفات میں نہ پھنسے گا۔دفع حاجات کے لیے یہ سورہ اکسیر ہے۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار مزنی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رضائے الٰہی کے لیے سورہ یٰس پڑھے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱؎ لہذا اسے مرنے والے کے پاس پڑھا کرو۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ سورۃ یٰس کااخروی فائدہ ہے بعض اس کی تلاوت کرنے والا دنیاوی آفات سے محفوظ رہے گا اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ان شاءاللہ کبیرہ گناہ بھی۔(مرقات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں موتی سے مراد وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہو،قریب الموت ہو،ایسی حالت میں سورہ یٰس تلاوت کرنے کا عام رواج ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے،چونکہ اس سورۃ سے مشکل بھی حل ہوتی ہے اورگناہ بھی معاف،اس لیے اس وقت سورۂ یٰس پڑھنا نہایت مناسب ہےاور ہوسکتا ہے کہ موتی سے مراد میت ہی ہو،یعنی قبر پر یا دفن سے پہلے سورہ یٰس پڑھا کرو پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں(لمعات و مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورۂ بقر ہے ۱؎اور ہر چیز کا ایک خلاصہ ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصّل ہے ۲؎(دارمی)

۱؎ یعنی اونٹ کا حسن اونچے کوہان سے ہے مسجد کا حسن اونچے میناروں سے ہے اور قرآن کا حسن سورۃ بقرہ سے ہے کہ اکثر احکام شرعیہ اسی سورۃ میں ہیں،اور آیات جہاد بھی اسی سورۃ میں ہیں اور جہاد سے اسلام و قرآن سب ہی کی بقاءہے،نیز یہ سورۃ تمام سورتوں سے بڑی ہے۔

۲؎سورۂ **حجرات** سے **والناس** تک کو مفصّل کہتے ہیں،اس کے تین حصے ہیں **حجرات** سے **بروج** تک طوال مفصّل ہے اور **بروج** سے **لم یکن** تک اوساط اور **لم یکن** سے **والناس** تک قصار۔مرقات نے فرمایا کہ بقیہ قرآن کے مضامین توریت و انجیل کے مضامین کے مشابہ ہیں،مگر مفصل کے مضمون بے مثال ہیں،ایسے ہی مفصل ہیں اکثر ان مضامین کی تفصیل کر دی گئی ہے،جو بقیہ قرآن میں اجمالًا مذکور ہوئے،اس لیے اسے خلاصہ قرآن فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اور قرآن کی زینت سورہ رحمٰن ہے ۱؎

۱؎ چند وجہ سے سورۂ رحمان کو قرآن کی دلہن،زینت،فرمایا گیا اس سورۃ میں اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کا ذکر ہے اور ذات و صفات پر اعتقاد ایمان کی زینت ہے اس سورۃ میں جنت کی حوروں ان کے حسن و جمال ان کے زیورات کا ذکر ہے۔یہ چیزیں جنت کی زینت ہیں،اس سورۃ میں آیۃ کریمہ "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" ستائیس جگہ ارشاد ہوا اس سے سورۃ

کی زینت زیادہ ہوگئی۔خیال رہے کہ عربی میں عروس دولہا کو بھی کہتے ہیں اور دلہن کو بھی یہ عرس سے بنا ہے،بمعنی شادی بارات،چونکہ دولہا دلہن کو نہایت آراستہ پیراستہ کیا جاتا ہے اس لیے پھر یہ لفظ بمعنی زینت و زیبائش استعمال ہونے لگا۔یہاں اسی مجازی معنے میں ارشاد ہوا ہے،جنت میں رب تعالٰی سورۂ رحمان کی تلاوت فرمائے گا جنتی سنیں گے،اس سننے سے جو لذت و سرور حاصل ہوگا،وہ بیان بلکہ گمان سے وراء آج اچھے قاری کی تلاوت سن کر لوگ لوٹ پوٹ ہوجاتے ہیں،تو رب تعالٰی کی تلاوت کیسی ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے تو اسے فاقہ کبھی نہ ہوگا[1] حضرت ابن مسعود اپنی لڑکیوں کو حکم دیتے تھے کہ ہر رات یہ پڑھا کریں[2] یہ دونوں حدیثیں،بیہقی،شعب ایمان میں مروی ہیں۔	

۱؎ بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویلیں کی ہیں کہ اسے فاقہ میں بے صبری نہ ہوگی یا اسے توکل نصیب ہوگا یا اسے دلی فاقہ یعنی عبادت سے غفلت نہ ہوگی،مگر حق یہ ہے کہ حدیث ظاہر پر ہے سورۂ واقعہ ہر رات پڑھنے والا فقرو فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔یہ عمل بہت مجرب ہے،اللہ تعالٰی نے بعض سورتوں،آیتوں میں دنیاوی فائدے بھی رکھے ہیں تاکہ لوگوں کو تلاوت قرآن کی رغبت ہو مختلف آیتوں میں مختلف دنیاوی تاثیریں بھی رکھی گئی ہیں،(لمعات)

۲؎ تاکہ تلاوت کا ثواب بھی پائیں اور فقرو فاقہ سے محفوظ بھی رہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی نفع و اثر کے لیے بھی قرآن پاک پڑھنا جائز ہے،ہاں ناجائز مقاصد کے لیے قرآن کریم پڑھنا یا کوئی عمل کرنا جرم ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات اور دوسری دعائیں بیماروں پر استعمال فرماتے تھے شفا کے لیے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ سے محبت کرتے تھے سبح اسم ربك الاعلی[1] (احمد)	

۱؎ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں یہ ہی سورۃ پڑھتے تھے،ویسے بھی اس کی تلاوت زیادہ کرتے تھے اس لیے کہ اس سورۃ میں حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام اور ان کے صحیفوں کا بھی ذکر ہے اور مشکلات آسان کرنے کا بھی وعدہ ہے جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ فتح دنیا و مافیہا سے زیادہ پیاری ہے کہ اس میں فتح مکہ کا وعدہ ہے،مغفرت کی بشارت ہے،مرقات میں اس جگہ فرمایا کہ انسان اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ میں اپنے نفس کا حساب لے کہ میں نے آج کتنے جرم کئے اور کیوں کئے دوسرے حصے میں اللہ تعالٰی کی صنعتوں میں غور کرے،تیسرے حصے میں تلاش معاش کرے اس سورۃ میں یہ تینوں چیزیں صراحۃً یا اشارۃً مذکور ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قرآن	

	سکھایئے ۱؎ فرمایا الر والی تین سورتیں پڑھا کرو ۲؎ عرض کیا میری عمر بہت ہوچکی دل سخت اور زبان موٹی ہوچکی ۳؎ فرمایا تو حمٓ والی تین سورتیں پڑھا کرو ۴؎ تو اس نے پھر وہ ہی عذر کیا پھر وہ بولا یا رسول اللہ مجھے کوئی جامع سورۃ سکھایئے ۵؎ تو اسے رسول اللہ نے سورۃ اذا زلزلت پڑھائی حتی کہ اس سے فارغ ہوگئے ۶؎ وہ شخص بولا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس پر کبھی کچھ زیادتی نہ کروں گا ۷؎ اس نے پیٹھ پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب بامراد ہوگیا ۸؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی تلاوت قرآن کی اجازت دیجئے یا قرآنی ورد وظیفے بتایئے جو میں پڑھا کروں،یہ مطلب نہیں کہ مجھے قرآنی الفاظ کے ہجے یارواں کرنا سکھایئے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہورہاہے۔

۲؎ یعنی جن سورتوں کے اول میں الف،لا،را ہے ان میں سے تین سورتیں روزانہ پڑھ لیا کرو،بہت فوائد دیکھو گے۔

۳؎ یعنی یہ سورتیں ہیں لمبی اور بڑھاپے کی وجہ سے میرا دل قابو میں ہے نہ زبان،زیادہ لمبے ورد نہیں پڑھ سکتا بہت زیادہ تلاوت نہیں کرسکتا۔

۴؎ یعنی اگر الر والی دراز سورتیں روزانہ نہیں پڑھ سکتے،تو حم والی سورتیں پڑھ لیا کرو کہ یہ ان سے چھوٹی ہیں۔

۵؎ یعنی ایسی سورۃ بتایئے،جو پڑھنے میں آسان ہوں،الفاظ میں مختصر ہو،فوائد میں جامع ہو کہ بڑی بڑی سورتوں کے فضائل وفوائد رکھتی ہو،جامع سے یہ ہی مراد ہے۔

۶؎ یعنی اس سے یہ سورت سنی اور سن کر اس کے ورد کی اجازت دے دی،حضرات صوفیاء دلائل الخیرات شریف وغیرہ وظیفے مریدوں کو سکھاتے ہیں،پھر ان سے سنتے ہیں،پھر ان کی اجازت دیتے ہیں جس سے ان کی تاثیر بہت زیادہ ہوجاتی ہے،اس سننے اور اجازت دینے کی اصل یہ حدیث بھی ہے کہ اس شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذا زلزلت کے عمل کی اجازت لی،حضور علیہ السلام نے اسے اجازت مرحمت فرمائی کلام کے اثر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی چاہیئے،کارتوس کی طاقت کے ساتھ رائفل کی قوت بھی ضروری ہے۔

۷؎ یعنی صرف اسی سورت کا وظیفہ کیا کروں گا اگرچہ تلاوت سارے قرآن شریف کی کیا کروں گا یہ مطلب نہیں کہ سوائے اسی سورت کے اور کوئی آیت یا سورۃ کبھی نہ پڑھوں گا کہ یہ تو غلط ہے،نماز میں الحمد شریف پڑھنا واجب ہے اور اس کے بعد سورتیں بدل کر پڑھنا بھی ضروری ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مرید شیخ کے بتائے ہوئے ورد وظیفے میں نہ تو زیادتی کمی کرے نہ تبدیلی کرے ورنہ اثر نہ ہوگا۔

۸؎ سورۃ اذا زلزلت فضائل و فوائد کے لحاظ سے بھی جامع ہے اور احکام مسائل شریعت و طریقت میں جامع ہے اس کی ایک آیت میں دونوں جہاں جمع ہیں"فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ"۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو جامعہ فاذّہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہر شخص کے آئندہ کے عمل اور اس کے خاتمہ کو جانتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس شخص کے متعلق دو خبریں دیں:ایک یہ کہ اسے اس عمل کے نبھانے کی توفیق ملے گی،دوسرے یہ کہ اس کا انجام بخیر ہوگا۔کیونکہ کامیابی انہیں چیزوں پر موقوف ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تمہارا کوئی یہ کرسکتا کہ روزانہ ہزار آیتیں پڑھ لیا کرے لوگ بولے روزانہ ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے۱؎ فرمایا کیا کوئی یہ نہیں کرسکتا الھکم التکاثر پڑھ لیا کرے۲؎ بیہقی شعب الایمان۔

۱؎ یعنی ایک دو دن تو آدمی تمام کام بند کر کے ایک ہزار آیتیں پڑھ سکتا ہے،روزانہ نہیں پڑھ سکتا۔ورنہ دوسرے کاموں کے لئے وقت نہ ملے گا ہم لوگ کاروبار بھی کرتے ہیں۔

۲؎ کہ اس کی تلاوت میں ایک ہزار آیتوں کا تلاوت و عمل کا ثواب ہے،قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیتیں ہیں،کسر کو نکالو تو چھ ہزار آیات رہتی ہیں،اور مقاصد قرآن چھ ہیں،جن میں سے ایک ہے آخرت کی پہچان یہ سورۃ تکاثر میں موجود ہے،اس لئے یہ سورۃ گویا قرآن کریم کا تقریبًا چھٹا حصّہ ہے،اس میں غور کرنے سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے آخرت میں رغبت،جس سے نفس گناہوں سے متنفر اور نیکیوں میں راغب ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے ارسالًا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو قل ھو اللہ احد دس۱ بار پڑھے اللہ اس کے لیے جنت میں محل تیار کرے گا اور جو بیس بار پڑھے اللہ اس کی برکت سے جنت میں دو محل بنائے گا اور جو اسے تیس بار پڑھے اللہ اس کی برکت سے جنت میں تین محل تیار کرے گا ۱؎ حضرت عمر ابن الخطاب نے عرض کیا یارسول اللہ تب تو اللہ کی قسم ہم اپنے محل بہت بنوالیں گے ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس سے بھی زیادہ وسعت والا ہے۳؎ (دارمی)

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ ہر دس بار پر ایک بے مثل محل کا عطیہ ہے،یہ تکرار اس لیے مذکور ہوئی کہ کوئی شخص یہ نہ خیال کر لے کہ محل کی عطا صرف پہلے دس بار پر تو ہے،بعد میں نہیں،وسعت عطا ظاہر فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ جتنے دہا کے"۱ پڑھو گے اتنے ہی محل پاؤ گے۔

۲؎ یہ عرض معروض تعجب کے طور پر ہے کہ اگر رب کی عطا کا یہ حال ہے تو ہم میں سے ہر شخص خوب تلاوت سورۂ اخلاص کیا کرے گا اور خوب محل بنوائے گا۔

۳؎ یعنی اے عمر تم اس عطاء پر تعجب نہ کرو،رب کی جنت بہت وسیع ہے اور اس کی عطاء بہت زیادہ اگر تمام انسان ایمان لاکر ہزارہا بار روزانہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کیا کریں تو ہر ایک کو اسی حساب سے جنتی محل عطا فرمائے گا اور اس کے خزانوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کی عطا کے مظہر اتم ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعہ پر معمولی خدمت پر جنت بخش دی۔شعر

ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری	جھولیاں کھولے ہوئے یونہی نہ دوڑے آتے

روایت ہے حضرت حسن سے ۱؎ ارسالًا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک رات میں سو آیتیں پڑھے تو قرآن شریف اس رات کے متعلق اس سے خصومت نہ کرے گا ۲؎ اور جو رات میں دو سو آیتیں پڑھے تو اس کے لیے تمام رات کی عبادت لکھی جائے گی اور جو رات میں پانچ سو سے ہزار آیتوں تک پڑھے تو اسے صبح ہونے پر ثواب کا ڈھیر ملے گا عرض کیا ڈھیر کتنا فرمایا بارہ ہزار ۳؎ (دارمی)	

۱؎ محدثین جب حسن مطلق بولتے ہیں،تو حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ مراد ہوتے ہیں جو جلیل القدر تابعی ہیں۔

۲؎ قیامت میں قرآن شریف کی ایک شکل وصورت ہوگی وہ اپنے عاملوں کی شفاعت اور غافلوں کی شکایت کرے گا قرآن کریم کی دو شکایتیں ہوں گی: ایک تو اس کے خلاف عمل کرنے والے کی،دوسرے اس حافظ کی جو قرآن کریم کا دور نہ کرے حتی کہ اسے بھول جائے یہاں دوسری شکایت کا ذکر ہے یعنی جو حافظ ہر شب سو آیتیں تلاوت کرلیا کرے تو قرآن کریم اس حافظ کی یہ شکایت نہ کرے گا،لہذا حدیث بالکل واضح ہے،بلاوجہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں،قرآن سے یہ ہی قرآن مراد ہے جو ہم پڑھا کرتے ہیں اور شکایت سے ظاہری شکایت ہی مراد ہے۔

۳؎ بارہ ہزار درہم یا دینار،یا بارہ ہزار اوقیہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔اور ایک اوقیہ آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ وسیع۔غرضکہ رب تعالٰی کی عطا ہمارے فہم وسمجھ سے وراء ہے۔(مرقات وغیرہ)عربی میں قنطار بہت مال کو کہتے ہیں رب تعالٰی نے فرمایا:"وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا"۔

باب

باب آدابِ تلاوت ا

الفصل الاول

پہلی فصل

امشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف باب ہے یعنی قرآن کریم کے متعلق متفرق مسائل کا باب اور بعض نسخوں میں"باب اداب التلاوۃ"ہے اور بعض نسخوں میں ہے"باب اداب التلاوۃ ودرس القرآن"۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نگرانی رکھو ا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قرآن رسی میں بندھے اونٹ سے زیادہ بھاگ جانے والا ہے ۲(مسلم،بخاری)

اتعاهد عہد سے بنا،بمعنی حفاظت و نگرانی ومضبوط وعدے کو بھی اسی لیے عہد کہتے ہیں کہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے،قرآن شریف کی نگرانی کرنے سے مراد ہے اس کا دور کرتے رہنا،اس کی تلاوت کی عادت ڈالنا،خصوصًا حافظ صاحبان کے لیے ظاہر یہ ہے کہ قرآن سے مراد الفاظ قرآن،معانی قرآن علوم قرآن اور مسائل قرآن سب ہی ہے یعنی حفاظ اپنے حفظ کی،قاری صاحبان تجوید کی،علماءعلوم قرآنیہ کی تجدید و تکرار کرتے رہیں،ورنہ بھول جانے کا اندیشہ ہے۔
۲ عقل عین وقاف کے پیش سے ہے عقال کی جمع،بمعنی رسی جس سے جانور باندھا جاوے،یہاں فی بمعنی من ہے یعنی جیسے اونٹ کو باندھنے کے باوجود اس سے غافل نہیں ہوتے اسی لیے قرآن شریف حفظ کرنے کے باوجود اپنے یاد پر اعتماد نہ کرو،یہ بہت جلد بھول جاتا ہے کیوں نہ ہو کہ کلام الٰہی قدیم اور ہم حادث، ہم کو اس سے نسبت ہی کیا ہے یہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے کہ ہم اسے سیکھ لیتے ہیں اور یہ ہمارے ذہنوں میں سما جاتا ہے تو ہماری ذرا سی غفلت اور لاپرواہی سے یہ نعمت ہم سے جاتی رہے گی پان والے ہمیشہ پان کے ڈھیر کو لوٹتے پلٹتے رہتے ہیں،تو قرآن والے ہمیشہ اس کی لوٹ و پلٹ رکھیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا یہ کہنا برا ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا بلکہ وہ بھلادیا گیا ا اور قرآن یاد کرتے رہو کیونکہ قرآن لوگوں کے سینوں سے وحشی جانور سے بھی زیادہ بھاگ جانے والا ہے

	۲؎(مسلم،بخاری)اور مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ اپنی رسی سے۔

۱؎یعنی اگرکسی شخص کو قرآن شریف یا کوئی یاد کی ہوئی سورۃ یا آیت یاد نہ رہے،تو یہ نہ کہے کہ میں بھول گیاکیونکہ اس میں اپنے گناہ کا اعلان ہے اور قرآن شریف کی بے ادبی،اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ میں نے قرآن شریف سے لاپرواہی برتی کہ اسے چھوڑ دیا،اسی لیے بھول گیا،یہ عیب کفار کا ہے"اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى"بلکہ یوں کہے کہ مجھ رب تعالٰی کی طرف سے بھلا دیا گیا،اس کلام میں اظہار حسرت ہے یعنی ہائے افسوس میں اس نعمت سے محروم کردیا گیا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ"۔بجائے اعلان گناہ کے اظہار حسرت کرے کہ اعلان گناہ بھی گناہ ہے اور اظہار حسرت ثواب۔خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشا دہوا"رجل اُوتی اٰیۃً فَنَسِیَهَا"یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایک آیت کی تلاوت کرتے سنا تو فرمایا"لَقَدْ اَذْکَرَنِیْ اٰیَۃً کُنْتُ اسْقَطْتُهَا"۔اس جملے کی اور کئی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہترین ہے۔

۲؎یعنی جیسے شکاری جانور کا وطن جنگل ہے وہ تمہاری قید میں جب تک ہی رہے گا جب تک کہ تم اس کی نگرانی رکھو،یوں ہی قرآن کریم کا وطن عالم بالا ہے وہ تمہارے ذہنوں میں جب تک ہی محفوظ رہے گا جب تک کہ تم اس کی نگہبانی کرتے رہو ورنہ یہ چڑیا اس پنجرے سے اڑ جائے گی۔یہ تجربہ بھی ہے کہ بڑے سے بڑا حافظ یا عالم اگر کچھ دن یہ مشغلہ نہ رکھے تو بھول جاتا ہے اسی لیے علامہ شامی نے فرمایا کہ قاضی کو کچھ روز بعد کتب بینی کے لیے چھٹی دی جائے تاکہ علم قرآن شریف بھول نہ جائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن والے کی مثال بندھے اونٹ والے کی سی ہے اگر اس کی نگہبانی کرے گا تو اسے روک لے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو بھاگ جائے گا۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اونٹ تو مضبوط رسی سے کھونٹے پر رہتا ہےاور قرآن شریف ہمیشہ دور کرنے اور تکرار کرتے رہنے سے ذہن میں ٹھہرتا ہے،پھر جیسے اونٹ اگر ٹھہر جائے تو بڑے فائدے پہنچاتاہے،سواری،باربرداری،گوشت،دودھ،نسل،اون وغیرہ سب ہی دیتا ہے ایسے ہی قرآن اگر ذہن میں ٹھہر جائے تو ایمان،عرفان رضائے رحمان وغیرہ سب کچھ اسی سے میسر ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک تمہارا دل لگے قرآن پڑھتے رہو۱؎پھر جب ادھر ادھر ہونے لگو تو اس سے اٹھ جاؤ ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ قاعدہ ان خوش نصیب لوگوں کے لیے ہے جن کو قرآن شریف کی تلاوت میں لذت اور حضور قلب میسر ہوتا ہے اور کبھی زیادہ تلاوت کی وجہ سے دل اکتا جاتا ہے،وہ دل لگنے تک پڑھتے رہیں مگر وہ شخص جس کا دل تلاوت میں لگتا ہی نہ ہو وہ دل کو مجبور کرکے تلاوت کرے دل نہ لگنے کے عذر سے تلاوت چھوڑ نہ دے پہلے کچھ دن دل پر جبر کرنا پڑے گا پھر ان شاءاللہ دل لگنے لگے گا جیسا کہ تجربہ ہے۔

۲؎ یعنی کچھ دیر کے لیے تلاوت بند کردو حتی کہ وہ حالت جاتی رہے تمام عبادات کا یہی حال ہے کہ دل لگاکر ادا کرو۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں حضرت انس سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کیسی تھی ۱؎ تو فرمایا مد سے تھی کھینچ کر پھر آپ نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ بسم اللہ کو کھینچتے تھے پھر رحمان کو اور رحیم کو کھینچتے تھے ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ تلاوت فرماتے تھے،ٹھہر ٹھہر کر یا جلدی اور تیزی سے تاکہ ہم بھی اسی طرح تلاوت کیا کریں۔معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کریم میں بھی سنت کا لحاظ رکھے۔کوشش کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تلاوت کرے کیونکہ طریقہ تلاوت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی ہی نے سکھایا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡاٰنَهٗ"۔

۲؎ یہاں مد سے مراد اصلی وطبعی مد ہے کہ اگر الف،ی واو ساکن کو قدرے کھینچ کر نہ پڑھا جائے تو یہ حروف ادا نہیں ہوتے بلکہ زبر،زیر،پیش بن جاتے ہیں اسے مد اصلی کہتے ہیں ایک مد فرعی ہوتا ہے جس کے سبب دو ہیں یا تو ان ہی حروف یعنی الف ی و کے بعد ہمزہ آجائے یا حرف ساکن خواہ مشدد ہو یا غیر مشدد،تو انہیں کھینچ کر پڑھنا پڑتا ہے جیسے لام،میم،نون،کے الف ی واؤ یا دواب یا ضالین کے آ۔یا اسرائیل کا الف ہمزہ خواہ ایک ہی کلمہ میں ان حروف کے بعد واقع ہو جیسے السّماءُ،السُّوْءُ،جَيئَ یا دوسرے کلمہ میں جیسے مآ انزل،قالوا امنا وغیرہ مدّ کی پوری تحقیق کتب تجوید میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کو جتنا خوش الحانی سے تلاوت قرآن کا حکم دیا اتنا کسی اور چیز کا نہ دیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نبی کریم سے مراد تمام انبیائے کرام ہیں اور قرآن سے مراد تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں یعنی اللہ تعالٰی نے اپنے نبیوں کو جس قدر تاکیدی حکم اس کا دیا کہ اپنی کتب آسمانی خوش الحانی سے پڑھیں اتنا تاکیدی حکم اور دوسری چیزوں کا نہ دیا اور ممکن ہے کہ نبی سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور قرآن سے مراد یہ ہی قرآن

شریف ہو یعنی اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا تاکیدی حکم یہ دیا کہ قرآن کریم خوش الحانی سے تلاوت کریں اتنا تاکیدی حکم دوسرا نہ دیا کیونکہ خوش الحانی قرآن کریم کی زینت ہے جس سے قرآن کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کسی چیز کا اتنا حکم نہ دیا جتنا نبی کو خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا۱؎	

۱؎اس کی شرح ابھی اوپر والی حدیث میں گزرگئی،تغنی بالقرآن کے معنے ان شاءاللہ ابھی اگلی حدیث میں عرض کیے جائیں گے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۱؎(بخاری)	

۱؎ **یتغن** یا تو **غناءٌ** سے بنا ہے بمعنی خوش الحانی اور اچھے لہجے سے پڑھنا یا **غنا** سے بنا بمعنی بے پرواہی بے نیازی یعنی جو شخص قرآن شریف خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے ۔معلوم ہوا کہ بری آواز والا بھی بقدر طاقت عمدگی سے قرآن شریف پڑھے کہ خوش آواز ہی قرآن کریم کا زیور ہے،جس سے تلاوت میں کشش پیدا ہوتی ہے لوگوں کے دل مائل ہوتے ہیں۔اس لیے یہ تبلیغ کا ذریعہ ہے یا جسے اللہ قرآن کا علم دے اور وہ لوگوں سے بے نیاز نہ ہوجائے بلکہ اپنے کو ان کا محتاج سمجھے وہ ہمارے طریقہ یا ہماری جماعت سے خارج ہے عالم صرف اللہ رسول کا محتاج ہے اور باقی مخلوق عالم دین کی حاجت مند ہے،اس لیے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھ کر بھیک مانگنا یا علما کا مالداروں کے دروازوں پر ذلت سے جانا ممنوع ہے،اللہ تعالٰی علمائے دین کو کفایت بھی دے قناعت بھی۔(از لمعات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ منبر پر تھے میرے سامنے تلاوت کرو۱؎میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے کیا پڑھوں آپ پر ہی تو قرآن اترا ہے ۲؎ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے سنوں۳؎میں نے سورۂ نساء پڑھی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچ گیا کہ کیا ہوگا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے ۴؎فرمایا اب بس کرو میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشک بار تھیں۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی تم قرآن پڑھو میں سنو۔شعر

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید از حدیث دیگراں

معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھنا،پڑھوانا،سننا،سنانا سب عبادات اور سنت رسول ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پڑھوانا نہ تو تعلیم کی لیے تھا نہ اصلاح کے لیے بلکہ صرف سننے کے لیے تھا۔

۲؎ یعنی حضور آپ کو تو حضرت جبریل قرآن سناتے ہیں تو میری کیا حقیقت ہے،یا قرآن کریم حکمت ہے حضور حکیم ہیں،جنہیں اللہ عزیز حکیم نے سکھایا،حکمت حکیم کے منہ سے سجتی ہے،میرا حضور کے سامنے پڑھنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔

۳؎ کیونکہ قرآن پڑھنا بھی عبادت ہے اور دوسرے سے پڑھواکر سننا بھی،پہلی عبادت تو ہم کرتے رہتے ہیں،آج چاہتے ہیں کہ دوسری عبادت بھی ادا کریں،عرب شریف میں اب بھی دستور ہے کہ جہاں چند احباب جمع ہوتے ہیں تو وہاں ایک دوسرے سے قرآن شریف سنتے ہیں،یہ اس حدیث پر عمل ہے۔

۴؎ یعنی اے محبوب قیامت کے دن ان کفار کا کیا بنے گاجب کہ ان کے انبیاء ان کے خلاف گواہی دیں گے اور اے محبوب تم ان تمام انبیاء کی تائیدی گواہی دو گے کہ مولٰی یہ سارے انبیاء سچے ہیں ان کی قوموں نے واقعی بہت سرکشی کی تھی اپنے نبیوں کی بات نہ مانی تھی،اس آیت کریمہ کی نفیس تفسیر ہماری کتاب "شان حبیب الرحمان"اور "تفسیر نعیمی"میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی یا تو ہیبت الٰہی سے قیامت کے اس مقدمہ کے تصور سے یا اپنی امت پر رحمت کی وجہ سے۔مرقات نے فرمایا کہ اس آیت پر بعض لوگ بے ہوش ہوگئے اور بعض حضرات مر بھی گئے۔معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھ کر یا سن کر رونا سنت ہے بشرطیکہ بناوٹ سے نہ ہو۔بیہقی شریف میں ہے کہ قرآن کریم غم و رنج لیے ہوئے آیا ہے،اس لیے تم اس کی تلاوت پر روؤ(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب سے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے قرآن پڑھوں ۱؎ عرض کیا کہ اللہ نے میرا نام لیا فرمایا ہاں عرض کیا کیا رب العلمین کی بارگاہ میں میرا ذکر ہوا ۲؎ فرمایا ہاں تو آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے ۳؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مجھے اللہ نے حکم دیا کہ تم پر"لم یکن الذین کفروا"تلاوت کروں عرض کیا گیا رب تعالٰی نے میرا نام لیا فرمایا ہاں ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں یا سورتیں خصوصیت سے تم کو سناؤں اگرچہ عمومًا ہر مسلمان کو سنانا احکام بتانا ہمارا تبلیغی فریضہ ہے۔معلوم ہوا کہ کسی خاص شخص کو قرآن پاک سنانا بھی سنت ہے۔

۲؎ یہ سوال تعجب کے لیے ہے کہ کیا مجھ جیسے عاجز مسلمان کا نام بھی رب تعالٰی نے آپ کے سامنے عزت کے ساتھ لیا۔کیا میں ایسا خوش نصیب انسان ہوں سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں ایک تعجب بھی ہے۔

۳؎ یہ رونا انتہائی خوشی کا تھا اور اس اندیشہ کی بنا پر تھا کہ میں عاجز انسان اتنی بڑی نعمت کا شکریہ کس طرح ادا کرسکوں گا۔حضرت ابی ابن کعب نے قرآن سیکھنے میں بڑی محنت کی تھی حتی کہ آپ تمام صحابہ میں بڑے پائے کے قاری تھے اسی بنا پر رب تعالٰی نے فرمایا کہ اے محبوب چونکہ دنیا ان سے قرأت سیکھے گی لہذا آپ خصوصیت سے انہیں قرأت سنائیں آپ میرے شاگرد اعلیٰ ہیں یہ آپ کے شاگرد رشید ہوں۔

۴؎ خصوصیت سے یہ سورہ تلاوت فرمانے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت ابی ابن کعب علمائے یہود سے تھے اور اس سورۃ میں علمائے اہل کتاب کا ذکر ہے اس کے سننے سے ان کا ایمان اور بھی قوی ہوگا۔اس حدیث سے حضرت ابی ابن کعب کی عظمت کا پتہ لگا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل مفضول کو مفضول افضل کو قرآن کریم سکھائے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمین میں قرآن کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرمایا ۱؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ قرآن لے کر سفر نہ کرو کہ مجھے اطمینان نہیں کہ اسے دشمن لے لے ۲؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قرآن شریف سے مراد یہ ہی لکھا ہوا قرآن مجید ہےاور دشمن سے مراد کفار حربی ہیں اور جانے سے مراد وہ جانا ہے جس میں کفار سے قرآن کریم کی بے حرمتی کا اندیشہ قوی ہو لہذا اگر لشکر اسلام قرآن شریف لے کر دارالحرب میں جائے یا اکیلا مسلمان کفار کی امن لے کر وہاں جائے یا جو مسلمان کفار کی رعایا بن کر ان کے ملک میں رہتے ہوں اور ان کے پاس قرآن شریف ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ان صورتوں میں قرآن کی بے حرمتی کا قوی اندیشہ نہیں لہذا اب قرآن کریم کے پارسل کفار کے ملک میں بھیجنے یا خود کفار کے ہاتھ قرآن پاک فروخت کرنا یا کفار کے خط میں قرآنی آیت لکھنا یا انہیں قرآن سنانا سب کچھ جائز ہے کہ یہ تبلیغ ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں قرآن سے مراد حافظ قرآن ہیں یا وہ صحیفے جن میں زمانہ صحابہ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔مقصد یہ ہے کہ آج کل حافظ قراء اکیلے دشمن کے ملک میں نہ جائیں کہ اگر یہ شہید کردیئے گئے تو قرآن مجید ضائع ہوجائے گا یا یہ صحیفے لے کر دشمن کے ملک میں اکیلے نہ جاؤ کہ اگر یہ برباد ہوگئے تو قرآن کریم کا بہت حصہ جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔لمعات و مرقات نے فرمایا کہ اس میں غیبی خبر ہے کہ آئندہ قرآن کریم کتابی شکل میں جمع ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کتابی شکل میں نہ تھا۔

۲؎ اور لے کر اس کی توہین کرے یا تم کو واپس نہ دے یا اسے پھاڑ دے یا جلا دے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں کمزور مہاجروں کی جماعت میں بیٹھا تھا ۱؎ وہ حضرات	

برہنگی کے باعث بعض بعض کی آڑ لیتے تھے ۲؎ ایک قاری ہم پر تلاوت کررہے تھے ۳؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم کھڑے ہوگئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو قاری خاموش ہوگئے حضور نے سلام کیا ۴؎ پھر حضور نے فرمایا تم کیا کررہے تھے ۵؎ ہم نے عرض کیا ہم اللہ کی کتاب بغور سن رہے تھے ۶؎ فرمایا شکر ہے اس خدا کا جس نے میری امت میں وہ لوگ پیدا کئے جن کے ساتھ رہنے کا مجھے حکم دیا گیا پھر ہمارے درمیان ۷؎ تشریف فرما ہوگئے تاکہ اپنے کو ہمارے برابر رکھیں ۸؎ پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ یوں ہوجاؤ لوگ حلقہ بن گئے کہ سب کے چہرے حضور کے سامنے ہوگئے ۹؎ فرمایا اے فقراء مہاجرین کی جماعت تمہیں قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت ہو ۱۰؎ تم جنت میں مالداروں سے آدھا دن پہلے جاؤ گے یہ آدھا دن پانچ سو سال ہیں ۱۱؎ (ابو داؤد)	

۱؎ یعنی صفہ والے صحابہ کے ساتھ جو تقریبًا ستر تھے جنہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کے لیے وقف کردیا تھا۔

۲؎ یعنی ان کی غریبی و افلاس کا یہ حال تھا کہ بعض کے جسم پر بقدر تن پوشی بھی پورا کپڑا نہ تھا۔تو وہ دوسرے کی آڑ میں بیٹھا تھا کہ کچھ ستر پوشی ہو جائے اللہ اکبر۔شعر

یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونے والا تھا　　　یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونے والا تھا

۳؎ یعنی اس جماعت میں ایک قاری تلاوت قرآن کررہے تھے باقی تمام سن رہے تھے سب یک دم نہ پڑھتے تھے کہ یہ ممنوع ہے۔

۴؎ یعنی جب قاری خاموش ہوگیا،تب آپ نے سلام کیا،اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی دینی بزرگ کی تشریف آوری پر تلاوت بند کردینا،ان کے احترام کے لیے خاموش ہوجانا بالکل جائز بلکہ سنت صحابہ ہے،بلکہ قرآن مجید بند کرکے اس کی تعظیم کو کھڑا ہوجانا بھی درست ہے۔صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب عین نماز میں کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر مصلے امامت سے پیچھے ہٹ کر مقتدی بن گئے۔دوسرے یہ کہ آنے والا بحالت تلاوت سلام یا کلام نہ کرے جب تلاوت بند ہوجائے تب سلام کرے۔تیسرے یہ کہ اگر آتے وقت سلام کا موقع نہ ہو تو بعد میں بھی آمد کا سلام کرنا جائز ہے۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اگلی خوشخبری کی تمہید ہے،ورنہ سرکار نے ان کی تلاوت سن لی تھی اور ان کی حالت دیکھ لی تھی،جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔

۶؎ برکت اور لذت ایمانی کے لیے تلاوت قرآن بہترین مشغلہ ہے،اللہ نصیب کرے،اس سے انسان دنیا کے سارے غم بھول جاتا ہے یہ ہی تاثیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پڑھنے لکھنے اس کی شرح کرنے میں ہے فقیر کا تجربہ ہے۔

۷؎ یعنی میری امت و صحابہ میں ایسے فقراء و مساکین پیدا کئے جو رب تعالٰی پر متوکل قرآن کے حامل ہیں اور مجھے حکم دیا کہ محبوب تم ان ہی غریبوں میں رہو کہ" وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ "الایہ۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی ان ہی مساکین کے سینوں میں رہتے ہیں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنا ہے تو ان سینوں میں تلاش کرو ان کے سینے رحمت کے گنجینے ہیں مدینے ہیں۔

۸؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں ہم میں اس طرح بیٹھ گئے کہ ہم سب قرب میں یکساں ہوگئے نہ اونچی نشست پر جلوہ فرما ہوئے نہ ہم سے علیحدہ ہم فقراء کے زمرے میں ہم مساکین کے حلقہ میں ایسے بیٹھ گئے جیسے تاروں کے درمیان چاند قربان اس حلقہ پر یہ حلقہ ملائکہ سے افضل تھا۔

۹؎ تاکہ سب پر حضور کی نظر رحمت یکساں پڑے یہ رب تعالٰی کے اس فرمان پر عمل تھا"وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ"۔شعر

جو ہم واں ہوتے خاک گلشن،لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

عام مجلسوں میں حلقہ بنانا افضل ہے،نماز و جہاد میں صف بنانا بہتر۔

۱۰؎ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن فقراء مسلمین کا نور مسلمان مالداروں سے زیادہ ہوگا،کیونکہ صبر کا نور شکر کے نور سے قوی تر ہے،جیسے چاند کے نور سے سورج کا نور قوی ہے۔

۱۱؎ یعنی قیامت کا دن ایک ہزار سال کا اس کا آدھا پانچ سو سال ہوگا مالداروں کو حساب دینے میں دیر لگے گی،مگر ان فقراء سے وہ لوگ مراد ہیں جو صابر متقی ہوں،اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ فقیر صابر،غنی شاکر سے افضل ہے،یہ گفتگو ایک درجہ کے فقراء و اغنیاء میں ہے،ورنہ غیر صحابی فقیر صحابی کے قدم کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا،یوں ہی خلفائے راشدین تک ان کے ماتحت حضرات نہیں پہنچ سکتے لہذا عثمان و زبیر ابن عوام وغیرہم بہت اونچی شان والے ہیں کہ یہ حضرات بے حساب جنتی ہیں نہ ان کا حساب ہوگا نہ انہیں دیر لگے گی۔خیال رہے کہ قیامت کا دن ہے تو ایک ہزار سال کا،مگر کفار کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا اور بعض خاص مؤمنین کو چار رکعت نماز کی بقدر۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے زینت دو ۱؎(احمد،ابن ماجہ،دارمی)۲؎	

۱؎ یعنی خوش الحانی اور بہترین لہجے غمگیں آواز سے تلاوت کرو اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے صحیح ادا کرو مگر گا کر تلاوت کرنا جس سے مد شد میں فرق آجائے حرام ہے۔

۲؎ اسے نسائی،ابن حبان حاکم نے بھی روایت کیا،ان میں یہ بھی ہے کہ اچھی آواز قرآن کا زیور ہے۔

حکایت:ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعود کسی مجلس پر گزرے جہاں ایک گویا بہت اچھی آواز سے گا رہا تھا آپ نے فرمایا کاش یہ آواز قرآن شریف پر استعمال ہوتی یہ خبر گویے کو پہنچی اس نے سچی توبہ کی اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ رہنے لگا حتی کہ قرآن کریم کا عالم و قاری ہوگیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سعد ابن عبادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں جو قرآن پڑھ کر بھلا دے مگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی سے کوڑھی ہو کر ملے گا ۱؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎ اس حدیث کی بہت شرحیں کی گئیں جن میں قوی تر یہ ہے کہ جو شخص قرآن شریف پورا یا اس کی کوئی سورۃ حفظ کرے،پھر اس کا دور چھوڑ دے،جس سے وہ بھول جائے،تو یہ شخص قیامت میں کوڑھی اٹھے گا،اس کی کوڑھ اس کے اس جرم کی ملامت ہوگی۔جس سے سب لوگ پہچان لیں گے،بعض نے فرمایا کہ اجذم سے مراد دانت گرا ہوا ہے،بعض کا خیال ہے کہ اجذم سے مراد مقطوع الدلیل ہے جو رب تعالٰی کے سامنے بول نہ سکے وغیرہ مگر پہلی تفسیر اعلٰی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرے وہ سمجھے گا نہیں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱؎ یعنی جو شخص ہمیشہ تین دن سے کم میں ختم قرآن کیا کرے،وہ جلدی تلاوت کی وجہ سے نہ تو الفاظ قرآن صحیح طور پر سمجھ سکے گا اور نہ اس کے ظاہری معنے میں غور کرسکے گا۔خیال رہے کہ یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے کہ وہ اگر بہت جلدی تلاوت کریں،تو زبان لپٹ جاتی ہے حرف صحیح ادا نہیں ہوتے خواص کا حکم اور ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک ایک رکعت میں پانچ پانچ چھ چھ پارے پڑھ لیتے تھے۔حضرت عثمان غنی نے ایک رات میں ختم قرآن کیا ہے،داؤد علیہ السلام چند منٹ میں زبور ختم کرلیتے تھے،حضرت علی گھوڑا کسنے سے پہلے ختم قرآن کرلیتے تھے۔مرقات نے فرمایا کہ شیخ موسٰی سدوانی شیخ ابو مدین کے اصحاب میں سے تھے ایک دن و رات میں ستر ہزار ختم کرلیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے کعبہ معظّمہ میں سنگ اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر پہنچ کر ختم قرآن فرمالیا اور لوگوں نے ایک ایک حرف سنا،ارواح ثلثہ میں مولوی اشرف علی صاحب نے اس کی تصدیق کی کہ مولوی محمد اسماعیل خان دہلوی نے ایک بار نماز عصر کے بعد سے نماز مغرب تک پورا قرآن ختم کیا کہ ہر حرف الگ الگ سناگیا،لہذا اس حدیث کی بنا پر نہ تو مروجہ شبینوں کو حرام کہا جاسکتا ہے اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان صحابہ کرام پر اعتراض کیا جاسکتا ہے جو ایک دن و رات میں پورا ختم کرلیتے تھے کہ یہ حکم عوام مسلمانوں کے لیے ہے جو اس قدر جلد قرآن شریف پڑھنے میں درست نہ پڑھ سکیں۔ختم قرآن میں عام بزرگوں کے طریقے مختلف رہے ہیں،بعض ایک ماہ میں ایک ختم کرتے تھے، بعض ایک ہفتہ میں ایک ختم، فمی

بشوق کی منزلوں کے لحاظ سے پہلی منزل سورہ فاتحہ پر شروع ہوتی تھی،دوسری مائدہ پر تیسری یونس پر چوتھی بنی اسرائیل پر پانچویں شعراء پر چھٹی والذاریٰت پر،ساتویں سورۂ قٓ پر بعض حضرات تین دن میں۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا خفیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے [1] (ترمذی،ابوداؤد،نسائی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

[1] یعنی دونوں طرح تلاوت جائز اور باعث ثواب ہے،جیسے دونوں طرح کا صدقہ خفیہ و علانیہ باعث ثواب ہے۔ رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ہِیَ"مگر بعض حالات میں بلند تلاوت افضل ہے کہ اس سے دل بیدار ہوتا ہے دوسروں کو تلاوت کا شوق پیدا ہوتا ہے،نیند بھاگتی ہے شیطان دفع ہوتا ہے رحمان راضی ہوتا ہے،اور بعض حالات میں آہستہ تلاوت افضل ہے جب کہ تلاوت میں ریا کا اندیشہ ہو،یا کسی نمازی وغیرہ کو تکلیف ہو(مرقات و شامی)یہ اختلاف احکام ان تلاوتوں میں ہے جن میں جہر یا اخفاء واجب نہ ہو،ورنہ نماز ظہر و عصر میں اخفاء اور فجر وغیرہ میں جہر واجب ہے۔(لمعات و اشعہ)

روایت ہے حضرت صہیب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص قرآن پر ایمان ہی نہ لایا جو اس کے محرمات کو حلال جانے [1] (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں [2]	

[1] یعنی تلاوت قرآن جب مفید ہے جب کہ اس کے احکام پر ایمان ہو،ایمان کے بغیر نہ تلاوت مفید ہے نہ قرآن ساتھ رکھنا اگرچہ سارے ہی محرمات کو حرام ماننا ضروری ہے،مگر چونکہ قرآن کریم بہت عظمت والا ہے،اس لیے خصوصیت سے اسی کا ہی ذکر فرمایا حلال و حرام پر ایمان نہ لانے والا کافر ہے پھر تلاوت کا ثواب کیسے پائے،غذا،دوا،زندہ کو مفید ہے نہ کہ مردے کو۔

[2] اگرچہ حدیث بعض راویوں کی وجہ سے قوی نہ ہو،مگر قرآن مجید اس کی تائید فرمارہا ہے۔فرمایاہے:"اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ ہُمْ یَحْسَبُوۡنَ اَنَّہُمْ یُحْسِنُوۡنَ صُنْعًا"۔

روایت ہے حضرت لیث ابن سعد سے وہ ابوملیکہ سے وہ یعلی ابن مملک سے راوی [1] کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت قرآن کی	

	متعلق پوچھا تو آپ حضور کی قرأۃ اس طرح بتانے لگیں کہ ایک ایک حرف الگ الگ ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎لیث ابن سعد مشہور تابعی فقیہ ہیں،مصر کے امام ہیں اور ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں مکہ معظّمہ کے قاضی تھے حضرت ابن زبیر کی طرف سے،آپ نے تیس صحابہ سے ملاقات کی ہے،یعلی ابن مملک بھی تابعین میں سے ہیں۔

۲؎یعنی حضرت ام سلمہ نے خود قرأت کرکے سنائی تو اس قرأت شریف میں دو خوبیاں تھیں ایک تو نہایت ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تھی،دوسرے ہر حرف اپنے مخرج سے صحیح ادا ہوتا تھا۔معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی قاریہ تھیں،ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأۃ کی نقل نہ کرسکتیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھے ترتیل سے ایک سورۃ تلاوت کرنا بغیر ترتیل کے سارا قرآن پڑھنے سے زیادہ پسند ہے،زیادہ حسن اچھا ہے،ایک موتی،ہزار ہا روپیہ سے بہتر ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن جریج سے وہ ابن ابو ملیکہ سے وہ حضرت ام سلمہ سے راوی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے تھے۱؎اس طرح کہ پڑھتے الحمد للہ رب العلمین پھر ٹھہر جاتے پھر پڑھتے الرحمن الرحیم پھر ٹھہر جاتے ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد مسلسل نہیں۳؎کیونکہ یہ حدیث لیث نے ابن ابی ملیکہ سے انہوں نے یعلی ابن مملک سے انہوں نے ام سلمہ سے روایت کی لیث کی حدیث زیادہ صحیح ہے۴؎

۱؎یعنی ہر آیت پر ٹھہر کر سانس توڑ دیتے تھے،پھر دوسری آیت تلاوت فرماتے تھے،سکتہ اور وقف میں یہ ہے فرق ہے کہ وقف میں سانس توڑ دی جاتی ہے پھر ٹھہرا جاتا ہے مگر سکتہ میں ٹھہرتے تو ہیں سانس نہیں توڑتے۔

۲؎قراء کہتے ہیں کہ وقف تین قسم کا ہے:وقف حسن،وقف کافی،وقف تام الرحمن الرحیم پر وقف کافی ہے،وقف حسن نہیں۔بہتر یہ ہے کہ ملك یوم الدین پر وقف کرے اسی طرح رب العلمین پر وقف تام تو ہے حسن نہیں۔وقف حسن یہ ہے کہ الحمد سے شروع کرکے یوم الدین پر ٹھہرے،ہمارے ہاں لوگ رب العلمین پر وقف کو سخت برا جانتے ہیں یہ بھی درست نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ہاں یہ کہو کہ بہتر نہیں۔

۳؎کیونکہ ابن ابی ملیکہ نے حضرت ام سلمہ سے ملاقات نہیں کی،لہذا درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گئے حدیث منقطع ہے۔

۴؎خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے لیث ابن سعد نے بھی روایت کی ہے اور جریج نے بھی مگر لیث ابن سعد کی روایت صحیح تر ہے کہ اس میں کوئی راوی چھوٹا نہیں،ام سلمہ سے پہلے یعلی ابن مملک کا ذکر ہے اور جریج کی روایت

میں راوی چھوٹ گیا ہے یہ مقطع ہے،لیث ابن سعد بہت ثقہ تھے،انہوں نے ابن ابی ملیکہ عطاء زہری سے روایات لیں۔اور ان سے بہت محدثین نے،انہیں بیس ہزار دینار کی سالانہ آمدنی تھی،مگر ان پر کبھی زکوۃ واجب نہ ہوئی،نیز اس حدیث کا متن بلاغت و لہجہ کے بھی خلاف ہے کہ الرحمن الرحیم پر وقف بہتر نہیں۔(مرقات وغیرہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے جب ہم قرآن پڑھ رہے تھے عربی اور عجمی سب ہی تھے ۱؎ فرمایا پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہو ۲؎ کچھ قومیں ایسی ہوں گی جو تلاوت کو ایسے درست کریں گی جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے ۳؎ دنیا میں اجرت لیں گے آخرت کے لیے نہ رکھیں گے ۴؎(ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی اس مجلس میں شہری صحابی بھی تھے اور دیہات کے باشندے بھی عربی و اعرابی میں یہ ہی فرق ہے کہ عربی عام ہے اعرابی خاص اہل دیہات اور عربی بھی تھے بیرون عرب کے بھی کہ بلال حبشہ کے تھے،سلمان فارس کے،صہیب روم کے رضی اللہ عنہم غرض کہ شعر

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا — نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

۲؎ یعنی قرآن شریف عجمی،عربی،شہری،بدوی سب کے لیے آیا ہے،سب ہی تلاوت کیا کرو عجمی یہ خیال نہ کریں کہ چونکہ ہمارا لہجہ عرب کا سا نہیں ہوسکتا لہذا ہم تلاوت ہی چھوڑ دیں،جو لہجہ بن پڑے اس میں پڑھو۔ہاں صحیح پڑھو لہجے کا اعتبار نہیں صحت کا اعتبار ہے اور اخلاص کا ثواب۔شعر

مادروں رابنگریم وحال را — ما بروں را ننگریم وقال را

۳؎ یعنی آخری زمانہ میں محض ریاء و نمود کے لیے قرآن کا لہجہ درست کرنے میں بہت تکلفات کریں گے مگر ثواب سے محروم رہیں گے اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۴؎ یعنی ان کی یہ تمام محنتیں صرف لہجہ حسین کرنے کے لیے ہوں گی تاکہ دنیا دار پسند کریں،واہ واہ ہو،پیسے خوب ملیں اخلاص نہ ہوگا پھر ثواب کیسے پائیں،جان کی قیمت ہوتی ہے نہ کہ محض قالب کی،ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی ان کی محنت پر نہیں بلکہ ریاء و نمود پر ہے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید عربی لہجوں اور عربی آوازں سے پڑھو ۱؎ عشق والوں کی راگنیوں اور توریت و

	انجیل والوں کے لہجوں سے بچو ۲؎ہمارے بعد وہ قومیں آئیں گی جو قرآن میں ایسی گلے بازیاں کریں گے جیسے گانے اور نوحے میں۳؎ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۴؎ ان کے اور انہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہوں گے ۵؎(بیہقی شعب الایمان)اور رزین نے اپنی کتاب میں۔

۱؎اہل عرب کی تلاوت میں صرف آواز کی عمدگی،مخارج کی صحت،اداء الفاظ کی نفاست ہوتی ہے تکلف اور موسیقی کے طریقوں سے خالی،چونکہ قرآن شریف عربی ہے اسے عربی طریقے سے پڑھو،لحن کے معنے ہیں خوش و طرب اور آواز کی لچک و لہر۔

۲؎یعنی نہ تو قرآن گیت کے نغموں سے گاؤں جیسے عشاق گویے ٹھمری،داد رے وغیرہ گاتے ہیں اور نہ ایسے تکلفات سے پڑھو جیسے یہود و نصاری توریت و انجیل پڑھتے ہیں جن سے اصل عبارت بگڑ جاتی ہے جہاں مدنہ ہو وہاں پیدا ہوجاتا ہے جہاں شد ہو وہاں نہیں رہتا۔الف زبر بن جاتا ہے زبر الف وغیرہ،فقیر نے بعض قوالوں کو قرآنی آیات طبلے سارنگی پر نغموں کی طرح سے گاتے سنا کہ ان کے گیتوں میں آیتیں ہیں انہیں باجوں پر گاتے ہیں۔

۳؎یعنی قرآن میں گلے بازیاں،راگ راگنی و آوازیں بھرانے سے کام لیں گے اسے گیت یا قوالی کا شعر بنادیا کریں گے،جیسا کہ آج دیکھا جارہا ہے اس غیب دان نبی نے پہلے ہی اس کی خبر دے دی تھی۔

۴؎یعنی صرف زبان پر قرآن کے الفاظ ہوں گے دل پر قرآن کا کوئی اثر نہ ہوگا ایمان میں تازگی نہ پیدا ہوگی نہ ان کے سامعین کے کیونکہ جو منہ سے نکلتا ہے وہ کان پر گرتا ہے جو دماغ سے نکلتا ہے وہ دماغ پر گرتا ہے۔جو دل سے نکلتا ہے وہ دل پر گرتا ہے۔

۵؎یعنی خود ان کے اور سامعین کے دل اس تلاوت سے فائدہ نہ اٹھائیں گے بلکہ الٹا نقصان۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے ۱؎(دارمی)

۱؎اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ ہر شخص کی آواز اس کے لحاظ سے ہوگی،ایک ہی شخص اپنی آواز بری بھی نکال سکتا ہے اور کچھ اچھی بھی تو قرآن کی تلاوت میں اچھی آواز استعمال کرو یہ مطلب نہیں کہ جس کی آواز اچھی نہ ہو وہ تلاوت قرآن ہی نہ کرے،حضرت بلال اسی موٹی آواز سے ہی اذان و تلاوت کرتے تھے رب تعالٰی کو وہ ہی پیاری تھی کہ وہاں دل کی آواز سنی جاتی ہے۔شعر

گفت ہاتف بازاز بانگ بلال　　　خوش شدے بر عرش رب ذوالجلال

مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھو تاکہ سننے والوں کو قرآن کی طرف میلان ہو یہ نہ ہو کہ شعر

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی　　　　میروی رونق مسلمانی

یا اس اچھی آواز کا مطلب وہ ہے جو اگلی حدیث میں آرہا ہے یعنی دور والی آواز جو درد دل کا پتہ دے،خشوع و خضوع ظاہر کرے۔

	روایت ہے حضرت طاؤس سے ارسالًا فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون شخص قرآن میں خوش آواز اور اچھی قرأت والا ہے ا؎ فرمایا وہ جسے تم جب قرآن پڑھتے سنو تو محسوس کرو کہ وہ اللہ سے ڈررہا ہے ۲؎ طاؤس فرماتے ہیں کہ طلق ایسے ہی تھے ۳؎ (دارمی)

ا؎ سبحان اللہ! کیا پیارا سوال ہے مقصد یہ ہے کہ لوگ اچھی آواز تو سریلی رسیلی آواز کو سمجھتے ہیں اور نغمہ والی تلاوت کو اچھی تلاوت سمجھتے ہیں،سرکار نے جو اچھی آواز میں تلاوت قرآن کا حکم دیا ہے کیا اس سے بھی یہ ہی مراد ہے یا کچھ اور۔

۲؎ یہ حدیث تمام ان احادیث کی شرح ہے جس میں اچھی آواز،اچھی تلاوت کا حکم دیا گیا یعنی درد دل والی اداء اور خوف خدا والی قرأت اچھی ہے نفس آواز باریک ہو یا موٹی بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ ان کی آواز موٹی تھی مگر ان کی تلاوت سے خود ان کے اور سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے دل کانپ جاتے تھے،اللہ تعالٰی ایسی تلاوت نصیب کرے۔آمین!

۳؎ یعنی طلق ابن علی ابن عمرو نخعی یمامی اسی طرح تلاوت کرتے تھے کہ خدا یاد آجاتا تھا،آپ قیس ابن طلق یمانی کے والد ہیں مشہور صحابی ہیں حضرت طاؤس نے ان سے ملاقات کی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبیدہ ملیکی سے ان کو جناب مصطفٰے کی صحبت میسر تھی ا؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے قرآن والو ۲؎ قرآن کو تکیہ نہ بناؤ ۳؎ اور دن رات اس کی تلاوت کرو جیسا کہ تلاوت کا حق ہے ۴؎ اور قرآن کا اعلان کرو اسے خوش آوازی سے پڑھو اس کے معنے میں غور کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۵؎ اور اس کا ثواب جلدی نہ مانگو کہ اس کا ثواب بہت ہے ۶؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ جملہ معترضہ ہے اور امام بیہقی کا قول ہے،یعنی عبیدہ ملیکی صحابی ہیں کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہے ۔خیال رہے کہ صحابی بننے کے لیے ایک آن کی صحبت یا ایک نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا کافی ہے مگر تابعیت کے لیے صحابی کے ساتھ رہنا فیضان صحبت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۲؎ اصطلاح میں اہلِ قرآن ہر قرآن کے ماننے والے پڑھنے والے اس پر عمل کرنے والے کو کہتے ہیں اور اہل حدیث وہ خاص جماعت ہے جو اپنی زندگی علم حدیث حاصل کرنے اور سکھانے میں گزار دے یعنی محدث،نہ تو اہل قرآن سے چکڑالوی منکر حدیث مراد ہوتے ہیں نہ لفظ اہل حدیث سے موجودہ وہابی منکر فقہ مراد ہوتے ہیں یعنی اے قرآن ماننے والے مسلمانو۔

۳؎ یعنی قرآن شریف پر سر رکھ کر نہ لیٹو کہ یہ بے ادبی ہے قرآن سے بے فکر نہ ہوجاؤ کہ اس کی تلاوت میں سستی کرو،اس پر عمل نہ کرو دوسرے معنی قوی ہیں،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ۔

۴؎ اس جملہ میں دو حکم ہیں ہمیشہ قرآن پڑھنا اور درست پڑھنا،قرآن کا حق تلاوت یہ ہے کہ اس کی تلاوت صحیح طریقہ سے کرے اور اس پر عمل کرے رضائے الٰہی کے لیے پڑھے نہ کہ محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ"الایہ۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ قرآن کریم پر تکیہ لگانا اس کی طرف پاؤں پھیلانا اس پر کوئی اور کتاب رکھنا اس کی طرف پیٹھ کرنا اسے پھینکنا وغیرہ سخت منع ہے قرآن کریم کو چومنا،سر پر رکھنا مستحب ہے اس سے فال نکالنا حرام ہے۔

۵؎ تَغَنُّوا کے دو معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھو اور قرآن کے ذریعہ لوگوں سے غنی وہ بے نیاز ہوجاؤ۔ گانے کے معنی میں نہیں کہ قرآن شریف گا کر پڑھنا حرام ہے تدبر قرآن علماء کا اور ہے بے علم لوگوں کا کچھ اور علماء تو اس کے معنی و احکام میں غور کریں عوام یہ سمجھ کر پڑھیں کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے پڑھے تھے اللہ اکبر ہمارے کہاں نصیب کہ وہ الفاظ ہماری زبان پر بھی آئیں۔

۶؎ یعنی تلاوت قرآن،تعلیم قرآن،تجوید قرآن کا ثواب آخرت میں ملے گا جو تمہارے علم و فہم سے وراء ہے تم صرف یہاں ہی اس کا ثواب نہ لو یعنی دنیا کو اسی کا مقصد نہ بنالو۔

باب

باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی قرأت قرآن کے متعلق متفرق مضامین کا باب۔بعض نسخوں میں یوں ہے باب فی اختلاف القرآن و جمع القرآن یعنی قرآن شریف کی مختلف قرأتوں اور جمع قرآن کا باب جمع قرآن سے مراد یکجا کتابی شکل میں جمع کرنا ہے۔

2211 - [1](متفق عليه) وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال:سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرؤوها . وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أقرأنيها فكدت أن أعجل عليه ثم أمهلته حتى انصرف ثم لببته بردائه فجئت به رسول الله صلى الله عليه وسلم . فقلت يا رسول الله إني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرأتنيها . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:أرسله اقرأ " فقرأت القراءة التي سمعته يقرأ . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" هكذا أنزلت " . ثم قال لي:" اقرأ " . فقرأت . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" هكذا أنزلت إن القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرءوا ما تيسر منه " . متفق عليه . واللفظ لمسلم	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے ہشام ابن حکیم ابن حزام کو سنا [1] کہ وہ سورہ فرقان اس کے خلاف پڑھ رہے ہیں جو میں پڑھتا تھا اور مجھے یہ سورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی [2] قریب تھا کہ میں ان پر جلدی کر بیٹھوں مگر میں نے انہیں مہلت دی حتی کہ فارغ ہوگئے پھر میں نے انہیں ان ہی کی چادر میں لپیٹ لیا [3] پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا اور عرض کیا یارسول اللہ میں نے انہیں سنا کہ سورۂ فرقان اس کے علاوہ پڑھ رہے ہیں جو مجھے حضور نے پڑھائی ہے [4] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو [5] ہشام پڑھو انہوں نے وہ ہی قرأت تلاوت کی جو میں نے انہیں تلاوت کرتے سنی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں ہی اتری ہے پھر مجھ سے فرمایا پڑھو میں نے پڑھی فرمایا یوں بھی اتری ہے یہ قرآن سات قرأت پر اترا ہے۔جس طرح آسان ہو تلاوت کرلیا کرو [6] (مسلم،بخاری)اور لفظ مسلم کے ہیں [7]

[1] پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حکیم ابن حزام قرشی ہیں حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبری کے بھتیجے ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے آپ کے ساری اولاد صحابی ہے ان میں سے ہشام بھی ہیں۔

۲؎ یعنی مجھے اپنی قرأت کے صحیح ہونے کا یقین تھا کیونکہ میں نے کسی اور سے نہ سیکھی تھی خود حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے سیکھی تھی اس لیے مجھے شبہ ہوا کہ ہشام دیدہ و دانستہ قرآن غلط پڑھ رہے ہیں۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دین میں کسی کی رعایت نہیں عزیز قریبی ہو یا اجنبی معمولی آدمی ہو یا بڑا۔ دوسرے یہ کہ تلاوت قرآن کا بڑا احترام ہے کسی شخص کو دوران تلاوت میں اس سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہیئے نہ اس کی تلاوت میں رکاوٹ ڈالئے دیکھو حضرت عمر قرآن کے الفاظ میں فرق دیکھ کر طیش میں آگئے مگر تلاوت ختم ہونے پر حضرت ہشام کو گویا گرفتار کرلیا نہ رعایۃً نہ قرابۃً کی تلاوت۔

۴؎ اس لیے میں انہیں گرفتار کرکے آپ کی خدمت میں لایا ہوں تاکہ آپ اس سے منع فرمادیں اور گزشتہ قصور پر سزا دیں۔ معلوم ہوا کہ حتی الامکان کسی ملزم کو خود سزا نہ دو حاکم سے فیصلہ کراؤ۔

۵؎ چونکہ حضرت عمر کا یہ طیش نفس کے لیے نہ تھا اللہ کے لیے تھا،نیز حضرت عمر مثل استاد کے تھے اور حضرت ہشام مثل شاگرد کے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عمر پر عتاب فرمایا اور نہ انہیں حضرت ہشام سے معافی مانگنے کا حکم دیا جیسے حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت ہارون کی بے قصور داڑھی سر کے بال پکڑ لیے انہیں کھینچا کیونکہ ماں باپ استاد شیخ اگر غلط فہمی سے کسی کو سزا ناجائز طور پر بھی دیدیں تب بھی مجرم نہیں۔

۶؎ محدثین فرماتے ہیں کہ قرآن شریف لغت قریش میں نازل ہوا مگر چونکہ عرب کے بہت سے قبیلے تھے جن کی زبانیں مختلف تھیں ہر قبیلہ کی زبان گراں معلوم ہوتی تھی،اپنی زبان آسان تھی اور زمانہ بالکل نیا تھا اندیشہ تھا کہ دوسرے قبیلے تلاوت قرآن چھوڑ دیں گے اسی لیے سات بلکہ سات سے بھی زیادہ طریقوں سے تلاوت کی اجازت دے دی گئی تھی،یہاں سات سے مراد بیان زیادتی ہے نہ کہ خاص یہ عدد اور حرف سے مراد طریقہ تلاوت ہے خواہ خود حرف کی ذات میں فرق ہو جیسے نُنْشِزُهَا ز سے اور نُنْشِرُهَا رائے مہملہ سے یا صفات حرف میں فرق ہو جیسے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"اور "مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"خواہ طریقہ ادا میں فرق ہو جیسے ادغام اظہار تفخیم،ترقیق،امالہ،مد قصر،تلیین وغیرہ مگر ان اختلاف کی وجہ سے معانی نہ بدلیں گے قرآن کریم کی سات قرأتیں تو متواتر ہیں اور چودہ شاذ،متواتر قرأتوں کی تلاوت کرے شاذ کی نہ کرے جیسے "فصیام ثلثه ایام متوالیات" یا جیسے "وصلوة الوسطی صلوة العصر"وغیرہ اب ہماری قرأت ابو حفص عن عاصم والی ہے قاریوں کو چاہیئے کہ اس کی قرأۃ کیا کریں،ورنہ عوام میں فتنہ پھیلے گا اور لوگ ان قرأتوں کا انکار ہی کردیں گے۔

۷؎ بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ حدیث متواتر ہے اکیس صحابہ سے مروی ہے شاید متواتر سے مراد متواتر المعنی ہو۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو تلاوت کرتے سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو اس کے خلاف تلاوت کرتے سنا تھا تو میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا یہ سب بتایا تو میں نے حضور انور کے چہرہ منور میں ناراضی دیکھی ۱؎ فرمایا تم

دونوں ٹھیک ہو ۲؎آپس میں جھگڑو مت کیونکہ تم سے پہلے لوگ جھگڑے تو ہلاک ہوگئے ۳؎(بخاری)	

۱؎یہ ناراضی قرآن شریف میں اختلاف کی وجہ سے ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان کتاب اللہ میں یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف نہ کرنے لگیں۔

۲؎یعنی تم نے جو سنا وہ ٹھیک سنا اور انہوں نے جو پڑھا درست پڑھا تمہارا سننا ان کا پڑھنا دونوں ٹھیک ہیں چونکہ تمہیں یہ خبر نہ تھی کہ قرآن کریم کی قرأت مختلف طریقوں سے جائز ہے اس لیے تم یہ انکار کر بیٹھے تمہیں ان صحابی سے اچھا گمان کرنا چاہیئے تھا انہیں میرے پاس لانا نہ چاہیئے تھا۔

۳؎اس طرح کہ یہود نے توریت کے اور عیسائیوں نے انجیل کے مختلف نسخے بنادیئے اور ہر جماعت نے دوسرے نسخے کا انکار کردیا اور کلام الٰہی کا انکار کفر ہے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں،میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص آکر نماز پڑھنے لگا اس نے ایسی قرأت کی جس کا میں نے انکار کیا ۱؎پھر دوسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس پہلے والے کی قرأۃ کے سواء اور قرأت کی ۲؎جب ہم نماز پڑھ چکے اور ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۳؎تو میں نے عرض کیا کہ ان صاحب نے ایسی قرأت کی ہے جس کا میں انکاری ہوں اور دوسرے صاحب آئے تو انہوں نے ان کے سوا اور ہی قرأت کی تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا انہوں نے قرأت کی ۴؎تو حضور نے ان کی تعریف کی اس سے میرے دل میں کچھ تردد پیدا ہوا ۵؎جو زمانہ جاہلیت میں نہ ہوا تھا ۶؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر چھایا ہوا تردد ملاحظہ کیا تو میرے سینے پر دستِ اقدس مارا کہ میں پسینے سے نچڑ گیا اور ڈر سے میں ایسا ہوگیا گویا رب کو دیکھ رہا ہوں ۷؎مجھ سے فرمایا اے ابی قرآن مجھ پر ایک قرأت میں بھیجا گیا تھا میں نے رب کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ الٰہی میری امت پر آسانی کر رب نے مجھے دوبارہ جواب دیا کہ دو قرأتوں پر پڑھ سکتے ہو پھر میں نے رب کی	

	طرف رجوع کیا کہ میر ی امت پر آسانی فرما رب نے تبارہ جواب دیا کہ سات قرأتوں پر تلاوت کرسکتے ہو ۸؎ اور اے محبوب تمہیں ہر بار عرض کے عوض ایک خصوصی دعا بخشتے ہیں جو تم ہم سے مانگ لینا ۹؎ میں نے عرض کیا الٰہی میری امت بخش دے الٰہی میری امت بخش دے ۱۰؎ اور میں نے تیسری دعا اس دن کے لیے بچا رکھی ہے جب ساری خلقت حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میرے در پر شفاعت کے لیے آئیں گے ۱۱؎(مسلم)

۱؎ غالبًا یہ قرأۃ نماز سے خارج ہوگی یعنی انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر قرآن کریم تلاوت کی اس تلاوت میں یہ واقعہ پیش آیا انکار کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور طرح تلاوت سیکھی تھی اور یہ دوسری طرح تھی ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ تلاوت قرآن مختلف طرح سے درست ہے یہاں انکار سے مراد دلی انکار ہے یعنی میں نے دل میں ان پر اعتراض کیا۔

۲؎ یعنی ان دوسرے صاحب کی قرأت میری قرأت کے بھی خلاف تھی اور اس پہلے شخص کی قرأۃ کے بھی خلاف،اس سے میرا تعجب و انکار اور بڑھ گیا۔

۳؎ مرقات نے فرمایا غالبًا یہ نماز چاشت تھی جو آگے پیچھے ان بزرگوں نے پڑھی،مسجد نبوی میں ان سب کا اجتماع ہوگیا فرض نماز ہوتی تو ایک ساتھ جماعت سے پڑھی جاتی لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے،بعد نماز یہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حجرے میں حاضر ہوئے جہاں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۔

۴؎ وہ ہی قرأتیں کی جو میں نے ان دونوں سے سنی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی ان مختلف قرأتوں کو صحیح فرمایا کہ تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو اور تم بھی۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ **فسقط** معروف ہے اس لیے اس کے یہ معنے کیے گئے اور تکذیب سے مراد ہے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کہ اگر یہ کلام ربانی ہوتا تو ایک ہی طرح ہوتا چند طرح کیسا۔خیال رہے کہ بے اختیاری برے خیال کو وسوسہ کہتے ہیں اس پر نہ عذاب ہے نہ سزا یہ وسوسہ ہی تھا اس لیے حضرت اُبَی پر نہ فتویٰ کفر لگ سکتا ہے نہ فتویٰ فسق،اس لیے **سقط** فرمایا یعنی غیر اختیاری طور پر دل میں بدگمانی سی پیدا ہوئی۔

۶؎ یعنی آج کا یہ انکار غیراختیاری اتنا قوی تھا کہ اس سے پہلے حالت کفر میں اس قسم کا اتنا سخت انکار میرے دل میں نہ آیا تھا۔خیال رہے کہ اس انکار کو اتنا سخت کہنا اس لیے ہے کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے ہی نہیں اس وقت انکار کرنا اتنا بڑا جرم نہ تھا اب ہوچکے تھے مسلمان اور مسلمان ہو کر انکار بڑا جرم ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اتنا خطرناک انکار زمانہ کفر میں میرے دل میں نہ آیا تھا اس انکار کو خطرناک جاننا کمال ایمان کی دلیل ہے اور یہ ندامت بہترین عبادت۔ ہوسکتا ہے کہ پوشیدہ ہو اور **من التکذیب** کی تعلیلہ یعنی اس غیر اختیاری تکذیب کی وجہ سے مجھے اتنی شرمندگی ہوئی اور

میرے دل میں ایسی ندامت واقع ہوئی کہ ایسی ندامت اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی نہ کفر میں نہ اسلام میں اس صورت میں معنی بالکل واضح ہیں۔

۷؎اس واقع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزے ظاہر ہوئے:ایک یہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ندامت و شرمندگی معلوم فرمالینا دوسرے دست اقدس رکھ کر اس انکار اور ندامت کو ختم فرمادینا،تیسرے حضرت ابی ابن کعب کواحسان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دینا کہ حضرت ابی کو یہ محسوس ہونے لگا کہ میں رب کو دیکھ رہا ہو ا اس وقت جو فیضان ہوا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے حضرت ابی کو پسینہ آجانا قوت فیض کی بنا پر تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جاڑوں کے موسم میں وحی نازل ہونے پر پسینہ آجاتا تھا بعض مشائخ اپنے مریدین کو ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فیض دیتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۸؎سرکار عالی کا یہ ارشاد فرمانا جنانی تسکین عطا فرمانے کے بعد لسانی تسکین ہے حضرت ابی کو اطمینان تو پہلے ہی ہوچکا تھا مگر وہ بیان میں نہ آسکتا تھا اب کلامًا ارشاد فرمایا جس کی تبلیغ بھی ہو سکتی ہے گویا پہلے طریقت سکھائی پھر شریعت بتائی۔

۹؎یعنی اے محبوب ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ قرآن کریم کی قرأتیں سات ہوں گی مگر ہمارا منشاء یہ تھا کہ یہ آسانی تمہاری طلب پر دیں تاکہ ہماری یہ نعمت امت کو تمہارے طفیل ملے جیسے پچاس نمازوں کی پانچ رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض اور تمہاری کوشش سے اور ہم کو تمہاری یہ عرض و معروض ایسی پیاری معلوم ہوئیں کہ ہم تمہیں ہر عرض پر ایک انعام خاص بخشتے ہیں کہ تم نے تین بار عرض کیا ہم تمہیں تین خصوصی دعائیں دیتے ہیں جو مانگو سو پاؤ۔

۱۰؎اس رحمت والے داتا کے قربان اس کی دین کے صدقے اس وقت حضور اپنے اور اپنی اولاد کے لیے جو چاہتے مانگ لیتے مگر امت کو یاد فرمایا۔خیال رہے کہ پہلی بخشش سے کبیرہ گناہوں کی بخشش مراد ہے اور دوسری بخشش سے صغیرہ گناہوں کی مغفرت مقصود یعنی الٰہی میری امت کے چھوٹے بڑے سارے گناہ بخش دے چونکہ یہ بخششیں صرف مجرم مسلمانوں کے لیے ہی ہوسکتی ہیں اس لیے اپنی امت کا ذکر کیا۔

۱۱؎یعنی تیسری دعا قیامت کے لیے اٹھا رکھی ہے اس دعا کا فائدہ کفار،مسلمان گنہگار،نیک کار انبیائے کرام،اولیائے عظام سب ہی اٹھائیں گے کہ اس دعا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھولیں گے اس کی برکت سے کفار کو میدان محشر سے نجات ہم گنہگاروں کو دوزخ سے نجات،نیک کاروں کو رفع درجات میسر ہوں گے اور سب کے لیے عرض حاجات کا دروازہ کھل جائے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی دھوم مچ جائے گی۔شعر

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدہ میں گرے مولا — رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

اللھم صل وسلم وبارك علی سیدنا محمد واله وصحبه وسلم

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل نے ایک قرأت پر قرآن پیش کیا تھا مگر میں نے انہیں واپس بھیجا میں	

رب سے زیادہ مانگتا رہا رب مجھے زیادہ دیتا رہا،حتی کہ سات قرأتوں تک پہنچ گیا[1]ابن شہاب فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ یہ سات قرأتیں حقیقتًا ایک ہی ہیں جو حلال و حرام میں مختلف نہیں [2](مسلم،بخاری)	

[1]یعنی پہلی ایک قرأت تو رب تعالٰی کی طرف سے میری بغیر طلب ملی،بقیہ چھ قرأتیں میری طلب پر عطا ہوئیں۔یہ قرآنی آیات بلکہ اسلامی احکام کا حال ہے کہ بعض تو خود ر ب تعالٰی نے عطا فرمائیں اور بعض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب و خواہش پر دی گئیں رب تعالٰی فرماتاہے:"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ"الایہ۔معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ کا حکم اور ا س کی آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی بنا پر ہے اس خواہش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے ۔

[2]ابن شہاب یعنی امام زہری کا مقصد یہ ہے کہ یہاں **سبعۃ احرف** سے مراد احکام قرآنی نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا وہ بولے کہ قصے،مثالیں،امر،نہی حلال،حرام،محکم،متشابہ و غیرہ مضامین جو قرآن کریم میں وارد ہوئے یہاں وہ مرا دہیں،امام زہری فرماتے ہیں نہیں یہ مراد نہیں بلکہ سات قرأتیں مراد ہیں کہ ان قرأتوں میں صرف حروف کی ہیئتوں میں فرق ہوتا ہے معانی و احکام وغیرہ میں فرق نہیں ہوتا۔ علماء اصول نے فرمایا کہ قرآن میں مطلق مفید،عام،خاص،نص،قول،ناسخ،منسوخ،مجمل مفسر وغیرہ ہیں، نحویوں نے کہا کہ اس میں ذکر،حذف،تقدیم،،تاخیر،استعارہ،تکرار،کنایہ،حقیقت و مجاز وغیرہ ہیں۔صوفیاء نے فرمایا کہ قرآن میں زہد و قناعت،یقین،حرف،خدمت،حیاء،کرم،مجاہدہ،مراقبہ،خوف،امید،رضاء،شکر و صبر محبت شوق،مشاہدہ وغیرہ ہیں،یہاں وہ مراد ہے،مگر امام زہری کا قول قوی ہے کہ یہاں سات قرأتیں مراد ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل امین نے ملاقات کی تو حضور نے فرمایا اے جبریل میں بے پڑھی جماعت کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں بوڑھی عورتیں بڑے بوڑھے بچے بچیاں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی ہو[1]انہوں نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن سات قرأتوں پر اتارا گیا ہے [2](ترمذی)اور احمد و	

	ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے ان قرأتوں میں سے ہر قرأت شافی کافی ہے ۳؎ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ فرمایا حضور انور نے جبریل و میکائیل میرے پاس آئے،جبریل تو میری داہنی جانب بیٹھ گئے اور میکائیل میری بائیں طرف ۴؎ جبریل بولے قرآن ایک قرأۃ پر تلاوت کیجئے حضرت میکائیل نے کہا یارسول اللہ زیادتی کا مطالبہ فرماؤ،۵؎ حتی کہ سات قرأتوں تک پہنچ گئے ہر قرأت شافی کافی ہے ۶؎

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم تاقیامت لوگوں کیے لیے آیا اور ان میں سب لائق و فائق ہی نہ ہوں گے بلکہ ہر قسم کے لوگ ہوں گے تو اگر اس کی قرأت صرف ایک رہی تو بہت لوگوں کو دشواری ہوگی کہ بعض لوگوں کی زبان پر امالہ آسان ہوتا ہے، بعض کی زبان پر تفہیم سہل اس لیے اس میں نرمی ہونی چاہیں جبریل امین سے یہ فرمانا درحقیقت رب تعالٰی سے عرض کیا کیونکہ حضرت جبرئیل رب و محبوب کے درمیان وسیلہ ہیں جیسے ہمارا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے درد کہنا در حقیقت حق تعالٰی سے عرض کرنا ہے۔معلوم ہوا کہ رب کے مقبول بندوں سی عرض مدعا کرنا درحقیقت رب تعالٰی ہی کو کہنا ہے۔بنی اسرائیل کو جو کچھ رب سے کہنا ہوتا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام سے ہی عرض کرتے تھے،وسیلہ کا ثبوت ہوا۔

۲؎ یعنی قرآن کریم سات لغتوں میں نازل ہوا جس کو جو لغت آسان ہو اس میں قرأت کرلے اس کی مفصل شرح پہلے ہوچکی ہے۔

۳؎ یعنی ان سات قرأتوں میں سے جو قرأت پڑھ لی جائے وہ مؤمن کے لیے باعث شفا ہے،اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کافی دلیل ہے یا دنیا میں شافی ہے آخرت میں ثواب کے لیے کافی ہر قرأت کا ثواب یکساں،کیونکہ صرف الفاظ اور طریقہ ادا میں کچھ فرق ہے معنے یکساں ہیں۔

۴؎ سبحان اللہ! فرشتے نورانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور،نوروں نے نور کو گھیر لیا اور مجمع نور علی نور ہوگیا وحی حضرت جبریل لائے اور حضرت میکائیل صرف قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف فرشتے مختلف مقاصد لے کر حاضری دیتے تھے کوئی وحی دینے کو کوئی فیض لینے کو۔

۵؎ جبریل امین سے اور وہ عرض کریں رب العالمین سے،تاکہ آپ کی امت کو یہ فیض اور یہ آسانی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے توسل سے اور ان فرشتوں کے ذریعہ سے میسر ہو۔خیال رہے کہ حضرت جبریل کا عرض کرنا کہ ایک قرأت پر تلاوت قرآن کیجئے رب تعالٰی کی طرف سے تھااور حضرت میکائیل کی یہ عرض بھی حقیقتًا رب تعالٰی ہی کی طرف سے ہے کہ یہ عرض ان کے دل میں ڈال دی اس کی حکمتیں ہم ابھی کچھ پہلے عرض کرچکے ہیں۔

۶؎ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر جبریل امین بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہوئے اور دو قرأتوں کی اجازت لائے پھر دوبارہ فرمان عالی پا کر پھر وہاں پہنچے اور تین قرأتوں کی اجازت لائے غرض کہ محب و محبوب کے درمیان سات چکر لگائے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں نمازیں کم کرانے کو حضرت کلیم اور بارگاہِ رب العالمین کے درمیان دس دفعہ گردش فرمائی تھی یہ منظر بھی عجیب ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ وہ ایک قصہ خواں پر گزرے جو قرآن پڑھتا اور لوگوں سے مانگتا تھا۱؎ آپ نے انّاللہ پڑھی پھر فرمایا ۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو قرآن پڑھے تو اس کے ذریعہ صرف اللہ سے مانگے عنقریب ایسی قومیں ہوں گی جو قرآن پڑھیں گی اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گی(احمد،ترمذی) ۳؎

۱؎ محدثین کی اصطلاح میں قاصّ پیشہ ور واعظ کو کہتے ہیں جو اپنی تقریر میں احکام شرعیہ بیان نہ کرے صرف شعر اشعار قصے کہانیاں سنا کر لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرے اگرچہ قرآن شریف ہی کے قصے سنائے مگر احکام سے خالی جیسے آج کل کے عام بے علم واعظین یہ سب قاص ہیں واعظ نہیں کہ واعظ تو نصیحت کرنے والوں کو کہتے ہیں وہ نصیحت نہیں کرتا صرف پیسے مانگتا ہے حاجت مند کسی کو نصیحت نہیں کر سکتا۔

۲؎ اس گناہ و بدعت و علامت قیامت کو دیکھ کر آپ کو سخت صدمہ ہوا اظہار رنج کے لیے آپ نے اناللہ پڑھی۔

۳؎ یا تو اس طرح کہ دوران تلاوت میں جب آیت رحمت پر گزرے تو اس کے حصول کی دعا مانگ لے اور جب آیت عذاب تلاوت کرے تو اس سے پناہ مانگ لے یا اس طرح کہ تلاوت سے فارغ ہو کر دعا مانگے،معلوم ہوا کہ تلاوت سے فراغت پر خصوصًا ختم قرآن کے موقع پر دعا ضرور مانگی جائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے اس کے ذریعہ لوگوں سے کھائے ۱؎ وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کے منہ میں ہڈیاں ہوں گی ۲؎ گوشت نہ ہوگا ۳؎ (بیہقی) شعب الایمان

۱؎جیسا آج کل دیکھاجارہا ہے کہ بعض بھکاری مسجدوں میں بلکہ گلی کوچوں میں تلاوت کرتے پھرتے ہیں اور ہاتھ پھیلایا ہوتا ہے یہ حرام ہے کہ اس میں قرآن کریم کی توہین ہے۔خیال رہے کہ طلباء سے ختم قرآن شریف کرا کر ان کی دعوت بھی کی جاتی ہے اور کچھ نقدی بھی دی جاتی ہے یا علمائے دین سے جلسوں میں وعظ کراکر کرایہ و نذرانے دیئے جاتے ہیں یہ تمام صورتیں اس حکم سے خارج ہیں کہ وہاں ختم اور وعظ فی سبیل اللہ ہے اور ان کی خدمت فی سبیل اللہ جیسے مدرسین دینیہ کی تنخواہیں یا خلفائے اسلامیہ کے بھاری بھاری وظیفے نیز دم و تعویذ کی اجرت بھی اس سے خارج ہے کہ وہ تو علاج کی ہے نہ کہ تلاوت قرآن کی خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی اور صحابہ نے سورت فاتحہ پڑھ کر مارگزیدہ پر دم کیا اجرت میں تیس بکریاں لیں جن کا گوشت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ملاحظہ فرمایا جیسا کہ اسی مشکوٰۃ شریف کتاب الاجارہ میں ان شاءاللہ آئے گا۔

۲؎اس طرح کہ بھکاری چند لقمے حاصل کرنے کے لیے دروازہ پر بجائے صدا دینے کے قرآن کریم پڑھے تاکہ لوگ کچھ دے دیں اسے قرآن پڑھانے والوں کی اجرت مدرسین و علماء کی تنخواہیں سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ روش حدیث سے ظاہر ہے۔

۳؎یعنی ان کے چہروں پرذلت و خواری چھائی ہوگی جیسے آج بھی بعض لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ فقیر بھکاری ہے،خیال رہے کہ امت محمدیہ کے چھپے عیب اللہ تعالٰی بھی چھپائے گا،شان ستاری کی جلوہ گری ہوگی،مگر جو عیب خود ان لوگوں نے ہی علانیہ کئے ہوں وہ وہاں پر بھی علانیہ طور پر ظاہر ہوں گے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ بھکاری تو امت مصطفوی میں سے تھا پھر اس کا یہ عیب کیوں ظاہر فرمایا گیا کیونکہ یہ اظہار تو خود وہ ہی کرچکا ہے رب تعالٰی کسی کا پردہ فاش نہیں کرے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں میں فاصلہ نہ پہچانتے تھے حتی کہ آپ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم اتری تھی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎یہ حدیث مذہب حنفی کی قوی دلیل ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ سورتوں کے درمیان فیصلہ کے لیے نازل فرمائی گئی ہے اسی لیے امام جہری نمازوں میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتا اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پرسب سے پہلی سورۃ یعنی اقرأ باسم ربك اتری تو بسم اللہ نہ اتری کہ یہ نزول میں پہلی سورت تھی یہاں فصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس لیے بسم اللہ دوسری آیتوں سے ملا کر نہیں لکھی جاتی بلکہ علیحدہ سطر میں لکھی جاتی ہیں اوراس لیے سورۃ توبہ میں بسم اللہ نہ لکھی گئی کیونکہ وہاں بسم اللہ کی جگہ معلوم نہ ہوسکی سورۃ توبہ کا علیحدہ سورت ہونا مشکوک تھا اس لیے وہاں سورۃ کا نام تو لکھ دیا گیا بسم اللہ نہ لکھی گئی، بعض علماء نے فرمایا کہ بسم اللہ رحمت کی آیت ہےاور سورۃ توبہ عذاب و قہر کی سورۃ ہے اس لیے قہر کی سورت میں رحمت کی آیت مناسب نہیں۔(مرقات لمعات مع اضافہ)

روایت ہے حضرت علقمہ سے فرماتے ہیں ہم حمص میں تھے حضرت ابن مسعود نے سورۂ یوسف پڑھی تو ایک شخص بولا یہ اس طرح نہیں اتری حضرت عبداللہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک پڑھی [۱] جب کہ وہ شخص باتیں کررہا تھا کہ اس سے شراب کی بو محسوس کی تو عبداللہ نے فرمایا تو شراب پیتا ہے اور قرآن کو جھٹلاتا ہے پھر اسے حدلگائی [۲] (مسلم،بخاری)	

[۱] یعنی تو تو کہتا ہے کہ سورۂ یوسف اس طرح نازل ہوئی اور خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ ہی سورۃ سنی اور تصدیق و تحسین فرمائی تھی یہ فخریہ نہ کہا تھا بلکہ نعمت الٰہی کے اظہار کے لیے فرمایا۔

[۲] اسی کوڑے شراب پینے کی سزا اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ شراب کی بو منہ سے پائی جائے تو اس سے شراب پینے کا ثبوت ہوجائے گا، مجرم اقرار کرے یا نہ کرے،گواہی قائم ہو یا نہ ہو،مگر شرط یہ ہے کہ بو یقیناً شراب ہی کی ہو کھٹے سیب یا بہی کی نہ ہو،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔دوسرے یہ کہ شراب کی بو پائے جانے یا شراب کی قے کرنے پر بھی حد شرب یعنی شراب کی سزا دی جاسکتی ہے۔تیسرے یہ کہ نشہ والے کا ارتداد معتبر نہیں کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتا،دیکھو قرآن شریف کا یا اس کی متواتر قرأت یعنی طریقۂ ادا کا انکار کفر ہے،مگر حضرت ابن مسعود نے اسے مرتد قرار نہ دیا،بلکہ شرابی قرار دیا ورنہ آپ یا تو اسے قتل کراتے ورنہ تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم دیتے ایک بار حضرت حمزہ نے نشہ کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر صحابہ سے کہہ دیا تھا"**ھل انتم الا عبید لابی**"یہ گفتگو کفر تھی،مگر انہیں کافر نہ کہا گیا فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر میت سے بحالت نزع روح کفریہ بات سنی جائے تو اسے کافر نہ مانا جائے گا،اس کی نماز جنازہ و دفن کیا جائے گا کہ اس وقت ہوش ٹھکانے نہیں ہوتے بے ہوشی میں کہہ رہا ہے۔ بعض صوفیاء سے سکر کی حالت میں کلمۂ کفر ثابت ہیں جیسے **انا الحق** یا **سبحانی ما اعظم شانی** وہ معذور ہیں کہ مدہوش ہیں،نیند کا بھی یہ ہی حال ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں مجھے ابوبکر صدیق نے جنگ یمامہ کے موقعہ پر بلایا [۱] تو حضرت عمر ابن خطاب آپ کے پاس تھے ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ جناب عمر میرے پاس آئے تو بولے کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری بہت شہید ہو گئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اور چند جنگوں میں قاری شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ضائع ہوجائے گا [۲] لہذا میری رائے	

یہ ہے آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیں ۳؎ میں نے عمر سے کہا تم وہ کام کیسے کرسکتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ۴؎ فرماتے ہیں کہ تب حضرت عمر نے کہا رب کی قسم یہ کام اچھا ہے حضرت عمر بار بار یہ کہتے رہے حتی کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کشادہ کردیا ۵؎ اور میں نے حضرت عمر کی رائے میں مصلحت دیکھی حضرت زید کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر نے فرمایا تم جوان ہو عقلمند ہو ہمیں تم پر بداعتمادی نہیں ۶؎ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لکھتے رہے ہو ۷؎ لہذا تم ہی قرآن تلاش کرو اور اسے جمع کردو ۸؎ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کے ہٹادینے کا حکم دیتے وہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا قرآن جمع کرنے کا حکم مجھ پر بھاری پڑا ۹؎ فرماتے ہیں میں نے کہا آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا حضرت صدیق نے فرمایا خدا کی قسم یہ کام بہت ہی اچھا ہے ۱۰؎ پھر حضرت صدیق بار بار مجھے یہ فرماتے رہے حتی کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت صدیق و فاروق کا سینہ کھولا ۱۱؎ پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کی کہ اسے خرمے کی شاخوں، پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا ۱۲؎ حتی کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا ان کے سواء کسی کے پاس نہ ملا ۱۳؎ یعنی لقد جاء کم رسول سے ختم سورۃ برات تک ۱۴؎ پھر یہ اوراق حضرت ابوبکر کے پاس رہے حتی کہ رب نے انہیں وفات دی دی پھر تاحین حیات حضرت عمر کے پاس پھر حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس ۱۵؎ (بخاری) ۱۶؎	

۱؎ یمامہ ایک سر سبز شہر ہے جو مدینہ منورہ سے سولہ منزل پر واقع ہے، یمامہ عورت کے نام پر رکھا گیا، وہاں قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا اس پر بہت لوگ ایمان لے آئے ان مرتدین سے حضرت ابوبکر صدیق

نے جہاد کیا بڑے گھمسان کا رن پڑا بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں سات سو حافظ قرآن و قاری صحابہ بھی تھے قرآن کریم کی حفاظت خطرہ میں پڑ گئی حضرت خالد ابن ولید اسلامی سپہ سالار تھے،آخر حضرت وحشی نے مسلیمہ کو ہلاک کیا یہ کہہ کر کہ یہ حضرت حمزہ کے خون کا کفارہ ہے خولہ بنت جعفر حنیفہ اسی جنگ میں گرفتار آئیں، جو حضرت علی مرتضی کو دی گئیں جن سے محمد ابن حنیفہ پیدا ہوئے اس جنگ کی خبر قرآن کریم نے یوں"**سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ**"۔

۲؎ کیونکہ ابھی تک قرآن کریم نہ تو جمع ہوا ہے نہ کتابی شکل میں باقاعدہ لکھا گیا ہے صرف سینوں میں ہے اگر یہ سینے ہی ختم ہوگئے تو قرآن بھی ختم ہوجائے گا۔

۳؎ اے عمر فاروق اللہ تمہیں ہم سب کی طرف سے جزاء خیر دے تم ہی نے قرآن جمع کرایا اور تم ہی نے حفاظت قرآن کا ذریعہ قائم کیا،یعنی باقاعدہ تراویح کی جماعت میں ختم قرآن ہونا،اگر تراویح نہ ہوتی تو حفظ قرآن کا رواج بھی ختم ہوچکا ہوتا تمہارے احسان سے مسلمان تا قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتے،اللہ تمہاری قبر انور نور سے بھر دے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۴؎ یعنی جمع قرآن بدعت ہے اور ہر بدعت بری ہوتی ہے لہذا یہ کام بھی برا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں نہ ہو وہ بدعت ہے اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کر کے فرمایا **نعمت البدعة ھٰذہ** یہ بڑی اچھی بدعت ہے یعنی سنت صحابہ شرعی بدعت ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں قرآنی آیات کی ترتیب تو دے دی تھی کہ ہر آیت کے نزول پر فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد رکھو یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق تھی مگر قرآن جمع نہ فرمایا تھا کیونکہ جمع ممکن نہ تھا آخر حیات شریف تک تو مختلف سورتوں کی مختلف آیتیں آتی رہی ہیں جمع قرآن کی یہ سعادت تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان غنی کے نصیب میں تھی۔

۵؎ اور میں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں حتی کہ بدعت حسنہ مستحب کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوتی ہے،اس وقت جمع قرآن بدعت تھا مگر فرض تھا،اس سے بدعت حسنہ کا قوی ثبوت ہوا۔

۶؎ مجھے یقین ہوگیا کہ اس وقت جمع قرآن نہ کرنا یہ اس کے ضائع ہونے کا سبب ہوگا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جمع قرآن بدعت تھا مگر خیر بدعت۔

۷؎ یعنی جمع قرآن میں قوت کی بھی ضرورت ہے اور علم و حفظ اور دیانتداری کی بھی تم میں خدا کے فضل سے یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔

۸؎ یعنی اکثر کتابت وحی تم نے کی ہے،مرقات نے فرمایا کہ کاتبین وحی چوبیس صحابہ تھے جس میں خلفائے راشدین بھی ہیں ہم نے اپنی کتاب،امیر معاویہ میں بحوالہ صواعق محرقہ وغیرہ لکھا ہے کہ کاتبین وحی تیرہ ہیں،یعنی زیادہ تر لکھنے والے

خلفائے راشدین[۴]،عامر ابن فہیرہ[۵]،عبداللہ ابن ارقم[۶]،ابی ابن کعب[۷]،ثابت ابن قیس[۸]،خالد ابن سعید ابن عاص[۹]،حنظلہ ابن ربیع سلمی[۱۰] ،زید ابن ثابت[۱۱]،معاویہ ابن ابی سفیان[۱۲]،شرجیل ابن حسنہ[۱۳]۔

۹؎ یعنی یہ کام قریبًا سارے صحابہ کریں گے،مگر اس کے منتظم تم ہو گے،لہذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو قرآن کریم متواتر نہ رہا ایک زید ابن ثابت کی روایت سے شروع ہوا۔

۱۰؎ یا تو اس لیے کہ جمع قرآن کو میں نے بدعت جانا اور ناجائز سمجھا اس لیے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا جسمانی مشقت سے ہے اور جمع قرآن میں جسمانی اور روحانی دونوں مشقتیں ہیں یا اس لیے کہ پہاڑ ٹال دینے میں کوئی زمہ داری نہیں اور جمع قرآن میں قیامت تک مسلمانوں کے ایمان و اعمال کی حفاظت کی ذمہ داری ہے کہ اگر ایک آیت میں ذرا سی بھی غلطی ہوگئی تو کسی کے نہ ایمان کی خیر ہے نہ اعمال کی۔

۱۱؎ یعنی اگرچہ قرآن جمع کرنا بدعت ہے مگر اچھی بدعت ہے ۔خیال رہے کہ ایجادات صحابہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فرمایا ہے علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین لغوی معنے سے یعنی طریقہ و مسلک،رب تعالٰی نے فرمایاہے:"سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا"۔اور میں بھی سمجھ گیا کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بعض بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں جمع قرآن مجید ہے تو بدعت مگر اچھی ہے۔

۱۲؎ خیال رہے کہ چار صحابہ کو قرآن کریم مکمل حفظ تھا،ابی ابن کعب،زید ابن ثابت،معاذ ابن جبل،ابوالدرداء رضی اللہ عنہم،مگر حضرت زید نے صرف اپنی یاد پر جمع نہ فرمایا بلکہ تمام صحابہ سے ہر آیت کی تائید حاصل کی چنانچہ مختلف آیتیں مختلف صحابہ سے مختلف طرح ملیں کسی کو صرف یاد تھیں،کسی کے پاس یاد کے علاوہ پتوں،پتھروں وغیرہ پر لکھی ہوئی بھی تھیں،حضرت زید بن ثابت نے ان تمام چیزوں کو جمع کیا،پھر اپنی یاد سے مقابلہ کیا پھر انہیں مختلف اوراق میں پرچوں کی شکل میں یکجا کرکے انہی دھاگہ سے باندھ کر ایک تھیلہ میں محفوظ کرلیا۔صدیق اکبر کے زمانہ میں جمع قرآن کی یہ نوعیت ہوئی کہ آیات قرآنیہ متفرق تھیں ایک دھاگہ اور ایک تھیلہ میں جمع ہوگئیں،حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں یہ تمام پرزے اور ورق ایک کتابی شکل میں جمع کرکے ان کی مختلف نقلیں کرا کر ہر طرف بھیجی گئیں کتابی شکل میں قرآن کا آنا عہد عثمانی میں ہوا،اس لیے حضرت عثمان کو جامع قرآن کہا جاتا ہے۔خلاصہ یہ کہ جمع قرآن تین بار ہوا ایک بار تو عہد نبوی میں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیں،پھر عہد صدیقی میں کہ مختلف اوراق ایک دھاگہ ایک تھیلہ میں جمع ہوگئے پھر عہد عثمانی میں قرآن شریف کتابی شکل میں آگیا،لمعات و مرقات،اس تقریر سے تمام شبہات دفع ہوگئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جمع قرآن کیوں نہ کیا،یہ کہ جب جامع قرآن ابوبکر صدیق ہیں تو عثمان غنی کو جامع قرآن کیوں کہا جاتا ہے۔یہ کہ پھر تو قرآنی آیات متواتر نہ رہیں بعض مشکوک ہوگئیں جو محض اوراق یا پتوں یا پتھروں سے لی گئیں وغیرہ۔

۱۳؎ یعنی یہ آیت ابوخزیمہ انصاری کے سواء کسی کے پاس لکھی ہوئی محفوظ نہ تھی یاد مجھے بھی تھی اور دوسرے صحابہ کو بھی مگر میں نے صرف اپنی یاد پر آیات جمع نہ کیں لہذا اس سے لازم یہ نہیں کہ یہ آیت متواتر نہ تھی۔

۱۴؎ براءۃ سورۃ توبہ کا نام ہے کیونکہ اس کے اول میں ہے "بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ" یعنی سورۂ توبہ کی آخری آیت "لَقَدْ جَآءَكُمْ" سے "رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" تک صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی،مرقات نے فرمایا کہ الفاظ قرآن دلیل قطعی سے ثابت ہیں اور طریقہ کتابت دلیل ظنی سے۔

۱۵؎ چونکہ صدیق اکبر کی حیات شریف میں ہی حضرت عمر خلیفہ ہوگئے تھے۔اس لیے اوراق آیات کا یہ تھیلہ عمر فاروق کو خود صدیق اکبر ہی نے عطا فرمادیا تھا اور حضرت فاروق کی زندگی میں خلیفہ مقرر نہ ہوا تھا بعد میں چناؤ ہونا تھا،اس لیے یہ اوراق جناب عمر کی صاحبزادی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حفصہ کے پاس امانۃ محفوظ رہے جو پھر حضرت عثمان نے ان سے منگالیے جس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے ۔

۱۶؎ یہاں مرقات نے حدیث حسن نقل کی کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر احسان عظیم فرمانے والے ابوبکر صدیق ہیں اللہ ان پر رحمتوں کی بارش کرے کہ مسلمانوں کو قرآن جمع کرکے دے گئے وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے خفیہ قرآن جمع کیا وہ روافض کی گھڑی ہوئی ہے ورنہ وہ ضرور اس قرآن کی اشاعت کرتے قرآن تو اشاعت کے لیے آیا نہ کہ غار میں چھپانے کے لیے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ" یعنی قرآن چھپانے والے پر اللہ کی اور سب خلق کی لعنت ہے۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے کہ حضرت حذیفہ ابن یمان جناب عثمان کی خدمت میں آئے جب کہ آپ فتح ارمینیہ میں شام والوں اور فتح آذربیجان میں عراق والوں سے جہاد کر رہے تھے حضرت حذیفہ کو لوگوں کی قرأت قرآن کے اختلاف نے گھبرا دیا تھا۱؎ چنانچہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے عرض کیا اے امیرالمؤمنین اس امت کی اس سے پہلے مدد کیجئے جب کہ وہ یہود و نصارٰی کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کر بیٹھیں ۲؎ تب جناب عثمان غنی نے بی بی حفصہ کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس وہ اوراق بھیج دو تاکہ ہم انہیں صحیفوں میں نقل کرلیں۳؎ پھر تمہیں واپس کردیں گے ۴؎ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے جناب عثمان کو بھیج دیئے آپ نے حضرت زید ابن ثابت عبداللہ ابن زبیر سعید ابن عاص عبداللہ ابن حارث ابن ہشام کو حکم دیا۵؎ انہوں	

	نے اسے مختلف صحیفوں میں نقل کیا ٦ اور حضرت عثمان نے قریشی جماعت سے فرمایا جو تین صاحب تھے ٧ کہ جب تم اور زید ابن ثابت قرآن کی کسی آیت میں اختلاف کرو ٨ تو اسے زبان قریش ہی میں لکھنا کیونکہ قرآن زبان قریش میں اترا ہے ٩ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا حتی کہ جب یہ صحیفے دیگر مصاحف میں نقل کرلیے تو حضرت عثمان نے یہ اوراق بی بی حفصہ کو واپس کردیئے اور ان نقل شدہ میں سے ہر طرف ایک نسخہ بھیج دیا ١٠ اور ان کے سواء بقیہ اور نسخوں کو جلا دینے کا حکم دے دیا ١١ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے خارجہ ابن زید ابن ثابت نے خبر دی ١٢ کہ انہوں نے حضرت زید ابن ثابت کو فرماتے سنا کہ میں نے سورۂ احزاب کی ایک آیت قرآن نقل کرتے وقت گم پائی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا ١٣ ہم نے اسے بہت تلاش کیا تو اسے خزیمہ ابن ثابت انصاری کے پاس پایا ١٤ یعنی یہ آیت کہ مؤمنوں میں بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالٰی سے کئے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا چنانچہ ہم نے اسے قرآن شریف میں اس سورت سے ملادیا۔(بخاری) ١٥

١ بلادالغرب میں آذر بیجان مشہور شہر ہے اور اسی شہر کے نام سے علاقہ کو بھی آذر بیجان کہا جاتا ہے اس علاقہ میں آرمینیہ مشہور شہر ہے عہد عثمانی میں یہ علاقہ فتح ہوا اس جہاد میں شام و عراق کے غازی جمع تھے،

یہ حضرات قرآن کریم مختلف طرح پڑھتے تھے اور ہر ایک کہتا تھا کہ میرا قرآن صحیح دوسرے کا غلط ہے یہ اختلاف یا تو مختلف قرأتوں کی بنا پر تھا جو زمانہ نبوی میں مروج ہوچکی تھیں یا اس لیے کہ بعض صحابہ کے پاس قرآنی آیتوں کے ساتھ کچھ تفسیری نوٹ تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے وہ اسے قرآن سمجھ بیٹھے تھے اور قرآن کی طرح ان کی بھی تلاوت کرلیتے تھے۔

٢ یعنی اے امیر المؤمنین ابھی تو عہد صحابہ ہے اگر اس وقت سے قرآن میں اختلاف پیدا ہوگیا تو آگے چل کر سینکڑوں قسم کے قرآن جمع ہوجائیں گے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا ہر فرقہ کہے گا کہ میرا قرآن درست ہے دوسرے کا غلط جیسا کہ آج توریت و انجیل کے نسخوں کا حال ہے۔

٣ حضرت عثمان غنی نے پہلے پچاس ہزار مسلمانوں کو جمع فرما کر ان سے مشورہ کیا سب نے بالاتفاق جمع قرآن کی رائے دیدی پھر آپ نے حضرت ام المؤمنین حفصہ بنت عمر فاروق سے جمع شدہ تھیلا منگایا یہاں مصحف سے مراد وہ اوراق ہیں جو

حضرت صدیق اکبر جمع فرما کر دھاگے سے باندھ کر یکجا کر گئے تھے اور مصاحف سے مراد قرآن کریم کے مکمل نسخے ہیں جو کتابی شکل میں ہوں لہذا حدیث واضح ہے۔

۴؎ کیونکہ حضرت حفصہ کے پاس قرآن بصیغہ امانت تھا نہ کہ یہ اوراق،قرآن مجید نقل کرکے اوراق انہیں بھیج دیئے گئے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت حفصہ کو وہ اوراق واپس کیوں کئے گئے۔

۵؎ یعنی قرآن کے جمع کے لیے یہ چار حضرات منتخب ہوئے جن میں سے حضرت زید ابن ثابت تو انصاری تھے باقی تین حضرات مہاجر قرشی تھے۔

۶؎ چار یا سات نسخے قرآن کریم کے جمع کئے جن میں سے ایک نسخہ یہاں مدینہ پاک میں رکھا گیا باقی تمام اطراف میں بھیج دیئے گئے۔

۷؎ جن کے نام ابھی ابھی ذکر کئے گئے عبداللہ ابن زبیر، سعید ا بن عاص،عبداللہ ابن حارث۔

۸؎ اس طرح کہ تمہاری قرأۃ کچھ اور طرح ہو،اور حضرت زید ابن ثابت کی قرأۃ دوسری طرح اس اختلاف کی وجہ وہ ہے جو پہلے گزر چکی کہ زمانہ نبوی میں تلاوت قرآن مختلف قرأتوں سے ہوتی تھی ۔

۹؎ یعنی نزول قرآن تو قریشی زبان میں ہوا پھر آسانی کے لیے دیگر لوگوں کو اپنی لغتوں میں تلاوت کی اجازت دی گئی تھی اس وقت کے لحاظ سے جیسے نزول تو ہوا"مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"مگر اجازت دی گئی"مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"پڑھنے کی بھی یا نزول تو ہوا ننشزھا ز نقطے والی سے مگر اجازت دی گئی ننشرھا پڑھنے کی بھی راء مہملہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے صرف جمع قرآن کا اہتمام فرمایا لغت قریش پر ہو یا دوسری لغت پر۔مگر حضرت عثمان نے جمع بھی کیا اور دوسری قرأتوں سے چھانٹ بھی دیا جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں ایک فرق یہ بھی ہے،حضرت حفصہ سے اوراق قرآن منگانے کا منشاء یہ تھا کہ کوئی آیت رہ نہ جائے نہ یہ کہ بعینہٖ نقل کردی جائے لہذا اس واقعہ پر اعتراض نہیں۔

۱۰؎ چنانچہ قرآن کریم کے سات نسخے نقل کئے گئے جن میں سے ایک مدینہ پاک میں رکھا گیا اور ایک کوفہ،ایک بصرہ ایک شام،ایک بحرین اور ایک مکہ معظّمہ کو بھیجے۔

۱۱؎ یحرق ح مہملہ سے ہے،بمعنی جلادینا،بعض نسخوں میں یخرق خ منقوطہ سے ہے بمعنی پھاڑ ڈالنا یعنی اس کے علاوہ قرآن کے دوسرے اوراق کے جلا ڈالنے کا حکم دیا یا پھاڑ دینے کا مگر یحرق حاء مہملہ سے زیادہ مشہور ہے۔ خیال رہے کہ بعض صحابہ کے پاس کچھ اوراق تھے جن میں وہ آیات بھی تھیں جو منسوخ التلاوت ہوچکی تھیں۔مگر انہیں نسخ کی خبر نہ ہوئی تھی اور بعض تفسیری نوٹ بھی تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے ساتھ بطور تفسیر ارشاد فرمائے تھے یہ حضرات ان سب کو قرآن ہی سمجھے ہوئے تھے جیسے حضرت ابی ابن کعب یا ابن مسعود کے مصاحف،اگر وہ اوراق باقی رہ جاتے تو مسلمانوں میں بڑا فتنہ پھیلتا،ہر فرقہ کہتا کہ یہ قرآن درست دوسرا غلط اس لیے باقی تمام نسخے جلوادیئے گئے بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ فضائل علی و اہل بیت کی آیات جلادی گئیں اور اب یہ موجودہ قرآن ناقص ہے مگر یہ محض غلط ہے ورنہ حضرت علی مرتضی اس وقت خاموش نہ بیٹھتے قرآن کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کردیتے کم از

کم اپنے دور خلافت میں اس اصلی قرآن کو جاری کرتے اور اس قرآن سے نماز وغیرہ کبھی ادا نہ کرتے،یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت ان نسخوں کا جلا ڈالنا ہی بہتر بلکہ ضروری تھا کہ اگر وہ دفن ہوتےتو بعد میں پھر نکال لیے جاتےاور ان کی اشاعت سے فساد پھیلتا اور اتنے اوراق دھونا دشوار بھی تھا اور خطرناک بھی ورنہ بے کار قرآن کے اوراق کا دفن کردینا بہتر ہے یا اگر قلمی ورق ہو تو اسے دھو کر پی لینا افضل ہے کہ یہ پانی ہر مرض کی شفا ہے۔ مرقاۃ

۱۲؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور خارجہ زید ابن ثابت کے بیٹے ہیں،مدینہ منورہ کے بڑے علماء میں سے تھے تابعی ہیں انہوں نے اپنے والد زید ابن ثابت سے یہ سنا۔

۱۳؎ یعنی جب ہم نے صحیفہ صدیقی سے صحف عثمانیہ میں قرآن شریف نقل کیا تو اس صحیفہ میں یہ آیت نہ ملی غالب یہ ہے کہ وہ پرچہ اس عرصہ میں گم ہوگیا ہوگا یا گل گیا ہوگا ورنہ حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں ساری آیتیں مع ساری قرأتوں کے جمع ہوچکی تھیں ان بزرگوں کو یہ آیت بخوبی یاد تھا مگر کوشش یہ کی گئی کہ کہیں سے یہ آیت لکھی ہوئی بھی مل جائے اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کے وقت کا ہو۔

۱۴؎ یعنی لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ انصاری کے پاس تھی باقی دوسرے لوگوں کو یاد ضرور تھی حضرت خزیمہ کی کنیت ابو عمارہ ہے،اوسی ہیں،بدری ہیں،بدراور اس کے بعد کے تمام غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔

۱۵؎ اس طرح کہ یہ آیت سورۂ احزاب میں اپنی جگہ پر رکھ دی گئی،مرقات نے فرمایا کہ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ پہلی جمع کے وقت ہوا یعنی زمانہ صدیقی اس وقت سورہ توبہ کی آیت "لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ"کا بھی یہی معاملہ ہوا تھا ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ زمانہ صدیقی میں تمام قرآن جمع ہوجائے اور پھر یہ آیت اس میں نہ ہو،یہ جمع ۲۵ھ میں ہوا۔مرقات نے فرمایا کہ عہد صدیقی کا جمع کیا ہوا قرآن مروان ابن حکم کے زمانہ میں جلادیا گیا حضرت حفصہ کی وفات کے بعد۔اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ حضرت علی نے بھی نزول کے مطابق قرآنی آیات جمع فرمائی تھیں مگر فتنہ کے خوف سے اس قرآن کی اشاعت نہ کی بلکہ اسے تلف کردیا تاکہ مسلمانوں میں دو قرآن نہ ہوجائیں کہ یہ سخت فتنہ کا باعث ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تمہارے لیے اس کا کیا سبب ہوا کہ تم نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورۃ براءۃ سے ملادیا جو مائین میں سے ہے ۱؎ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی ۲؎ اور تم نے اسے سات بڑی سورتوں میں رکھ دیا اس کی وجہ کیا ہوئی ۳؎ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زمانہ گزرتا رہتا تھا کہ آپ پر متعدد سورتیں نازل ہوتی

رہتی تھیں ۴؎ اور جب بھی آپ پر کوئی آیت اترتی تو بعض کاتبین وحی کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ آیتیں اس سورہ میں رکھو جن میں فلاں فلاں چیزوں کا ذکر ہے ۵؎ پھر جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو فرماتے کہ اس آیت کو اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے ۶؎اور سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ پاک میں پہلے نازل ہوئیں اور سورہ برات نزول میں آخری قرآن ہے ۷؎اور اس کا قصہ سورۂ انفال کے قصے سے مشابہ تھا ۸؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ صراحۃً بیان نہ فرمایا کہ یہ سورۂ انفال کا جزء ہے ۹؎ اس لیے میں نے انہیں ملا تو دیا مگر **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کی سطر نہ لکھی اور میں نے اسے سات لمبی سورتوں میں رکھا ۱۰؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)۱۱؎	

۱؎قرآن کریم کی تقسیم یوں ہے کہ اول قرآن کا نام مثانی ہے اس کے بعد مئین،پھر تواں یا توابع پھر مفصل سورۂ حجرات سے آخر قرآن کا نام مفصل ہے مثانی سورت فاتحہ کا نام بھی ہے اور سارے قرآن کریم کا بھی،اور اس کی اگلی سات سورتوں کا بھی،حضرت ابن عباس نے حضرت عثمان سے دو سوال کئے ایک یہ کہ سورۃ انفال تمہارے جمع کے مطابق مثانی حصے کی سورۃ ہےاو ر سورۂ توبہ مئین حصہ کی سورت آپ حضرات نے ان دونوں سورتوں کو ملا کیوں دیا،نیز سورۂ انفال چھوٹی سورۃ ہے کہ چھہتّر آیتوں کی ہے،اور سورہ توبہ بہت بڑی کہ اس کی ایک سو انتیس آیتیں ہیں۔چنانچہ مثانی سورتیں بڑی ہیں اور مائین چھوٹی،مگر آپ نے چھوٹی سورت کو مثانی میں داخل کیا اور بڑی یعنی توبہ کو مئین میں،چاہیئے تھا اس کے برعکس ہونا۔

۲؎یہ دوسر ا سوال ہے یعنی تمام سورتوں کو **بسم اللہ** سے شروع کیا جاتاہے مگر تم نے سورۂ توبہ کے اول **بسم اللہ** نہ لکھی خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ کا سورت سے فصل دو چیزوں سے ہوتا ہے ایک سورۃ کا نام آیتوں،رکوعوں کی تعداد کا ذکر اور دوسرے **بسم اللہ** آپ نے ان دو سورتوں انفال و توبہ کے درمیان ایک فصل تو رکھا مگر دوسرا فصل **بسم اللہ** والا نہ کیا اس کی کیا وجہ ہے **سبحان اللہ**! دونوں سوال بہت ہی اہم ہیں۔

۳؎یعنی سورۃ انفال کو جس کی آیتیں سو سے کم بھی ہیں مثانی میں رکھا حالانکہ مثانی سورتوں کی آیتیں تو مئین سے بھی زیادہ ہونی چاہئیں۔خیال رہے کہ مئین سورتوں کی آیتوں سو سے زیادہ ہیں اس لیے انہیں مئین کہتے ہیں اور مثانی کی آیتیں تو مئین سے بھی زیادہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ پہلے چاہیئے تھی کہ بڑی ہے اور سورۂ انفال بعد کہ یہ چھوٹی ہے۔

۴؎ یعنی کبھی تو عرصہ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نہ آتی تھی اور کبھی مسلسل سورتیں آتی رہتی تھیں پھر آیات کے نزول کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سورۃ کی کوئی آیت آگئی اور کبھی دوسری سورہ کی کوئی آیت سورتوں کے نزول کا بھی یہ ہی حال تھا کہ کبھی پچھلی سورۃ پہلے آگئی اور کبھی اگلی سورۃ پیچھے نازل ہو گئی،کیونکہ سورتوں آیتوں کا نزول حسب ضرورت ہوتا تھا یہ ترتیب نزول کے مطابق نہیں بلکہ لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے ہے یہ کلام جواب کے علاوہ ہے۔

۵؎ یعنی جب کوئی آیت نازل ہوتی تو فرمادیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں آیت کی بعد رکھو معلوم ہوا کہ ترتیب آیات توقیفی چیز ہے،جس میں عقل کو دخل نہیں،اسی لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم اپنے اہتمام سے ترتیب دلائی،کیو نکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لوح محفوظ پر تھی،دیکھتے تھے کہ وہاں کون سی آیت کس جگہ ہے،ادھر دیکھ کر ادھر ترتیب دیتے تھے۔

۶؎ یہ دونوں جملے مکرر معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں فرق یہ ہے کہ وہاں شیئ فرمایا گیا جس سے چندآیتوں کا مجموعہ مراد ہے اور یہاں آیۃ ارشاد ہوا یعنی ایک آیت مطلب یہ ہوا کہ اگر چند آیتیں ایک دم آتیں تو ان میں بھی سرکار خود ہی ترتیب دیتے تھے،اور اور اگر صرف ایک آیت آتی تب بھی ترتیب دیتے۔ خیال رہے کہ آیتوں کی ترتیب توبالاتفاق توقیفی ہے جس میں عقل کو دخل نہیں مگر سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے بعض نے کہا وہ بھی توقیفی ہے بعض کے ہاں نہیں۔(مرقات)

۷؎ یعنی سورۃ انفال و براءت دونوں مدنی ہیں،اس لیے انہیں ایک ساتھ رکھا گیا،پھر سورۂ انفال پہلے اتری،اس لیے اسے آگے رکھا گیا،اور سورہ براءت بعد آئی،اس لیے اسے پیچھے رکھا گیا یہ وجہ جمع و ترتیب کی ہوئی۔

۸؎ یعنی سورۂ انفال و براءت کا مضمون یکساں ہے کہ سورۃ انفال میں اکثر دین کی سر بلندی کفر کی نگو نساری کا ذکر ہے اور سورہ براءت میں زیادہ تر منافقوں کی رسوائی ان کی پردہ دری و عتاب کا ذکر ہے جو دین کی بلندی کا نتیجہ ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔

۹؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے نزول سے معلوم فرماتے تھے کہ یہ آیت مستقل علیحدہ سورۃ ہیں یہ ہی ہم کو بتادیتے تھے مگر سورۂ براءۃ کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر نہ دی کہ یہاں **بسم اللہ** آگئی ہے یہ سورۃ انفال سے علیحدہ سورت ہے۔

۱۰؎ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ ان دونوں سورتوں کا مدنی ہونا دونوں کے مضامین کا بہت مناسب ہونا درمیان میں **بسم اللہ** نہ آنا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورۃ ہیں اس لیے درمیان میں **بسم اللہ** نہ لکھی گئی مگر دونوں کے نزول میں اتنا فاصلہ ہونا کہ سورہ انفال شروع ہجرت میں نازل ہوئی اور سورت توبہ آخر میں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ دو سورتیں ہیں اس لیے میں نے ان کی علیحدگی کی ایک علامت تو رکھ دی یعنی درمیان میں لمبا خط سورۃ کا نام اس کی آیتوں رکوعوں کا ذکراور دوسری علامت نہ رکھی یعنی **بسم اللہ**،پتہ لگا کہ جمع قرآن میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا گیا۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **بسم اللہ** رحمت کی آیت ہے اور سورہ توبہ کفار سے امان اٹھانے،عذاب آنے کی آیت ہے اسی لیے

رحمت کی آیت اس کے اول میں نہ لکھی گئی۔مرقات ولمعات اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب محض توقیفی نہیں اس میں کچھ عقل کو بھی دخل ہے۔

۱۱؎اس سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ جمع صدیقی کتابی شکل میں نہ تھی اوراق کو مرتب کرکے دھاگے باندھ دیا گیا تھا اور جمع عثمانی میں قرآن کتابی شکل میں ہوا دوسرے یہ کہ جمع صدیقی میں تمام قرأتیں موجود تھیں مگر جمع عثمانی میں صرف ایک قرأۃ رکھی گئی کیونکہ مختلف قرأتوں کی اب ضرورت نہ رہی تھی لوگ اس قرأت کے عادی ہوچکے تھے اور اس جمع میں وہ ہی قرأت رکھی گئی جو جبریل امین لائے تھے باقی قرأتوں کی لوگوں کو اجازت دیدی گئی تھی،ضرورتًا کہ اپنی زبان میں قرآن پڑھ لیں۔ان قبیلوں کی زبانوں میں کچھ الفاظ میں معمولی فرق تھا جیسے مَلِكِ مَالِكِ ننشرُ اور ننشزُ راء مہملہ وزاء معجمہ ہے۔

کتاب الدعوات

دعاؤں کا بیان [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] دعوات دعوت کی جمع ہے،بمعنی دعا چھوٹے کا اپنے بڑے سے اظہار عجز کے ساتھ مانگنا دعا کہلاتا ہے چونکہ دعائیں صد ہا قسم کی ہیں اس لیے دعوات جمع بولا۔دعا مانگنا بھی ایک عبادت ہے بلکہ عبادات کا مغز ہے حدیث، بعض علماء دعا کو افضل کہتے ہیں،بعض رضاء بالقضاء کو مگر بہتر یہ ہے کہ زبان سے دعا مانگے اور دل میں رضاء رکھے کہ اگر دعا قبول نہ ہو تو ملول نہ ہو،اس صورت میں دعاء رضا دونوں پر عمل ہوگا،بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عمومی حالات میں دعا مانگنا بہتر ہے کہ اس میں بندگی کا اظہار ہے،اسی لیے تمام انبیاء خصوصًا حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی ہیں مگر بوقت امتحان رضا بالقضاء افضل ہے اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نار نمرود میں جاتے وقت دعا نہ مانگی بلکہ حضرت جبریل کے عرض کرنے پر فرمایا "کفانی عن سوالی علمه بحالی" لہذا دونوں قسم کے واقعات آپس میں متعارض نہیں(از لمعات مع زیادۃ)دعا و ترک دعا کی اور بھی توجیہیں کی گئیں ہیں مگر یہ توجیہ بہت بہتر ہے احوال مختلف ہیں،جیسے حالت ویسا عمل۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کی ایک دعا خصوصًا قبول ہوتی ہے تو ہر نبی نے اپنی وہ دعا یہاں استعمال کرلی [1] اور میں نے اپنی دعا روز قیامت کے لیے بچا رکھی اپنی امت کی شفاعت کے واسطے چنانچہ میری وہ دعا ان شاءاللہ میرے ہر اس امتی کو پہنچے گی جو اس طرح مرے کہ رب تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو [2] (مسلم)اور بخاری میں کچھ مختصر ہے۔	

[1] یعنی یوں تو انبیاء کرام کی قریبًا ساری دعائیں ہی قبول ہیں مگر رب تعالٰی کی طرف سے ہر نبی کو ایک خصوصی دعا عطا ہوتی ہے جس کے متعلق رب تعالٰی کا حتمی وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ضرور قبول کریں گے تمام نبیوں نے اپنی اپنی دعائیں دنیا میں استعمال فرمالیں کسی بزرگ نے ہلاکت کفار کے لیے جیسے حضرت نوح،صالح،لوط و ہود علیہم الصلوۃ والتسلیمات اور بعض انبیائے کرام نے کسی اور مقصد کے لیے استعمال فرمالیں جیسے حضرت ابراہیم اسمٰعیل یعقوب و یوسف علیہم الصلوۃ والسلام کسی بزرگ نے اپنی دعا کسی مقصد میں استعمالی فرمالی یہ بہت وسیع مضمون ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎یعنی میں نے اپنی وہ دعا یہاں استعمال نہ کی بلکہ قیامت کے لیے اٹھا رکھی ہے اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور اسی کا فائدہ ہر وہ شخص اٹھائے گا جسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ خیال رہے کہ ایسے موقع پر شرک نہ کرنے سے مراد کفر نہ کرنا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ"الخ لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مرزائیوں،چکڑالویوں وغیرہ مرتدین کو پہنچے گی کہ یہ لوگ مشرک تو نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میں نے تجھ سے ایک عہد لے لیا ہے تو ہر گز اس کے خلاف نہ کرے گا۱؎ کہ میں بشر ہوں،لہٰذا جس مسلمان کو میں ایذاء دے دوں اسے برا کہہ دوں بددعا کردوں کوڑا ماروں تو تو اس کے لیے رحمت و پاکی اور قربت بنا کہ جس کے ذریعہ اسے قیامت کے دن اپنے سے قریب فرما۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ عہد سے مراد دعا ہے اور یہ کلام اخبار نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی اے مولیٰ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تو میری دعا رد نہ فرمائے گا کیونکہ نبی کی دعا رد نہیں ہوتی ان کی دعا مثل عہدِ الٰہی کے ہے جس کے خلاف کا احتمال نہیں مرقات۔

۲؎یعنی چونکہ تو نے مجھ میں بشریت بھی ودیعت رکھی ہے اور بشریت کے لیے غصہ بھی لازم ہے اگر میں کسی وقت غصہ میں کسی کو زبانی یا بدنی تکلیف پہنچادوں تو تو میری بددعا یا میری مار کو اس شخص کے لیے رحمت بنادینا میری بددعا کو الٹی کرکے لگانا اس فرمان پاک سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بددعاؤں کو جو کسی امتی کے لیے ہوجائیں خود دعا بنادیا کہ عرض کیا خدایا وہ بددعائیں میری قبول نہ فرما بلکہ ان کے برعکس کردے،دوسرے یہ کہ نبی اگر کسی پر بلاوجہ سختی فرمادیں برا کہہ دیں،مار دیں تو ان پر قصاص نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی بھی پکڑ لی اور بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا بھی مگر قصاص نہیں دیا۔ تیسرے یہ کہ حضرت امیر معاویہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے یہ بددعا یقینًا ان کو دعا ہو کر لگی کہ غریب تھے پھر اتنے بڑے مالدار ہوئے کہ اما حسن و حسین علیہما السلام اور حضرت علی کے بھائی عقیل کو لاکھوں روپے نذرانے دیتے رہتے تھے دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔ خیال رہے کہ ان تمام سے وہ بددعائیں و سزائیں مراد ہیں جو غیر مستحق کو دی جائیں اور ممکن ہے کہ عام بددعائیں و سزائیں مراد ہوں،مستحق کو دی جائیں یا غیر مستحق کو بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں(اشعہ)یہاں مرقات نے فرمایا کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز بہت اصرار سے مانگی اور سرکار کا دامن پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ مجھے وہ چیز دے کر جائیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا کہ تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں حضرت ام المؤمنین غمگیں بیٹھ گئیں،تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی بعض سے فرمادیا عقرٰی حلقٰی بعض کو فرمایا رغم انف ابی ذر۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے الٰہی اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے تو مجھے روزی دے [1] بلکہ پورے عزم سے دعا مانگے کیونکہ رب تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا [2] (بخاری)

[1] کیونکہ ان الفاظ سے کچھ بے رغبتی سی ظاہر ہوتی ہے مطلب یہ نکل آتا ہے کہ مجھے اس چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر توچاہتا ہے تو دے دے وہاں دل کی رغبت دیکھی جاتی ہے۔

[2] یعنی تم دل کے یقین سے دعا کرو اور عرض کرو کہ مجھے ضرور یہ عطا فرمادے رہی عطا وہ تو بہرحال اس کے کرم پر موقوف ہی ہے تم خود تو یقین قبول رکھو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے الٰہی اگر چاہے تو مجھے بخش دے لیکن عزم کرے اور خوب رغبت ظاہر کرے [1] کیونکہ رب تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں جو چاہے دیدے [2] (مسلم)

[1] مثلًا کہے کہ خدایا یہ چیز مجھے ضرور دے دے مجھے اس کی ضرورت ہے میں تو تیرے دروازے سے لے کر ہی اٹھوں گا بتا تیرے سواء میرا دروازہ اور کون سا ہے،وغیرہ وغیرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی مانگو۔شعر

اگر میرا نیم ازور بمن ہمسادرِ دیگر   کراخوانم کجانا لم اغثنی یارسول

[2] یعنی جو چیز ہمارے لیے مشکل سے مشکل ہے وہ رب تعالیٰ کو آسان ہے،اگر تمام جہان کی ساری تمنائیں پوری کردے تو یہ تمام اس کے سمندر کرم کا ایک قطرہ بلکہ اس سے بھی کم اس کے کن فرمادینے میں ہمارا بیڑا پار ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے [1] جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لے عرض کیا گیا یارسول اللہ جلد بازی کیا ہے فرمایا یہ کہ کہے میں نے دعا مانگی اور مانگی مگر مجھے امید نہیں کہ قبول ہو لہذا اس پر دل تنگ ہوجائے اور دعا مانگنا چھوڑ دے [2] (مسلم)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دعا نہ مانگے کہ خدایا مجھے شراب پینا نصیب کریا فلاں کو قتل کردینے کا موقع دے،نیز جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم ہے ان کے توڑنے کی دعا نہ کرے کہ خدایا مجھے میرے باپ سے دور رکھ۔ یہاں

مرقات نے فرمایا کہ ناممکن چیزوں کی دعا مانگنا بھی منع ہے جیسے خدا مجھے دنیا میں ان آنکھوں سے اپنا دیدار کرادے یا فلاں مسلمان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھ یا فلاں کافر کو بخش دے اسی لیے کفار و مرتدین کو مرحوم مغفور یا رحمۃ اللہ علیہ کہنا جرم ہے،مطلب حدیث کا یہ ہے کہ قبولیت دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ ناجائز چیزوں کی دعا نہ کرے ورنہ قبول نہ ہوگی۔

۲؎ یعنی قبول دعا کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر قبول دعا میں دیر لگے تو نہ دل تنگ ہو نہ رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس،دیکھو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی دعا کہ خدایا فرعون کو ہلاک کردے چالیس سال کے بعد قبول ہوئی یعنی قبول کا اظہار اتنے عرصہ بعد ہوا،یعقوب علیہ السلام فراق یوسف علیہ السلام میں چالیس یا اسی سال تک روئے مگر رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے بلکہ اپنے بچوں سے فرمایا"وَلَا تَايۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ"اے بچو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔غرضکہ ہر کام کا ایک وقت ہے،دعا مانگے جائے،مانگنا بندے کا کام ہے دینا رب تعالٰی کا کام اپنے کام کو اس کے کام پر موقوف نہ کیجئے۔شعر

حافظ وظیفہ تو دعا کردن است و بس　　　　در بند آں مباش کہ شنید یا نہ شنید

قبول دعا کی بہت قسمیں ہیں،مدعامل جانا،دعا کی برکت سے کوئی آفت ٹل جانا دعا کا ثواب مل جانا،درجات بلند ہوجانا،جو کچھ ہوجائے ہمارا مدعا حاصل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی پس پشت دعا ضرور قبول ہے ۱؎ اس کے سر کے پاس فرشتہ مقرر ہوتا ہے ۲؎ کہ وہ جب اپنے بھائی کے لیے دعا خیر کرتا ہے تو مقرر فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی اس جیسا ملے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ کسی کے سامنے اس کے لیے دعا کرنے میں چاپلوسی،خوشامد،ریاء وغیرہ کا احتمال ہے مگر پس پشت دعا میں یہ کوئی احتمال نہیں،اس میں اخلاص ہی ہوگا اسی لیے پس پشت کی قید لگائی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کی خدمت بہترین عبادت ہے اور اس کی خیر خواہی بہترین عمل۔

۲؎ یہ فرشتہ کوئی اور فرشتہ ہے جس کے ذمہ یہ ہی خدمت کہ ایسی دعاؤں پر آمین کہا کرے،محافظ یا کاتب اعمال فرشتہ نہیں وہ فرشتہ تو داہنے بائیں ہر وقت رہتے ہیں۔

۳؎ یعنی تم مسلمان بھائی کے لیے دعا کرو تو فرشتہ تمہارے لیے دعا کرے گا اگر تم نے فرشتہ کی دعا لینا ہے تو دوسروں کو دعا دو بعض بزرگ جب کوئی دعا کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کے لیے دعا کرتے ہیں اور اپنے لیے بھی جمع کے صیغہ سے دعا کرتے ہیں،ان عملوں کا ماخذ یہ حدیث ہے یہ عمل بھی ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کرلے پھر دوسرے کے لیے ربّ اغفرلی ولوالدیّ۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنی جانوں پر بددعا کرو اور نہ اپنی اولاد پر اور نہ اپنے مالوں پر۱؎ایسا نہ ہو کہ اتفاقًا وہ ایسی گھڑی ہو جس میں اللہ سے جو مانگا جائے وہ ملے اور تمہاری یہ ہی دعا قبول ہوجائے ۲؎(مسلم)اور حضرت ابن عباس کی یہ حدیث کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کتاب الزکاۃ میں ذکر کی جاچکی۔

۱؎دعا کے بعد اگر علیٰ آئے تو وہ دعا بمعنی بددعا ہوتی ہےاور اگر لام آئے تو بمعنی دعائے خیر یہاں علیٰ ہے۔مطلب یہ ہے کہ غصّے یا جوش میں اپنی جان،اولاد کو نہ کوسو،مال،جانور،غلام کی ہلاکت کی دعا نہ کربیٹھو۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ان بددعاؤں کے عادی ہوچکے ہیں،بات بات میں کہتے ہیں،مرجاؤں تو مٹ جائے،تجھے سانپ کاٹے،تجھے گولی لگے۔معاذاللہ! اور اگر کوئی ایسا حادثہ ہوجائے تو پھر سر پکڑ کر روتے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ قبولیت کی گھڑی صرف جمعہ یا شبِ قدر یا آخری رات ہی میں نہیں ہے اور وقت میں بھی ہوتی ہے،مگر کبھی کبھی تو ہر ساعت میں احتمال ہے کہ وہ قبولیت کی ہو،اس لیے ہمیشہ اچھی دعائیں ہی مانگے،کبھی بددعا منہ سے نہ نکالے۔خیال رہے کہ لعان میں ایسے ہی مباہلہ میں اپنے کو بددعا دینا اظہار حق کے لیے ہوتا ہے وہ محض بددعا نہیں ہوتی وہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر میں حق پر نہ ہوں تو ہلاک ہوجاؤں،لہذا یہ حدیث آیت لعان اور آیت مباہلہ کے خلاف نہیں،وہ آیات اپنی جگہ حق ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا ہی عبادت ہے ۱؎ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ الدعاء میں الف لام عہدی ہے یعنی اللہ سے دعا کرنا بھی عبادت ہے کہ اس میں اپنی بندگی اور رب تعالٰی کی ربوبیت کا اقرار و اظہار ہے،یہ ہی عبادت ہے،لہذا اس پر بھی ثواب ملے گا،لہذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی بندے سے کچھ مانگنا گویا اس کی عبادت ہے یہ شرک ہے،لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا،حاکم سے حکیم سے مالداروں سے کچھ

مانگنا نہ یہ اصطلاحی دعا ہے اور نہ کفر و شرک،بندے بندوں سے دارو و دعا مانگا ہی کرتے ہیں غرض یہ کہ دعاء شرعی اور ہے اور دعائے لغوی کچھ اور جیسے صلوۃ شرعی اور ہے یعنی نماز دعالغوی کچھ اورنزول رحمت،دعائے رحمت وغیرہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ" یہاں صلوۃ شرعی مراد ہے اور صلوا علیه میں صلوۃ لغوی مراد یا یوں کہو کہ اللہ کے بندوں سے دعا مانگنا رب تعالٰی کی عبادت ہے نہ کہ ان بندوں کی،جیسے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا رب تعالٰی کی عبادت ہے نہ کہ کعبہ کی بہرحال یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

۲؎ یہ آیت شہادت کے طور پر پیش فرمائی کہ جیسے رب تعالٰی نے نماز روزے کا حکم دیا ہے ویسے ہی دعا کا حکم دیا ہے۔اور اس پر قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ قبولیت دعا کی تین صورتیں ہیں،مدعی پورا کردینا کوئی آفت ٹال دینا،درجات بڑا دینا،وغیرہ اس کے بعد رب تعالٰی فرمارہاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ"۔دعا کے بعد عبادت کا ذکر فرمانےسے معلوم ہوا کہ دعا عبادت ہے۔خیال رہے کہ دعا مانگنا اکثر مستحب ہے واجب نہیں لہذا آیت کی یہ وعید اس کے لیے ہے جو تکبر سے دعا نہ مانگےکہ یہ تو کفر ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا عبادت کا مغز ہے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی دعا عبادت کا رکن اعلٰی ہے جیسے مغز کے بغیر ہڈی کی،گودے کے بغیر چھلکے کی کوئی قدر نہیں ایسے ہی دعا سے خالی عبادت کی کوئی قدر نہیں،رب تعالٰی مانگنے کو پسند فرماتاہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"الحج عرفة"حج عرفہ کا نام ہے یعنی عرفات کا قیام حج کا رکن اعلٰی ہے عبادت نام ہے اپنی انتہائی عاجزی رب تعالٰی کی انتہائی عظمت کے اظہار کا دعا میں یہ دونوں چیزیں اعلٰی طریقہ سے موجود ہیں کہ اس میں بندہ اقرار کرتا ہے کہ میں کچھ نہیں،تو کریم ہے غنی ہے اس لیے میں تیرے دروازہ پر ہاتھ پھیلائے آیا ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ہاں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز گرامی نہیں ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ رب خود فرماتاہے:"قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیۡ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ"اگر تمہاری دعائیں نہ ہوں تو رب تعالٰی تمہاری پرواہ بھی نہ کرے معلوم ہوا کہ اگر ہماری بارگاہ الٰہی میں کچھ قدر و منزلت ہے تو دعاؤں کی برکت سے ہے،دعا میں ساری عبادات بھی شامل ہیں کہ وہ بھی بالواسطہ دعائیں ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنۡدَ اللہِ اَتْقٰىکُمْ"کہ دعا بھی تقویٰ کا رکن ہے۔

روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں فرمایا	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کو دعا کے سواء کوئی چیز نہیں لوٹاتی ۱؎اور نیک سلوک کے سواء کوئی چیز عمر نہیں بڑھاتی ۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی دعا کی برکت سے آتی بلا ٹل جاتی ہے دعائے درویشاں رد بلا،قضاء سے مراد تقدیر معلق ہے یا معلق مشابہ با لمبرم کہ ان دونوں میں تبدیلی ترمیمی ہوتی رہتی ہے تقدیر مبرم کسی طرح نہیں ٹلتی،لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ"۔کہا جاتا ہے کہ بخار آگیا تھا دوا سے اتر گیا دوا نے تقدیر مبرم کو نہیں بدل دیا بلکہ اس کے اثر سے چڑھا ہوا بخار اتر گیا تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اسے بخار آئے گا اگر فلاں دوا کرے تو اتر جائے گا اس کے اور بھی معنے کیے گئے ہیں مگر یہ توجیہ بہتر ہے۔

۲؎یعنی لوگوں سے خصوصًا ماں باپ اور اہل قرابت سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے اس کی بھی وہ صورت ہے جو ابھی عرض کی گئی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ"۔معلوم ہوا کہ عمر میں زیادتی کمی ہوتی ہے۔اور فرماتا ہے:"یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ"۔معلوم ہوا کہ تقدیر میں محوو اثبات ہوتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہے اللہ کا علم،ایک ہے اللہ تعالٰی کے فرشتوں کو اعلام تحریر سے ہو یا بغیر تحریر،ان دونوں کا نام تقدیر ہی ہے مگر پہلی تقدیر میں تبدیلی قطعًا ناممکن ہے دوسری تقدیر میں تبدیلی ممکن بلکہ واقع ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"جلد سوم میں ملاحظہ کیجئے۔حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر آدم علیہ السلام کی دعا سے ساٹھ سال سے سو سال ہوگئی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا نازل شدہ آفت میں بھی نافع ہے اور اس بلا میں بھی جو نہ اتری ہو ۱؎تو اے اللہ کے بندو دعا کو مضبوط پکڑو ۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی دعا کے دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ اس کی برکت سے آئی بلا ٹل جاتی ہے۔دوسرے یہ کہ آنے والی بلا رک جاتی ہے،لہٰذا فقط بلا آنے پر ہی دعا نہ کرو بلکہ ہر وقت دعا مانگو شائد کوئی بلا آنے والی ہو کہ اس دعا سے رک جائے۔اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ یہ سب تقدیر معلق کے متعلق ہے۔

۲؎اس طرح کہ حال میں دعائیں مانگو،دعا کیلیے بلاء آنے کا انتظار نہ کرو کہ جب آفت آئے گی تو دعا مانگ لیں گے ۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ جیسے ڈھال سلاح یعنی ہتھیار کا وار روک لیتی ہے اور جیسے پانی لگی پیاس بجھادیتا ہے یعنی ڈھال اور پانی ان کے اسباب ہیں ایسے ہی دعا آئی ہوئی بلا کا وار روک لیتی ہے اور لگی آگ بجھادیتی ہے،اسباب بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہیں اور مسببات بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ"جنگ میں اپنا بچاؤ اور ہتھیار لے کر جاؤ لہٰذا دنیا میں بھی انسان دعاؤں کا بچاؤ اور نیک اعمال کے ہتھیار لے کر رہے،ورنہ آفات کچل دیں گے۔

اور احمد بروایت معاذ ابن جبل اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کوئی دعا مانگے تو ضرور اللہ تعالٰی اس کی منہ مانگی مراد دیتا ہے یا اس جیسی کوئی آفت دور کردیتا ہے ۱؎ جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے کہ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" مجھ سے دعا کرو میں تمہاری قبول کروں گا اس حدیث نے بتایا کہ قبولیت دعا کی چند صورتیں ہیں:ایک منہ مانگی مراد مل جانا،دوسرے اس جیسی آفت ٹل جانا،مثلًا کسی کے ہاں سو روپیہ کی چوری ہونی تھی،اس نے اللہ سے دعا مانگی کہ خدایا مجھے سو روپیہ دے اسے سو روپے تو نہ ملے مگر اتنی چوری ٹل گئی،بہرحال دعا رائیگاں نہ گئی لہٰذا مانگی مراد نہ ملنے پر دل تنگ نہ ہو بعض مرادیں نہ ملنا ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے۔

۲؎یہ قبول دعا کی شرط ہے کہ انسان بری چیز کی دعا نہ مانگے کہ وہ قبول نہیں اور نہ اس دعا کی یہ تاثیریں ہیں۔خیال رہے کہ کبھی بندہ بری بات بھی مانگ لیتا ہے اور پالیتاہے مگر یہ اس کی دعا کی قبولیت نہیں بلکہ ہونا ایسا ہی تھا اتفاقًا اس نے مانگ بھی لیا،نیز اس دعا پر ثواب کوئی نہیں بلکہ گناہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی سے اس کا فضل مانگو ۱؎ کہ اللہ تعالٰی مانگنے کو پسند فرماتا ہے ۲؎ اور بہترین عبادت کشائش کا انتظار ہے ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یعنی اس کا عدل نہ مانگو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے عدل وہ ہے جو کام کے عوض دیا جائے فضل وہ ہے جو بلا معاوضہ محض مہربانی سے دیا جائے۔اگر رب تعالٰی عدل فرمائے تو ہم گنہگار بڑی سزا کے مستحق ہیں فضل فرمائے اور بخش دے تو اس کی مہربانی ہے۔ مِنْ فرما کر یہ بتلایا کہ اس کا بعض فضل مانگو نہ کہ سارا کیونکہ اس کا فضل غیر متناہی ہے اور تمہاری جھولی متناہی،پیالی والا سارا سمندر سمیٹنے کی کوشش نہ کرے۔

۲؎عجیب بارگاہ بے نیاز ہے دوسرے سخی مانگنے والوں سے گھبرا جاتے ہیں رب تعالٰی وہ کریم ہے کہ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔ہر دل کے ساتھ اس کا نیا راز ہے اور اس کے دروازے پر ہر بھکاری کا نیا ناز وا نداز۔شعر

اے کہ باہر دل ترا رازے دگر　　　　ہر گدارا بردرت نازے دگر

۳؎ یعنی گرفتار بلاشکایتیں نہ کرتا پھرے بلکہ اس کی مہربانی کا انتظار رکھے،وہاں آس والے کی آس توڑی نہیں جاتی۔خیال رہے کہ کسی سے دوا یا دعا کی درخواست کرنا شکایت نہیں اور نہ یہ اس انتظار کے خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالٰی سے نہ مانگے تو اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جو شخص غرور و تکبر اور اپنے کو رب تعالٰی سے بے نیاز سمجھ کر دعا نہ مانگے وہ غضب و لعنت کا مستحق ہے،ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے وقت دعا نہ مانگی کیونکہ وہ سمجھے کہ یہ میرا امتحان کا وقت ہے شاید دعا کرنا بے صبری میں شمار ہو۔فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ کے ذکر یا درود شریف کی کثرت دعا سے روک دے تو اسے دعائیں مانگنے والو ں سے زیادہ ملے گا یہ حدیث ان دونوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھولا جائے تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے ۱؎عافیت سے بڑھ کر کوئی کیسی چیز اللہ سے نہ مانگی گئی ہو جو اسے زیادہ پیاری ہو ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جسے ہر وقت ہر حال میں دعائیں مانگنے کی توفیق ملے تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے لیے رب تعالٰی نے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں،اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دعا کی طرف دل کا راغب ہونا پھر دعا کے لیے اچھے الفاظ مل جانا رب تعالٰی ہی کے کرم سے ہے جب وہ کچھ دینا چاہتا ہے تو ہمیں مانگنے کی توفیق بخشتا ہے۔شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے　　　　قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

۲؎ لمعات نے فرمایا کہ عافیت کے معنے سلامتی ہیں،یہاں کامل سلامتی مراد ہے،یعنی زندگی موت،قبر حشر کی تمام ظاہری باطنی چھوٹی بڑی آفتوں سے سلامتی و حفاظت۔ ظاہر بات ہے کہ یہ دعاء جامع الدعاء ہے، مرقات نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے مصیبتیں پیدا ہی اس لیے کی ہیں تاکہ بندہ ان سے سلامتی کی دعائیں مانگے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عافیت اسی میں ہے جس میں رب راضی ہے،لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر میں زہر کھالینا فاروق اعظم کا مصلائے مصطفے پر خنجر کھا کر شہید ہونا،عثمان غنی کا قرآن پڑھتے ہوئے ذبح ہوجانا،حسین علیہ السلام کا بے آب دانہ مثل پروانہ، شمع مصطفوی پر نثار ہوجانا،عافیت ہی تھا۔لہذا رب تعالٰی سے وہ عافیت مانگو جو اس کے علم میں ہمارے لیے عافیت ہے نہ وہ جو ہمارے علم میں ہمارے لیے عافیت ہو۔ حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی بہترین دعا سکھایئے فرمایا چچا جان،اللہ سے دین و دنیا کی عافیت مانگو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے کہ مصیبتوں کے وقت اللہ اس کی دعا قبول کرے تو وہ آرام کے زمانہ میں دعائیں زیادہ مانگا کرے۱(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ صرف مصیبت میں دعا مانگنا اور راحت میں رب سے غافل ہوجانا خود غرضی ہے اور ہر وقت دعا مانگنا عبدیت ہے رب کو خود غرضی ناپسند ہے عبدیت پسند خود فرماتاہے:"وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسٰنِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ"۔ایسے خود غرض کا حشر یہ ہوتا ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے اس پر مصیبت رہنے دو تاکہ اسی بہانے میرے دروازے پر حاضر رہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے دعا کرو قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے۱اور جان رکھو کہ اللہ غافل و لاپرواہ کی دعا قبول نہیں فرماتا ۲(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱یعنی دعا کرتے وقت یہ یقین کرلو کہ رب تعالٰی اپنے کرم سے میر ی یہ دعا ضرور قبول کرے گا اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ دعا کے وقت تمام شرائط قبول اور آداب دعا پورے کرو جس سے تمہارے دل کو قبولیت کا یقین خود بخود ہو جائے پھر ساتھ ہی اس کے کرم سے امید رکھو اللہ تعالٰی آس والوں کو ناامید نہیں فرماتا اس کا نام ہے رجاء السائلین ۔(از مرقات و لمعات)

۲قبولیت دعا کی بہت سی شرطیں ہیں،جن میں سے بڑی اہم شرط دل لگنا ہے اسی لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دعا مانگنے کے وقت دل اور طرف ہو منہ اور طرف ہاتھ رب تعالٰی کی بارگاہ میں پھیلے ہوں،خیال بازار وغیرہ میں ہو تو دعا قبول نہیں ہوتی۔قبولیت دعا اس شرط سے ہے کہ ہاتھ،زبان،دل دھیان سب کا مرکز ایک ہی یعنی بارگاہ الٰہی۔

	روایت ہے حضرت مالک ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اللہ سے دعا مانگو تو ہتھیلیوں سے مانگو ہاتھوں کی پشت سے نہ مانگو۱

۱یعنی دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف پھیلاؤ اور ہاتھوں کی پیٹھ زمین کی طرف رکھو کیونکہ مانگنے والا داتا کے سامنے لینے کے لیے ہتھیلی ہی پھیلاتاہے،نیز اس میں اظہار عجز زیادہ ہے ہاں جن دعاؤں میں کچھ مانگا جائے کسی آفت سے بچا جائے وہاں سنت یہ ہے کہ پہلے تو ہتھیلیاں پھیلاؤ اور پھر آسمان کی طرف ہاتھوں کی پیٹھیں کردو،نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کے بعد ایسے ہی دعا مانگتے تھے اس ہاتھ پلٹنے میں اشارۃً یہ عرض کرنا ہے کہ مولا دنیا کا حال بدل دے۔خشکی ہے تری کردے،قحط ہے فراخی کردے،گرانی ہے ارزانی کردے۔

	اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ سے دعا کرو ہتھیلیاں پھیلا کر نہ ہاتھ کی پشت سے پھر جب فارغ ہوجاؤ تو منہ پر ہاتھ پھیر لو۱(ابوداؤد)

۱کیونکہ پھیلے ہوئے ہاتھوں پر اللہ کی رحمت اترتی ہے ان ہاتھوں کے منہ پر پھیر لینے سے رحمت منہ پر پہنچ جاتی ہے،یہ عملی سنت بھی ہے اتباع سنت میں برکت ہے مرقاۃ۔ہاں بعض علماء نے فرمایا کہ کھانے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اگر مجمع میں کھانا کھایا جائے تو اس دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے تاکہ ان لوگوں کو شرمندگی نہ ہو جو ابھی تک فارغ نہ ہوئے۔حصن حصین شریف میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا آداب دعا سے ہے جن احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے استسقاء کے اور دعاؤں میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے وہاں زیادہ اونچے ہاتھ اٹھانا مراد ہے یعنی نماز استسقاء میں ہاتھ سر مبارک سے اونچے اٹھاتے تھے باقی دعاؤں میں سینے کے مقابل لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارا رب حیاء والا ہے کرم والا ہے اس سے حیاء فرماتا ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے وہ انہیں خالی لوٹا دے۱ (ترمذی،ابوداؤد،بیہقی دعوات الکبیر)

۱اس میں ہاتھ پھیلانے کی حکمت کا بیان ہے ان شاءاللہ پھیلے ہوئے ہاتھ رب کی بارگاہ سے خالی نہیں لوٹیں گے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی حیاء شرم وغیرہ کے ظاہری معنے سے پاک ہے اس کے لیے ان چیزوں کا نتیجہ مراد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالٰی ایسا کرتا نہیں کہ بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو خالی پھیرے اس کے معنے ہم عرض کرچکے ہیں کہ اللہ تعالٰی مانگنے والے کو ضرور دیتا ہے خواہ اس طرح کہ اس کی مراد پوری کردے یا اس طرح کہ اس کی کوئی آفت ٹال دے یا اس طرح کہ درجات بلند کردے،لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت دفعہ ہاتھ پھیلا کر دعائیں کی جاتی ہیں اور مراد نہیں ملتی۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاتے تو بغیر منہ پر پھیرے ہاتھ نہ گراتے۱(ترمذی)

۱دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور رزق و رحمت کے آنے کی جگہ یہ وجہ نہیں کہ رب تعالٰی آسمان میں رہتا ہے جیسے تنخواہ لینے والے خزانے پر جمع ہوجاتے ہیں خزانے میں ان کی تنخواہیں ہیں نہ کہ خود بادشاہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے اور اس کے ماسواء دعائیں چھوڑ دیتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎جامع دعا وہ کہلاتی ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہوں،معافی زیادہ جیسے "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً" الایہ۔اور جیسے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ"۔یہاں عمومی حالات مراد ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم عام طور پر جامع دعائیں مانگتے تھے،خاص موقعوں پر خاص دعائیں بھی مانگی ہیں۔جیسے استسقاء میں بارش کی دعا وغیرہ لہٰذا یہ حدیث ان روایات کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جلد قبول ہونے والی دعا غائب کی غائب کے لیے ہے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعائے خیر کرے تو بہت جلد قبول ہوتی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شخص مسلمان بھائی کا خیر خواہ بھی ہے اور مخلص بھی،سامنے دعا کرنے میں ریاء دکھلاوے و خوشامد کا احتمال ہوسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن الخطاب سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کے لیے جانے کی اجازت مانگی ۱؎تو مجھے اجازت دی اور فرمایا اے میرے بھائی ۲؎ہمیں بھی اپنی دعا میں یاد رکھنا ہمیں بھول نہ جانا ۳؎حضور نے یہ ایسی بات فرمائی کہ مجھے اس کے عوض ساری دنیا مل جانا پسند نہیں ۴؎(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی کی روایت اس قول پر ختم ہوگئی کہ ہمیں بھول نہ جانا۔

۱؎حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے عمرہ کی نذر مانی تھی جو پوری نہ کرسکے تھے کہ مسلمان ہوگئے،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا نذر پوری کر و تب آپ عمرہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے روانہ ہوئے۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمر کو بھائی فرمایا یہ انتہائی کرم کریمانہ ہے،جیسے سلطان اپنی رعایا سے کہے میں تمہارا خادم ہوں مگر کسی مسلمان کا حق نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا"الایہ۔اسی لیے کبھی صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہہ کر نہ پکارا،روایت حدیث میں تمام صحابہ یہ ہی کہتے تھے قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ یعنی مکہ معظّمہ پہنچ کرہر مقبول دعا میں اپنے ساتھ میرے لیے بھی دعا کرنا معلوم ہوا کہ حاجی سے دعا کرانا اور وہاں پہنچ کر دعا کرنے کے لیے کہنا سنت ہے۔صوفیائے کرام اس جملہ کے معنے یہ کرتے ہیں کہ اے عمر ہر دعا میں ہم پر درود شریف پڑھنا ہمارے درود کو نہ بھولنا تاکہ اس کی برکت سے تمہاری دعائیں قبول ہوں حضور کے لیے اعلیٰ درجہ کی دعا آپ پر درود شریف پڑھنا ہے صلی اللہ علیہ وسلم کریم کے پیاروں کو دعائیں دینا درحقیقت اس سے مانگنے کی تدبیر ہے ہمارا بھکاری ہمارے دروازہ پر آکر ہمارے جان و مال اولاد کو دعائیں دیتا ہے ہم سے بھیک پاتا ہے۔ہم بھی رب تعالیٰ کے محبوب کو دعائیں دیں رب تعالیٰ سے بھیک لیں۔

۴؎ حضرت عمر کا یہ فرمان فخریہ نہیں بلکہ شکریہ کے طور پر ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھائی کے خطاب سے نوازا۔معلوم ہوا کہ میں دنیا وآخرت میں صحیح مؤمن ہوں پھر مجھے حکم دعا کہ حضور کو دعائیں دوں۔معلوم ہوا کہ میرا منہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے لائق ہے،پھر فرمایا مجھے بھولنا نہیں۔معلوم ہوا کہ میرا دل کاشانۂ یار بننے کے لائق ہے،یہ ایسی بشارتیں ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں ان پر قربان ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی ۱؎ روزہ دار کی جب افطار کررہا ہو ۲؎ انصاف والے حاکم کی ۳؎ اور مظلوم کی دعا کو تو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اٹھا لیتا ہے ۴؎ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد سہی ۵؎ (ترمذی)	

۱؎ شخصوں سے مراد مسلمان ہیں مرد ہوں یا عورت کفار اس میں داخل نہیں،دعا رد نہ ہونے کا وہ مطلب ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے،عطائے مدعی،رد بلا،رفع درجات۔

۲؎ کیونکہ یہ عبادت سے فراغت کا وقت ہے بعد عبادت دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لیے نماز،حج،زکوۃ،سے فراغت پر دعائیں کرناچاہیئے۔ معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ بھی دعا کی جائے کہ وہ بھی رب کی عبادت ہے اور عبادت کے بعد دعا قبول ہے۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ مسلمان حاکم کا ایک گھڑی عدل و انصاف کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے کہ اس عدل سے خلق خدا کا نظام قائم ہے۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ مظلوم جانور بلکہ مظلوم کافر و فاسق کی بھی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ مسلمان مظلوم کی دعا زیادہ قبول ہے،کیونکہ مظلوم مضطرو بے قرار ہوتا ہے اور بے قرار کی دعا عرش پر قرار کرتی ہے رب فرماتاہے:"اَمَّنۡ

یُّجِیۡبُ الْمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ"دعا کو بادلوں پر اٹھانے اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جانے کا مطلب بہت جلد سننا اور اس کی دعا کی عزت افزائی اور اہمیت کا اظہا ر فرمانا۔

۵؎ حین عربی میں مطلقًا وقت کو کہتے ہیں مگر اکثر کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ چالیس سال پر بولتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں حلیم ہوں،لہذا ظالم کو جلد نہیں پکڑتا۔اسے توبہ اور مظلوم سے معافی مانگنے کا وقت دیتا ہوں،اگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھائے تو پکڑتا ہوں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں بلا شبہ مقبول ہیں ۱؎ باپ کی دعا ۲؎ مسافر کی دعا ۳؎ اور مظلوم کی دعا(ترمذی ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ خیال رہے کہ پہلی حدیث میں تین دعا کرنے والوں کا ذکر تھا۔اور یہاں تین دعاؤں کا تذکرہ ہے،یعنی یہ تین دعائیں بذات خود قابل قبول ہیں اور اپنے فاعلوں کی برکت سے بھی لائق قبول،اسی لیے وہاں عدل اور روزے کا ذکر فرمایا جس میں فاعل بہ تکلف مشقت اٹھاتا ہے۔یہاں مسافر اور باپ کا ذکر ہے جس میں تکلف و مشقت نہیں۔(مرقات)

۲؎ اولاد کے حق میں باپ کی دعا قبول ہے اور بددعا بھی مگر چونکہ باپ اکثر دعائیں ہی دیتا ہے اس لیے دعاء کا ذکر فرمایا،والد سے مراد ماں باپ دونوں ہیں دادا بھی اس میں داخل ہے کہ بالواسطہ وہ بھی والد ہے ماں کی دعا بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔

۳؎ یوں تو مسافر کی بحالت سفر تمام دعائیں ہی قبول ہیں مگر اپنے محسن کے لیے دعا اور اپنے ستانے والے پر بددعا بہت قبول ہے۔(مرقات)اسی طرح مظلوم کی بددعا قبول مگر ستانے والے کے لیے بددعا اور امداد کرنے والے یا بچانے والے کے لیے دعاء بہت قبول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص اپنے رب سے اپنی ساری حاجتیں مانگے حتی کہ جب جوتا کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس سے مانگے ۱؎	

۱؎ یعنی بندہ یہ خیال نہ کرے کہ اتنے بڑے آستانہ سے چھوٹی چیز کیا مانگوں کوئی بڑی حاجت مانگوں گا،نہیں ہر حاجت مانگو چھوٹی ہو یا بڑی،اگر اس سے بڑی چیز مانگی جائے تو بتاؤ چھوٹی حاجتوں کے لیے کون سا دروازہ ہے،غلام اپنے آقا سے ہر

چیز مانگا ہی کرتے ہیں دیکھو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے رب تعالٰی سے مدین پہنچ کر روٹی کا ٹکڑا مانگاکہ عرض کیا" رَبِّ اِنِّی لِمَآ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ"۔

	ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسلًا یہ زیادتی بھی ہے کہ رب سے نمک تک مانگے اور جب تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ تک مانگے [1](ترمذی)

[1] یعنی ایک ہانڈی کا نمک جو چند تولے ہوتاہے،ایسے ہی ایک جوتی کا تسمہ جو کوڑی دو کوڑی کا ہوتا ہے،وہ بھی رب تعالٰی ہی سے مانگو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ اتنے اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل شریف کی سفیدی دیکھی جاتی [1]

[1] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سر سے اونچے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے حتی کہ اگر قمیص مبارک نہ پہنے ہوتے تو بغل شریف کے سفیدی نظر آجاتی۔خیال رہے کہ اس قدر اونچے ہاتھ اٹھانا یا تو نماز استسقاء میں ہوتا تھا یا کبھی کبھی بیان جواز کے لیے اور موقعوں پر بھی ورنہ عام دعاؤں میں سینے یا کندھے تک ہاتھ اٹھاتے تھے،لہذا یہ حدیث کندھوں یا سینہ تک ہاتھ اٹھانے کے خلاف نہیں اورنہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر قمیص کے نماز پڑھتے تھے یہ تو سخت مکروہ ہے،آج کل بعض لوگ بغیر قمیص نمازپڑھتے ہیں اور اس حدیث کو آڑ بناتے ہیں مگر غلط ننگے کندھے نماز پڑھنے کی ممانعت باب الستر میں گزر گئی۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ حضور دعا کے وقت اپنی انگلیاں کندھوں کے مقابل کرتے تھے [1]

[1] یعنی پہلے آپ ہاتھ شریف اتنے اٹھاتے کہ ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں کے مقابل ہوجاتیں پھر دعا مانگتے تھے،یہ اکثری حالات کا ذکر ہے اور پہلی حدیث میں بعض مخصوص حال کا ذکر تھا۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو ہاتھ شریف اٹھاتے پھر ہاتھ منہ پر پھیر لیتے [1]ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے دعوات کبیرہ میں نقل کیا۔

[1] یعنی جن دعاؤں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تھے ان میں ہاتھ منہ پر پھیر لیتے تھے اور جن میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے جیسے نماز،طواف،کھانے کے بعد کی دعائیں ان میں ہاتھ منہ پر بھی نہ پھیرتے تھے لہذا اذا دعا،کان کا ظرف ہے نہ کہ خبر اس کی خبر تو مسح یدیہ ہے لہذا حدیث صاف ہے۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی ہے کہ آپ نے فرمایا طریقہ دعا یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کندھوں کے مقابل یا اُن تک اٹھاؤ ۱ اور طریقہ استغفار یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو ۲ اور عاجزی زاری طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ خوب پھیلا دو ۳ اور ایک روایت میں فرمایا کہ زاری یوں ہے اور اپنے ہاتھ اٹھائے ہاتھوں کی پیٹھ چہرہ انور کے سامنے کی ۴ (ابوداؤد)

۱ یعنی عام دعاؤں میں ہاتھ سینے تک اٹھانا سنت ہے کہ عادۃً بھکاری مانگتے وقت داتا کے سامنے یہاں تک ہی ہاتھ اٹھاتے اور پھیلاتے ہیں،لمعات

۲ یعنی استغفار پڑھتے وقت اپنی کلمہ کی انگلی اپنے نفس کی طرف کرکے عرض کرے کہ یا اللہ یہ نفس امارہ مجرم ہے اور یہ بندہ گنہگار حاضر ہے،بخش دے۔

۳ ابتھال کے معنے ہیں اظہار عجز اور انتہائی خشوع،اسی سے ہے مباہلہ،یہاں اس سے مراد دفع بلا کی دعا ہے،جیسے استسقاء میں قحط کے دفع ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے ایسی دعاؤں میں ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے چاہئیں۔

۴ یعنی ہاتھ پورے اٹھا دیئے جائیں حتی کہ ہاتھوں کی پیٹھ چہرے کی طرف ہوجائے۔

	روایت ہے ابن عمر سے وہ فرماتے تھے کہ تمہارا زیادہ ہاتھ اٹھانا بدعت ہے ۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہ اٹھائے یعنی سینہ تک ۲ (احمد)

۱ یعنی اے لوگو ں تمہارا ہر دعا میں سر سے اونچے ہاتھ اٹھانا اور دعاؤں میں فرق نہ کرنا کہ کس دعا میں اتنے اونچے ہاتھ اٹھائے جائیں یہ خلاف سنت ہے،اسے چھوڑ دینا چاہیئے،خیال رہے کہ بدعت کے ایک معنے تو ہیں نیا کام یعنی جو کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہو،اس بدعت کی دو قسمیں ہیں،بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ،جس کی پوری بحث باب الاعتصام میں گزر چکی،جمع قرآن کے وقت بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے عرض کیا تھا کہ آپ وہ کام کیوں کر رہے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا یعنی یہ بدعت ہے تو حضرت صدیق نے فرمایا کہ واللہ ھو خیر رب کی قسم یہ اچھا کام ہے۔یعنی بدعت حسنہ ہے،دوسرے خلاف سنت کام یہ بدعت ہمیشہ سیئہ اور بری ہی ہوگی،یہاں دوسرے معنے مراد ہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عموماً سینہ تک ہاتھ اٹھائے اور تم عموماً سر سے اونچے اٹھاتے ہو تو اس سنت کو چھوڑتے ہو،اس سے باز آجاؤ۔

۲ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس سے عام دعائیں مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمومی دعاؤں میں کبھی ہاتھ کم اٹھاتے تھے کبھی زیادہ مگر زیادتی سینہ سے اوپر نہ ہوئی،لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کبھی سر سے اونچے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کرکے اسے دعا دیتے تو اپنی ذات سے دعا شروع کرتے [1] (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن،غریب صحیح ہے۔	

[1] اس میں امت کو تعلیم ہے کہ تم جب کسی کے لیے دعا کرو تو پہلے اپنے لیے کرو پھر اس کے لیے صرف دوسرے کے لیے دعا کرنے میں اپنے استغنا اور بے نیازی کا شبہ ہوتا ہے،مگر یہ قاعدہ بھی اکثر یہ تھا کلیہ نہ تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمۃ اللہ اللہ اس پر رحم کرے یا فرماتے "اللھم صل علی ابی اُبی اوفی"وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کوئی ایسی دعا مانگے جس میں نہ گناہ ہو نہ قطع رحمی [1] مگر اللہ تعالٰی اسے تین میں سے ایک ضرور دیتا ہے یا تو اس کی دعا یہاں ہی قبول کرلیتا ہے [2] یا آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ کردیتا ہے [3] یا اس جیسی مصیبت ٹال دیتا ہے [4] صحابہ نے عرض کیا تب تو ہم خوب زیادہ دعائیں کریں گے فرمایا رب کی عطا بہت زیادہ ہے۔[5] (احمد)	

[1] یعنی اس دعا میں نہ تو لازم گناہ ہو نہ متعدی،مثلًا کہے کہ فلاں اجنبیہ سے وصال نصیب کر یا مجھے دولت دے تاکہ میں اپنے عزیزوں کو اپنا غلام بنا کر رکھوں کہ ایسی دعائیں ممنوع ہیں۔

[2] کہ اس کی منہ مانگی مراد جلد یا کچھ دیر سے دے دیتا ہے۔

[3] کہ دنیا میں تو اس کی مراد پوری نہیں کرتا مگر آخرت میں اس کے عوض اس کے گناہ معاف فرمادے گا اس کے درجے بلند کردے گا۔

[4] معلوم ہوا کہ دعا سے رد بلا ہوتا ہے اس لیے مراد پوری نہ ہونے پر ملول نہ ہوناچاہیئے۔

[5] کہ اگر سارا جہاں ہمیشہ دعائیں مانگے تو رب تعالٰی کے ہاں سے محروم نہ ہوں گے مگر۔شعر

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں پانچ دعائیں بہت قبول کی جاتی ہیں مظلوم کی دعا حتی کہ بدلہ لے لے [1] حاجی کی دعا حتی کہ لوٹ آئے [2] غازی کی دعا حتی کہ جنگ بند ہوجائے [3] بیمار کی دعا حتی کہ تندرست ہوجائے مسلمان بھائی کی پس پشت دعا پھر فرمایا ان سب میں مسلمان	

	بھائی کی دعا پس پشت زیادہ قبول ہوتی ہے ۴؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیں۔

۱؎ زبان سے یا ہاتھ سے یا حاکم کے ہاں فریاد کرکے جس سے اس کی مظلومیت ختم ہوجائے۔

۲؎ خواہ حج اکبر یعنی حج کرے یا حج اصغر یعنی عمرہ کرے دونوں کی دعائیں اپنے وطن تک آنے تک قبول ہیں اس لیے حجاج سے دعائیں کراتے ہیں۔

۳؎ یا یہ غازی اپنے گھر لوٹ آئے مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں **حتی یقعد** ہے یعنی مجاہد جہاد سے بیٹھ رہے یعنی یا تو فراغت جہاد کی وجہ سے یا درمیان جہاد اپنے گھر آجائے۔

۴؎ کیونکہ اس دعا میں خلوص بہت ہوتا ہے،نیز یہ شخص دوسروں کے لیے مفید ہے۔

باب ذکر اللہ عزوجل و التقرب الیہ

باب اللہ عزوجل کا ذکر اور اس سے قرب حاصل کرنا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ذکر کے چند معنے ہیں: یاد کرنا، یاد رکھنا، اس کا چرچا کرنا، خیر خواہی عزت و شرف وغیرہ۔ قرآن کریم میں ذکر ان تمام معنوں میں وارد ہوا یہاں ذکر کے پہلے تین معنے ہوسکتے ہیں: یعنی اللہ کو یاد کرنا اسے یاد رکھنا اس کا چرچا کرنا اس کا نام جپنا۔ ذکر اللہ تین قسم کا ہے: ذکر لسانی، ذکر جنانی، ذکر ارکانی، ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے، آنکھ کا ذکر ہے خوفِ خدا میں رونا، کان کا ذکر ہے اس کا نام سننا وغیرہ ذکر اللہ بالواسطہ بھی ہوتا ہے اور بلاواسطہ بھی، اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کا تذکرہ یا انہیں سوچنا بلاواسطہ ذکر اللہ ہے، اس کے محبوبوں کا محبت سے چرچا کرنا اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر کرنا سب بالواسطہ اللہ کا ذکر ہیں۔ دیکھو سارا قرآن ذکر اللہ ہے مگر اس میں کہیں تو خدا کی ذات و صفات مذکور ہیں، کہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد کہیں کفار کے تذکرے۔ ذکر اللہ بہترین عبادت ہے اسی لیے رب تعالٰی نے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاکیدی حکم دیا رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ" تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گر تو خواہی زیستن با آبرو	ذکر اُوکن ذکر اُوکن ذکر او
ہر گدا را ذکر او سلطان کند	ذکر اوبس زیور ایماں بود
ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق	زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

حضرات نقشبندیہ کے ہاں ذکر خفی افضل ہے دوسرے سلسلوں میں ذکر بالجہر بہتر، فریقین کے دلائل ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے تقرب الی اللہ سے مراد مکانی قرب نہیں کہ رب تعالٰی مکان و جگہ سے پاک ہے بلکہ قبولیت کا قرب مراد ہے مردود دور رہے محبوب درحضور۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرماتے رسول اللہ نے ایسی کوئی جماعت نہیں جو اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھے ۱ مگر انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے ۲ ان پر سکینہ اترتا ہے ۳ اور اپنے پاس والے فرشتوں میں اللہ ان کا ذکر کرتا ہے ۴ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ بیٹھنے سے مراد کھڑے ہونے کے مقابل ہے،لہذا اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ذکر اللہ بیٹھ کر کرنا افضل ہے کہ اس میں سکون زیادہ ہوتا ہے۔دوسرے یہ کہ ذکر اللہ جماعت میں کرنا افضل ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے ممکن ہے کہ بیٹھنے سے مراد ہمیشہ ذکر اللہ کرنا ہو نیکی ہمیشہ کرنا افضل ہے۔

۲؎ یہاں فرشتوں سے مر اد وہ فرشتے ہیں جو زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں ذکر الٰہی کے طبقے ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اور رحمت سے مراد خاص رحمت الٰہی ہے جو ذاکرین کے لیے مخصوص ہے لہذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو انسان کو ہر وقت ہی گھیرے رہتے ہیں کیونکہ ہر وقت ساتھ رہنے والے فرشتے حافظین ہیں۔

۳؎ سکینہ کی شرح "باب فضائل القرآن" میں گزرچکی کہ یا تو اس سے مراد خاص ملائکہ ہیں یا دل کا نور یا دلی چین و سکون ہے اللہ کے ذکر سے دل کو چین نصیب ہوتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: "اَلَا بِذِکۡرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوۡبُ" اور فرماتا ہے: "ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الْمُؤْمِنِیۡنَ"۔

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی کے ملائکہ مقربین ہیں جو ہمیشہ اس کے پاس رہتے ہیں انتظام عالم کے لیے نہیں آتے اور ارواح انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام میں لوگوں کا ذکر فخر سے عزت وعظمت سے کرتے ہیں۔(مرقاۃ)یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے "فَاذْکُرُوۡنِیۡۤ اَذْکُرْکُمْ" پھر جس طرح بندہ رب کو یاد کرتا ہے اسی طرح رب بندے کو مثلًا بندہ کہتا ہے کہ مولٰی میں گنہگار ہوں رب فرماتا ہے بندے مت گھبرا میں غفار ہوں وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں جارہے تھے کہ ایک پہاڑ پر گزرے جیسے جمدان کہا جاتا ہے ۱؎ تو صحابہ سے فرمایا چلو یہ جمدان ہے ۲؎ سبقت لے گئے جدا رہنے والے ۳؎ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ الگ رہنے والے کون لوگ ہیں ۴؎ فرمایا اللہ کی بہت یاد کرنے والے مردوعورت ۵؎ (مسلم)

۱؎ یہ پہاڑ مدینہ منورہ کے قریب ہے مکہ معظّمہ کے راستے پر یہاں سے مدینہ منورہ پیدل ایک رات کے فاصلے پر ہے،طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ ایک دوسرے کو نام بنام پکارکر پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی اللہ کا ذاکر گزرا،اگر کوئی پہاڑ کہتا ہے کہ ہاں مجھ پر گزرا تو سب کہتے ہیں مبارک ہو عوارف المعارف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ روزانہ صبح و شام زمین کے بعض حصے بعض سے پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی بندہ ایسا گزرا یا بیٹھا جو اللہ کا ذکر کررہا ہو،اگر کوئی طبقہ کہتا ہے کہ ہاں مجھ پر گزرا ہے تو دوسرے طبقے کہتے ہیں تو ہم سب سے افضل ہے۔مرقات

۲؎ یعنی اے جماعت صحابہ یہ جمدان پہاڑ ہے یہاں اللہ کا ذکر کرتے چلو تاکہ کل قیامت میں تمہارا گواہ ہو۔

۳؎ مفردون تفرید سے ہے،بمعنی الگ کرنا،جدا رکھنا،یعنی جنہوں نے اپنے کو دنیاوی الجھنوں،اغیار کی مجلس سے الگ رکھا یا جنہوں نے تمام ذکروں سے اللہ کے ذکر کو چھانٹ لیا۔جس میں وہ ہر وقت لگے رہتے ہیں۔

۴؎ یہ ماسوال احوال کے لیے ہے نہ کہ سوال ذات کے لیے جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا ومارب العلمین یعنی اللہ تعالٰی کے صفات کیا ہیں اسی لیے یہاں من نہ بولا ما اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی وہ عنایت فرمایا جو سوال کے مطابق ہے۔

۵؎چونکہ اللہ کے ذاکر مرد زیادہ ہیں عورتیں کم،اس لیے مردوں کا ذکر پہلے ہوا عورتوں کا بعد میں۔ مرقات نے فرمایا کہ اللہ کا بہت ذکر کرنے والا وہ ہے جو کسی حال میں رب کو نہ بھولے خلوص سے اس کی عبادت کرے خلقت سے مستغنی رہے فکر و شکر میں حریص ہو جو خدا سے غافل کرے اس سے دور رہے اللہ کے ذکر میں ایسی لذات پائے جو کسی اور چیز میں نہ پائے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا"یعنی تمام غیر اللہ سے کٹ کر رب کے ہو جاؤ۔

روایت ہے حضرت ابو موسی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال جو رب کا ذکر کرے اور جو نہ کرے زندہ و مردہ کی سی ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)۲؎	

۱؎یعنی جیسے زندہ کا جسم روح سے آباد ہے مردہ کا غیر آباد،ایسے ہی ذاکر کا دل ذکر سے آباد ہے غافل کا دل ویران یا جیسے شہروں کی آبادی زندوں سے ہے مردوں سے نہیں ایسے ہی آخرت کی آبادی ذاکرین سے ہے غافلین سے نہیں،یا جیسے زندہ دوسروں کو نفع و نقصان پہنچاسکتا ہے مردہ نہیں،ایسے اللہ کے ذاکر سے نفع و نقصان خلق حاصل کرتی ہے غافل سے نہیں یا جیسے مردے کو کوئی دوا یا غذا مفید نہیں ایسے ہی غافل کو کوئی عمل وغیرہ مفید نہیں اللہ کا ذکر کرو پھر دوسرے اعمال،ذاکر مرکر بھی جیتا ہے غافل زندہ رہ کر بھی مردہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اس میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ حی لایموت کا ذکر ذاکر کو حیات غیر فانیہ بخش دیتا ہے۔ اولیاءاللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں۔(مرقاۃ)

۲؎ مسلم شریف میں ہے کہ جو گھر اللہ کے ذکر سے آباد ہو وہ زندہ ہے اور جو گھر اس کے ذکر سے خالی ہو وہ مردہ ہے گھر سے مراد مؤمن کا دل ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے مبارک ہے وہ جو اس گھر کو آباد رکھے منحوس ہے وہ جو اسے ویران کردے۔شعر

آباد وہ ہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے   جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو مجھ سے رکھے ۱؎جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا	

	ہوں ۲؎ اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں عبد سے مراد بندہ مؤمن ہے اور ظنّ بمعنی یقین بھی آتا ہے جیسے"یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ"اور بمعنی گمان نیک بھی جیسے"ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِھِمْ خَیْرًا"اور بمعنی بدگمانی بھی جیسے"اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"یہاں دونوں معنے درست ہیں یعنی بندہ میرے متعلق جیسا یقین رکھے گا میں ویسا ہی معاملہ اس سے کروں گا یا بندہ میرے متعلق جیسا گمان کرے گا میں ویسا ہی کروں گا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ قبولیت کی امید یا یقین پر دعا و عبادت کرے گا تو میں اس کی دعا و عبادت ضرور قبول کروں گا اور اگر ردکا یقین یا گمان کرے گا تو رد ہی کروں گا۔مقصد یہ ہے کہ اعمال بھی کرو اور قبول کی امید بھی رکھو عمل نہ کرکے بخشش کی امید رکھنا ظن نہیں بلکہ نفس کا دھوکا وغرور ہے ظن و غرور میں فرق چاہیئے جو بو کر گندم کاٹنے کی امید، ٹھنڈا لوہا کاٹنا بے کار ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو

بعض لوگ امید دھوکے میں فرق نہیں کرتے وہ اس حدیث سے دھوکا کھاتے ہیں،حدیث واضح ہے۔

۲؎رحمت و کرم،توفیق و مہربانی خیال رہے کہ بندہ رب سے ذکر اللہ کرتے وقت بہت قریب ہوتا ہے،جو ہر وقت ذکر کرے وہ ہر وقت رب سے قریب ہے۔

۳؎بہتر مجمع سے مراد ارواح انبیاء و اولیاء ہیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور ہوسکتا ہے اس مجمع سے مراد مقرب فرشتوں کا مجمع ہو چونکہ بعض لحاظ سے فرشتے انسان سے افضل ہیں کہ ہم انسان نیک و بد ہر طرح کے کام کرلیتے ہیں،فرشتے صرف نیک کام ہی کرتے ہیں اسی لیے انہیں خیرًا منھم کہا گیا،لہذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان فرشتے سے افضل ہے پھر یہاں فرشتوں کو انسان سے افضل کیوں فرمایا گیا۔

مسئلہ: ماہیت انسان ماہیت فرشتہ سے افضل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ"اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے رہے افراد اس میں تفصیل یہ ہے کہ خاص انسان جیسے انبیاء و اولیاء خاص و عام تمام فرشتوں سے افضل ہیں مگر عام مسلمان سے خاص فرشتے افضل،رہے کفار وہ تو گدھے کتے سے بھی بدتر ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر افضل ہے کہ آہستہ ذکر کرنے والوں کاذکر وہاں بھی خفیہ ہی ہوتا ہے اور مجمع لگاکر اونچا ذکر کرنے والوں کا وہاں بھی علانیہ ذکر ہی ہوتا ہے جیسے فرشتے و انبیاء و اولیاء سنتے ہیں ذکر بالجہر والوں کی یہ حدیث قوی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو ایک نیکی کرے اسے دس گناہ ثواب ہے اور زیادہ بھی دوں گا ۱؎ اور جو ایک گناہ کرے تو ایک برائی کا بدلہ اس کے برابر ہی ہے یا اسے بخش دوں ۲؎ اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کے ایک گز نزدیک ہوجاتا ہوں اورجو مجھ سے ایک گز نزدیک ہو تاہے تو میں اس سے ایک باغ قریب ہوجاتا ہوں ۳؎ جو میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے میں اس کی طرف دوڑتا ہوں ۴؎ اور جو کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائے پھر زمین بھر گناہ لے کر مجھ سے ملے تو میں اتنی ہی بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا ۵؎ (مسلم)

۱؎ یعنی نیکی کرنے والے مسلمان کو ایک کا دس تو قانونًا وعدًا دیا جائے گا اور اس کے علاوہ فضل و کرم سے بطور انعام عطا ہوگا جو ہمارے گمان و وہم سے وراء ہے۔خیال رہے کہ ایک کا دس گناہ عام حالات میں ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا"اور کبھی زمانہ جگہ کی خصوصیت سے ایک نیکی کا عوض سات سو یا پچاس ہزار بلکہ ایک لاکھ تک ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔یہ صرف نیکی کا عوض نہیں بلکہ اس وقت یا جگہ کی خصوصیت بھی ہے لہذا نہ تو گزشتہ مذکورہ آیتیں آپس میں متعارض ہیں اور نہ یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف جن میں فرمایا گیا کہ مدینہ پاک کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار ہے یا مکہ مکرمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ۔

۲؎ یہاں بھی مَن سے مراد مؤمن ہے اور عام گناہ مراد ہیں عام حالات میں مؤمن کے ایک گناہ کا عوض ایک ہی ہے یا وہ بھی بخشش دیا جائے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ مکہ معظّمہ کا ایک گناہ ایک لاکھ ہے۔

۳؎ جب انسان دونوں ہاتھ سیدھے کرکے پھیلائے تو داہنے ہاتھ کی انگلی سے بائیں ہاتھ کی انگلی تک کو باغ کہتے ہیں یہ کلام تمثیلی طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اخلاص کے ساتھ تھوڑے عمل کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرو تو رب تعالٰی اپنے کرم سے بہت زیادہ رحمت کے ساتھ تم سے قریب ہوگا۔لہذا عمل کئے جاؤ تھوڑا بہت نہ دیکھو۔

۴؎ یہ کلام بطور مثال سمجھانے کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ تمہاری طلب سے ہماری رحمت سبقت لے گئی ہے،اگر تم ایسے معمولی اعمال کرو جن سے بدیر ہم تک پہنچ سکو تو ہم تم کو اپنے کرم سے بہت جلد اپنے دامن رحمت میں لے لیں گے اگر رب تعالٰی سے قرب ہماری کوشش سے ہوتا تو قیامت تک ہم اس تک نہ پہنچ سکتے،اس تک رسائی اس کی رحمت سے ہے۔

۵؎ یہاں شرک سے مراد کفر ہے،اور بخشش سے مراد مطلقًا بخشش ہے جلد ہو یا دیر سے یعنی مسلمان کتناہی گنہگار ہواس کی بخشش ضرور ہوگی خواہ پہلے ہی سے ہوجائے یا کچھ سزا دے کر اور ظاہر ہے کہ بخشش بقدر گناہ ہوگی،ایک گناہ کی بخشش بھی ایک اور لاکھوں گناہوں کی بخشش بھی لاکھوں۔مقصد یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا گنہگار بھی رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو بلکہ بخشش کی امید پر توبہ کرلے۔یہ مقصد نہیں کہ بخشش حاصل کرنے کے لیے خوب گناہ کرے کہ یہ تو خدا پر امن ہے اور امن کفر ہے لہذا یہ حدیث گناہوں کی آزادی دینے کے لیے نہیں بلکہ توبہ کی دعوت دینے کے لیے ہے رب فرماتاہے:"لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"۔خیال رکھو کہ رب تعالٰی کی رحمت بھی وسیع ہے اور اس کا عذاب بھی سخت ہے نہ معلوم رحمت کسے پہنچے عذاب کسے پکڑے،لہذا امید و خوف دونوں رکھو اس معجون مرکب کا نام ایمان ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو میرے کسی ولی ۱؎ سے عداوت رکھے میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں ۲؎ اور میرے کسی بندے کا بمقابلہ فرائض عبادتوں کے دوسرے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہونا مجھے زیادہ پسند نہیں ۳؎ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے قریب ہوتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں ۴؎ پھر جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتاہے اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتاہے اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے ۵؎ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ لیتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں ۶؎ اور جو مجھے کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی میں تردد نہیں کرتا جیسے کہ میں اس مؤمن کی جان نکالنے میں توقف کرتا ہوں جو موت سے گھبراتا ہے اور میں اسے ناخوش کرنا پسند نہیں کرتا ادھر موت بھی اس کے لیے ضروری ہے ۷؎ (بخاری)	

۱؎ ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا اللہ تعالٰی والی وارث ہوگیا کہ اسے ایک آن کے لیے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ خود اس سے نیک کام لیتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ"۔اور وہ بندہ ہے جو خود رب

تعالٰی کی عبادت کا متولی ہوجائے،پہلی قسم کے ولی کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسرے کا نام سالک یا مرید ہے وہاں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد فرق صرف ابتداء میں ہے یہ مقام قال سے وراء ہے حال سے معلوم ہوسکتا ہے۔

۲؎ یعنی جو میرے ایک ولی کا دشمن ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کو تیار ہوجائے،خدا کی پناہ۔یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے صرف دو گناہوں پر بندے کو رب تعالٰی کی طرف سے اعلان جنگ دیا گیا ہے ایک سود خوار دوسرے دشمن اولیاء رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔علماء فرماتے ہیں کہ ولی کا دشمن کافر ہے اور اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ ایک ہے ولی اللہ سے اس لیے عداوت و عناد کہ ولی اللہ ہے یہ تو کفر ہے اسی کا یہاں ذکر ہے اور ایک ہے کسی ولی سے اختلاف رائے یہ نہ کفر ہے نہ فسق لہذا اس حدیث کی بناء پر یوسف علیہ السلام کے بھائی اور وہ صحابہ جن کی آپس میں لڑائیاں رہیں ان کو برا نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں اختلاف رائے تھا عناد نہ تھا۔ عناد و اختلاف میں بڑا فرق ہے،اس کے لیے ہماری کتاب امیر معاویہ دیکھئے حتی کہ حضرت سارا کو اس بنا پر برا نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہما السلام کی مخالفت کی،اس لیے یہاں عادی فرمایا خالف نہ فرمایا اور لی ولیا فرمایا ولی اللہ نہ فرمایا۔

۳؎ یعنی مجھ تک پہنچنے کے بہت ذریعہ ہیں،مگر ان تمام ذرائع سے زیادہ محبوب ذریعہ ادائے فرائض ہے اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرائض کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے افسوس ان لوگوں پر جو فرض عبادات میں سستی کریں اور نوافل پر زور دیں اور ہزار افسوس ان پر جو بھنگ،چرس حرام گانے بجانے کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھے نماز روزے کے قریب نہ جائیں۔

۴؎ یعنی بندہ مسلمان فرض عبادات کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ میرا پیارا ہوجاتا ہے کیونکہ وہ فرائض و نوافل کا جامع ہوتا ہے۔(مرقات)اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض چھوڑ کر نوافل ادا کرے محبت سے مراد کامل محبت ہے۔

۵؎ اس عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالٰی ولی میں حلول کرجاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ و بوکہ خدا تعالٰی حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں: ایک یہ کہ ولی اللہ کے یہ اعضاء گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ ان سے ٹھیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں اس پر عبادات آسان ہوتی ہے گویا ساری عبادتیں اس سے میں کرارہا ہوں یا یہ کہ پھر وہ بندہ ان اعضاء کو دنیا کے لیے استعمال نہیں کرتا،صرف میرے لیے استعمال کرتا ہے ہر چیز میں مجھے دیکھتا ہے ہر آواز میں میری آواز سنتا ہے،یا یہ کہ وہ بندہ فنا فی اللہ ہوجاتا ہے جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں اور وہ ویسے کام کرلیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے چلی ہوئی قمیص یوسفی کی خوشبو سونگھ لی،حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی حضرت آصف برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لاکر شام میں حاضر کردیا۔حضرت عمر نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچادی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرمالیے۔یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں آج نار کی طاقت سے ریڈیو تار،وائرلیس ٹیلی

ویژن عجیب کرشمے دکھا رہے ہیں تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقت اولیاء کے منکر ہے،بعض صوفیاء جوش میں سبحانی ما اعظم شانی کہہ گئے بعض نے کہا مافی حبیتی الااللہ یہ سب اسی فنا کے آثار تھے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

چوں روا باشد انا اللہ از درخت کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

۶؎ یعنی وہ بندہ مقبول الدعاء بن جاتا ہے کہ مجھ سے خیر مانگے یا شر سے پناہ میں اس کی ضرور سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اولیاء رب تعالٰی کی پناہ میں رہتے ہیں تو جو شخص ان سے دعا کرائے اس کی قبول ہوگی اور جو ان کی پناہ میں آئے وہ رب کی پناہ میں آجائے گا،مولانا جامی فرماتے ہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آوردہ ام

۷؎ سبحان اللہ! کیا نازو انداز والا کلام ہے یعنی میں رب ہوں اور اپنے کسی فیصلہ میں کبھی نہ توقف کرتا ہوں نہ تامل،جو چاہوں حکم کروں،مگر ایک موقعہ پر ہم توقف و تامل فرماتے ہیں وہ یہ کہ کسی ولی کا وقت موت آجائے اور وہ ولی ابھی مرنا نہ چاہے تو ہم اسے فورًا نہیں مار دیتے بلکہ اسے اولًا موت کی طرف مائل کردیتے ہیں جنت اور وہاں کی نعمتیں اسے دکھا دیتے ہیں اور بیماریاں پریشانیاں اس پر نازل کردیتے ہیں جس سے اس کا دل دنیا سے متنفر ہوجاتا ہے اور آخرت کا مشتاق پھر وہ خود آنا چاہتا ہے اور خوش خوش ہنستا ہوا ہمارے پاس آتا ہے،یہاں تردد کے معنے حیرانی و پریشانی نہیں کہ وہ بے علمی سے ہوتی ہے رب تعالٰی اس سے پاک ہے بلکہ مطلب وہ ہے جو فقیر نے عرض کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس حدیث کی تفسیر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے وہ حضرات اپنے اختیار سے خوشی خوشی موت قبول کرتے ہیں اور یار خنداں رود بجانب یار کا ظہور ہوتا ہے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔شعر

نشان مرد مؤمن با توگویم چوں قضاء آید تبسم برلب اوست

غرضکہ ہماری موت تو چھوٹنے کا دن ہے اور اولیاء انبیاء کی وفات پیاروں سے ملنے کا دن اسی لیے ان کی موت کے دن کو عرس یعنی شادی کا دن کہاجاتاہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے ارادہ مشیت،رضا کراہت میں بہت فرق ہے بعض چیزیں رب تعالٰی کو ناپسند ہیں مگر ان کا ارادہ ہے بعض چیزیں پسند ہیں مگر ان کا ارادہ نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذکر اللہ والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۱؎ پھر جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں،تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ ۲؎ چنانچہ وہ فرشتے ان ذاکرین کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں آسمان دنیا تک ہوجاتے ہیں۳؎ حضور نے فرمایا کہ رب تعالٰی تو علیم و خبیر ہے مگر ان سے پوچھتا ہے کہ میرے

وہ بندے کیا کہتے تھے ۴؎ فرمایا عرض کرتے ہیں کہ تیری تسبیح و تکبیر تیری حمد اور تیری بزرگیاں بیان کررہے تھے ۵؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے فرمایا وہ عرض کرتے ہیں تیری قسم انہوں نے تجھے کبھی نہیں دیکھا ۶؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری بہت عبادت کریں اور تیری بہت بڑائی بولیں اور تیری بہت ہی تسبیح کریں ۷؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے وہ مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں تجھ سے جنت مانگ رہے تھے فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے، عرض کرتے ہیں یا رب تیری قسم نہیں دیکھی ۸؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو اس کے بہت حریص اور بہت طلبگار اور اس میں بہت راغب ہوجائیں ۹؎ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے فرمایا وہ عرض کرتے ہیں آگ سے ۱۰؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے تو کیا انہوں نے آگ دیکھی ہے فرمایا عرض کرتے ہیں یارب تیری قسم نہیں دیکھی فرمایا رب فرماتا ہے اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا عرض کرتے ہیں اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو اس سے بہت بھاگیں اس سے بہت ڈریں ۱۱؎ فرمایا پھر رب تعالٰی فرماتاہے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا ۱۲؎ فرمایا کہ ان فرشتوں میں سے ایک عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں بھی تھا جو ذکر والوں سے نہ تھا۔وہ تو کسی کام کے لیے آیا تھا ۱۳؎ رب تعالٰی فرماتا ہے ذاکرین ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھ جانے والا بھی محروم نہیں رہتا ہے ۱۴؎ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فالتو فرشتے چلنے پھرنے گھومنے والے

ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے رہتے ہیں ۱۵؎جب کوئی ایسی مجلس پائیں جہاں ذکر ہو تو ذاکرین کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۱۶؎اور بعض بعض کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں ۱۷؎حتی کہ ان لوگوں اور آسمان دنیا کے درمیان فضا بھر دیتے ہیں ۱۸؎پھر جب لوگ بکھر جاتے ہیں ۱۹؎تو وہ فرشے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں ۲۰؎فرمایا کہ رب تعالٰی علیم و خبیر ہے مگر ان سے پوچھتا ہے کہاں سے آرہے ہوتو وہ عرض کرتے ہیں ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آرہے ہیں جو زمین میں تیری تسبیح،تکبیر تہلیل کررہے تھے ۲۱؎اور تیری حمد و ثنا کرتے تھے تجھ سے دعائیں مانگ رہے تھے رب فرماتا ہے وہ مجھ سے مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں تیری جنت مانگتے تھے ۲۲؎فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے عرض کرتے ہیں یارب نہیں فرماتا ہے اگروہ میری جنت دیکھ لیں تو کیا ہو عرض کرتے ہیں مولا تیری پناہ مانگ رہے تھے فرماتا ہے کس چیز سے میری پناہ مانگتے تھے عرض کرتے ہیں تیری آگ سے فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے عرض کرتے ہیں نہیں فرماتا ہے اگر میری آگ دیکھ لیں تو کیا ہو ۲۳؎عرض کرتے ہیں تجھ سے معافی مانگ رہے تھے فرمایا رب فرماتاہے میں نے انہیں بخش دیا جو مانگتے ہیں انہیں دے دیا اور جس سے پناہ مانگتے ہیں میں نے اس سے انہیں بچالیا۲۴؎ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں یارب ان میں فلاں بندہ بڑا گنہگار تھا۲۵؎وہ ان پر گزرتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا فرمایا رب فرماتاہے میں نے اسے بھی بخش دیا وہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بھی بدنصیب نہیں ہوتا۲۶؎	

۱؎یہاں فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ذکر اللہ سننے پر مقرر ہیں راستوں سے مسلمان خصوصًا ذاکرین کے راستے مراد ہیں یعنی یہ فرشتے ذاکرین کے راستوں میں چکر لگاتے رہتے ہیں تاکہ ان کی زیارت کریں اور ان سے اللہ تعالٰی کا ذکر

سنیں یعنی وقت سے پہلے وہ حضرات مجلس ذکر کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ انہیں ذاکرین اور ان کے محلوں کی خبر نہیں بے خبری میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

۲؎آؤ دوڑوان ذاکرین کی زیارت کرو ان کی زبان سے اللہ رسول کا ذکر سنو۔ معلوم ہوا کہ دو سروں سے رسول کا ذکر سننا بھی محبوب ہے اور محفل میلاد شریف گیارھویں شریف وغیرہ میں رحمت کے فرشتے شرکت کرتے ہیں کہ یہ بھی اللہ رسول کے ذکر کی مجلسیں ہیں۔شعر

فرشتے محفل میلادمیں رحمت کےآتے ہیں　　　رسول اللہ خوداس بزم میں تشریف لاتے ہیں

اس شعر کے پہلے مصرع کی اصل یہ حدیث ہے دوسرے مصرع کی اصل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

۳؎یعنی یہ فرشتے پرےبنا کر ان مجلس والوں پر اس طرح چھا جاتے ہیں جیسے رحمت کے بادل زمین پر اور یہ پرے آسمان تک پہنچتے ہیں کہ نیچے ایک پرہ اس کے اوپر دوسرا اس پر تیسرا۔

۴؎مجلس ختم ہونے پر لوگ تو اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اوریہ فرشتے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوجاتے ہیں تب رب تعالٰی ان سے یہ سوال فرماتا ہے مگر یہ سوال رب کی بے علمی سے نہیں بلکہ فرشتوں کو اگلے مضمون پر گواہ بنانے کے لیے ہوتا ہے۔

۵؎یا تو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس طرح کہ تیرے محبوبوں کا عظمت سے ذکر کررہے تھے اور تیرے دشمنوں کا حقارت سے تذکرہ کرتے تھے جیسا کہ شروع باب میں عرض کیا گیا۔

۶؎بغیر دیکھے تیرے عاشق ہیں اللہ تعالٰی محبوب حقیقی ہے کہ بغیر دیکھے دلوں میں اس کا عشق ہے اس کا پر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آج ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں عاشق جانباز کروڑوں۔

۷؎یہ دونوں سوال تعجب کے اظہار کے لیے ہیں کہ جب میرے بندے مجھے بغیر دیکھے صرف میرے اوصاف سن کر میری ایسی والہانہ عبادت کر رہے ہیں تو اگر مجھے دیکھ لیں تو ان کی محبت و عبادت کا کیا حال ہو۔اس میں اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ اے فرشتوں تم نے تو کہا تھا انسان خونریز فاسد ہوگا دیکھو انہی انسانوں میں ایسے نمازی ذاکر بھی تو ہیں جن سے سارا عالم چھپا ہوا ہے اور عالم شہادت یعنی دنیا کے ہزار ہا جنجالوں میں گرفتار ہیں مگر پھر بھی رب کے ذاکر و پرستار ہیں۔معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہے۔

۸؎صرف سن کر اس پر ایمان لائے اور اس کے طلبگار ہوگئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت پیدا ہوچکی ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ بعد قیامت پیدا ہوگی غلط کہتے ہیں اس کی مکمل بحث ہماری "تفسیر نعیمی" جلد اول اور "اسرار الاحکام" میں ملاحظہ فرمایئے۔اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی سے جنت مانگنا برا نہیں،ہاں صرف جنت حاصل کرنے کے لیے عبادت کرنا برا ہے عبادت تو صرف رضائے الٰہی کے لیے چاہیئے جنت اس کے فضل سے ملے گی۔

۹؎یعنی پھر تو یہ لوگ جنت کی طلب میں تارک الدنیا ہو بیٹھیں زن و فرزند کو بھول بیٹھیں کیونکہ معائنہ خبر سے زیادہ قوی ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانوں سے جنت چھپانے میں ہزار ہا حکمتیں ہیں،اگر جنت دکھادی جاتی تو کوئی شخص کوئی دنیاوی کام نہ کرتا۔

۱۰؎ یعنی دوزخ کی آگ سے خیال رہے کہ فرشتے یہ نہیں کہتے کہ دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے کیونکہ دوزخ میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہوگا مگر آگ کا عذاب مرتے ہی شروع ہوجاتا ہے۔اس لیے آگ کے عذاب سے پناہ مانگنا چاہیئے قرآن کریم نے جو جامع دعا ہم کو سکھائی ہے اس کے آخری میں ہے **وقنا عذاب النار** نیز دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں بھی آگ ہی کا عذاب ہے گرم طبقوں میں آگ کے قریب سے عذاب ہے ٹھنڈے طبقوں میں آگ کی دوری سے عذاب جیسے دنیا میں گرم سرد موسموں میں سورج کی دوری و نزدیکی سے سردی گرمی ہوتی ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ پھر دوزخ کے خوف سے دنیا میں عیش و آرام بھول جائیں،ہمیشہ روتے رہیں کبھی نہ ہنسیں۔معلوم ہوا کہ اگر وہ عالم ظاہر کردیا جائے تو یہ عالم تباہ ہوجائے اگر رب تعالٰی کا نظارہ یہاں ہوجائے تو کوئی کافر نہ رہے۔شعر

کفرواسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے　　　تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہوجائے

۱۲؎ گزشتہ ساری گفتگو اسی آخری جملہ کے لیے تھی کہ فرشتوں کو ان ذاکر مؤمنوں کی بخشش پر گواہ بنانا تھا خیال رہے کہ رب تعالٰی نے یہ نہ فرمایا کہ ان کے گناہ بخشتا ہوں کہ اس میں شبہ ہوتا کہ شاید پچھلے گناہ بخشے گئے بلکہ فرمایا انہیں بخشتا ہوں یعنی آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دوں گا اور اگر کبھی ان سے کوئی گناہ ہو بھی جائے گا تو اس کی بخشش کا آج فیصلہ کئے دیتے ہوں،گناہ بخشنا اور ہے گنہگار کو بخشنا کچھ اور یہاں گنہگار کو بخشا گیا ہے۔

۱۳؎ یعنی ذکر اللہ سننے نہ آیا تھا بلکہ کسی کام کو جارہا تھا راستہ میں یہ مجلس نظر پڑی تو کچھ دیر کے لیے بیٹھ گیا یا کھڑے کھڑے کچھ ذکر سن لیا یہ عرض و معروض اس کو بخشوانے کے لیے ہے۔معلوم ہوا کہ فرشتے ذاکرین کے بڑے خیر خواہ ہیں ہم کو بھی چاہیئے کہ ان کے لیے دعائے خیر کیا کریں،دلائل الخیرات میں بعض دعائیں فرشتوں کے لیے بھی آتی ہیں،ہمیں ان سے کام پڑتا ہے ان سے تعلق رکھنا چاہیئے۔

۱۴؎ یعنی ان مجلس والوں کو تو ذکر کی وجہ سے بخش دیا اور اس گزرنے والے کو ان اچھوں کی صحبت کی برکت سے بخش دیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نیک صحبت ساری عبادات سے افضل ہے دیکھو صحابہ کرام سارے جہان کے اولیاء سے افضل ہیں کیوں اس لیے کہ صحبت یافتہ جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،اصحاب کہف کا کتا بھی بہتر ہوگیا اولیاء کی صحبت کی برکت سے۔مرقات نے فرمایا کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو،اگر نہ ہوسکے تو اللہ کے پاس رہنے والوں کی صحبت کرو مولانا فرماتے ہیں۔شعر

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا　　　اونشیند در حضور اولیاء

۱۵؎ یعنی ان فرشتوں کے ذمہ سوائے اس گھومنے پھرنے کے اور کوئی ڈیوٹی نہیں بعض صوفیاء ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں جہاں عرس وغیرہ مجلس ذکر ہوتی ہیں شرکت کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔(مرقات)**فضل** بعض نسخوں میں ف کے پیش ض کے فتح سے ہے یعنی دوسرے فرشتوں سے افضل۔

۱۶؎ اس طرح کہ اس ٹوٹی چٹائی پھٹے فرش پر بیٹھ جاتے ہیں جہاں ذاکرین بیٹھے ہیں کوئی اعلٰی جگہ نہیں ڈھونڈتے تاکہ انہیں فیض دیں اور ان سے فیض لیں۔

۱۷؎ یعنی بعض فرشتے ان بعض انسانوں کو یا بعض فرشتے بعض فرشتوں کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں کہ نیچے والے اوپر والوں کے پروں کے سایہ میں ہوجاتے ہیں۔

۱۸؎ معلوم ہوا کہ ذاکرین کی آواز آسمان تک پہنچتی ہے کہ وہاں تک کے فرشتے سنتے ہیں جب بجلی کے ذریعہ آج انسانی آواز ہزار ہا میل تک پہنچتی ہے،تو نورانی آواز کہاں تک پہنچے گی۔

۱۹؎ اس طرح کہ مجلس ختم ہوجاتی ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں یا کاموں کو چلے جاتے ہیں۔

۲۰؎ کیونکہ یہ فرشتے تو صرف مجلسی ذکر سننے آتے ہیں،اکیلوں کا ذکر سننا ان کا کام نہیں،اس کے لیے دوسرے فرشتے ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر ذکر خفی سے افضل ہے یہ حدیث حضرات قادریہ چشتیہ کی دلیل ہے حضرات نقشبندیہ کی دلائل دوسری احادیث و آیات ہیں۔

۲۱؎ وہ فرشتے ان بندو ں کے نام اور جگہ کا پورا پتہ عرض کرتے ہیں،سبحان اللہ! ان لوگوں اور اس جگہ کے بھاگ جاگ جاتے ہیں کہ ذکر الٰہی کی برکت سے معصوموں کی زبان پر بارگاہِ الٰہی میں ان کے نام آجاتے ہیں،مبارک ہیں دینی مدرسے اور خانقاہیں جہاں ہمیشہ ہی اللہ کا ذکر رہتا ہے۔شعر

زہے مسجد و مکتب و خانقاہے　　　　　که در دے بود قیل و قال محمد

۲۲؎ خیال رہے کہ جنت کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے کیونکہ رب تعالٰی جنت کا خالق اور حقیقی مالک ہے اور کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی جنت کے مالک ہیں۔رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ"۔اور کبھی مسلمانوں کی طرف کیونکہ یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اس کے مستحق ہیں انہی کی خاطر بنائی گئی ہے۔شعر

مسلمانوں کو کوئی خلد سے روکے تو کیوں روکے　　　　　یہ اُمت ہے محمد کی وہ جنت ہے محمد کی

۲۳؎ مسلم،بخاری کی روایتوں میں فرق یہ ہوا کہ بخاری کی روایت میں تعجب کا اظہار بھی مذکور ہے اور فرشتوں کا جواب بھی مگر مسلم کی روایت میں فرشتوں کا جواب مذکور نہیں صرف اظہار تعجب کا ہی ذکر ہے فرشتے جواب دیتے ہیں مگر یہاں اس کا ذکر نہیں۔

۲۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ایسے موقعوں پر خصوصیت سے آخرت کی نعمتیں مانگیں صرف دنیا مانگنا اچھا نہیں آخرت مانگو دنیا ان شاءاللہ خود بخود مل جائے گی پھول پتے ان شاءاللہ خود مل جائیں گے گلدستہ میں پھول بغیر پتہ کے نہیں ہوتے۔

۲۵؎ معلوم ہوا کہ فرشتے ہر بندے کو بھی پہچانتے ہیں اور ہر شخص کے تمام نیک و بد اعمال کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں اور ہر شخص کے ہر ارادے سے باخبر ہیں ورنہ انہیں کیا خبر ہوتی کہ یہ بندہ کون ہے نیک ہے یا بد ہے یہاں کس ارادہ سے آیا ہے جب ان فرشتوں کا یہ حال ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا پوچھنا۔

۲۶؎ جب عام ذاکروں کی مجلس کی یہ برکت ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کیسی بابرکت ہوگی،ان کا نام لیوا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا۔شعر

سلام اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی　　　　　سلام اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی

دیکھو ایک گنہگار ان ذاکرین کی مجلس میں ایک آن کے لیے آیا تو بخشا گیا،تو جو حضرات سایہ کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ان کی مغفرت میں شک کیسا ان کے متعلق رب تعالٰی نے اعلان فرمادیا:"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"۔

روایت ہے حضرت حنظلہ ابن ربیع اسیدی سے ۱؎فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوبکر صدیق ملے پوچھا حنظلہ کیسے ہو میں بولا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا ۲؎فرمایا سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو ۳؎میں بولا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں،حضور جنت دوزخ کا ذکر ہمیں سناتے ہیں گویا وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ۴؎پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹتے ہیں تو بیوی بچوں مال و اسباب میں گھل مل کر بہت سا بھول جاتے ہیں ۵؎حضرت ابوبکر بولے اللہ کی قسم ہم سب ہی کو یہ درپیش رہتا ہے ۶؎پھر میں اور حضرت ابوبکر صدیق چلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچے میں نے عرض کیا یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ کیا ہے میں نے عرض کیا یارسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت و دوزخ کا ذکر یوں سناتے ہیں گویا وہ ہماری آنکھوں کے آگے ہیں ۷؎جب آپ کے پاس سے ہم نکلتے ہیں تو بیوی بچوں مال و اسباب میں مشغول ہوجاتے ہیں بہت کچھ بھول جاتے ہیں ۸؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو تمہارا حال میرے پاس ہوتا ہے اگر اس پر ہمیشہ رہو ۹؎تو فرشتے تمہارے بستروں پر تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں ۱۰؎لیکن اے حنظلہ وقتًا فوقتًا دو گھڑی تین بار فرمایا ۱۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حنظلہ غسیل الملائکہ نہیں ہیں،بلکہ دوسرے صحابی ہیں،جو کاتبِ وحی تھے اسید ابن عمرو ابن تمیم کی اولاد سے ہیں،بڑی عمر پائی، حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲؎ یعنی میر ی حالت منافقوں کی سی ہوئی کہ اس میں یکسانیت نہیں یہاں نفاق سے اعتقادی نفاق مراد نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے اور نہ اس کلام میں اپنے کفر یا نفاق کا اقرار ہے آپ کا یہ قول انتہائی خوف خدا پر مبنی ہے،اقرار کفر تو کفر ہے،مگر اقرار گناہ جو خوفِ خدا سے ہو عین تقویٰ ہے حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا تھا"اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا"رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا"جیسے ان بزرگوں کو ظالم نہیں کہا جاسکتا ایسے ہی ان صحابی کواس کلام کی بناپر عاصی یامنافق نہیں کہاجاسکتا لہذا یہ حدیث روافض کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۳؎ تم کو نفاق سے کیا نسبت تم صحابی رسول ہو کاتب وحی ہو اپنے کلام کا مطلب خود بیان کرو۔

۴؎ یعنی اس وقت ہم کو خوف و امید اس درجہ کی ہوتی ہے گویا ہم جنت دوزخ دیکھ کر اس سے ڈر رہے ہیں اور اسے چاہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عین الیقین نصیب ہوجاتا تھا نہ معلوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کی نمازیں کیسی ہوتی ہوں گی۔اللہ تعالٰی ان کی تجلی کچھ ہم کو بھی نصیب کرے۔

۵؎ ضیعات ضیعۃٌ کی جمع ہے،ضیعہ وہ چیز ہے جس سے روزی وابستہ ہو اکثر زمین،باغات کھیتی باڑی کو ضیعہ کہا جاتا ہے ۔مطلب یہ ہے کہ ہم پرگھر پہنچ کر کچھ غفلت طاری ہوجاتی ہے،دل کا حال وہ نہیں رہتا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں ہوتا ہے،دل کا یکساں حال نہ رہنا ہی حال کی منافقت ہے۔

۶؎ یعنی یہ اختلاف حال صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ہم تمام صحابہ کا ہے،تو کیا ہم سب منافق ہوگئے یہ کیسے ہوسکتا ہے چلو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں۔

۷؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا معجزہ تھا کہ آپ کے بیان سے عالم غیب گویا عالم شہادت بن جاتا تھا بعض علماء کی تقریر میں سامعین کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے واقعہ سامنے ہورہا ہے،بار ہا ذکر معراج،ذکر ہجرت وغیرہ میں ایسا دیکھا گیا ہے،یہ بیان و اخلاص کا کمال ہے۔

۸؎ بھول جانے سے مراد ہے توجہ تام نہ رہنا نہ کہ حفظ کا مقابل،لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب صحابہ کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ فورًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھول جاتے تھے تو ان سے روایت حدیث کیونکر د رست ہوئی۔

۹؎ وفی الذکر کا واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ما کا بیان ہے اور ذکر سے مراد مشاہدہ و توجہ تام یعنی تمہارے قلب کا جو حال میر ی مجلس میں ہوتا ہے اور جو کشف و مشاہدہ تیقظ و بیداری یہاں ہوتی ہے،اگر ایسی ہی ہر وقت رہے۔

۱۰؎ یعنی تو فرشتے تم سے علانیہ طور پر ملاقاتیں مصافحے کیا کریں ورنہ صحابہ کرام سے فرشتے مصافحے بھی کرتے تھے اور ملاقاتیں بھی مگر دوسری شکلوں میں۔

۱۱؎ یعنی زندگی کی بعض گھڑیاں دینی انہماک کے لیے رہیں اور بعض گھڑیاں دنیاوی کاروبار کے لیے تاکہ دونوں جہاں آباد و قائم ر ہیں۔ایک ہندی شاعر نے کیا خوب کہا شعر

تو دنیا میں ایسا ہو رہ جوں مرغابی ساگر میں ڈگر پہ اپنے ایسے جانا جوں چت ناری گاگر میں

مرغابی دریا میں آکر تیرنے والا جانور بن جاتی ہے اور ہوا میں پہنچ کر پرندہ،پہاڑی عورت دو گھڑے سر پر ایک گھڑا بغل میں دوسرا ہاتھ میں لٹکائے اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی راستہ طے کرلیتی ہے،بیک وقت راستہ پر بھی نظر رکھتی ہے اور گھڑوں کا دھیان بھی اور سہیلی کی طرف توجہ بھی،ایسے ہی مسلمان مسجد میں پہنچ کر فرشتہ صفت بن جائے،بازار میں جا کر اعلیٰ درجہ کا تاجر،دنیاو دین دونوں کو سنبھالے،خالق و مخلوق سب کے حقوق ادا کرتا ہوا زندگی کا راستہ طے کرے،سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے ۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کی ہر ساعت اللہ کے ذکر میں گزرتی ہے کہ دنیاوی کاروبار انہیں ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتے اور بعض لوگوں کے ہاں تقسیم ہوتی ہے کہ بعض گھڑیاں رب تعالٰی کے ذکر میں اور بعض گھڑیاں دنیاوی مشغلہ میں،صحابہ کرام میں بھی انہیں دو قسم کے حضرات تھے حنظلہ دوسری جماعت سے تھے اس لیے ان سے یہ فرمایا گیا،اسی لیے حضرت حنظلہ سے خطاب فرمایا،صدیق اکبر سے خطاب نہ فرمایا کہ حضرت صدیق پہلی جماعت سے تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں ایسے بہترین اعمال نہ بتادوں جو رب کے نزدیک بہت ستھرے اور تمہارے درجے بہت بلند کرنے والے اور تمہارے لیے سونا چاندی خیرات کرنے سے بہتر ہوں[1] اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمن سے جہاد کرو کہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے[2](مالک،احمد،ترمذی،ابن ماجہ)مگر مالک نے یہ حدیث حضرت ابوالدرداء پر موقوف کی[3]

[1] یعنی بدنی و مالی عبادات سے افضل ہوں۔

[2] اگر یہاں ذکر اللہ سے مراد زبانی ذکر ہے تو اس کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ ذکر اللہ بلاواسطہ رب تعالٰی تک پہنچاتا ہے اور دوسری عبادتیں بالواسطہ اور ظاہر ہے کہ بلاواسطہ پہنچانے والا بالواسطہ سے افضل ہے۔اور اگر ذکر سے مراد قلبی و دلی ذکر اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ذکر دلی عبادت ہے اور دوسری عبادات بدنی عبادت اور دل بادشاہ ہے۔اعضاء اس کی رعایا بادشاہ کا عمل بھی رعایا کے اعمال سے افضل ہے،اسی لیے رب تعالٰی نے قرآن کریم میں ذکر اللہ کے بڑے درجے بیان فرمائے کہ فرمایا"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا حدیث قدسی ہے "انا جلیس

من ذکرنی" میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔اس سے معلوم ہواکہ بعض آسان عمل مشکل عملوں سے درجہ میں بھی بڑھ جاتے ہیں دیکھو ذکر اللہ آسان ہے اور جہاد دشوار مگر ثواب میں ذکر اللہ بڑھ گیا مگر یہ اس جہاد کا ذکر ہے جو اللہ کی یاد سے خالی ہو،لیکن اگر ہاتھ میں تلوار اور زبان پر ذکر یار ہو تو سبحان اللہ سب سے بہتر۔ شیخ نے فرمایا کہ بعض لازم عمل متعدی عمل سے بہتر ہوجاتے ہیں جیسا یہاں ہوا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد میں کافروں کو مارا جاتا ہے اور ذکر اللہ میں نفس و شیطان کو اسی لیے ذکر اللہ جہاد اکبر ہے کہ اس میں دل کا تزکیہ ہے پھر ذکروں میں بعض ذکر دوسرے ذکروں سے افضل ہیں جیسے تلاوت قرآن شریف و درود شریف دوسرے اذکار سے بہتر ہیں۔

۳؎ یعنی مؤطا امام مالک میں تو یہ حدیث موقوف ہےاور باقی محدثین کے ہاں مرفوع اسے حاکم نے بھی مستدرک میں مرفوعًا ہی نقل فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کون شخص اچھا ہے فرمایا مژدہ ہو اسے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں ۲؎ عرض کیا یارسول اللہ کون سا عمل افضل ہے فرمایایہ کہ تم دنیا کو اس حال میں چھوڑو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو ۳؎ (احمد،ترمذی)

۱؎ آپ خود اور آپ کے والد بسر آپ کے بھائی عطیہ،آپ کی بہن صحاء تمام صحابہ ہیں یہ حضرات ایک ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانا کھلایا اور ان کے لیے دعاء خیر فرمائی، شام میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان خبر ہے اور طوبٰی سے مراد مژدہ و خوشخبری ہے بعض نے فرمایا کہ یہ کلام دعائیہ ہے اور طوبٰی سے مراد جنت کا مشہور درخت طوبٰی ہے یعنی جس کی عمر دراز اور اعمال نیک ہوں،خدا کرے اسے طوبٰی درخت ملے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔(مرقات)

۳؎ دنیا چھوڑنے سے مراد مرنا ہے،یعنی جب تمہیں موت آئے تو تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں چل رہی ہو،یا ابھی ابھی چل چکی ہو لہذا اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کی زبان مرتے وقت بند ہوتی ہیں۔مگر بند ہوتے وقت ذکر اللہ پر بند ہوئی تھی۔ تر سے مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام بہ آسانی اس کی زبان پر جاری ہو تر لکڑ ی کو آگ نہیں جلاتی،اور تر زبان کو دوزخ کی آگ نہ جلائے گی ان شاءاللہ۔حق تعالٰی ایسی موت نصیب کرے،بعض علماء نے فرمایا کہ ذکر قلبی سے ذکر زبانی بہتر ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے،ذکر زبانی نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جس کے فرشتے گواہ ہوتے ہیں اور ذکر قلبی کی نہ تحریر ہوتی ہے نہ گواہی ۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ طبرانی میں مرفوعًا حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر خشک و تر چیز وں کے پاس ذکر اللہ کرو تاکہ یہ چیزیں تمہارے ایمان کی گواہ ہوں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو کچھ چرلیا کرو۱لوگوں نے پوچھا جنت کی کیاریاں کیا ہیں فرمایا ذکر کے حلقے ۲(ترمذی)

۱معلوم ہوا کہ ذکر اللہ غذاء روحانی ہے اور ذکر کے حلقے روحانی سبزہ زار جب انسان باغ کھیت سے گزرتا ہے تو کچھ کھاتا ہے لہذا جب ذکر اللہ پر گزرے تو کچھ ذکر کرلے یا سن لے۔

۲اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ذکر الٰہی کے جلسوں میں جانا وہاں شرکت کرنا بہت بہتر ہے،لہذا میلاد شریف، درس قرآن،گیارھویں پاک اور عرس بزرگان میں شرکت افضل،دوسرے یہ کہ ذکر اللہ کے لیے حلقے بنا کر بیٹھنا افضل ہے،نماز میں صف بستہ کھڑے ہو کر فرشتے صف بستہ حاضر رہتے ہیں اور ذکر اللہ کے حلقے باندھو کہ جنتی لوگ حلقے بنا کر بیٹھا کریں گے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِاٰنِیَۃٍ مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّ اَکۡوَابٍ"۔تیسرے یہ کہ اکیلے ذکر سے جماعت میں ذکر کرنا اور سننا افضل ہے اس سے ذکر بالجہر کا ثبوت ہوا،اگر مجمع کے ذکر میں ایک کا بھی ذکر قبول ہوا تو سب کا قبول ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ اس کے لیے اللہ کی طرف سے حسرت و خسارہ ہوگی اور جو کسی خوابگاہ میں لیٹے کہ اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو یہ بھی اس پر اللہ کی طرف سے ندامت ہوگی ۱(ابوداؤد)

۱اس حدیث میں مجلس سے مراد ہر جائز مجلس ہے جو کہ گندگی وغیرہ سے خالی ہو لہذا قضائے حاجت کی مجلس،اسی طرح شراب خوروں کی مجلس اس سے مستثنٰی ہے ان موقعوں پر خدا تعالٰی کا نام لینا بے ادبی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب کسی دینی یا دنیاوی مجلس میں بیٹھو اور جب بھی سونے کے لیے بستر پر دراز ہو تو اللہ کا ذکر ضرور کرلو ورنہ کل قیامت میں ان اوقات کے ضائع ہو جانے پر کف افسوس ملو گے۔ بعض لوگ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے ہیں ا ن کی اصل یہ حدیث ہے،مؤمن کی کوئی حالت ذکر اللہ سے خالی نہ چاہیئے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی قوم یا جماعت نہیں جو کسی مجلس سے بغیر اللہ کا ذکر کئے اٹھ جائے مگر وہ مردار گدھے کی مثل سے اٹھتے ہیں۱اور یہ ان پر حسرت ہوتی ہے۔(احمد،ابوداؤد)

۱؎یعنی گویا یہ غافل لوگ مردار گدھا کھا کر اٹھے جو پلید بھی ہے اور حقیر بھی اور اپنی زندگی میں حماقت میں مشہور بھی ہے اور شیطان کا مظہر بھی کہ اس کے بولنے پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔غرضکہ اللہ کے ذکر سے خالی مجلسیں مردار گدھے کی طرح ہیں اور ان میں شرکت کرنےوالے اس مردار کے کھانے والے ہیں۔الحمدللہ مؤمن کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی وعدے پر ان شاءاللہ کہتا ہے چھینک پر الحمدللہ،جمائی پر لاحول ولاقوۃ الاباللہ،غم کی خبر پر انا للہ۔غرضکہ بات بات پر اللہ تعالٰی کا نام لیتا ہے،درود ہو اس دافع شرجن و انس پر،صلوۃ ہو اس غمخوار امت پر جس نے ہماری زندگی سنبھال دی اور ہماری مجلسیں اللہ کے ذکر سے آباد کردیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرے اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھے ۱؎مگر یہ مجلس ان پر حسرت ہو گی اگر رب چاہے انہیں اس پر عذاب دے اور اگر چاہے بخش دے ۲؎(ترمذی)	

۱؎اگرچہ ذکر اللہ میں درود شریف بھی داخل تھا مگر چونکہ درود شریف ذکر اللہ کی بہترین قسم ہے اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا کیونکہ درود پاک میں اللہ تعالٰی کا نام بھی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آل اولاد کو دعائیں بھی۔

۲؎اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عموماً مجلسوں میں جھوٹ غیبت وغیرہ گناہ ہوجاتے ہیں،اگر ان میں حمد و صلوۃ وغیرہ بھی ہوتی رہے تو اس کی برکت سے یہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اگر مجلس ان خیر ذکروں سے خالی ہو تو گناہ تو پایا گیا،کفارہ نہ ادا ہوا لہذا اب پکڑ اور سزا کا سخت اندیشہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اس جملہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:"وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ"الایہ۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی معافی گناہ کا ذریعہ ہے اس جملہ سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجلس میں اللہ رسول کا ذکر ہو تو اس کے گناہ یقینًا بخشے جائیں گے رب تعالٰی کا وعدہ ہے۔۔

روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا ہر کلام اس پر وبال ہے مفید نہیں ۱؎سوائے اچھی باتوں کے حکم یا بری باتوں سے منع کرنے کے یا اللہ کے ذکر کے ۲؎ترمذی،ابن ماجہ،اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎کیونکہ ہمارے کلام یا تو گناہ ہوتے ہیں جن کا مضر ہونا ظاہر ہے یا عبث و بے فائدہ جو لہو ولعب میں داخل ہیں یہ بھی وبال ہوئے اور جائز کلام بھی جب فائدہ اور ثواب سے خالی ہوئے تو آخرت میں ہم کو وبال محسوس ہوں گے،جیسے سفر

میں غیر ضروری سامان لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔ خیال رہے کہ کل قیامت میں عبث کام ہم پر سوار ہوں گے اور نیک کاموں پر ہم سوار ہوں گے،لہذا عبث بھی وبال ہے۔

۲؎ کہ یہ تینوں نیکیاں وبال نہیں بلکہ نیک اعمال ہیں،پہلی دو نیکیاں متعدی ہیں اور آخری تیسری نیکی لازم اگرچہ تبلیغ بھی ا للہ کا ذکر ہی ہے مگر وہ بالواسطہ ذکر ہے اور یہاں بلاواسطہ ذکر مراد ہے اس لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا،ذکر اللہ میں سارے اذکار الٰہی داخل ہیں تلاوت قرآن ہو یا درود شریف یا کوئی اور ذکر خیر۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو۱؎ کیونکہ بغیر ذکر اللہ زیادہ باتیں دل کی سختی ہے۲؎ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور سخت دل والا ہے ۳؎(ترمذی)	

۱؎ یہاں زیادہ باتوں سے مراد بیکار باتیں ہیں جن کا کوئی فائدہ نہ ہو لہذا تجارتی باتیں گھریلو مفید باتیں جتنی بھی ہوں زیادہ باتوں میں شامل نہیں۔

۲؎ سختی دل کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس میں وعظ نصیحت اثر نہیں کرتا،کبھی انسان اپنے گزشتہ گناہوں پر روتا نہیں آیات الٰہیہ میں غور نہیں کرتا اللہ تعالٰی محفوظ رکھے زیادہ کلام اور بہت ہنسنا دل کو سخت کرتا ہے اور زیادہ ذکر اللہ یا اللہ والوں کی صحبت موت کی یاد آخرت کا دھیان قبرستان کی زیارت دل میں نرمی پیدا کرتی ہے۔

۳؎ یہاں دل سے مراد دل والا ہے یعنی سخت دل والا آدمی دنیا میں بھی اللہ سے دور ہے اور آخرت میں بھی اسی لیے اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں سختی دل کی بہت برائیاں بیان فرمائی ہیں فرماتاہے:"ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَہِیَ کَالۡحِجَارَۃِ"اور فرماتاہے:"اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللہِ"۔جب تک لوہا سخت ہے کچھ نہیں بن سکتا ہے مگر جب نرم ہوگیا تو اسے جس طرح چاہو ڈھال لو،اور جو چاہو اس کا بنالو،یوں ہی سخت دل نہ مؤمن بن سکے نہ عارف نہ متقی نہ پرہیزگار مگر دل نرم ہو کر ولی غوث و قطب سب کچھ بن جاتا ہے،لوہا نرم کرنے کے لیے یہ آگ چاہیئے اور دل نرم کے لیے عشق کی آگ درکار ہے رب تعالٰی نصیب کرے پھر فقط عشق کی آگ کافی نہیں،بلکہ ساتھ میں کسی کاریگر کے ہتھوڑے کی چوٹ بھی ضروری ہے،مصرع۔

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی،غرضکہ دل کے لیے آگ عشق تو نرم کرنے والی چیز ہے،صحبت نیک عمدہ سانچہ ہے۔نگاہ مرد کامل کاریگر کا ہنر ہے ان تین چیزوں سے قلب کچھ کارآمد بنتا ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں الخ تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے بعض صحابہ نے فرمایا کہ سونے چاندی کے متعلق تو یہ	

	آیت نازل ہوگئی۱اگر ہمیں پتہ لگ جاتا کہ کون سا مال اچھا ہے تو ہم وہ ہی جمع کرتے ۲حضور نے فرمایا بہترین مال ذاکر زبان شاکر دل اور مؤمنہ بیوی ہے جو ایمان میں اس کی مدد کرے ۳(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱یعنی اس آیت سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ سونا چاندی جمع کرنا دوزخ کا ذریعہ ہے اور ان چیزوں کے بغیر دنیاوی کام چلتا نہیں اب کیا کریں۔

۲اور ضرورت کے وقت اسی سے کام نکالتے کہ دنیاوی ضروریات بغیر مال پوری نہیں ہوتیں۔یہ حضرا ت غالبًا یہ سمجھے تھے کہ مطلقًا سونا چاندی جمع کرنا حرام ہے،حالانکہ آیت میں زکوۃ نہ دینے والوں کا ذکر ہے انہی کی برائی بیان ہورہی ہے۔

۳یہ جواب حکیمانہ ہے کہ سائلین نے مال کے متعلق سوال کیا تھا مگر جواب میں وہ چیز ارشاد ہوئی جو مال سے بھی زیادہ مفید ہے کیونکہ مال سے جسم کا نفع ہے اور ان چیزوں سے روح و ایمان کو فائدہ ۔خیال رہے کہ ایمان سے مراد دینی کام ہیں یعنی وہ بیوی جو مرد کو زنا،چوری،بدکاری،جوئے وغیرہ سے بچائے،نماز و روزے کا پابند بنادے،وہ بیوی بھی اللہ کی رحمت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ مسجد میں ایک حلقہ پر گزرے ۱پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے وہ بولے ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں ۲فرمایا کیا خدا کی قسم تمہیں اسی چیز نے بٹھایا ہے بولے اللہ کی قسم ہمیں اس کے سوا کسی اور چیز نے نہ بٹھایا ۳فرمایا میں نے تم پر تہمت کی بنا پر تم سے قسم نہ لی۴ایسا کوئی نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مجھ جیسا قرب ہو۵پھر وہ آپ سے احادیث مقابلہ کرے کم روایت کرے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ایک حلقہ پر تشریف لائے تو پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا وہ بولے ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اس کا شکر کررہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی ہم پر بڑا احسان کیا ۶فرمایا کیا

	خدا کی قسم تمہیں صرف اس چیز نے بٹھایا ہے وہ بولے اللہ کی قسم ہم کو اس کے سواء کسی اور چیز نہ بٹھایا فرمایا میں نے تم پر تہمت رکھتے ہوئے تم سے قسم نہ لی ۷ لیکن میرے پاس جبریل آئے انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تم سے فرشتوں پر فخر کررہا ہے ۸(مسلم)

۱کچھ لوگ مسجد نبوی یا کسی اور مسجد میں ذکر اللہ کے لیے حلقہ بنائے بیٹھے تھے،نماز کے انتظار میں نہ بیٹھے تھے،کیونکہ اس وقت صف بستہ بیٹھنا چاہیئے حلقہ بنانا منع ہے،لہذا یہ حدیث حلقہ بنانے کی ممانعت کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۲اس طرح کہ ایک صاحب ذکر خیرکررہے ہیں اور باقی حضرات سن رہے ہیں،گویا مجلس وعظ کی مجلس ہے یا باری باری سے ہر شخص ذکر اللہ کررہا ہے یا سب ملکر کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ رہے ہیں۔

۳پہلا اللّٰہ اصل میں اواللّٰہ تھا ہمزہ استفہامیہ واؤ قسمیہ،واؤ کوالف سے بدل دیا گیا،اور لفظ اللّٰہ کو جر ہے بعض نسخوں میں زبر بھی ہے اس کی دوسری توجیہ ہے یعنی کیا خدا کی قسم تم لوگ صرف ذکر کے لیے ہی بیٹھے ہو دوسرے اللّٰہ کی اصل عبارت یہ ہے اِوِیْ یا نعم نقسم باللّٰہ۔

۴یعنی میں نے آپ حضرات کو جھوٹا سمجھ کر قسم نہ لی ہے آپ حضرات صحابہ کرام ہیں صحابہ سب عادل ہیں بلکہ ادائے سنت کے لیے یہ قسم لی ہے۔

۵کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سالا بھی ہوں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بھائی ہوں اور کاتب وحی بھی ہوں اسی لیے مولانا روم نے حضرت امیر معاویہ کو مسلمانوں کا امام فرمایا مگر روایت حدیث بہت کم کرتا ہوں احتیاط کے لیے دیکھو حضرت ابوبکر صدیق عمر بھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے مگر آپ نے روایت حدیث بہت کم فرمائیں،اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت امیرمعاویہ کو حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے بھی زیادہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رہا ہو،بلکہ آپ جن لوگوں سے خطاب کر رہے ہیں یا جو آپ کے زمانہ میں صحابہ موجود تھے ان کے مقابلہ میں اپنی جزوی فضیلت قرب بیان فرمارہے ہیں۔ خیال رہے کہ جن صحابہ نے حدیث کی روایت بالمعنی جائز سمجھی تھی وہ احادیث زیادہ روایت کرتے تھے اور جن کے نزدیک روایت بالمعنی جائز نہ تھی وہ بہت کم روایت کرتے تھے حضرت امیر معاو یہ دوسری جماعت سے ہیں۔

۶معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کی سب سے بڑی نعمت ہدایت ایمان ہے اور سب سے بڑا احسان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و سلم کا دامن پاک ہاتھ آجانا ہے،خود فرماتا ہے:"بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیۡكُمۡ اَنۡ هَدٰىكُمۡ لِلۡاِیۡمٰنِ"اور فرماتا ہے:"لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا"۔ایمان اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سواء کسی اور نعمت پر رب تعالٰی نے لفظ من ارشاد نہیں فرمایا۔شعر

رب اعلٰی کی نعمت پر اعلٰی درود حق تعالٰی کی منت پہ لاکھوں سلام

یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے شکریہ کے لیے مجلسیں کرنا حلقے بنا کر بیٹھنا سنت صحابہ ہے یہ حدیث مجلس میلاد شریف کی اصل ہے۔

۷ کیونکہ ہر مؤمن پر عموماً اور صحابہ کرام پر خصوصًا بدگمانی کرنا جائز نہیں بلکہ یہ قسم نہیں تمہاری عظمت و عزت کے اظہار کے لیے ہے۔

۸ اس طرح کہ فرشتوں سے فرمارہا ہے میرے ان بندوں کو دیکھو کہ نفس و شیطان کے تسلط میں ہیں،دنیاوی رکاوٹیں موجود ہیں،شہوت و غضب رکھتے ہیں اتنی رکاوٹیں ہوتے ہوئے سب پر لات مار کر میرا ذکر کررہے ہیں یقینًا تمہارے ذکر سے میرا یہ ذکر افضل ہے،چونکہ فرشتوں ہی نے انسان کی شکایت کی تھی کہ وہ خون ریزو فسادی ہوگا اس لیے انہی کو یہ سنایا جارہا ہے کہ دیکھو اگر انسان میں فساد ی ہیں تو ایسے نمازی و غازی بھی ہیں جو نفس و شیطان و طغیان و کفار سب سے ہی جہاد کرتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اسلام کے احکام شرعیہ بہت ہیں۱ مجھے کوئی ایک بات ایسی بتادیں جسے میں مضبوط تھام لوں فرمایا تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے ۲ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۳

۱ جو تفصیل وار مجھے یاد نہیں ہوسکتے وہ مجھ پر غالب ہیں،معلوم ہوا کہ مکمل عالم بننا فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے،ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تمام مسائل سیکھنے کا حکم دیتے۔

۲ غالبًا سائل کا سوال نوافل کے متعلق تھا،اس لیے انہیں یہ جواب دیا گیا مقصد یہ ہے کہ ہر وقت زبان پر کوئی ذکر اللہ جاری رہے نہ معلوم موت کب آجائے جب بھی ملک الموت تمہاری جان نکالنے آئیں تو تمہیں غافل نہ پائیں،اللہ تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے،رطب فرما کر اشارۃً بتایا کہ جیسے تر لکڑی آگ میں نہیں جلتی ایسے ہی اللہ کا ذکر زبان کی تری ہے جس سے بندہ دوزخ میں نہ جل سکے گا۔

۳ یہ حدیث ابن حبان،ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون بندے اللہ کے نزدیک افضل اور قیامت کے دن بلند درجے والے ہیں ا؎فرمایا اللہ کا بہت ذکر کرنے والےاور بہت ذکر کرنے والی عورتیں ۲؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ اللہ کی راہ کا غازی کون ہے۳؎ فرمایا اگر غازی مشرکین اور کفار پر تلوار اتنی چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں رنگ جائے ۴؎تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں زیادہ ہوگا۵؎(احمد و ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

ا؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا اور جامع سوال ہے کہ ایسا بندہ کون ہے جس کا ثواب بھی زیادہ ہو اور قرب الٰہی بھی زیادہ۔ خیال رہے کہ ثواب اور ہے قرب اور و درجہ کچھ اور۔ اگر بادشاہ کسی موقع پر ایک سپاہی کو لاکھ روپیہ انعام دے دے اور وزیر کو کچھ نہ دے اس وقت اگرچہ انعام سپاہی نے پایا مگر درجہ وزیر ہی کا زیادہ ہے۔

۲؎ذکر سے مراد زبان و دل کے سارے ہی ذکر ہیں خصوصًا وہ ذکر جو احادیث شریفہ میں مذکور ہیں کہ وہ دوسرے ذکروں سے بہتر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ زیادتی ثواب کا بھی ذریعہ ہے اورزیادتی قرب الٰہی کا بھی وسیلہ،دین ودنیا کی نعمتیں ذکر اللہ سے ملتی ہیں،زیادتی ذکر سے مراد ہے کہ اس کے اکثر اوقات ذکر میں گھیرے ہوں،دوسرے مشغلوں کے لئے بہت کم وقت بچے۔(مرقات،لمعات)

احادیث شریفہ میں مذکور ہیں کہ وہ دوسرے ذکروں سے بہتر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ زیادتی ثواب کا بھی ذریعہ ہے اور زیادتی قرب الٰہی کا بھی وسیلہ،دین و دنیا کی نعمتیں ذکر اللہ سے ملتی ہیں،زیادتی ذکر سے مراد ہے کہ اس کے اکثر اوقات ذکر میں گھرے ہوں دوسرے مشغلوں کے لیے بہت کم وقت بچے۔(مرقات و لمعات)

۳؎بعض غازی غنیمت کے لیے بعض ملک جیتنے کی غرض سے بعض اپنی شجاعت دکھانے بعض اسلام پھیلانے کے لیے کفار پر جہاد کرتے ہیں ان سب میں فی سبیل اللہ غازی کون ہے۔

۴؎اس طرح کہ غازی اپنے خون میں لتھڑ جائے یعنی شہید ہوجائے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص غازی بھی درجہ اول کا ہو اور شہید بھی اعلیٰ مرتبہ کا۔

۵؎اس کی وجہ ظاہر کہ ذکر مقصودی عبادت ہے اور جہاد غیر مقصودی عبادت کیونکہ جہاد اللہ کا ذکر پھیلانے ہی کے لیے تو ہوتا ہے،نیز جہاد ہے غازی کا کام اور ذکر اللہ میں ہے اللہ کا نام یقینًا رب تعالٰی کا نام ہمارے کام سے بہتر ہے نیز جہاد کی جزا ہے جنت اور ذکر اللہ کی جزاء ہے ذکر عبدہ ۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"کہ یہاں درجہ سے مراد جنسی درجہ ہے نہ کہ شخصی درجہ یعنی ذاکر مجاہد سے بدرجہا بہتر ہے اشارۃً یہ بھی فرمایا گیا کہ بوقت جہاد

غازی اللہ کا ذکر کرتا رہے کوئی نماز حتی المقدور نہ چھوڑے ہاتھ میں تلوار زبان پر ذکر یا ر ہو پھر سبحان اللہ کیا پوچھنا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے ا؎ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے ۲؎ (بخاری تعلیقًا)	

ا؎ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد قرین شیطان ہے۔ہر انسان کے ساتھ الگ الگ ایک شیطان رہتا ہے ابلیس مراد نہیں،وہ تو ان تمام شیاطین کا منتظم ہے یعنی شیطان کی منزل انسان کا دل ہے جہاں وہ ایسا چمٹا رہتا ہے جیسے شہد سے مکھی۔ خیال رہے کہ غافل کے دل پر شیطان کی منزل ہے،اور کافر کے دل میں شیطان کا گھر ہے،اس جگہ ابن آدم سے مراد غافل مسلمان ہے نہ کہ کافر جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ سے غفلت نہیں آتی بلکہ غفلت سے وسوسے آتے ہیں،لہٰذا ذکر اللہ و سوسوں کا علاج ہے یہاں ذکر سے مراد مسلمان کا ذکر اللہ ہے نہ کہ کافر کا، کافر کے دل میں سے شیطان تو ایمان سے نکلے گا،بغیر ایمان اگر سارا قرآن بھی پڑھ لے شیطان نہ نکلے گا۔کیونکہ مسافر کو منزل سے ہٹانا آسان ہے مگر کسی کو اس کے گھر سے نکلنا مشکل۔خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کا دل مالا مال گھر ہے شیطان چور ہے غفلت تاریکی ہے اور ذکر اللہ نور و روشنی۔ چور ہمیشہ اندھیرے میں آتا ہے،اجیالا ہوتا ہی بھاگ جاتا ہے،مؤمن کو چاہیئے کہ اپنے دل کے گھر میں ذکر اللہ کا اجالا رکھے تاکہ اس چور سے امن رہے یوں تو ہر ذکر اللہ دفع وسوسہ کے لیے مفید ہے،مگر لاحول شریف اور اذان دفع شیطان کے لیے اکسیر ہے،اسی لیے بعد دفن قبر پر اذان کہی جاتی ہے کہ مردے سے شیطان دور رہے اور اسے وسوسہ نہ دے تاکہ مردہ امتحا ن میں کامیاب ہو۔

روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ا؎ غافلوں میں ا للہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگ جانے والوں میں مجاہد ۲؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں ہری شاخ۔	

ا؎ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعی ہیں لہٰذا اس حدیث میں اول کے دو راوی چھوٹ گئے تابعی اور صحابی مگر کوئی حرج نہیں امام مالک جیسے محدث کی ایسی احادیث مقبول ہیں ،جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو امام مالک کی تعلیق بدرجہ اتم معتبر ہے۔

۲؎ کہ جب سارے غازی کفار کے مقابلہ سے بھاگ جائیں اور ایک غازی اپنی جگہ ڈٹا رہے حتی کہ مارتے مارتے خود شہید ہوجائے وہ بڑے درجے والا ہے ایسے ہی غافل مسلمان بھگوڑے غازی ہیں ان میں اکیلا یہ ذاکر بڑا بہادر مجاہد ہے ذاکرین میں ذکراللہ کرنا آسان ہے مگر جب ماحول گندہ ہو پھر صاف رہنا بہت مشکل ہے۔

	اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جیسے درختوں میں سبز درخت ۱؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ ۲؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو رب تعالٰی زندگی ہی میں اس کو جنت کا گھر دکھا دیتاہے ۳؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی تمام بولنے والوں اور گونگوں کی بقدر بخشش ہوتی ہے بولنے والے انسان ہیں اور گونگے جانور ۴؎ (رزین)

۱؎ جیسے باغبان کے دل میں اس ہری شاخ و ہرے درخت کی بڑی قدر ہے ایسے ہی رب تعالٰی کی بارگاہ میں ایسے ذاکر کی بڑی منزلت۔

۲؎ اندھیرے گھراور غافل دل میں ظلمت،غیوبت ونفور ہے،اجیالے گھراور ذاکر دل میں نور ہے،حضور ہےاور سرور ہے "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"۔

۳؎ یا خواب میں یا جاگتے ہوئے جیسے بعض صحابہ نے جہاد میں شہادت سے پہلے جنت دیکھ لی اور لوگوں کو خبر دی یا بوقت جانکنی کہ ملک الموت پہلے اسے اس کا جنتی گھر دکھاتے ہیں پھر جان نکالتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتاہے:"تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحْزَنُوۡا وَ اَبْشِرُوۡا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمْ تُوۡعَدُوۡنَ"۔یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے،خیال رہے کہ ذاکروں کو مرتے وقت جنت دکھائی جاتی ہے اور عاشقوں کو نزع میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دکھاتے ہیں جس سے میت شدت نزع بالکل محسوس نہیں کرتا،جیسے مصری عورتوں کو جمال یوسفی دیکھ کر ہاتھ کٹنے کا درد محسوس نہ ہوا۔

۴؎ کیونکہ ذکر اللہ کی برکت سے انسان کو عذاب سے امن ملتی ہے اور جانوروں کو بھی لہذا ذاکر سے سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے ان سب کی بقدر اسے ثواب ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں بندے نے بڑا کوئی ایسا عمل نہ کیا،جو ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دے ۱؎ (مالک،ترمذی،ابن ماجہ) ۲؎

۱؎معلوم ہوا کہ ذکر اللہ دفع عذاب کے لیے اکسیر ہے،اسی لیے بعد موت میت کو زیادہ تر ختم شریف وغیرہ کا ثواب پہنچاتے ہیں کہ اگر میت عذاب میں ہو تو اس ذکر کی برکت سے نجات پا جائے ذکر اللہ یہاں مطلق فرمایا گیا،خواہ انسان خود کرے یا کوئی دوسرا ذکر کرکے اسے بخشے۔حدیث شریف میں ہے کہ اگر بارہ ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کسی کو بخشا جائے،تو اسے عذاب سے رہائی ملتی ہے اسے مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی نے بھی اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا ہم بھی پہلے بحوالہ مرقات عرض کرچکے ہیں کہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے جیسا کہ محدثین کا قاعدہ ہے۔

۲؎یہ حدیث احمد طبرانی،ابن ابی شیبہ نے مرفوعًا روایت کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب کہ وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں ۱؎(بخاری)	

۱؎یعنی جب تک بندہ میرا ذکر چپتا رہتا ہے میں رحمت کرم سے ،محبت سے، توفیق خیر سے اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ خیال رہے کہ خدا تعالٰی ربوبیت سے ہر بندے کے ساتھ ہے قہر و غضب سے بے دینوں کے ساتھ ہے رحمت عامہ سے ہر مؤمن کے ساتھ ہے رحمت خاصہ سے ہر ذاکر کے ساتھ ہے اور اپنے نور و تجلی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ہونے میں بہت وسعت ہے یہ ہمراہیاں قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذاکرین کے پاس رہنا خدا تعالٰی کے پاس رہنا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور فرماتے تھے کہ ہر چیز کی صیقل ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے ۱؎اور کوئی چیز ذکر اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات نہیں دیتی صحابہ نے عرض کیا کہ نہ اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا بلکہ نہ یہ کہ غازی اپنی تلوار سے کفار کو مارے حتی کہ تلوار ٹوٹ جائے ۲؎(بیہقی،دعوات کبیر)	

۱؎دنیاوی الجھنیں اور گناہ آئینہ دل کو میلا کرتے رہتے ہیں اور ذکر اللہ اس میل کو دور کرکے اس آئینہ کو شفاف بناتا رہتا ہے۔اگر انسان گناہ نہ کرے اور پھر ذکر اللہ کرے تو دل پر ایسی پالش ہوتی ہے کہ سارا عالم اس دل میں نظر آتا ہے جیسے کہ گھر کا سارا سامان دیوار میں لگے ہوئے شفاف آئینہ میں پھر بندہ عالم کے ہر ذرہ کو کف دست کی طرح دیکھتا ہے حضور غوث اعظم فرماتے ہیں۔شعر

نظرت الی بلاد اللہ جمیعا　　　　کخردلۃ علی حکم اتصال

قرآن کریم فرمارہا ہے کہ آصف بن برخیا نے شام سے بیٹھے ہوئے تختِ بلقیس کو جو یمن میں تھا دیکھ بھی لیا اور اٹھا بھی لائے،عمر فاروق رضی اللہ تعالٰیعنہ نے نہاوند کی جنگ کو دیکھ بھی لیا اور حضرت ساریہ کو نقشہ جنگ سمجھا بھی دیا۔یہ سب صفائی دل کے کرشمے ہیں ہر چیز کی صفائی علیحدہ ہے کپڑے کی صفائی صابن سے لوہے کی صیقل سے اور دل کی صفائی ذکر اللہ سے۔

۲؎یعنی تم تو صرف جہاد کو کہہ رہے ہو،اگر مجاہد اول درجے کا غازی بھی ہو شہید بھی ذاکر اللہ کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ اس کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے،یہاں ینقطع کا فاعل یا تو تلوار ہے یا غازی یعنی تلوار ٹوٹ جائے یا غازی کی زندگی کا تار ٹوٹ جائے ذکر اللہ کے جو معنے عرض کئے گئے ہیں وہ یاد رکھنا کہ اللہ کا ذکر یہ بھی ذکر اللہ اس کے محبوب بندوں کا عظمت سے ذکر یہ بھی ذکر اللہ ہے،اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر یہ بھی ذکر اللہ ہے،لہذا ہر وقت درود شریف پڑھنے والا بھی اسی میں شامل ہے،درس قرآن کریم،تعلیم حدیث و فقہ سب اس میں داخل۔

کتاب أسماء اللہ تعالٰی

اللہ تعالٰی کے ناموں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اللہ تعالٰی کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام ذاتی ہے اللہ، باقی نام صفاتی۔ صفاتی نام تین قسم کے ہیں: صفت سلبی پر دلالت کرنے والے جیسے سبحان،قدوس،اولیٰ وغیرہ،صفت ثبوتیہ حقیقیہ پر دال جیسے علیم ،قادر یا ثبوتیہ اضافیہ پر دال جیسے
حمید،ملیك،مالك،الملك وغیرہ یا صفت فعلیہ پر دال جیسے رازق،خالق وغیرہ۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نام توقیفی ہیں کہ شریعت نے جو بتائے ان ہی ناموں سے پکارا جائے اپنی طرف سے نام ایجاد نہ کئے جائیں اگرچہ ترجمہ ان کا صحیح ہو لہذا رب کو عالم کہہ سکتے ہیں عاقل نہیں کہہ سکتے،اسے جواد کہیں گے نہ کہ سخی، حکیم کہیں گے نہ کہ طبیب،خدا رب کا نام نہیں بلکہ ایک صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے جیسے
پروردگار، پالنہار، بخشنے والا وغیرہ۔ خدا تعالٰی کے بعض نام مخلوق پر بھی بولے جاتے ہیں جیسے رؤف، رحیم اللہ کا نام بھی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مگر مخلوق کے لیے ان ناموں کے اور معنے ہوں گے۔ جب کسی صفت الٰہی کی تجلی بندے پر پڑتی ہے تو اس وقت اس پر وہ نام بولا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو ۱ جو ان ناموں کی محافظت کرے جنت میں جائے گا ۲ اور ایک روایت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے ۳ ہے۔ (مسلم، بخاری)

۱ حق تعالٰی کے دو سو ایک نام دلائل الخیرات شریف میں بیان ہوئے ہیں اور مدارج النبوت میں شیخ نے رب تعالٰی کے ایک ہزار نام گنائے، یہاں تو ننانوے نام وہ گنائے گئے جن کا یاد کرنا جنتی ہونے کا ذریعہ ہے کل نام یہ نہیں ہیں۔ ان ناموں میں سے بعض ذاتی ہیں، بعض صفاتی، بعض افعالی لہذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حق تعالٰی کے نام ننانوے سے زیادہ ہیں اور نہ یہ کہ رب کی صفات کمالیہ تو آٹھ ہیں پھر صفاتی نام زیادہ کیوں ہوئے۔

۲ یعنی جو مسلمان یہ نام یاد کرے اور روزانہ ان کا ورد کیا کرے وہ ان شاءاللہ اول ہی سے جنت میں جائے گا۔

۳ یعنی حق تعالٰی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریك ہے،وہ ان اعمال کو پسند فرماتا ہے جن میں اخلاص ہو، شرک کا شائبہ نہ ہو اور اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو دنیا سے کٹ کر اس کا ہو رہے، غرضکہ دوسرے وتر میں بہت احتمالات ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کے ننانوے نام ہیں جو ان کی حفاظت کرے گا۱؎ جنت میں جائے گا وہ اللہ وہ ہے کہ اس کے سواء کوئی معبود نہیں، مہربان ہے، رحم والا ہے ۲؎ بادشاہ ہے، پاک ہے، عیوب سے سلامت ہے ۳؎ امن دینے والا ہے، نگہبان ہے غالب ہے ۴؎ بدلہ کرنے والا ہے، بلند ہے ۵؎ پیدا کرنے والا، ایجاد فرمانے والا، صورت دینے والا ۶؎ گناہ بخشنے والا ۷؎ غالب ہے، دین ہار ہے ۸؎ روزی رساں ہے ۹؎ کھولنے والا، علم والا ۱۰؎ تنگی و فراخی دینے والا ۱۱؎ نیچا او نچا کرنے والا ۱۲؎ عزت و ذلت دینے والا ۱۳؎ سننے دیکھنے والا ۱۴؎ حکومت و انصاف والا ۱۵؎ مہربانی کرنے والا، خبر رکھنے والا ۱۶؎ حلم و عظمت والا ۱۷؎ بخشنے والا، قدر دان ۱۸؎ بلندی و بزرگی والا ۱۹؎ حفاظت فرمانے والا، قوت دینے والا ۲۰؎ حساب لینے والا، ۲۱؎ دعائیں قبول کرنے والا، فراخی دینے والا ۲۲؎ حکمت والا، بزرگی والا، اٹھانے والا ۲۳؎ حاضر ۲۴؎ دائم کارساز ۲۵؎ قوت و استواری والا ۲۶؎ مددگار لائق تعریف ۲۷؎ سب کو جاننے والا شروع کرنے والا، لوٹانے والا ۲۸؎ زندگی و موت بخشنے والا ۲۹؎ زندہ ہمیشہ قائم رکھنے والا ۳۰؎ وجود ہستی والا بزرگی والا ۳۱؎ ایک اکیلا ۳۲؎ لائق بھروسہ ۳۳؎ قدرت و قوت اقتدار والا ۳۴؎ آگے پیچھے کرنے والا ۳۵؎ سب سے پہلے سب سے آخر ۳۶؎ کھلا چھپا ۳۷؎ مددگار عظمت والا احسان فرمانے والا ۳۸؎ توبہ قبول کرنے والا بدلہ لینے والا معافی دینے والا ۳۹؎ رافت والا ملک کا مالک ۴۰؎ غضب و کرم والا ۴۱؎ انصاف والا جمع فرمانے والا بے پرواہ اور بے پرواہ کرنے والا ۴۲؎ دینے والا نہ دینے والا نفع نقصان کا مالک ۴۳؎ روشن کرنے والا ہدایت دینے والا ۴۴؎ بے مثال ہمیشہ باقی وارث ۴۵؎ ہدایت دینے والا صبر والا ۴۶؎ (ترمذی) بیہقی دعوات کبیر ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴۷؎	

۱؎ چونکہ رب تعالٰی کے صفات وافعال بہت ہیں اس لیے اس کے نام بھی بہت ہیں،نیز اس کے بندوں کی حاجتیں بہت ہیں لہذا رب کے نام بھی بہت کہ بندہ جو حاجت لے کر آئے اسی نام سے اسے پکارے،بیمار پکارے یا شافی الامراض،گنہگار پکارے یا غفار،بدکار پکارے یا ستار وغیرہ۔خیال رہے کہ جتنے نام رب کے ہیں اتنے ہی نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہیں جیسا کہ کتب تصوف دیکھنے والوں پر ظاہر ہے۔

۲؎ ان ناموں میں رب تعالٰی کے بہت سے مشہور نام نہیں آئے جیسے قدیم،وتر،شدید،کافی رب اکرم،اعلیٰ،اکرم الاکرمین،ذوالعرش المجید،فعال لما یرید،مالك یوم الدین،رفیع الدرجات،ذوالقوۃ المتین،ذوالعرش،احسن الخالقین وغیرہ وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کے کل نام یہ نہیں ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔رحمٰن کے معنے ہیں دنیا میں تمام بندوں پر رحم فرمانے والا اور رحیم کے معنی ہیں آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحم فرمانے والا،چونکہ دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمٰن کا ذکر رحیم سے پہلے ہو،اکثر علماء نے لا الہ الا ھو کو اسم اعظم مانا ہے۔

۳؎ دنیا کے بادشاہ تھوڑی زمین کے تھوڑے زمانہ میں بادشاہ ہوتے ہیں،رب تعالٰی بذات خود ہمیشہ سے بادشاہ ہے سارے عالموں کا مالک حقیقی ہے۔قدوس کے معنے ہیں امکان وحدوث سے پاک،کسی کے وہم وخیال میں آنے سے پاک۔سلام کے معنے ہیں عیوب سے پاک۔غرضکہ رب تعالٰی ذاتی وصفاتی عیوب سے ہر طرح پاک ہے لہذا قدوس اور سلام میں بڑا فرق ہے یا سلام کے معنے ہیں مخلوق میں سے اہل ایمان کو سلامتی وامن بخشنے والا۔

۴؎ مؤمن کے معنے ہیں مخلوق کے لیے امن وامان کے سامان پیدا فرمانے والا،جسم کے لیے ہزارہا بلائیں ہیں،ہر بلا سے حفاظت وامن کا ذریعہ الگ ہے،روح کے لیے بھی لاکھوں آفات ہیں ان کی امان کے لیے ایمان تقویٰ،عرفان پیدا فرمانے والا۔مھیمن کے معنے ہیں خلق کے اعمال،ارزاق،احوال کا حافظ۔عزیز وہ غالب ہے جس کے آستانہ تک کسی کی رسائی بغیر اس کی کرم فرمائی کے نہ ہوسکے اس معنے سے رب تعالٰی کے سوا کوئی غالب نہیں۔

۵؎ جبار جبر سے بنا،بمعنی ٹوٹے کو جوڑنا،کسی کا حال درست کرنا،اسی سے ہے جبر،نقصان یعنی رب تعالٰی بندے کی برائیوں کا بدلہ بھلائیوں سے کرنے والا،ان کے ٹوٹے دلوں،شکستہ حالوں کو اپنے فضل وکرم سے جوڑنے والا۔متکبر تکبر سے بنا جس کا مادہ ہے کبر،تکبر کے معنے ہیں انتہائی بڑائی یعنی مخلوق کے خیال وگمان سے وراء۔شعر

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم | واز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

بندہ متکبر وہ کہلاتا ہے جو بڑا نہ ہو اور اپنے کو بڑا جانے یعنی شیخی خورا۔

۶؎ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں۔خالق کے معنے ہیں اندازہ لگانے والا۔باری کے معنے ہیں نیست کو ہست کرنے والا جو کچھ نہ ہو اسے سب کچھ کردینے والا۔مصور کے معنے ہیں ہر چیز کو اس کے لائق صورت نقش عطا فرمانے والا لہذا خلق پہلے ہے پھر برء پھر تصویر۔حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا:"اَخْلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ"رب تعالٰی نے فرمایا ہے:"وَّ تَخْلُقُوۡنَ اِفْکًا"اور فرماتا ہے:"فَتَبٰرَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیۡنَ"۔تمام آیتوں میں خلق بمعنی اندازہ کرنا ہے۔

۷؎غفار غفر سے بنا،بمعنی چھپانا،غفار کے معنے ہیں دنیامیں بندے کے گناہ چھپانے والااور آخرت میں معاف فرمانے والا،معافی بھی چھپانے ہی کی ایک قسم ہے۔خیال رہے کہ غفار بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اور غفور بھی اور یہ دونوں رب تعالٰی کے نام ہیں مگر غفار میں مقدار کے لحاظ سے مبالغہ ہے اور غفور میں کیفیت کے لحاظ سے مبالغہ،کروڑوں گناہوں کو چھپانے و بخشنے والااور ہر طرح چھپانے بخشنے والا۔

۸؎قہار قہر سے بنا،بمعنی جائز غلبہ۔ناجائز دباؤ کو ظلم کہا جاتا ہے۔قہار مبالغہ ہے یعنی رب تعالٰی ایسا عظیم الشان غالب ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق اس کے دربار میں عاجز و سرنگوں ہے۔وھاب ھبہ سے بنا جس کے معنے ہیں بغیر عوض و بغیر غرض ولالچ دینا،وھاب مبالغہ ہے یعنی رب تعالٰی ہر مخلوق کو ہر چھوٹی بڑی نعمت بغیر معاوضہ بغیر کسی طمع ہر وقت دیتا ہے،معطی عام ہے وھاب خاص،رب کی عطا بالواسطہ بھی ہے اور بلاواسطہ بھی،فرماتا ہے:"وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ"لہذا ہمیں بذریعہ انبیاء اولیاء یا بذریعہ اغنیاء کچھ ملنا اس کی وہابیت کے خلاف نہیں۔

۹؎رزاق رزق سے بنا،بمعنی حصہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ"۔رزاق کے معنی ہیں ہر ایک کا حصہ پیدا فرمانے والااور اس کے مستحق کو پہنچانے والا۔رزق دو قسم کا ہے:رزق صوری جس کا تعلق جسم سے ہے اور رزق معنوی جس کا تعلق روح و دل سے ہے۔روٹی،پانی،دوا جسمانی روزی ہے،ایمان،عرفان،قرآن وغیرہ روحانی روزی جیسے جسمانی روزی میں لوگ مختلف ہیں کسی کو زیادہ ملی کسی کو کم ایسے ہی روحانی روزی میں لوگ مختلف ہیں۔

۱۰؎یعنی اپنی رحمت کے دروازے اپنی مخلوق پر کھولنے والااور ہر مستحق کا حال و استحقاق خوب جاننے والا۔علّام علم کا مبالغہ ہے اور علیم بھی مگر ان میں وہ ہی فرق ہے جو غفار و غفور میں عرض کیا گیا،غفار کا تعلق علیم سے بہت نفیس ہے جو رب تعالٰی کے علیم وخبیر ہونے پر دھیان رکھے وہ گناہ پر دلیری نہ کرسکے گا۔

۱۱؎اس طرح کہ جس بندے کا رزق حسی یا معنوی جب چاہتا ہے کم کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے زیادہ کردیتا ہے،بڑے ہنر مند کبھی فقیر ہوجاتے ہیں اور بڑے بے ہنر کبھی امیر ہوجاتے ہیں،قبض و بسط ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے،انبیاء و اولیاء کبھی عالَم کی خبر رکھتے ہیں،کبھی اپنی بھی خبر نہیں پاتے۔شعر

بگفت احوال آں برق جہاں است	دمے بیدار دیگر دم نہاں است
گہے برطارم اعلیٰ نشینم	گہے برپشت پائے خود نہ بینم

۱۲؎کافروں کو ذلت سے نیچا اور مؤمنوں کو عزت سے اونچا،دشمنوں کو بدبختی سے نیچا،دوستوں کو خوش نصیبی سے اونچا کرنے والا یا غافلوں کو نفس میں پھنسا کر نیچا،عاشقوں کو اپنی محبت کے اعلیٰ علیین میں پہنچا کر اونچا فرمانے والا۔بندے کو چاہیے کہ اپنے کسی حال پر بھروسہ نہ کرے،ڈور رب کے ہاتھ میں مخلوق پتنگ کی طرح اس کے قبضے میں ہے۔

۱۳؎یعنی اپنے دوستوں کو دنیا میں گناہوں سے بچاکر،نیکیوں کی توفیق دے کر،پھر ان کی مغفرت فرماکر،پھر انہیں دار کرامت تک پہنچاکر،پھر انہیں اپنا دیدار دکھا کر عزت دینے والا۔اور اپنے دشمنوں کو دنیا میں توفیق خیر سے محروم رکھ کر،اپنی معرفت سے ناآشنا کرکے آخرت میں دار عقوبت میں داخل کرکے،پھر اپنی لعنت کا طوق گلے میں ڈال کر ذلت و خواری دینے والا حقیقی عزت و ذلت یہ ہے۔

۱۴؎ یعنی ہر ایک کی ہر طرح ہر وقت زبان و دل خطرات کی آواز سننے والا ہر حال دیکھنے والا مگر کان وآنکھ سے وراء کہ کان وآنکھ بدلتے رہتے ہیں پھر ان کی طاقتیں محدود ہیں،رب تعالٰی بدلنے اور محدود ہونے سے پاک ہے۔خیال رہے کہ یہ صفتیں صفت علم کے علاوہ ہیں۔

۱۵؎ ایسا حاکم کہ اس کے حکم کی کہیں اپیل نہیں،اس کے فیصلہ میں خطاو غلطی کا احتمال نہیں،ایسا عادل کہ کسی پر کسی طرح ظلم نہیں۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کے حکم دو قسم کے ہیں:تکوینی و تشریعی۔تکوینی احکام میں ہم مجبور ہیں،تشریعی احکام میں ہم بااختیار اس لیے تکوینی پر سزاو جزا نہیں،تشریعی احکام پر سب کچھ ہے۔اور عدل مصدر ہے،بمعنی عادل،یہ عدل ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم کا،اللہ تعالٰی کفار پر عدل فرمائے گا،مؤمن گنہگار پر عدل نہ کرے گا بلکہ فضل و کرم کرے گا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ عادل ہے تو رحیم کیسے ہوا۔

۱۶؎ لطیف کے بہت معنے ہیں اس کی ذات فہم وادراک سے وراء مولانا فرماتے ہیں۔شعر

یا خفی الذات محسوس العطاء	انت کالماء و نحن کالوحی
انت کالریح و نحن کالغبار	یختفی الریح وعنبراء جھاد

ایسی مہربانیاں فرمانے والا جو ہماری عقل سے وراء ہیں۔شعر

جھولیاں سب کی بھرتی رہتی ہیں	دینے والا نظر نہیں آتا

ایسی نعمتیں دینے والا جو بندے کو دونوں جہان میں کام آئیں یا لطیف و باریک چیزوں کا دیکھنے جاننے والا۔خبیر کے معنے ہیں ہر وقت ہر ظاہر و باطن پر اطلاع رکھنے والا بلکہ ہماری پیدائش سے پہلے ہمارے ہر حال سے خبر دار۔

۱۷؎ حلیم کے معنے ہیں آہستگی و بردباری یعنی رب تعالٰی مستحق سزا کو جلدی نہیں پکڑتا توبہ کی مہلت دیتا ہے یا دنیا میں بُروں پر بھی کرم و مہربانی فرماتا ہے۔عظیم عظمت سے بنا،بمعنی بڑائی،بڑائی جسمانی بھی ہوتی ہے اور رتبے و عزت کی بھی،یہاں عظمت و عزت کی بڑائی مراد ہے یعنی ایسی عظمت والا کہ کسی کا گمان و وہم وہاں کام نہ کرسکے۔شعر

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا	پہچان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

۱۸؎ غفار کے معنے بھی ہیں بخشنے والا اور غفور کے معنے بھی ہیں بخشنے والا۔بہت سے گناہوں کو بخشنے والا غفار،ہمیشہ بڑے گناہوں کو بخشنے والا غفور،یعنی غفار میں مقدار کا مبالغہ ہے اور غفور میں کیفیت کا مبالغہ۔شعر

گنہِ رضؔا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے غفور ترے عفو کا حساب ہے نہ بے شمار ہے

شکر جب بندے کی صفت ہو تو اس کے معنے ہیں انعام پاکر منعم کی حمد و ثناء بجالانا اور جب رب تعالٰی کی صفت ہو تو معنے ہوتے ہیں تھوڑے عمل پر بہت فضل فرمانا جس کا ترجمہ قدر دان بہت مناسب ہے کہ وہ کریم نہ بندہ کے لائق جزاء دیتا ہے نہ اس کے کام کے لائق بلکہ اپنی شان کے لائق دیتا ہے،ایک نیکی پر ہزاروں جزائیں،ایک نماز پر وضو کرنے کی جزاء علیحدہ،مسجد کے ہر قدم کی جزاء علیحدہ،پھر مسجد میں آکر انتظار نماز کی جزاء علیحدہ،پھر نماز میں قیام کی جزاء علیحدہ،رکوع کی سجود کی قرأت و تسبیح کی جزاء علیحدہ،بعد نماز دعا مانگنے کی جزائیں علیحدہ علیحدہ۔غرض اس کی عطا کا شمار نہیں ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے اے شکور اس بندہ گنہگار کی یہ محنت قبول فرما اور اسے صدقہ جاریہ بنا۔آمین بجاہ حبیبك الکریم!

۱۹؎بلندی صفائی رکھنے والا علی اور بلندی ذات والا کبیر۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ علی وہ جس کے صفات تک عقل نہ پہنچ سکے۔کبیر وہ جس کے تصور ذات سے ذہن عاجز ہو۔علی کا مقابل حقیر ہے،کبیر کا مقابل صغیر۔حق تعالٰی کا رتبہ سب سے اونچا سارے رتبہ والے اس سے نیچے۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تمام صفات کی عموماً اور ان دو صفتوں کی خصوصًا تجلی ڈالی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات ہمارے وہم و گمان سے وراء ہیں۔شعر

اللہ اللہ آپ کا رتبہ صلی اللہ علیہ وسلم　　پڑھتی ہے دنیا رُتبے کا خطبہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰؎کہ تمام عالم اور عالم کی چیزوں کا بربادی سے محفوظ رہنا اس کی حفاظت کے باعث ہے ہمارے مزاج میں چار دشمنوں کو جمع فرمادیا،پھر ان میں سے ہر ایک محفوظ،یہ ہے اس کی شان حفیظی۔**مقیت** **قوت** سے بنا،بمعنی روزی یعنی جسمانی،جنانی،روحانی روزیاں پیدا فرمانے والا اور ہر ایک کو اس کے لائق روزی دینے والا کہ چیونٹی کو کن ہاتھی کو من دیتا ہے۔رزق و قوت میں فرق ہے اسی طرح رزاق اور **مقیت** میں فرق ہے۔

۲۱؎**حسیب** بمعنی کافی بھی ہے یعنی اللہ ہر بندے کو ہر طرح کافی بھی ہے اسی واسطے بندے کہتے ہیں **حسبی اللہ**،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ" یا بمعنی حساب لینے والا کہ ساری خلق کا حساب چار گھنٹے میں لے لوں گا"اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ" یا دنیا میں ہر بندے کو حساب سے روزی دے رہا ہے۔**جلیل** کے معنے ہیں صفات جلالیہ سے موصوف یعنی بزرگی،جلالت و قدر والا۔امام غزالی نے فرمایا کبیر کمال ذاتی اور جلیل کمال صفاتی پر دال ہے۔کریم وہ ہے جو مجرم پر قادر ہو کر معافی دے دے،وعدہ کرے پورا کرے اور امید سے زیادہ دے اور اپنے پناہ لینے والے کو ضائع نہ کرے تمام وسیلوں سے بے نیاز ہو۔غرضکہ ایک لفظ کریم محامد کا مجموعہ ہے۔**رقیب** وہ حافظ جس کی حفاظت سے کوئی چیز ایک لمحہ کے لیے باہر نہ ہوسکے،رقابت میں علم و حفظ ہے لزوم ہے۔

۲۲؎**مجیب** کے معنے ہیں پکارنے والے کو جواب دینے والا یا مانگنے والوں کی دعائیں،آرزوئیں پوری کرنے والا بلکہ ہماری پیدائش سے پہلے ہماری ضروریات پوری فرمانے والا۔شعر

مانہ بودیم وتقاضائے مانبود　　لطف تو باگفتہ مامے شنود

واسع **وسعت** سے بنا،بمعنی فراخی یا احاطہ۔رب ایسا واسع ہے کہ اس کا علم اس کی قدرت،رحمت،حکمت اور اس کی عطا فرش کو گھیرے ہے"وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ"۔کرسی کی نہایت نفیس تفسیر ہماری"تفسیر نعیمی"میں ملاحظہ کیجئے آیت الکرسی کے ماتحت۔

۲۳؎ **حکیم** **حکم** سے ہے یا **حکمت** سے یعنی ہر چیز پر اعلٰی حاکم کہ اس کے فیصلہ پر کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں یا اس کا ہر کام حکمت سے ہے کوئی چیز عبث نہیں بنائی۔**ودود** **وُدٌّ** سے بنا،بمعنی صحیح محبت یعنی اپنے دوستوں سے ان کے اچھے اعمال سے محبت فرمانے والا،اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو پسند فرمانے والا۔**مجید** **مجد** سے بنا،بمعنی بزرگی یعنی ایسی بزرگی والا کہ اس کی بزرگی تک کسی کے وہم کی رسائی نہیں یا ہر طرح بزرگ کہ اس کی ذات و صفات و افعال سب بزرگ۔**باعث** **بعث** سے بنا،بمعنی اٹھانا یعنی سوتوں کو نیند سے،مردوں کو قبروں سے،مردہ دلوں کو علم سے اٹھانے والا۔غرضکہ باعث میں بہت وسعت ہے۔

۲۴؎شھید شھادت سے بنا یاشھود سے یعنی رب تعالٰی بندے کے ہر عمل کا گواہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر عمل کو مشاہدہ کررہا ہے یا ہر جگہ حاضر ہے مؤمنوں کے ایمان میں حاضر، عارفوں کی جان میں حاضر۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کا نام شہید ہے حاضر نہیں کیونکہ رب کی ذات جسمانی یا مکانی حضور سے پاک ہے اور اس کا علم و قدرت و رحمت ہر جگہ موجود ہے۔حضور و شہود میں بڑا فرق ہے رب کی ذات ہر جگہ میں نہیں کہ مکان سے پاک و منزہ ہے۔

۲۵؎حق باطل کا مقابل ہے، باطل بمعنی معدوم ہے تو حق بمعنی ثابت و موجود،رب تعالٰی ایسا موجود ہے کہ اس کے وجود کو فنا نہیں اور تمام موجودات اس کے کرم سے موجود ہیں جیسے تمام دھوپیں اور سایے آفتاب کے فیض سے ہیں۔رب تعالٰی گویا سورج ہے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم گویا دیوار،ساری خلق اس دیوار کا سایہ کہ اگر درمیان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہٹ جائے تو رب ہی ہو خلقت ختم ہوجائے۔مصرع اصل سے ہے ظل بندہاتم پہ کروڑوں درود۔

۲۶؎امام غزالی نے فرمایا کہ قوت کے معنے ہیں کامل قدرت اور متانت کے معنے ہیں اس قدرت کی پختگی و مضبوطی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ"یعنی وہ مضبوط قدرت وطاقت والا ہے۔حول،قوت،قدرت میں بڑا فرق ہے جسے مرقات نے اس جگہ بہت تفصیل سے بیان کیا۔

۲۷؎ولی یا تو ولی سے ہے،بمعنی قرب یا ولایۃ سے،بمعنی والی ہونا یامددگار ہونا یعنی اللہ تعالٰی اپنے دوستوں کی ان کے دشمنوں کے مقابل مدد فرمانے والا ہے یا ان کا والی وارث و متولی امور ہے،فرماتا ہے:"وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ"اور فرماتا ہے:"اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"یا اللہ تعالٰی اپنے دوستوں سے قریب ہے۔حمید حمد سے بنا،بمعنی اسم فاعل یا بمعنی اسم مفعول یعنی اللہ اپنے محبوبوں کی حمد فرماتا ہے اسی لیے اس کا نام حامد ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے یعنی بہت ہی حمد کئے ہوئے اور رب کا نام ہے محمود یعنی حمد کیا ہوا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے محمد ہیں اور اللہ تعالٰی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا محمود اور ظاہر ہے کہ اللہ کی حمد بہت اعلٰی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محمودیت بہت اکمل۔

۲۸؎محصی احصاء سے بنا،بمعنی شمار کرنا اور گننا یعنی اللہ تعالٰی ایسا علیم ہے کہ سب کو تفصیلی عدد وار جانتا ہے اس کا علم گول مول اجمالی نہیں جیسے عظیم الشان مجمع دیکھ کر ہم کو مجمع کا اجمالی علم ہوجاتا ہے کہ دس ہزار آدمی ہیں مگر ان کی تفصیل نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کا علم تفصیلی ہے اس نے خلق کو پہلے پیدا کیا لہذا وہ مبدی ہے وہ قیامت میں سب کو دوبارہ اٹھائے گا وہ معید ہے یا اس نے ہم کو پہلے مٹی سے بنایا لہذا وہ مبدی ہے اور وہ ہی ہم کو موت دے کر پھر مٹی ہی میں لوٹا دیتا ہے لہذا وہ معید ہے۔خیال رہے کہ مردہ خواہ دفن ہو یا جلا دیا جائے یا اسے جانور کھا جائے آخر کار بنتا مٹی ہی ہے کہ جل کر راکھ بنا یا جانور کے پیٹ میں پاخانہ بنا،پھر وہ راکھ یا پاخانہ مٹی بن گئی،رب تعالٰی نے فرمایا:"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ"بالکل حق ہے۔

۲۹؎کہ جسموں کو جان سے اور جان کو ایمان سے،جنان کو عرفان سے،انسان کو علم و معرفتِ رحمان سے،زمین کو سبزوں سے زندگی بخشتا ہے،پھر کفار کو کفر سے،غافلوں کو غفلت سے موت دیتا ہے۔

۳۰؎یعنی وہ خود زندہ و قائم ہے دوسروں کو زندہ و قائم رکھتا ہے کہ تمام کی بقاء اسی سے ہے اگر اس سے نسبت نہ رہے تو کوئی کچھ نہ رہے۔صوفیاء کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ بھی قیومیت کہلاتا ہے جس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے،وہاں قیوم کے معنے ہیں باعث قیام عالم۔لفظ قیوم

ایک ہے مگر رب تعالٰی کے لیے ایک معنی ہیں اور بندے کے لیے دوسرے معنے میں جیسے **حیی، سمیع، بصیر** اللّٰہ تعالٰی کی بھی صفت ہے اور اس کے بندوں کی بھی مگر مختلف معنے سے اسی لیے اولیاء اللّٰہ کو قیوم اول، قیوم ثانی وغیرہ کہا جاتا ہے۔

۳۱؎ کہ وہ ہی واجب الوجود ہے سب اسی کے موجود کرنے سے موجود ہیں، حقیقی بزرگی اسی کی ہے اور سب اس کے بنانے سے بزرگ بنے، واحد بمعنی کامل وجود و ہستی والا۔

۳۲؎ **واحد** بمعنی ایک اور **احد** بمعنی اکیلا و یگانہ یعنی ذاتًا بھی ایک کہ اس کے سوا دوسرا رب نہیں صفاتًا بھی ایک کہ اس جیسا کوئی نہیں، افعالًا بھی ایک کہ اس جیسا کوئی جمیل افعال والا نہیں لہذا واحد اور احد میں تکرار نہیں۔

۳۳؎ **صمد** کے بہت معنے ہیں: وہ مالک جہاں سرداری و مالکیت ختم ہے۔ وہ بے خوف جسے کسی کا ڈر نہیں حاجت و آفت سے منزہ و بری و باقی جسے فنا نہیں، وہ مولے جس پر سارے بندے بھروسہ و توکل کریں۔ **صمود** سے مشتق، بمعنی مقصد و ارادہ یعنی لائق توکل و بھروسہ اسی کی ذات ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس اسم کی تجلی جس پر پڑ جائے وہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے، دیکھو حضور انور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے علم و ایمان و عرفان کسی سے حاصل نہ کیا سب نے سب کچھ حضور سے حضور نے اپنے پروردگار سے صلی اللّٰہ علیہ وسلم، یہ ہے صمد کی تجلی۔

۳۴؎ قادر و مقتدر دونوں قدرت سے بنے مگر مقتدر میں مبالغہ ہے۔ قادر جو مختار ہو چاہے کرے یا نہ کرے دے یا نہ دے، مقتدر وہ کہ اپنے کسی کام میں کسی کی مدد کا حاجت مند نہ ہو۔

۳۵؎ یا ذاتًا آگے پیچھے کرنے والا جیسے اسباب کو آگے کر دیا **مسببات** کو پیچھے، ماں باپ کو آگے اولاد کو پیچھے فرمادیا یا صفاتًا کہ انبیاء و اولیاء کو درجے و مراتب میں سب سے آگے فرمادیا یا دوسروں کو ان کے پیچھے لگادیا یا ہمارے حضور کو آگے بھی کر دیا کہ حضور ہی کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) اور پیچھے بھی فرمادیا کہ آپ کا ظہور پیچھے ہوا (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) اس آگے پیچھے کے لذیذ معانی ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن" میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳۶؎ اس طرح کہ ہمیشہ سے ہے جس کی ابتداء نہیں لہذا وہ آگے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا جس کی انتہاء نہیں لہذا وہ سب سے پیچھے بھی ہے یا وجود میں اول ہے سلوک میں آخر یا سب کی ابتداء بھی اسی سے ہے لہذا اول ہے اور سب کی انتہاء بھی اس پر لہذا وہ آخر سب اسی کی طرف لوٹیں گے۔ شعر

نہ گل چمن میں رہے گا نہ گل میں بو باقی　　　مٹیں گے سارے تجھی پر رہے گا تو باقی

۳۷؎ صفات، رحمت عطا سے سب پر کھلا ذات سب سے چھپی۔ شعر

بے حجابی میں یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار　　　اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے　　　ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

۳۸؎ یعنی سب کا والی وارث، سب کے خیال و وہم سے بالا، تمام عیوب سے منزہ، سب پر احسان فرمانے والا کہ جسے جو دیا اپنے کرم سے دیا نہ کہ اس کے استحقاق سے، بڑے بڑے گنہگاروں کی توبہ قبول فرما کر انہیں بخشنے والا، بار بار توبہ کی توفیق دینے والا بلکہ گنہگاروں کو پکار پکار کر بلانے والا کہ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"، "اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا" جب وہ توبہ کی توفیق دیتا ہے تو بندہ توبہ کرتا ہے فرماتا ہے: "ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا" توبہ بندے کی بھی صفت ہے، بمعنی گناہوں سے رجوع کرنا اور رب کی صفت ہے، بمعنی ارادۂ عذاب سے رجوع فرمالینا۔

۳۹؎ یعنی کفار غدار سے بدلہ لینے والا،مؤمن گنہگار کو معافی دینے والا وہ عدل ہے یہ فضل،**غفور** سے **عفو** زیادہ مبالغہ ہے کہ **غفر** کے معنے ہیں چھپانا،**عفو** کے معنے ہیں مٹانا،**غفور** عیبی کے عیب چھپانے والا **عفو** عیبوں کو مٹانے والا۔

۴۰؎ **رؤف** رافتہ سے بنا،بمعنی بے حد رحمت جس کی انتہاء نہ ہو۔بعض عشاق نے فرمایا کہ بندے کی حاجت کی بناپر احسان کرنا رحمت ہے اور اپنی عادت کی بناپر احسان فرمانا رافتہ،ملک ظاہر خلق ہے اور ملکوت باطنی خلق،اللہ تعالٰی ہمارے جسموں کا مالک ہماری روح کا مالک لہذا وہ مالک الملک بھی اور مالکِ ملکوت بھی۔

۴۱؎ ذوالجلال رب کی صفت ذاتیہ ہے اور اکرام اس کی صفت فعلیہ یعنی جلال اسکی ذات میں ہے اور اکرام مخلوق پر ہے،بعض نے فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے۔

۴۲؎ **قسط** کے معنے ظلم بھی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا**" اور بمعنی عدل وانصاف بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ**" مگر جب یہ باب افعال میں آئے تو عدل وانصاف ہی کے معنے میں ہوتا ہے یعنی عدل قائم کرنا یا ظلم زائل کرنا،**مقسط** کے معنے ہوئے مظلوموں سے ظالموں کا ظلم دور فرمانے والا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ**"۔ جامع کے معنے خود تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے کہ تمام خوبیاں اس میں جمع ہیں یا تمام بکھری خلق کو قیامت میں جمع فرمائے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ**" یا تمام بکھرے انسان کو بذریعۂ اسلام قرآن ایمان میں جمع فرمانے والا خود نما ہے کہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور مغنی بھی ہے کہ جسے چاہے اپنے ماسواء سے غنی وبے نیاز کردے اور اسے رب کے سوا کسی کی حاجت نہ رہے۔

۴۳؎ یعنی جسے جو چاہے دے جسے جو چاہے نہ دے،بے پرواہ جو ہوا یا لائق کو دینے والا نالائق کو نہ دینے والا یا اسباب خیر دینے والا اور اسباب شر نہ دینے والا کہ بندہ مانگتا ہے مگر وہ اپنے کرم سے نہیں دیتا اور نفع ونقصان سب اسی کی ملک ہے کسی کو نفع دیتا ہے تاکہ وہ شاکر بن کر قرب حاصل کرے کسی کو نقصان دیتا ہے کہ وہ صبر کرکے قریب ہو۔

۴۴؎ نور وہ جو بذات خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے،رب تعالٰی خود نور ہے کہ ظاہر بھی ہے اور اس نے اپنے محبوبوں کو خلق پر ظاہر بھی کردیا یا رب تعالٰی نور بخشنے والا ہے اپنے محبوبوں کو نور بنانے والا ہے،فرماتا ہے:"**اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ**" اور فرماتا ہے:"**قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ**" ہدایت کے معنے راہ دکھانا بھی ہیں اور مقصود پر پہنچانا بھی اللہ تعالٰی دونوں معنے سے ہادی ہے۔

۴۵؎ **بدیع** کے معنے ہیں خود بے مثال کہ کوئی ذات صفات میں اس کا مثل نہیں فرماتا ہے:"**لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ**" یا بغیر مثال عالم بنانے والا یعنی موجد فرماتا ہے:"**بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ**" یا اپنے بندوں میں سے بعض کو بے مثال کرنے والا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثال پیدا فرمایا باقی کے معنے ہیں دائم الوجود کہ کبھی فنا نہ ہو وارث کے معنے ہیں بندوں کو فنا کے بعد باقی رہنے والا جب کوئی دعویدار نہ رہے تو بھی وہ رہے فرماتا ہے:"**اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْهَا**" وراثت کے دوسرے معنے سے رب تعالٰی پاک ہے یعنی مخلوق کے بعد مالک ہو پہلے نہ ہو۔**معاذاللہ**!

۴۶؎ رشید وہادی دونوں کے معنے میں ہدایت دینے والا مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ الہامی فطری ہدایت کو رشد کہتے ہیں اور اختیاری ہدایت کو ہدایت، سارے انسان بلکہ تمام جانور کھانے اور نہ کھانے کی چیزوں کو پہچانتے ہیں، یہ رشد ہے اور بذریعہ انبیائے کرام بعض کو ایمان ملتا ہے یہ رب کی ہدایت ہے رُشد کا مقابل **غوایۃ** ہے اور ہدایت کا مقابل ضلالت ہے رشید، غی اور مہتدی، ضال آپس میں مقابل ہیں۔**صبور** صبر سے بنا، بمعنی روکنا، ٹھہرنا، اگر یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنے ہوتے ہیں گھبراہٹ سے اپنے کو روکنا اگر رب تعالٰی کی صفت ہو تو معنے ہوتے ہیں مجرموں کے عذاب میں جلدی نہ فرمانا وقت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صبور وہ جو جلدی نہیں مگر دیر سے سزا دے۔**حلیم** وہ جو کبھی سزا نہ دے رب تعالٰی کفار کے لیے صبور ہے اور گنہگار مؤمن کے لیے حلیم ہے، کریم ہے، رحیم ہے۔

۴۷؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تمام اسماء الٰہیہ آیات و دیگر احادیث میں بھی آئے ہیں مگر صبور اس روایت کے سواء نہ کسی حدیث میں نہ آیت میں ہاں، ایک حدیث میں یہ ہے "**مَاۤ اَحَدٌ اَصۡبَرَ عَلٰۤی اَذًی یَسۡمَعُهٗ مِنَ اللهِ**"۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لیے کہ تو معبود ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں ایک ہے لائق بھروسہ ہے جس نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسرا؎ تو حضور انور نے فرمایا اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے ۲؎ جب اسم اعظم سے مانگا جائے تو دیتا ہے اور جب اس نام سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد)

ا؎ یعنی مولا تیرے ناموں کے توسل وسیلہ سے تجھ سے دعا مانگ رہا ہوں ان ناموں کے صدقے سے میری سن لے، یہ دعا مانگنے والے حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا بہتر ہے وسیلہ خواہ اسماء الٰہیہ کا ہو خواہ اس کے کسی محبوب بندے کا۔

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ اسم اعظم ہے کیونکہ یہ اسم ذات ہے جو سوائے خدا تعالٰی کے کسی پر نہیں بولا جاتا، بعض نے فرمایا کہ "**لا الہ الا انت**" اسم اعظم ہے۔بعض کے خیال میں رب تعالٰی کے بعض نام بعض کے مقابلہ میں اسم اعظم ہیں جیسے رحمٰن بمقابلہ رحیم کے اسم اعظم ہے۔

۳؎ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دعا میں **اَللّٰهُمَّ** کہنا بہت بہتر ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اور میم میں تمام ان ناموں کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے **ملك**، **مالك**، **منان** وغیرہ۔دوسرے یہ کہ دعائے آداب سے یہ ہے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف، پھر اپنے گناہوں کا اعتراف، پھر عرض حاجات۔تیسرے یہ کہ اللہ یا **اَللّٰهُمَّ** یا **لا الہ الا انت** اسم اعظم ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں کیونکہ تیری ہی تعریف ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو مہربان نعمتیں دینے والا ہے ا؎ آسمان وزمین کا

	موجد ہے اے جلالت و کرم والے اے زندہ اے قائم رکھنے والے میں تجھ سے مانگتا ہوں ۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے رب کے نام سے دعا مانگی کہ جب اس نام سے دعا مانگی جائے تو قبول فرمایا ہے اور جب اس نام سے کچھ مانگا جائے تو دیتا ہے ۳ (ترمذی،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ) ۴

۱ حنان کے معنے بہت مہربان، منان کے معنے ہیں بہت احسان کرنے والا۔اس میں اشارۃً عرض کیا گیا کہ تو نے جسے دیا اس کے استحقاق سے نہ دیا اپنے کرم سے دیا۔خیال رہے کہ بندے کا بندے کو احسان جتانا اگر طعنہ زنی کے لیے ہو تو برا ہے اگر مطیع کرنے کے لیے ہو تو اچھا،اللہ تعالٰی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جگہ اپنی نعمتوں کے احسان جتائے ہیں تاکہ بندے اس کی اطاعت کریں اس کا احسان مانیں یہ اسی کا کرم ہے،منّان کے ایک معنے یہ بھی ہیں یعنی احسان جتانے والا۔

۲ تیرے سواء کسی سے نہیں مانگتا کہ تو ہی میرا رب ہے میں تیرا ہی بندہ ہوں۔خیال رہے کہ انبیاء،اولیاء،اغنیاء،اطباء سے کچھ مانگنا بالواسطہ رب تعالٰی ہی سے مانگنا ہے،صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی ہے۔

۳ ان دونوں حدیثوں میں اللّٰھم اور لا الہ الاّ انت مشترکہ طور پر موجود ہیں اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ ان دونوں میں کوئی نام اسم اعظم ہے۔بعض نے فرمایا کہ جمعہ کی ساعت قبولیت دعا اور شبِ قدر کی طرح اسم اعظم بھی مخفی ہے تاکہ بندے اس کی تلاش میں رہیں،یہ تلاش بھی عبادت ہے۔

۴ اسے احمد،ابن حبان،حاکم،ابن ابی شیبہ نے کچھ فرق سے روایت فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے تمہارا معبود ایک معبود ہے جس کے سواء کوئی معبود نہیں رحم والا مہربان ہے اور سورۂ آل عمران کے شروع میں الم اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ قائم رکھنے والا ۱ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ رب تعالٰی کا اسم اعظم لا الہ الا ھو ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں یہ ہی مشترک ہے۔امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ اسم اعظم الحی القیوم ہے،امام جزری نے فرمایا کہ اسم اعظم لا الہ الا ھو الحی القیوم ہے،حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس وابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اسم اعظم رب ہے،حضرت امام زین العابدین نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اسم اعظم اللہ الذی لا الہ الا ھو ربّ العرش العظیم ہے،بعض نے فرمایا کلمہ طیبہ اسم اعظم ہے۔غرض کہ اسم اعظم میں بہت روایات ہیں جنہیں امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ میں اور مولانا علی قاری نے مرقات میں جمع فرمایا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے سارے ہی نام عظیم ہیں کوئی ناقص نہیں مگر بعض نام اعظم یعنی بہت بڑے ثواب و تاثیر والے ہیں،بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو نام خلوص دل اور عشق و محبت سے لیا جائے وہی اسم اعظم ہے،یہ ہی امام جعفر صادق کا قول ہے۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مچھلی والے پیغمبر کی دعا جب انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب سے کی۱ یہ ہے، تیرے سواء کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں سے ہوں ۲ کوئی مسلمان آدمی کسی حاجت میں یہ دعا نہ مانگے گا مگر قبول ہو گی ۳(احمد،ترمذی)

۱ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ آپ کچھ روز مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے مگر اس کی غذا بن کر نہیں کہ نبی کا جسم تو قبر کی مٹی بھی نہیں کھاتی چہ جائیکہ مچھلی کھائے بلکہ امانت الٰہی بن کر اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا: "فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ"انہیں مچھلی نے نگل لیا جیسے موتی کو نگل لیتی ہے یہ نہ فرمایا کہ مچھلی نے انہیں کھالیا۔علماء فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کا پیٹ عرش اعظم سے افضل ہے کہ ایک پیغمبر کا کچھ دن تجلی گاہ رہا جب مچھلی کا پیٹ عرش اعظم سے افضل ہو گیا تو حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ عنہا کا وہ شکم پاک جس میں سید الانبیاء نو ماہ تک جلوہ افروز رہے وہ تو عرش سے کہیں افضل ہے اس کی تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" جلد اول میں ملاحظہ فرمایئے۔قیمتی موتی قیمتی ڈبی میں رکھا جاتا ہے۔

۲اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ لا الہ الا انت اسم اعظم ہے اور یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کو رب تعالٰی کی طرف سے القاء ہوئی،اسی دعا کی برکت سے آئی آفتیں ٹل جاتی ہیں،اڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔خیال رہے کہ ظلم کے تین معنے ہیں:کفر و شرک،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ"۔گناہ،خطا بھول چوک یہاں تیسرے معنے مراد ہیں کیونکہ حضرات انبیاء بد عقیدگی و بد عملی سے معصوم و موصوٴن ہیں،نیز حضرت یونس علیہ السلام سے اس موقعہ پر صرف خطاء ہی سرزد ہوئی تھی جیسا کہ ان کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالٰی نے آپ کو مقام نینویٰ موصل کا نبی کیا۔جب قوم نے آپ کی اطاعت نہ کی تو آپ نے بحکم پروردگار انہیں خبر دی کہ تین دن بعد تم پر عذاب آجائے گا اور آپ نینویٰ سے جو موصل کا ایک شہر ہے بغیر حکم الٰہی آئے روانہ ہوگئے،یہ سمجھ کر کہ عذاب کی جگہ سے پیغمبر کو چلا جانا چاہیے پھر عذاب کا بادل نینویٰ پر چھا گیا،وہاں کے باشندوں نے سچی توبہ کرلی اور آیا ہوا عذاب ٹل گیا تین دن کے بعد آپ نے دور سے اس شہر کو دیکھا تو آباد تھا آپ شہر میں اس لیے نہ آئے کہ میں نے تو انہیں عذاب کی خبر دی تھی اور عذاب آیا نہیں اب میری وہاں بڑی بے عزتی ہوگی اور دوسری جگہ چلے گئے جاتے ہوئے دریا سامنے آیا کشتی میں بیٹھے،درمیان سمندر میں کشتی ٹھہر گئی،ملاحوں نے کہا کہ شاید اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے جس سے کشتی آگے نہیں چلتی آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں اور دریا میں چھلانگ لگادی ایک مچھلی منہ پھاڑے بیٹھی تھی وہ آپ کو نگل گئی اور دریائے نیل پھر دجلہ میں ہوتی ہوئی شام کے علاقہ میں جا نکلی وہاں دریا نے آپ کو زمین پر اگل دیا پھر کدو کی بیل نے آپ پر سایہ کیا ہرنی آپ کو دودھ پلاتی رہی مرقات وغیرہ۔

۳کیونکہ رب تعالٰی کا وعدہ ہے کہ فرمایا:"فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَ کَذٰلِكَ نُــۨۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ"یعنی اس دعا کی برکت سے ہم نے انہیں بھی غم سے نجات دی اور تا قیامت مسلمانوں کو بھی اس کی برکت سے نجات دیا کریں گے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زبان سے نکلی ہوئی دعاء بہت تاثیر والی ہوتی ہے کیوں نہ ہو کہ الفاظ دعا گولی،زبان رائفل جب دونوں قوتیں جمع ہو جائیں تو شکار یقینی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے وقت مسجد میں گیا تو وہاں ایک شخص بلند آواز سے تلاوت کررہا تھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا حضور فرماتے ہیں کہ یہ ریاکار ہے[1] فرمایا بلکہ رجوع الی اللہ والا بندہ ہے[2] فرمایا اور ابوموسیٰ اشعری خوب بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قرأت غور سے سننے لگے[3] پھر ابوموسیٰ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے یوں کہا الٰہی میں گواہ ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں اکیلا ہے لائق بھروسہ ہے[4] جس کا کوئی ہمسر نہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے اللہ کے اس نام سے دعا مانگی کہ جب اس نام سے کچھ مانگا جائے تو رب دیتا ہے جب اس نام سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے[5] میں نے عرض کیا میں انہیں وہ بتادوں جو میں نے آپ سے سنا فرمایا ہاں میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی انہوں نے مجھ سے فرمایا تم آج سے میرے بھائی ہو کیونکہ تم نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچائی[6] (رزین)	

[1] یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص آپ کی مسجد شریف میں چیخ کر ذکر وتلاوت کررہا ہے، کیا حضور عالی فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ ریاکار ہے، اگر مخلص ہوتا تو اسے اس قدر چیخنے کی کیا ضرورت تھی یہ لوگوں کو دکھا سنارہا ہے۔

[2] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ کسی پر بدگمانی بلاوجہ نہ کرنی چاہیے مؤمن کا ہر عمل حتی الامکان اخلاص پر محمول کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر سنت صحابہ ہے اسے حرام کہنا سخت غلطی ہے۔

[3] یعنی یہ صاحب حضرت ابوموسیٰ اشعری تھے آپ بڑے ہی خوش الحان تھے، حضرت بریدہ آپ کو پہچان نہ سکے اس لیے آپ پر ریاکار ہونے کا احتمال کیا ورنہ آپ جلیل القدر صحابی ہیں آپ پر ریاکاری کا الزام بہت بعید ہے۔ (مرقات) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قرأت سے بہت ہی خوش ہوتے تھے۔

[4] اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے، یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی تلاوت سننا سنت ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تلاوت کے بعد دعا مانگنا سنت صحابہ ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے رب تعالٰی کے اچھے اچھے نام لینا اور اس کے وسیلے سے دعا کرنا سنت ہے۔

۵؎ یعنی ان ناموں میں رب تعالٰی کا اسم اعظم ہے اور اسم اعظم کی یہ تاثیر ہے کہ اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں رب تعالٰی کی جناب سے بھیک ملتی ہے،اس بناپر بعض نے فرمایا کہ لا الہ الا انت اسم اعظم ہے کیونکہ اس میں یہ نام شریف موجود ہے۔

٦؎ یعنی چونکہ تم نے مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پہنچائی لہذا تم آج سے میرے محسن بھائی ہو اور چونکہ تم نے مجھے ایک خوشخبری بھی سنائی لہذا آج سے تم میرے ولی دوست بھی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ محدثین وفقہاء سے محبت کرنا چاہیے کیونکہ یہ حضرات ہمارے محسن ہیں کہ ہم تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پہنچاتے ہیں یہ سنت ہے،بڑے بدنصیب ہیں وہ جو محدثین یا علماء سے نفرت یا عداوت رکھیں۔

باب ثواب التسبیح و التحمید و التهلیل و التکبیر

سبحان اللہ،الحمد للہ،لاالہ الا اللہ،اللہ اکبر کہنے کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے کیونکہ پہلے باب میں ذکراللہ کے فضائل بیان ہوئے،ذکراللہ میں یہ تسبیح وغیرہ بھی داخل تھی مگر چونکہ دیگر اذکار سے یہ ذکر افضل ہیں اسی لیے ان کے ثواب کے لیے علیحدہ باب باندھا۔خیال رہے کہ تسبیح کے معنے ہیں اللہ تعالٰی کو تمام نقصان و عیوب سے پاک جاننا یا پاک بیان کرنا۔اسمائے الٰہیہ وردکرنے والے پر اس نام کی تجلی وار ہوتی ہے تو جو سبحان اللہ کا ورد کیا کرے تو ان شاءاللہ خود یہ بندہ برائیوں سے پاک ہوجائے گا۔تسبیح بہت اعلٰی ذکر ہے اسی لیے نماز شروع کرتے ہیں سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ سے، رکوع میں سُبۡحٰنَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ، سجدہ میں سُبۡحٰنَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی،خبرعجیب پر سُبۡحٰنَ اللہ کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت سمرہ بن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل کلمات چار ہیں [1] سبحان اللہ،الحمدللہ،لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر [2] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ کو پیارے کلمات چار ہیں سبحان اللہ،الحمدللہ،لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر جس کلمہ سے ابتداءکرو مضر نہیں [3] (مسلم)	

[1] یعنی انسانی کلمات یا دوسرے وِردوظیفوں سے یہ چار کلمے بہت ثواب کا باعث ہیں کیونکہ ان کلمات میں رب تعالٰی کی بے شمار حمدیں مذکور ہیں۔سبحان اللہ کے معنے ہیں میں اللہ تعالٰی کو سارے عیوب سے پاک مانتا ہوں۔الحمدللہ کے معنے ہوئے تمام ہی تعریفیں رب تعالٰی کی ہیں کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔لا الہ الخ وہ کلمہ ہے جسے پڑھ کر بندہ مسلمان بنتا ہے اور اللہ اکبر میں اس کی کبریائی اور تمام مخلوق سے بڑے ہونے کا اعتراف ہے لہذا یہ کلمات رب تعالٰی کی جامع صفات ہیں،اب حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے افضل تو قرآن شریف ہے پھر یہ کلمات کیسے افضل ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ چاروں کلمات قرآن شریف میں موجود ہیں اگلے تین تو صراحۃً چوتھا کلمہ اشارۃً و معنًی،دوسری روایت میں ہے کہ یہ کلمات باقیات صالحات سے ہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ ان کلمات کو کلام فرمانا لغۃً ہے نہ کہ اصطلاحًا لہذا اگر کوئی شخص کلام نہ کرنے کی قسم کھائے وہ ان کلمات کے پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کہ قسم میں کلام سے مراد انسان کا کلام ہے جسے اصطلاح میں کلام کہا جاتا ہے۔

۲؎ اللہ اکبر کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ہماری حمدوثنا بلکہ ہمارے خیال و وہم سے بڑا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ" میں تیری ثناء کما حقہ نہیں کرسکتا۔

۳؎ مرقات میں فرمایا کہ یہ ترتیب عزیمت ہے،اس کے خلاف رخصت یعنی بہتر یہ ہے کہ اس ترتیب سے ان کا ورد کرے اگر اس کے خلاف بھی کیا تو حرج نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سبحان اللہ،الحمدللہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا مجھے اس سب سے پیارا ہے جس پر سورج طلوع ہوا ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی یہ کلمات مجھے ساری دنیا سے پیارے ہیں کیونکہ دنیا فانی ہے اور ان کا ثواب باقی،نیز دنیا رب تعالٰی سے غافل کرنے والی ہے اور یہ سب رب تعالٰی کی یاد دلانے والے۔خیال رہے کہ "ماطلعت علیہ الشمس" سے مراد ساری دنیا ہے زمین یا زمین کی چیزیں ہوں یا آسمان اور آسمان کی چیزیں،رہا قرآن وحدیث ہماری عبادات وغیرہ اس سے علیحدہ ہیں کہ یہ چیزیں اگرچہ دنیا میں ہیں مگر دنیا نہیں نہ ان میں دنیا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ کلمات اور ان کے پڑھنے پر بھی تو سورج طلوع ہوتاہےاور یہ بھی تو دنیا میں ہیں۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ دل دنیا میں رکھو مگر دل میں دنیا نہ رکھو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے،کشتی دریا میں رہے تو خیر ہے لیکن اگر دریا کشتی میں آجائے تو ہلاکت ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے ۱؎ تو اس کی تمام خطائیں بخش دی جائیں گی اگرچہ کف دریا یعنی سمندر کے جھاگ برابر ہوں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ بیک وقت یا مختلف اوقات میں صبح کے وقت پڑھے یا شام کو یا کسی اور وقت میں۔غرضکہ کوئی پابندی نہیں اگرچہ بہتر یہ ہے کہ صبح یا شام پڑھے جیساکہ دوسری روایا ت میں ہے۔

۲؎ یعنی بے حدوبے شمار خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں جو حقوق اللہ کے متعلق ہوں،حقوق شرعیہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں لہذا فوت شدہ نماز،روزے،بندوں کے قرض اس وظیفہ سے معاف نہ ہوجائیں گے وہ تو ادا ہی کرنے ہوں گے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح و شام کے وقت سبحان اللہ وبحمدہ سو بار پڑھ لیا کرے ۱؎ تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہ لائے گا اس کے سوا جو اس

طرح یا اس سے زیادہ پڑھا کرے۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ یا اس طرح کہ کچھ تو صبح کے وقت پڑھ لیا کرے کچھ شام کے وقت یا اس طرح کہ صبح کو سو بار پڑھے اور شام کو بھی یعنی روزانہ دو سو بار یہ ہی بہتر ہے۔صبح سے مراد پو پھٹنے سے زوال تک کا وقت ہےاور شام سے مراد زوال سے لے کر صبح صادق تک ہے۔صوفیاء کی اصطلاح میں شام و سویرے کے یہ ہی معنے ہوتے ہیں مگر عاملین کا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب یہ پڑھا کرتے ہیں لہذا یہ ہی افضل ہے۔

۲؎اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ تو کوئی اس کے برابر نیکیاں لاسکے گا نہ اس سے زیادہ،ہاں جو کوئی اس کے برابر یہ کلمات پڑھ لیا کرےوہ تو اس کے برابر نیکیاں لائے گا یا جو اس شخص سے زیادہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے وہ اس سے زیادہ نیکیاں لائے گامثلًا یہ شخص روزانہ دو سو بار یہ کلمات پڑھتا ہے اور دوسرا چارسو بار پڑھ لیا کرے یا یہاں یہ لفظ اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جو شخص اس شخص کے برابر بھی پڑھے اور اس سے زیادہ بھی لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ برابر پڑھنے والااس شخص سے بڑھ کیوں گیااور نہ یہ اعتراض ہےکہ وظیفوں کی تعداد میں زیادتی کمی نہ چاہیے جس قدر منقول ہوں اتنی ہی بار پڑھے جائیں جیسے فرض نماز کی رکعات اور زکوۃ کی مقدار۔خیال رہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو پابندی سے یہ پڑھ لیاکرے اسے اللہ تعالٰی اس قدر نیکیوں کی توفیق بخشے گا کہ قیامت میں وہ دوسرے سے زیادہ نیکیاں لے کر آئے گا۔یہ مطلب نہیں کہ صرف یہ کلمات پڑھنے والا حاجیوں،نمازیوں،شہیدوں،علماء،مجتہدین،محدثین سے بڑھ جائے گا لہذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھاری رحمٰن کو پیارے ہیں۱؎ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری فصیح و بلیغ زبان ہے اس پیارے محبوب کی صلی اللہ علیہ وسلم۔خفیفتان، ثقیلتان یعنی بھارے ہلکے،اس میں متضادین کا اجتماع ہے لسان و میزان میں متناسبین کا اجتماع ہے کیونکہ لسان انسانی زبان کو بھی کہتے ہیں اور ترازو کی زبان کو بھی،جو ہاتھ کی مٹھی میں بروقت تولنے کے رہتی ہے،حبیبتان و رحمٰن اس میں ایسی مناسبت ہے کہ سبحان اللہ محبت و رحمت میں بہت ہی تعلق ہے یعنی یہ دونوں کلمے پڑھنے میں زبان پر بہت آسان ہیں مگر کل قیامت میں ان کا وزن بہت زیادہ ہوگاکیونکہ ہمارے کلام سے رب تعالٰی کا نام وزنی ہے،پھر خوبی یہ کہ رب تعالٰی کو یہ کلمات بڑے پیارے ہیں تو جوان کاورد کرے گا وہ بھی پیارا ہوگااس کی زبان پیاری ہوگی۔

۲؎یہ دو کلمے رب تعالٰی کی دونوں قسم کی حمدوں کو علٰی وجہ الکمال جامع ہیں۔عیوب سے پاکی کا مکمل بیان سبحان اللہ میں ہے اور صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا کامل بیان و بحمدہٖ میں ہےاسی لیے یہ کلمات بہت جامع ہیں اور رب تعالٰی کو پیارے ہیں۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں	

	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرلیا کرے ہم نشینوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کوئی روزانہ ہزار نیکیاں کیسے کرسکتا ہے ۱؎فرمایا ایک سو دفعہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرے اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں معاف کی جائیں گی ۲؎(مسلم) اس کتاب مسلم میں ابوموسیٰ جھنی سے تمام روایات میں یوں ہے کہ یا معاف کی جائیگی ۳؎ابوبکر برقانی فرماتے ہیں ۴؎کہ اسے شعبہ و ابوعوانہ اور یحیٰی ابن سعید قطان نے حضرت موسیٰ سے روایت کی ان سب نے ویحط فرمایا الف کے بغیر (کتاب حمیدی میں اسی طرح ہے)۵؎

۱؎ یعنی مسلسل روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرتے رہنا طاقت انسانی سے باہر ہے،یہ عام انسانوں کا حال ہےورنہ بعض مخصوص بندے تو ہر سانس میں نیکی کرتے ہیں۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی سو بار سبحان اللہ پڑھ لینے سے پڑھنے والوں کو ہزار نیکیاں بھی ملیں گی اور اس سے ہزار گناہ بھی معاف ہوں گے اور اگر اَوْ اپنے ہی معنی میں ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ یہ رب تعالٰی کے کرم پرموقوف ہے چاہے تو اسے ہزار نیکیاں دے چاہے اس کے ہزار گناہ معاف کردے۔خطیئته سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ معاف ہوں گے حقوق العباد اور گناہ کبیرہ کی معافی اس سے نہ ہوگی۔

۳؎یعنی مسلم شریف میں حضرت موسیٰ جُھنّی سے بہت سی روایات منقول ہیں ان سب میں اَوْ ہے،یہ موسیٰ جھنی ابن عبداللہ ہیں،قبیلہ جھنیہ سے ہیں،کوفی ہیں،انہوں نے حضرت مجاہدمصعب ابن سعد سے روایات لیں اور ان سے شعبہ،یحیٰی ابن سعید قطان نے احادیث نقل کیں۔

۴؎آپ ابوبکر احمد ابن محمد خوارزمی برقانی ہیں،برقان خوارزم کی ایک بستی کا نام ہے۔

۵؎یعنی ان روایات میں اَوْ نہیں بلکہ واؤ ہےیعنی اس کو ہزار نیکیاں بھی ملتی ہیں اور اس کے ہزار گناہ بھی معاف ہوتے ہیں لیکن اگر پہلی روایت میں اَوْ بمعنی واؤ ہو یا یہاں واؤ تنویع یعنی بیان نوعیت کے لیے ہو تو دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں اور ہوسکتا ہے کہ پہلی روایت میں رب تعالٰی کے قانون کا ذکر ہو اور اس روایت میں اس کے فضل و کرم کا رب تعالٰی فرماتاہے:"مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا"۔دوسرے مقام پر فرماتاہے:"وَاللہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا کلام افضل ہے فرمایا جو اللہ تعالٰی نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا سبحان اللہ وبحمدہٖ ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی سارے فرشتے ہمیشہ یہ پڑھا کرتے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ"اسی لیے فرشتوں نے عرض کیا تھا"نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"فرشتوں کا ہمیشہ یہ پڑھنا اللہ تعالٰی کی تعلیم سےہے نہ کہ اپنی رائےسے۔ قرآن کریم میں ہے"لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا"یعنی یہ کلمات بہت افضل ہیں کیونکہ یہ فرشتوں کا ذکر ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان فرشتوں کی عبادات کو بھی جانتے ہیں اور ان کے حالات سے بھی خبردار ہیں جو آسمانوں میں رہتے ہیں عرشی ہوں یا کرسی والے لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش والے انسانوں کے اعمال کی بھی یقینًا خبرہے۔دوسرے یہ کہ جو وردو وظیفے بزرگوں سے منقول ہوں وہ دوسرے وظیفوں سے افضل ہیں،دیکھو فرشتوں کے وظیفے افضل قرار دیا گیا،ایک اعتبار سے فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔اگرچہ انسانیت ماہیۃً فرشتہ سے افضل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ"۔

	روایت ہے حضرت جویریہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب کہ نماز فجر پڑھی وہ اپنی مسجد میں تھیں ۲؎ پھر دوپہر کے بعد واپس ہوئے وہ وہاں ہی بیٹھی تھیں ۳؎ فرمایا کیا تم اسی طرح بیٹھی ہو جیسے میں تمہیں چھوڑ گیا تھا عرض کیا ۴؎ ہاں تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے پیچھے چار کلمے تین دفعہ پڑھ لیے ۵؎ اگر انہیں تمہارے تمام وظیفوں سے تولا جائے جو تم نے سارے دن میں پڑھے تو ان پر بھاری ہوجائیں ۶؎ "سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقه ورضا نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته" ۷؎ (مسلم)

۱؎ حضرت جویریہ بنت حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں،مسلمانوں کی والدہ،آپ کا نام برہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رکھا،آپ ۵ھ میں غزوہ مریسیع میں گرفتار ہوکر حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں انہوں نے آپ کو مکاتب کردیا،ان کا بدلِ کتابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا اور انہیں آزاد کرکے ان سے نکاح کیا،۶۵ سال عمر شریف ہوئی،ربیع الاول ۵۶ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز فجر آپ کے دولت خانہ سے باہر تشریف لے گئے اسوقت آپ اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی ذکر اللہ اوروظیفہ پڑھ رہی تھیں،مسجد سے مراد مصلے ہے یعنی سجدہ گاہ یا وہ جگہ جو گھر میں نماز کے لیے خاص کرلی جائے۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کے وقت (دوپہر کو) آپ کے پاس واپس آئے تو انہیں اسی مصلے پر اسی طرح بیٹھے دیکھا،اللہ اکبر یہ ہے ازواج پاک کا شوق عبادت۔

۴؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نیکیاں ظاہرکرنا ریا نہیں بلکہ ذریعۂ قبولیت ہے،اسی طرح حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گناہ عرض کرنا پردہ دری نہیں بلکہ معافی کا ذریعہ ہے۔

۵؎ یعنی ہم نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد یہ وظیفہ پڑھ لیا جو عمل میں بہت ہلکا اور آسان ہے۔

۶؎ یعنی اگر کل قیامت میں رب تعالٰی میزان کے ایک پلے میں تمہارا آج کا سارے دن کا یہ وظیفہ رکھے اور دوسرے پلے میں ہمارے یہ کلمات رکھے توثواب میں یہ کلمات بڑھ جائیں گے۔

۸؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں رب تعالٰی کی ایسی تسبیح کرتا ہوں جو تمام مخلوق کے برابر ہو،اس کی رضاء کا باعث ہو،اس کے عرش کی زینت ہواور کلمات الٰہیہ کی جو روشنائی ہے اس کے برابر ہو۔ان جامع الفاظ میں ساری چیزیں آگئیں کوئی چیز باقی نہ رہی لہذا یہ جامع وظیفہ ہےاس لیے اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک دن میں سو بار یہ کہہ لے ا؎ اللہ کے اکیلے کے سواء کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں،اسی کا ملک ہے،اسی کی تعریف ہے،وہ ہر چیز پر قادر ہے،اس کے لیے دس۱۰ غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا ۲؎ اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس دن دن بھر اس کی شیطان سے حفاظت ہوگی حتی کہ شام پالے ۳؎ اور کوئی شخص اس سے بہتر افضل عمل نہ کرسکے گا اس کے سوا جو اس سے زیادہ یہ پڑھ لے ۴؎ (مسلم،بخاری)

ا؎ خواہ ایک دم ایک ہی مجلس میں سو بار کہے یا مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں میں۔غرضکہ چوبیس گھنٹے میں یہ شمار پوری کرے۔(مرقات)

۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ وہ کلمہ توحید ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:"مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ"۔

۳؎ اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر بندہ رات میں یہ پڑھ لیا کرے تو صبح تک شیطان سے محفوظ رہے مگر چونکہ بندہ دن میں جاگتاہے اور جاگتے ہی میں شیطان زیادہ گناہ کراتا ہےاس لیے دن کا ذکر فرمایااگرچہ یہ کلمات ایک دم یا علیحدہ علیحدہ ہر وقت پڑھنا درست ہے لیکن صبح کے وقت ایک دم پڑھنا افضل ہے تاکہ دن بھر شیطان سے محفوظ رہے،یہ تاثیر تو سو بار پڑھنے کی ہےاگر اس سے زیادہ پڑھے تو زیادہ فائدہ ہوگا۔غرضکہ یہ عمل بہت ہی پر تاثیر ہے۔(مرقات)
۴؎اس کی شرح پہلے گزر چکی ہےیعنی کوئی وردوظیفہ پڑھنے والا نہ اس جیسا وظیفہ پڑھ سکے گا نہ اس جیسا ثواب وظیفہ پاسکے گا،یہ فضیلت دیگر وظیفوں سے ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو لوگ بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے ۱؎ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو ۲؎ تم لوگ نہ بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع بصیر کو پکاررہے ہو ۳؎ جو تمہارے ساتھ ہے جسے تم پکاررہے ہو وہ تم میں سے ہر ایک کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے ۴؎ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اپنے دل میں کہہ رہا تھا لاحول ولا قوۃ الا باﷲ تو حضور نے فرمایا اے عبداللہ ابن قیس کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں ایک خزانہ پر رہبری نہ کروں میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ولاحول ولا قوۃ الا باﷲ ہے ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ جوش کے ساتھ تکبیر کے نعرے لگانے لگے نعرہ تکبیر اَللّٰہُ اَکۡبَرۡ یہ نعرے برکت کے لیے تھے نہ کہ کسی خوشی کی وجہ سے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔یہ سفرغزوہ خیبر کا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے خیبر فتح فرمانے تشریف لے جارہے تھےجیساکہ دوسرے مقامات پر اس کی تصریح ہے۔
۲؎یہاں شیخ نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس نعرہ تکبیر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا اس لیے نہ تھا کہ ذکر بالجہر منع ہے بلکہ اس لیے تھا کہ صحابہ پر سفرکرتے ہوئے یہ نعرے تکلیف کا باعث تھےاسی لیے فرمایا اپنی جانوں پر نرمی کروورنہ بہت موقعہ پر صحابہ کرام بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خوب بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے تھے۔چنانچہ جماعتِ نماز کے بعد چیخ کر ذکر کرتے تھے،صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کے دوران نعرہ تکبیر لگاتے تھے،نیز اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ خیبر پر ہم اچانک جا پڑیں لوگوں کو اس حملہ کی خبر بھی نہ ہوسکے تاکہ کفار تیاری نہ کرسکیں اور بہت کم خون خرابہ ہو اور خیبر فتح ہوجائے اس نعرہ سے یہ مقصد فوت

ہوجاتا۔بہرحال ذکر بالجہر منع کرنے والوں کی یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔ذکر بالجہر کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎یہاں ذکر بالجہر مفید نہیں،رب تعالٰی تو آہستہ ذکر بھی سنتا ہے بلکہ تمہیں نقصان دہ ہے کہ تم اس وقت ذکر سے تھک جاؤ گے اور تمہارا دشمن تمہاری آمد پر مطلع ہوجائے گا اس لیے آہستہ ذکر کرو۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ اس لیے چیخ کر اللہ کا ذکر کرنا خدا تعالٰی آہستہ ذکر سن نہیں سکتا منع ہے بلکہ بدعقیدگی ہے۔ذکر بالجہر تو اپنے نفس اور دوسرے غافلوں کو جگانے،شیطان کو بھگانے،درو دیوار کو اپنے ایمان کا گواہ بنانے کے لیے ہوتا ہے مگر اس پر موقعہ پر مضر ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا علم،قدرت،رحمت قریب ورنہ حق تعالٰی قرب مکانی سے پاک ہے،اس کی تفسیر وہ آیت ہے"اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ"۔

۵؎یعنی تم جو اپنے دل میں لاحول شریف پڑھ رہے ہو ہم اس پر مطلع ہیں اس کے فضائل سے تم کو اطلاع دیتے ہیں۔خیال رہے کہ لاحول شریف میں انسان اپنی انتہائی بے بسی کا اقرار اور رب تعالٰی کی انتہائی قدرت کا اعتراف کرتا ہے یہ ہی بندگی کا مدار ہےاسی لیے یہ جنت کا خزانہ ہے۔حول کے معنی ہیں ظاہری طاقت،قوۃ کے معنی ہیں باطنی قدرت یا حول سے مراد ہے دفع شرکا حیلہ اور قوت سے مراد ہے خیرحاصل کرنے کا ذریعہ یعنی بندے میں بغیر رب تعالٰی کی مدد کے نہ ظاہری طاقت ہے نہ اندرونی قوت،اس کے بغیر کرم بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے نہ نیکیاں کرسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دین،اس کے کرم سے بندہ میں ظاہری باطنی طاقتیں آسکتی ہیں جیساکہ اولیاءوانبیاء کے کرامات و معجزات سے معلوم ہوتا ہے۔حضرت سلیمان نے تین میل سے دور چیونٹی کی آوازسن کر سمجھ لی،حضرت آصف بن برخیا پل بھر میں یمن سے تخت بلقیس لے آئے یہ ربانی طاقتیں رحمانی عطا سے تھیں،بجلی کے بلب،پنکھے،مشین وغیرہ بغیر پاور محض بیکار ہیں پاور آجائے تو بہت طاقتور ہوجاتے ہیں،بجلی کا تار آدمی کیا ہاتھی کو ہلاک کردیتا ہے۔قرآن کریم میں جو من دون اللہ کی برائیاں آتی ہیں یہ وہی ہیں جو خدا سے الگ اور دور ہیں،رب تعالٰی نے فرمایا:"وَ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمُ امۡرَاَتَیۡنِ تَذُوۡدٰنِ"یعنی موسیٰ علیہ السلام نے مردوں سے الگ دور دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور پکڑے کھڑی تھیں،دیکھودون کے معنی الگ یا دور ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلموں کو خزانہ اسی لیے فرمایا کہ یہ کلمے جنتی نعمتوں کے خزانے ملنے کے سبب ہیں یا اللہ تعالٰی نے دوسری قوموں سے یہ کلمات ایسے چھپائے تھے جیسے خزانے غیروں میں چھپائے جاتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سےفرماتے ہیں فرمایارسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ پڑھے اس کے لیے جنت میں درخت بویا جائے گا۱ (ترمذی)

۱ جنت کی بعض زمین تو میوے پھولوں کے درختوں سے بھری ہے،بعض زمین خالی،اس خالی زمین میں ہمارے نیک اعمال مثل درختوں کے نمودار ہوتے ہیں یہاں اس خالی زمین کا ذکر ہے،جنت میں باغات تو ہیں مگر کھیت نہیں کیونکہ کھیت میں دانے ہوتے ہیں جو غذا کے کام آتے ہیں وہاں نہ بھوک ہے نہ غذا کی ضرورت،باغوں میں پھل پھول ہوتے ہیں جن سے لذت لی جاتی ہے،تمام درختوں میں کھجور کا درخت بہت ہی مفید ولذیذ ہے اس لیے لاحول شریف سے درختِ کھجور ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی صبح نہیں جسے بندے پائیں مگر ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھ لو۱(ترمذی)

۱ یعنی ہر صبح کو فرشتہ یہ آواز دیتا ہے کہ اس وقت تسبیح پڑھو یا آج دن بھر پڑھتے رہنا،چونکہ صبح کے وقت ہر مخلوق تسبیح کرتی ہےاس لیے خصوصیت سے انسانوں میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ تم اشرف المخلوق ہو دوسری مخلوق سے پیچھے نہ رہو،نیز چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نداء ہم تک پہنچادی اس لیے فرشتہ کا پکارنا رائیگاں نہ گیالہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم فرشتے کی آواز سنتے ہی نہیں تو اس کے پکارنے سے کیا فائدہ۔بادشاہ کے فرمان عوام تک اخبارات،حکام وغیرہ کے ذریعے پہنچا کرتے ہیں۔تسبیح کرنے سے مراد یا تو مطلقًا کوئی سی تسبیح پڑھ لینا ہے یا یہ پڑھنا ہے"سبحان الملك القدوس" یا یہ پڑھنا ہے"سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَّبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" یا یہ پڑھنا ہے"سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم"۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگ ترین ذکر لا الہ الا اللہ ہے۱ اور بزرگ ترین دعا الحمدللہ ہے۔(ترمذی و ابن ماجہ)

۱ لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ شریف ہے یعنی مع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کےورنہ صرف لا الہ الا اللہ تو بہت سے موحد کفار بلکہ ابلیس بھی پڑھتا ہے،وہ مشرک نہیں موحد ہے۔جس چیز سے مؤمن بنتے ہیں وہ ہے محمد رسول اللہ،چونکہ کلمہ شریف سے کفر کی گندگی دور ہوتی ہے،اسے پڑھ کر کافر مؤمن ہوتاہے، اس سے دل کی زنگ دور ہوتی ہے،اس سے غفلت جاتی ہے،دل میں بیداری آتی ہے یہ حمد الٰہی و نعت مصطفوی کا مجموعہ ہےاس لیے یہ افضل الذکر ہوا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صفائی دل کے لیے کلمہ طیبہ اکسیر ہے۔

۲؎ دعا میں کریم کی تعریف اور اپنی عرض حاجت ہوتی ہے الحمدللہ میں یہ دونوں چیزیں موجوداسی لیے الحمد کو بہترین دعا فرمایا گیا۔جب مسکین سخی کے دروازے پر کھڑے ہوکر اس کی تعریف کرنے لگے تو سمجھو کچھ مانگ رہا ہے ،یوں ہی جب ہم فقیر رب کریم کے دروازے پر اس کی حمدوثنا کریں تو درپردہ اس سے مانگتے ہی ہیں۔سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں کیونکہ یہ الحمدللہ سے شروع ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد شکر کا سر ہے۱؎ جس بندے نے خدا کی حمد نہ کی اس نے رب کا شکر ہی نہ کیا۲؎	

۱؎ لہذا جو شکر حمد کے بغیر ہو وہ شکر صحیح نہیں جیسے بغیر سر کے جسم درحقیقت جسم ہی نہیں۔

۲؎ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ شکر کی اصل جگہ دل و اعضاء ظاہری ہیں،دل سے رب کی نعمتوں کا اقرار،اعضاء سے عبادت شکر ہے اور حمد کی اصل جگہ زبان ہےاور دل وغیرہ لوگوں سے مخفی ہیں،زبان لوگوں پر ظاہر اور شکر میں اظہار اصل مقصود ہے اسی لیے حمد کو شکر کا سرقرار دیا گیاکہ مقصدِ شکر حمد سے ادا ہوتا ہے۔(مرقات) سبحان اللہ! نہایت نفیس تحقیق ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو،یہ ہے کامل شکر اور چرچا زبان سے ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ ہوں گے جو خوشی و غم میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۱؎یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔	

۱؎ اس طرح کہ ہر حال میں رب کی حمد کرتے رہتے ہیں،تبدیلی حالات ان کو نہیں بدلتی،راضی برضا رہتے ہیں،چونکہ یہ لوگ رب سے راضی رہے لہذا رب بھی ان سے راضی رہا،وہ رب کے تھوڑے رزق سےراضی تو رب ان کی تھوڑی عبادت سے راضی،وہ رب کے بھیجے ہوئے رنج وغم پر راضی تو رب ان سے گناہ سرزد ہونے پر بھی راضی،فرماتا ہے:"رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"۔اللہ تعالٰی یہ درجہ نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا یارب مجھے وہ چیز سکھا جس سے تجھے یاد کیا کروں یا جس کے ذریعے تجھ سے دعا کروں۱؎رب نے فرمایا اے موسیٰ کہو لا الہ الا اللہ پھر عرض کیا یارب	

یہ تو تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں میں تو کوئی ایسی خاص چیز چاہتا ہوں جس سے تو مجھے خاص کرے ۲؎ فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور میرے سواء ان کی آبادی اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں ۳؎ اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو ان سب پر لا الہ الا اللہ بھاری ہوگا ۴؎(شرح سنہ)	

۱؎ یعنی اے مولیٰ مجھے خصوصی ذکر و دعا بذریعہ وحی یا الہام سکھا عمومی ذکر و دعائیں تو تو نے مجھے بہت عطا فرمائی ہیں لہذا حدیث پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ کیا اب تک موسیٰ علیہ السلام کو ذکر و دعا بھی معلوم نہ تھی اس کی تائید اگلے مضمون سے ہورہی ہے۔

۲؎ چونکہ فطرت بشری ہے کہ عام نعمت کے مقابلہ میں خاص نعمت سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اگرچہ عام نعمت کا نفع زیادہ ہی ہو،دیکھو ہوا،پانی،نمک وغیرہ کے مقابل سونے چاندی جواہر سے زیادہ خوش ہوتے ہیں،نماز پنجگانہ سے زیادہ نماز عید کی خوشی مناتے ہیں اسی لیے آپ نے یہ سوال فرمایا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلمہ سے خوش نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سوال موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خود ہی ڈالا تھا تاکہ اس کے جواب سے لوگوں کو کلمہ طیبہ کے مسائل کا پتہ چلے۔خیال رہے کہ یہاں لا الہ الا اللہ سے مراد صرف یہ ہی الفاظ ہیں کیونکہ شریعت موسوی میں کلمہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہ ہوا تھا یہ جزء تو دین محمدی کی خصوصیات سے ہے۔

۳؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اے موسیٰ تم کوئی خاص عمل و وظیفہ ایسا چاہتے ہو جو لا الہ الا اللہ سے افضل ہوایسا کوئی وظیفہ نہیں،تمام سے بہتر افضل یہ ہی کلمہ ہے۔ساتوں زمین و آسمان اور ان کے باشندوں میں انسان حیوانات اور ان کے سارے عمل داخل ہیں لہذا تمام وظیفے،اوراد،عبادات سب سے کلمہ طیبہ افضل ہواکیونکہ رب کا نام مخلوق سے افضل و بہتر ہے ہاں اس کلمہ سے مختلف لوگ مختلف فائدے اٹھاتے ہیں۔جہاں تک اس کی فہم و عمل زیادہ وہاں تک اس کا فیض زیادہ،ہمارے کلمہ پڑھنے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنا کہیں افضل و بہتر ہے یہ ہی حال ساری عبادات کا ہے۔(از مرقات)

۴؎ یعنی اس کلمہ کا مضمون اور اس کا ثواب تمام مخلوق سے زیادہ وزنی ہے بشرطیکہ اخلاص سے پڑھا جائے ورنہ منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے،اب بھی بعض مشرکین کلمہ پڑھ لیتے ہیں ان کے کلمہ کا نہ وزن ہے نہ ثواب،وزن صرف الفاظ کا نہیں،اس کا مضمون کیا ہے،اللہ تعالیٰ کی وحدانیت،یہ تمام صفات الٰہیہ سے اعلیٰ صفت ہے وہ یقینًا ساری خلق سے اعلیٰ ہے۔فقیر کی اس تقریر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ انبیائے کرام خصوصًا حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو اشرف الخلق ہیں اور یہ الفاظ لا الہ الا اللہ بھی خلق میں داخل ہیں تو نبی ان سے بھی افضل ہونا چاہئیں کیونکہ یہ الفاظ خلق ہیں مگر ان کا مضمون یعنی رب کی وحدانیت خلق نہیں رب کی صفت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ سے افضل ہیں مگر قرآن کلام الٰہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہے کہ وہ صفت الٰہی ہے اسی طرح الفاظ قرآن حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں تو قرآن بھی عربی،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو آیات قرآنیہ مکیہ ہوئیں،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہوگئے تو آیات قرانیہ بھی مدنیہ ہوگئیں مگر مضمون قرآن کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہتا ہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو رب تعالیٰ اس کی تصدیق کرتا ہے کہتا ہے کہ واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں اور میں بہت بڑا ہوں ۱؎اور جب بندہ کہتا ہے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں تو رب فرماتاہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں ۲؎اور جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے تو رب فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میرا ہی ملک ہے میری ہی تعریف ہے۳؎جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت تو رب فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میرے بغیر نہ قوت ہے نہ طاقت ۴؎حضور فرماتے تھے کہ جو یہ کلمات اپنے مرض میں کہے پھر مرجائے تو اسے آگ نہ جلائے گی ۵؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی رب تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ یہ پڑھ رہا ہے اور وہ سچا ہے سچ کہہ رہاہے۔سبحان اللہ! بندے کی خوش نصیبی ہے کہ اسی کی تھوڑی سی لب کی حرکت سے اس کا ذکر بارگاہِ رب العالمین میں فرشتوں کے سامنے آجائے اور ساتھ میں خود رب تعالیٰ تصدیق بھی فرمادے۔

۲؎یعنی یہ بندہ وہ گواہی دے رہا ہے جس کی میں اور میرے فرشتے اور میری تمام خلق گواہی دیتے ہیں۔خیال رہے کہ ساری نیکیاں صرف بندے کرتے ہیں مگر گواہی توحید،حضور پر درود(صلی اللہ علیہ وسلم)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد خوانی وہ اعمال ہیں جو رب تعالیٰ،فرشتوں اور تمام مخلوق کے عمل ہیں،رب تعالیٰ فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ"۔اللہ تعالیٰ نے کسی نیکی کے حکم میں اپنا اور اپنے فرشتوں کا ذکر نہ فرمایا سواء درود شریف کے۔سبحان اللہ! کلمۂ توحید ایسی پاکیزہ نعمت ہے کہ رب تعالیٰ بھی اس میں شرکت فرماتاہے۔

۳؎ ملک و ملکوت کا فرق پہلے بیان ہوچکا ہے۔ملک تو مجازًا بادشاہ کا بھی ہوجاتا ہیں مگر ملکوت وہ چیز ہے جو رب تعالٰی کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔یہاں لی الملك میں حصرحقیقت کے لحاظ سے ہے یعنی حقیقتًا ملک میرا ہی ہے عارضی طور پر مجازًا جسے ملک ملا وہ میری عطاء سے ملا۔شعر

درحقیقت مالک ہر شئے خدا ست　　　　ایں امانت چند روزہ نزدما است

۴؎ حول و قوت کے نفیس فرق ابھی کچھ پہلے بیان ہوچکے اور لاحول شریف کے فوائد عرض کئے جاچکے۔بندہ رب سے کٹ کر کچھ نہیں نہ اس میں حول رہتی ہے نہ قوت مگر رب سے واصل ہو کر سب کچھ بن جاتا ہے کہ اس میں حول بھی آجاتی ہے اور قوت بھی،قطرہ دریا سے الگ ہو تو کچھ نہیں مگر دریا میں جاتے ہی اس میں روانی،طغیانی،فراوانی سب کچھ آجاتی ہے،شیشہ سائے میں رہے تو کچھ نہیں مگر آفتاب کے مقابل ہو کر اس میں شعاعیں روشنی تیزی دھوپ سب کچھ آجاتی ہے۔الا باللہ میں ب الصاق کی ہے یعنی اللہ سے مل کر بندے میں حول و قوت سب کچھ آجاتی ہے۔

۵؎ یعنی اسے قبر حشر اور حشر سے فارغ ہونے کے بعد کبھی آگ کا عذاب نہ ہوگااور جب وہ پل صراط سے گزر گیا تو آگ کا اس پر اثر نہ ہوگا۔سبحان اللہ! یہ کلمات ایسا روحانی مصالحہ ہیں جس کے لگ جانے سے جہنم کی آگ اثر نہیں کرتی۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے پاس گئے ۱؎ جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں ۲؎ تب حضور نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تم پر اس سے آسان بھی ہو اور بہتر بھی ۳؎ اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جسے آسمان میں پیدا فرمایا اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جسے زمین میں پیدا فرمایا اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جو ان کے درمیان ہے ۴؎ اور اللہ کی پاکی بولتاہوں اس کی برابر جسے وہ پیدا فرمانے والا ہے اور اللہ بہت بڑا ہے (اسی قدر) تمام تعریفیں اللہ کی ہیں (اسی قدر) اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اسی قدر) اور اللہ کے بغیر نہ قوت (اسی قدر) ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے	

۱؎ یہ بی بی صاحبہ یا تو حضرت سعد کی محرمات میں سے ہیں اور یا یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے یا جانے سے مراد صرف ان کے پاس پہنچنا ہے نہ کہ انہیں بے پردہ دیکھنا۔شیخ نے لمعات اور اشعہ میں فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ جناب ام المؤمنین جویریہ تھیں رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ یعنی تسبیحیں ان دانوں پر شمار کررہی تھیں،یہ حدیث مروجہ دھاگہ والی تسبیح کی اصل ہے کہ بکھرے دانوں اور دھاگے میں پروئے ہوئے دانوں میں کوئی فرق نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تسبیح کبھی استعمال نہ کی،آپ ہمیشہ بطریق عقدانامل انگلیوں پر شمار فرماتے تھے مگر ایک صحابیہ کو یہ کرتے دیکھا منع نہ فرمایا لہذا تسبیح صحابی کی سنت عملی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکوتی۔مرقات نے فرمایا جن لوگوں نے اس تسبیح کو بدعت کہا غلط کہا۔مشائخ فرماتے ہیں کہ تسبیح شیطان پر کوڑہ ہے۔حضرت جنید ولایت کی انتہاء پر پہنچ کر بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے کسی نے اس کی وجہ پوچھی جواب دیا کہ اسی کے ذریعہ ہم خدا تک پہنچے ہیں اسے ہم کیسے چھوڑیں۔(مرقات)بعض بزرگ ختم آیت کریمہ کے لیے تھیلوں اور بوریوں میں بادام یا گٹھلیاں جمع کررکھتے ہیں ان کی اصل بھی یہ حدیث ہے۔

۳؎ یہ اَوْ بمعنی واؤ ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں تمہارا وقت بھی کم خرچ ہوگا اور تمہیں ان تکلفات کی ضرورت بھی نہ پڑے گی اور ان کلمات کاثواب تمہاری ان کنکریوں سے زیادہ ہوگا یا اَوْ بمعنی بَلْ ہےتب تو مطلب ظاہر ہے۔

۴؎ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ رب کی تسبیح میری گنتی شمار سے وراء ہےکیونکہ آسمان و زمین کی یہ چیزیں میرے علم و ادراک سے خارج ہیں،رب کی عطائیں ہمارے شمار سے باہر ہیں تو اس کی تسبیح بھی ہمارے شمار سے باہر ہونا چاہئیں۔

۵؎ یعنی گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کی بقدر اللہ اکبر بھی کہتا ہوں اور اسی قدر الحمدللہ بھی اور اسی قدر لاالہ الااللہ بھی اور اسی قدر لاحول الخ بھی اس طرح یہ کلمات میرے پڑھنے میں تو ایک ہیں لیکن رب کے فضل سے ثواب میں ان چیزوں کی تعداد کے برابر۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے صبح کو سو بار سبحان اللہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس کی طرح ہوگا جو سو حج کرے۱؎ اور جو صبح کو سو بار الحمدللہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس جیسا ہوگا جو اللہ کی راہ میں سو گھوڑے خیرات کرے ۲؎ اور جو صبح کو سو بار لاالہ الا اللہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس کی طرح ہوگا جو اولاد حضرت اسماعیل سے سو غلام آزاد کرے ۳؎ اور جو صبح کو سو بار اللہ اکبر پڑھے اور سو بار شام کو تو کوئی اس سے زیادہ نیکیاں اس دن نہ کرسکے گا بجز اس کے جو اتنی ہی بار یہ	

	کلمات کہہ لے یا اس سے زیادہ۴ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

۱؎ یعنی شروع دن میں سو بار سبحان اللہ کہے اور شروع رات میں بھی سو بار تو اسے نفلی سو حجوں کے برابر ثواب ملے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ تسبیح سے مراد حضور دل کے ساتھ تسبیح پڑھنا ہےاور حج سے مراد وہ حج ہیں جو غفلت سے کیئے جائیں۔مطلب یہ ہے حضور قلبی کے ساتھ آسان نیکی غفلت کے مشکل اعمال سے افضل ہوتی ہے۔خیال رہے کہ حج کا ثواب ملنا اور ہے حج کی ادا کچھ اور،یہاں ثواب کا ذکر ہے نہ کہ ادائے حج کا جیسے اطباء کہتے ہیں کہ ایک گرم کیئے ہوئے منقہ میں ایک روٹی کی طاقت ہے مگر پیٹ روٹی ہی سے بھرتا ہے،کوئی شخص دو وقت تین تین منقے کھا کر زندگی نہیں گزار سکتا۔واقعی ان تسبیحوں میں اتنا ہی ثواب ہےمگر حج ادا کرنے ہی سے ہوں گے۔جو رب باجرے کے ایک دانہ سے سات بالیاں دے سکتا ہے جن کے دانے ہماری شمار میں نہیں ہوتےوہ رب تسبیحوں پر اتنا ثواب بھی دے سکتا ہے۔اس قسم کے ثوابوں کا وعدہ قرآن کریم میں بھی کیا گیا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوٰلَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ"الخ یعنی جولوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں ہر بالی سے سو دانے اور اللہ جسے چاہے اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائے گا اس قسم کی احادیث اور آیتوں کو مبالغہ یا جھوٹ سمجھنا بے دینی ہے،رب تعالٰی کی دین ہمارے خیال سے وراء ہےاسے روکنے والا کون ہے۔

۲؎ یعنی سو غازیوں کو جہاد کرنے کے لیے سو گھوڑے دے جوان پر سوار ہوکر جہاد کریں۔خیال رہے کہ جہاد وغیرہ کا اصلی مقصد ذکراللہ کی اشاعت ہے،مؤمن ملک گیری کے لیے نہیں لڑتا بلکہ ذکر سے رکاوٹیں دور کرنے کے لیے لڑتا ہے اور حمد الٰہی یقینًا سو جہادوں سے افضل ہے کہ جہاد مقصود لغیرہٖ اور یہ مقصود لعینہٖ۔

۳؎ کہ دیگر غلاموں سے اولاد اسماعیل علیہ السلام کا آزاد کرنا افضل ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اولاد اسمٰعیل سے مراد اہل عرب ہیں کہ وہ سب ان کی اولاد ہیں،چونکہ عرب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رکھتے ہیں اس لیے ان پر احسان کرنا افضل۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد خصوصًا سادات کرام سے سلوک کرنا بہتر ہے۔

۴؎ یہ حدیث تسبیح قادری کی اصل ہے،سلسلہ قادریہ میں روزانہ صبح شام سبحان اللہ سو بار،الحمدللہ سو بار،لا الہ الا اللہ سو بار،اللہ اکبر سو بار پڑھا جاتا ہے یہ وظیفہ اس حدیث سے لیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سبحان اللہ آدھی میزان ہے اور الحمدللہ اسے بھردے گی۱؎ اور لا الہ الا اللہ کے لیے رب سے کوئی آڑ نہیں سیدھا اس تک پہنچتا ہے ۲؎(ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد قوی نہیں۳؎

۱؎ یعنی میزان کی نیکی کا پلہ آدھا سبحان اللہ سے بھردے گا اور آدھا الحمدللہ سے،یہ دونوں کلمے ملکر اسے پورا بھردیں گے کیونکہ اللہ کے ذکر دو قسم کے ہیں:تنزیہہ اور تحمید سبحان اللہ میں تنزیہہ ہے یعنی رب تعالٰی کو سارے عیوب سے پاک جاننا اور الحمدللہ میں تحمید یعنی اسے تمام کمالات سے موصوف ماننا۔میزان تو ان دوکلموں سے ہی بھرگئی،باقی نیکیاں زیادہ بچیں جن کا ثواب علاوہ ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ ان دو کلموں نے سارے گناہوں کو تو ختم کردیا کہ سب گناہوں کے مقابلہ میں تو یہ دو کلمے ہی کافی ہوگئے باقی نیکیاں نفع میں بچیں۔

۲؎ اس میں اشارۃً فرمایا کہ لاالہ الااللہ ان دو کلموں سے بھی افضل ہے،کیوں نہ ہو کہ یہ ساری تنزیہہ و تحمید کو شامل ہے۔مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ بہت جلد قبول ہوتا ہے،براہ راست رب تعالٰی تک پہنچتا ہے جس قدر ہمارا اخلاص زیادہ اسی قدر کلمے کی قبولیت اعلٰی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کلمہ تو منافقین بھی پڑھتے تھے تو کیا وہ مقبول بارگاہ تھے۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد واقعی ضعیف ہے مگر چونکہ اس میں حرام و حلال کے احکام مذکور نہیں صرف کلمہ طیبہ کے فضائل کا بیان ہےاس لیے مقبول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کبھی خلوص دل سے لاالہ الااللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتی کہ وہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک کہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ گناہ کبیرہ سے بچنے کی شرط کمال ثواب اور کمال قبولیت کے لیے ہے یعنی متقی مسلمان کا کلمہ اعلٰی درجہ کا مقبول ہوتا ہےاور فاسق و فاجر کا کلمہ قبول تو ہوتا ہے لیکن اس درجہ کا نہیں،تمام ذکر مثل کارتوس ہیں اور ذاکر کی زبان مثل رائفل کے کہ شکار واقعی کارتوس کرتا ہے مگر رائفل کی طاقت سے،قلب کا اخلاص گویا بارود ہے کہ شکار گولی سے ہوگا مگر بارود کی امداد سے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گناہ نیکی کو نہیں مٹاتا بلکہ نیکی گناہوں کو مٹا دیتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔متقی کی نیکی فساق کی نیکی سے افضل ہے بلکہ جیسا عامل کا درجہ ویسا ہی اس کے عمل کا ثواب،صحابہ کا ساڑھے چار سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل،کیوں ؟ اس لیے کہ وہ عامل افضل ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبِ معراج میں ہماری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۱؎انہوں نے فرمایا یارسول اللہ اپنی امت کو میرا سلام فرمادیں ۲؎اور انہیں

بتادیں کہ جنت کی زمین بہت زرخیز ہے وہاں کا پانی بہت شیریں جنت میں سفید زمین بہت ہے وہاں کے درخت یہ کلمات ہیں اللہ پاک ہے اسی کی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے ۳؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایایہ حدیث اسناد سے حسن و غریب ہے۔	

۱؎ خصوصی ملاقات چھٹے آسمان پر وہاں ہی گفتگو ہوئی،عمومی ملاقات تو سارے انبیاء سے بیت المقدس میں ہوچکی تھی مگر وہاں یہ گفتگو نہ ہوئی وہاں کی گفتگو کچھ اور تھی جو ان شاءاللہ حدیث معراج کی شرح میں عرض کی جائے گی۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ کے مقبول بندے بعد وفات ایک دوسرے سے بھی ملتے ہیں،اور زندہ مقبول بندوں سے بھی۔دوسرے یہ کہ وہ حضرات زندوں کا سلام سنتے بھی ہیں اور انہیں سلام کہلواتے بھی ہیں۔تیسرے یہ کہ وفات یافتہ بندوں کو اور جو ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں ان کو بھی سلام کہلوانا جائز ہے جب کہ ان کو پہنچ سکے،ابراہیم علیہ السلام نے قیامت تک کے مسلمانوں کو سلام کہلوایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم لوگوں تک پہنچ گیا،سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ خرقان پہنچے تو لوگوں کو خبر دی کہ اس سرزمین میں سو برس کے بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوں گے جو انہیں پائے میرا سلام پہنچائے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

آں شنیدی داستان بایزید کہ از حال ابوالحسن از پیش دید

آخر میں مولانا فرماتے ہیں۔شعر

بلکہ قبل از زادن تو سالہا مرمر تراد اند بجملہ حالہا

صحابہ کرام قریب الوفات صحابہ سے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا سلام عرض کرنا۔چوتھے یہ کہ ہم کو بھی چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی سلام کیا کریں کہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔

۳؎ یعنی جنت کی بعض زمین درختوں سے بھری ہوئی ہے اور وہ درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اسی حصہ میں آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو رکھا گیا تھا اور بعض زمین سفیدہ ہے جس میں تمہارے وظیفوں و اعمال سے درخت لگیں گے،جب تم یہاں آؤ گے تو دونوں قسم کے باغ پاؤ گے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر وہاں کی زمین سفیدہ ہے تو اسے جنت کیوں کہتے ہیں،جنت کے معنی تو ہیں باغ اور نہ یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں باغ اور پھل سب کچھ ملاحظہ فرمائے۔

روایت ہے حضرت یسیرہ سے آپ مہاجر بیویوں میں سے ہیں ۱؎ فرماتی ہیں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے بیبیو تسبیح وتہلیل اور رب کی پاکی بولنے کو لازم کرلو ۲؎ انگلیوں پر گنا کرو ۳؎ (عقدانامل) کہ انگلیوں سے سوال ہوگا انہیں گویائی بخشی جائے گی ۴؎ اور	

کبھی غافل نہ ہونا ورنہ تم رحمت سے بھلادی جاؤ گی ۵؎ (ترمذی و ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام یسیرہ بنت یاسر ہے،مشہور صحابیہ ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ کسی حال میں سبّوح قدّوس ربنا ورب الملئکة والروح یا سبحان الملك القدوس یا دیگر تسبیحیں اسی قسم کی کبھی نہ چھوڑو،اپنا منہ ان ذکروں سے تر رکھو۔

۳؎ اس طرح کہ ان کا شمار انگلیوں کے پوروں پر کیا کرو یا عقد انامل کے ذریعہ پوری انگلیوں پر کیا کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیبیاں عقد انامل جانتی ہوں گی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عقد انامل کا حکم تو دیا مگر اس کا طریقہ نہ بتایا۔

۴؎ اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے"یَوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَیۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ"الخ اور اس آیت سے ہے"وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ یَّشۡهَدَ عَلَیۡکُمۡ سَمۡعُکُمۡ وَلَاۤ اَبۡصٰرُکُمۡ وَ لَا جُلُوۡدُکُمۡ"۔اس سے معلوم ہوا کہ بمقابلہ دانوں پر شمار کرنے کے انگلیوں پر شمار کرنا افضل ہے اور یہ کہ اعضا کو اچھے کاموں میں لگانا چاہیے ورنہ یہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔

۵؎ یعنی اگر تم خدا کو بھول گئیں تو رب تعالٰی تمہیں اپنی رحمت سے دور کردے گا،اگر اس کی رحمت چاہتی ہو تو اسے یاد رکھو رب تعالٰی بھول چوک سے پاک ہے اس لیے بھلائی جاؤ گی کہ وہ ہی معنی ہیں جو عرض کئے گئے یعنی رحمت سے دوری،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ"تم مجھے یادکرو میرے ذکر سے میں تمہیں یاکروں گا اپنی رحمت سے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

گر تو خواہی زیستن با آبرو ذکرِ اُوکُن ذکرِ اوکن ذکرِ اُو

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوئے بولے مجھے کوئی وظیفہ سکھایئے جو میں پڑھ لیا کروں ۱؎ فرمایا کہو اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں،اللہ بہت ہی بڑا ہے،اللہ کی بہت حمد ہے،اللہ پاک ہے،جہانوں کا پالنے والا،اللہ غالب حکمت والے کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت وہ	

بولے یہ تو رب کے لیے ہوئے میرے لیے کیا ہے ۲ فرمایا یوں کہو الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما،مجھے ہدایت دے،مجھے روزی دے۳ مجھے امن نصیب کر۴ راوی کو عَافِنِی میں کچھ شک ہے ۵(مسلم)	

۱ بطور وظیفہ نمازوں کے بعد یا ویسے ہی اوقات مقررہ میں۔معلوم ہوا کہ مشائخ سے وظیفے پوچھنااور ان کی اجازت حاصل کرنا سنت ہے کہ اجازت سے خاص تاثیر پیدا ہوجاتی ہے ثواب حاصل کرنے کے لیے کسی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ علاوہ نماز و تلاوت قرآن کے اور ورد و ظیفے بھی کرنے چاہئیں۔نماز و تلاوت تو روحانی غذائیں ہیں اور یہ وظیفے روحانی میوے،غذا اور میوے دونوں ہی فائدہ مند ہیں۔

۲ سبحان اللہ! کیسے مزے کا سوال ہے یعنی یا حبیب اللہ ان الفاظ میں رب تعالٰی کی حمد تو ہوگئی کچھ دعائیہ کلمے نہ آئے میں اس کی حمد بھی کرنی چاہتا ہوں اور اس سے بھیک مانگنی بھی۔

۳ یعنی میرے گناہ بخش دے،مغفرت فرما،مجھ پر رحم کر کہ مجھے اطاعتوں کی توفیق دے،اچھی زندگی گزارنے کی توفیق دے،ہدایت دے،مجھے حلال روزی عطا فرما۔

۴ یعنی مجھے ایسی مصیبت میں گرفتار نہ کر جس کا انجام میرے لیے برا ہو۔(مرقات) عافیت کے یہ معنی نہایت نفیس ہیں اصل عافیت معصیت سے امن ہے۔

۵ غالبًا راوی سے مراد صحابی ہوں یعنی اسناد کے آخری راوی۔ہوسکتا ہے کہ کوئی اور راوی مراد ہوں ان میں یہ شک ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عَافِنِیْ فرمایا یا نہیں،بہتر یہ ہے کہ عَافِنِیْ بھی پڑھا جائے ممکن ہے کہ یہ بھی دعا کا جز ہو عافیت میں دین و دنیا کی ساری امتیں داخل ہیں،یوسف علیہ السلام نے معصیت کے مقابل مصیبت اختیار فرمائی کہ عرض کیا"رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ"کیونکہ معصیت کے مقابلے میں مصیبت عافیت ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک پتوں والے درخت سے گزرے تو اس میں اپنی لاٹھی شریف ماری پتے جھڑ گئے ۱ فرمایا الحمدللہ،سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر بندے کے گناہ یوں جھاڑ دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑگئے ۲(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱ ظاہر ہے کہ وہ درخت جنگلی تھا جس کا کوئی مالک نہیں،اس کے پھل پھول پتے ہر شخص لے سکتا ہے اور ممکن ہے کسی کے گھر یا باغ کا درخت ہو،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جان و مال کے مالک ہیں اس لیے حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اجازت درخت کے پتے جھاڑ دیئے ورنہ کسی کے مملوک درخت پر پتھر پھینکنا،لاٹھی سے اس کے پتے جھاڑنا ہمارے واسطے ممنوع ہے کہ یہ دوسرے کی ملک میں تصرف ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تشبیہ ہے یعنی گناہوں میں گرفتار انسان سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہے اور اس کے گناہ مثل پتوں کے اور یہ کلمات گویا عصائے محبوبی ہیں،جس سے وہ گناہ جھڑتے رہتے ہیں۔اس میں صوفیانہ اشارہ اس جانب بھی ہے کہ یہ کلمات گناہوں سے اس وقت پاک کریں گے جب یہ کسی کامل کے ذریعہ کئے جائیں گے کیونکہ اگرچہ درخت میں لگی لاٹھی ہی تھی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے۔

روایت ہے حضرت مکحول سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ زیادہ پڑھا کرو کہ یہ جنت کے خزانے سے ہے ۲؎ مکحول فرماتے ہیں جو کوئی پڑھا کرے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور لا منجا من اللہ الا الیہ تو اللہ تعالٰی اس سے ستر مصیبتوں کے در بند کردے گا جن میں سے ادنیٰ مصیبت فقیری ہے ۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں مکحول نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں ۴؎	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں، حبشی النسل ہیں،شام کے مفتی ہیں،امام زہری فرماتے ہیں کہ چار علماء بڑے کامل ہیں:مدینہ منورہ میں ابن مسیب اور کوفہ میں امام شعبی،بصرہ میں خواجہ حسن بصری،شام میں مکحول۔

۲؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی یعنی یہ جنت کی نفیس نعمتوں میں سے ہے جو اس دن کام آئیں گی جب مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں کہ محفوظ خزانے خاص ضرورت کے وقت ہی کھولے جاتے ہیں۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں فقیری سے مراد دل اور مال دونوں کی فقیری ہے یعنی اس کا عامل مال کا بھی غنی ہوگا اور دل کا بھی کیونکہ جو اپنے کو رب کے سپرد کردے وہ یقینًا غیر سے مستغنی ہوتاہے اس شخص پر اگر کبھی مال کی غریبی آبھی گئی تو وہ دل کا فقیر نہ بنے گا۔

۴؎ کیونکہ جناب مکحول نے حضرت انس ابن مالک واثلہ ابن اسقع اور ہندوزان صحابہ سے ملاقات کی ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مکحول جیسے جلیل القدر تابعی کا ایک راوی کا چھوڑ دینا کوئی مضر نہیں،جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے جس میں ایک راوی کا ذکر بھی نہیں ہوتاتو حضرت مکحول کاایک راوی چھوڑ دینا کیوں مضر ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ننانوے بیماریوں کی دعا ہے ۱؎ جن میں ادنی بیماری غم ہے	

	۲

۱؎ بیماریوں سے مراد جسمانی،روحانی،دنیاوی،اخروی بیماریاں ہیں کہ لاحول شریف ان سب کا مکمل علاج ہے۔

۲؎ غم دنیاوی ہو یا دینی و اخروی لاحول شریف کی برکت سے ہر طرح کا غم دور ہوتا ہے،معاش و معاد کی فکر سے بندہ آزاد ہوتا ہےاور ظاہر ہے کہ غم سے آزادی حق تعالٰی کی بڑی نعمت ہے کہ حق تعالٰی نے یونس علیہ السلام پر بڑا کرم یہ فرمایا کہ مچھلی کے شکم سے انہیں غم سے نجات دی،فرماتاہے:"فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ"۔خیال رہے کہ غم آخرت رحمت بھی اور عذاب بھی۔یہاں غم سے مراد دوسری قسم کا غم ہے،شیطان کو بھی رب سے خوف ہے وہ کہتاہے"اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ"اور مؤمن کو بھی مگر شیطان کا خوف عذاب ہے جیسے مجرم کو حاکم سے ڈر لگتا ہےاور مؤمن کا یہ غم رحمت جیسے مطیع غلام کو آقا سے ہیبت ہوتی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں وہ کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے سے آیا۱؎ جنت کے خزانوں سے ہے ۲؎ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ فرمانبردار ہوگیا اور اس نے اپنے کو میرے سپرد کردیا ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں۔

۱؎ یہ ترجمہ بہت بہتر ہے کیونکہ مِنْ تَحْتَ الْعَرْشِ میں لفظ مِنْ ابتدائیہ ہے،روزی کے خزانے آسمان میں ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ"مگر خاص رحمت کا خزانہ عرش اعظم کے نیچے ہے،اسی خزانہ سے سورۂ بقر کی آخری آیات آئیں اور اسی خزانہ سے لاحول شریف آئی۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی کے تمام خزانوں کی خبر ہےتب ہی تو فرماتے ہیں کہ یہ فلاں خزانہ کا موتی ہے۔

۲؎ یعنی لاحول شریف بنی عرش کے نیچے رہی،جنت کے خزانہ میں اس کا خزانہ تکوینی و تخلیقی زیر عرش ہے خزانہ امانت جنت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیل وفرات جنت کی نہریں ہیں۔

۳؎ یعنی جو بندہ لاحول شریف کی کثرت کرے تو رب تعالٰی اس کے متعلق فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس بندے نے اپنے کو بالکل میرے سپرد کردیااب میں اس کی ہر بات کا والی وارث ہوگیا،بلا تشبیہ جیسے بچہ اپنے کو ماں کے حوالے کردیتا ہےتو اس کی ساری فکریں ماں اٹھالیتی ہے اور بچہ ہر فکر سے آزاد ہوجاتا ہے،یہ رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہے کسی کسی کو میسر ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے فرمایا سبحان اللہ ساری مخلوق کی عبادت ہے ۱؎ اور الحمدللہ

	کلمہ شکر ہے ۲؎ اور لا الہ الا اللہ اخلاص کا کلمہ ہے ۳؎ اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھردیتا ہے ۴؎ اور جب بندہ کہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تورب تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہوگیا اور اپنے کو میرے سپرد کردیا۔(رزین)

۱؎ یعنی ہر مخلوق رب تعالٰی کی تسبیح بزبان قال کرتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"دوسری جگہ فرماتاہے:"قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیۡحَہٗ"۔حق یہ ہے کہ ہر چیز کو رب تعالٰی کی معرفت حاصل ہے اور وہ بزبان قال نہ کہ فقط حال سے تسبیح کرتی ہے اولیاءاللہ ان تسبیحوں کو سنتے ہیں،صحابہ کرام کھاتے وقت لقمے کی تسبیح سنتے تھے حتی کہ سبزہ کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں تخفیف ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی شکر کا ستون ہے یا شکر کی چوٹی ہے جس کے بغیر شکر مکمل نہیں ہوتا۔(ازمرقات)

۳؎ لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ ہے،اخلاص سے مراد ہے چھٹکارا اور رہائی یعنی اس کلمہ طیبہ کی برکت سے بندہ دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے رہائی پاتاہے یا اخلاص ریاء کا مقابل ہے،بمعنی خلوص نیت یعنی یہ کلمہ اگر خلوص نیت سے پڑھا جائے تو مفید ہے۔

۴؎ کہ اس کا ثواب اس کی عظمت ان تمام چیزوں کو بھر دیتی ہے یہ ہمیں سمجھانے کے لیے ہے کہ ہماری کوتاہ نظریں ان آسمان زمین تک ہی محدود ہیں،ورنہ رب تعالٰی کی کبریائی کے مقابل آسمان و زمین کی کیا حقیقت ہے یہ ایسےہے جیسے رب تعالٰی نے فرمایا کہ"لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ"حالانکہ اس کی ملکیت آسمان و زمین میں محدود نہیں۔

باب الاستغفار و التوبۃ

بخشش مانگنے اور توبہ کرنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ استغفار کے معنی ہیں گزشتہ گناہوں کی معافی مانگنا اور توبہ کی حقیقت ہے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرلینا یا زبان سے گناہ نہ کرنے کا عہد استغفار ہےاور دل سے عہد توبہ۔استغفار **غفر** سے بنا،بمعنی چھپانا یا چھلکا و پوست،چونکہ استغفار کی برکت سے گناہ ڈھک جاتے ہیں اس لیے اسے استغفار کہتے ہیں۔توبہ کے معنے رجوع کرنا،اگر یہ حق تعالٰی کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ارادۂ عذاب سے رجوع فرمالینااور اگر یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گناہ سے اطاعت کی طرف،غفلت سے ذکر کی طرف،غیبت سے حضور کی طرف لوٹ جانا۔توبہ صحیح یہ ہے کہ بندہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو،آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے اور جس قدر ہوسکے اسی قدر گزشتہ گناہوں کا عوض اور بدلہ کردے۔نمازیں ہوں تو قضا کرے،کسی کا قرض رہ گیا ہے تو ادا کردے۔حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ توبہ کا کمال یہ ہے کہ دل لذتِ گناہ بلکہ گناہ بھول جائے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی قسم میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ رب سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۱(بخاری)

۱ توبہ و استغفار روزے نماز کی طرح عبادت بھی ہےاسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عامل تھے یا یہ عمل ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں گناہ آپ کے قریب بھی نہیں آتا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گناہ کرکے توبہ کرتے ہیں اور وہ حضرات عبادت کرکے توبہ کرتے ہیں۔شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　　　عارفاں از عبادت استغفار

سیدنا علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے لیے دنیا میں دو امانیں ہیں:ایک نے پردہ فرمالیا اور دوسری قیامت تک ہمارے پاس ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور استغفار۔

	روایت ہے حضرت اغرمزنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے دل پر پردہ آتا رہتا ہے حالانکہ میں دن میں سو بار استغفار پڑھتا ہوں ۱(مسلم)

۱؎ یُغَانُ غین سے بنا،بمعنی پردہ اسی لیے سفید بادل کو غین کہا جاتاہے۔اس پردے کے متعلق شارحین نے بہت خامہ فرسائی کی ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد حضور کی دنیا میں مشغولیت ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے سونا مراد ہے،بعض کے خیال میں اس سے مراد اجتہادی خطائیں ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں غین سے مراد اپنی امت کے گناہوں کو دیکھ کر غم فرمانا ہے اور استغفار سے مراد ان گنہگاروں کے لیے استغفار کرنا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت اپنی امت کے سارے حالات پر مطلع ہیں،ان گناہوں کو دیکھتے ہیں، دل کو صدمہ ہوتا ہے اس صدمے کے جوش میں انہیں دعائیں دیتے ہیں۔(لمعات،مرقات،اشعہ وغیرہ)اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے"عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ"اے مسلمانو تمہاری تکلیفیں ان پر گراں ہیں۔شعر

آنچہ تو کردی کسے باخود نہ کرو	روح پاک مصطفیٰ آمد بدرد
بدہنسیں تم ان کی خاطر	رات بھر روؤ کراہو
بدکریں ہر دم برائی	تم کہو ان کا بھلا ہو

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۱؎ دیکھو میں دن میں سو بار توبہ کرتاہوں ۲؎(مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ لوگوں سے مراد مسلمان ہیں،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ"۔اور ہو سکتا ہے کہ سارے انسانوں سے خطاب ہو یعنی اے کافروکفر سے توبہ کرو،اے گنہگاروگناہوں سے باز آجاؤ،اے نیک کارو اپنی نیکی کو کم جانو اور توبہ کرو۔معلوم ہوا کہ ہر شخص توبہ کا حاجت مند ہے۔

۲؎ جو پہلے عرض کیا گیا تھا اس کی تائید اس جملے سے ہوگئی یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعلیم کے لیے توبہ کرتے تھے۔مطلب یہ ہے کہ جب ہم معصوم ہوکر روزانہ سو بار توبہ کرتے ہیں تو تم کو چاہئیے کہ تم ہزاروں بار توبہ کیا کرو۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روایتوں میں جو حضور اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ رب نے فرمایااے میرے بندوں میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام فرمالیا ہے ۱؎اور تمہارے آپس میں بھی ظلم کو حرام فرمادیا۲؎ لہذا ظلم نہ کرو اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو بجز اس کے جسے میں ہدایت دے دوں لہذا مجھ سے ہدایت مانگو ہدایت دوں گا۳؎ اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو بجز اس کے جسے میں روزی دوں لہذا مجھ سے کھانا مانگو تمہیں دوں گااے میرے بندو تم سب ننگے ہو	

	بجز اس کے جسے میں پہناؤں لہٰذا مجھ سے لباس مانگو میں دوں گا۴؎ اے میرے بندو تم دن رات کے خطا کار ہو اور میں سارے گناہ بخشتا رہتا ہوں مجھ سے مغفرت مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۵؎ اے میرے بندو تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچادو اور نہ میرے نفع تک تمہاری رسائی ہے کہ مجھے نفع دو۶؎ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن اپنے کسی بڑے پرہیزگار کے دل پر متفق ہو جائیں۷؎ تو تمہارا یہ متفقہ تقویٰ میرے ملک میں کچھ بڑھائے گا نہیں ۸؎ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن اپنے میں سے کسی بڑے بدکار کے دل پر متفق ہوجائیں تو تمہاری یہ متفقہ بدکاری میرے ملک میں کچھ کمی نہ کر دے گی۹؎ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن ایک میدان میں کھڑے ہوکر مجھ سے بھیک مانگیں پھر میں ہر انسان کا سوال پورا کردوں تو یہ میرے خزانوں کے مقابلہ ایسا حقیر ہوگا جیسے سوئی کی تری جب وہ دریا میں ڈبوئی جائے۱۰؎ اے میرے بندو میں تمہارے اعمال شمار میں رکھ رہا ہوں پھر ان کا بدلہ تمہیں پورا پورا دوں گا۱۱؎ جو نیکی پائے تو وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے کو ہی ملامت کرے۱۲؎ (مسلم)

۱؎ یہاں حرمت سے مراد شرعی حرمت نہیں کیونکہ حق تعالٰی پر نہ کوئی حاکم ہے اور نہ اس پر شرعی احکام جاری ہیں بلکہ اس سے مراد ہے برتر ہونا، منزہ ہونا، پاک ہونا رب۔تعالٰی کے لیے کوئی شے ظلم ہوسکتی ہی نہیں کیونکہ ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملک میں زیادتی کرنا یا کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا ان دونوں سے پروردگار پاک ہے کیونکہ ہر چیز اس کی ملک ہے اور جس کے استعمال کے لیے جو جگہ مقرر فرمادے وہی اس کا صحیح مصرف ہے اس کے افعال یا عدل ہیں یا فضل۔اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ظلم سے منزہ اور پاک ہوں،میرا کوئی کام ظلم نہیں ہوسکتا۔بعض نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد بے قصور کو سزا دینا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم!

۲؎ لہٰذا تم کسی پر جانی،مالی یا آبروریزی کا ظلم نہ کرو یہ تمام جرموں سے بڑا جرم ہے کہ یہ حق العباد ہے توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

۳؎اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پیدائش تاریکی میں ہوئی پھر ہم پر نور کا چھینٹا دیا گیا اگر ہم کو ہمارے نفسوں پر چھوڑ دیا جائے تو ہم عقیدۃً عملاً بدی ہی کریں گے،اگر وہ اپنا فضل کرے تو ہم نیکی کریں،ہم ببول کا درخت ہیں، ہمارے پاس سواء گناہوں کے کانٹوں کے اور کیا ہے،ہماری صفت ہے"اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا"لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ بچہ فطرت یعنی توحید پر پیدا ہوتا ہے کہ وہاں دنیا میں آنے کا ذکر ہے اور یہاں ہماری اصل پیدائش کا۔خیال رہے کہ حضرات انبیاءواولیاء بھی رب تعالٰی ہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہیں مگر وہ ہمارے لیے ہدایت کا مرکز ہیں کہ ہم ان سے ہی ہدایت لے سکتے ہیں جیسے سورج کو نور رب تعالٰی نے دیا ہے مگر چاند تارے اور زمین اس سے ہی نور لیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"۔

۴؎یعنی تم روحانی و جسمانی غذاؤں میں میرے محتاج ہو اسی طرح قلب قالب،روح کے لباس میں میرے حاجت مند ہو،غذا کا ہر حیوان حاجت مند ہے اور لباس کا صرف انسان۔خیال رہے کہ تمام انبیاء اولیاء اور بادشاہ رب تعالٰی کے حاجت مند ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ"مگر اس کے محبوب بندے مخلوق کے حاجت روا ہیں باذن پروردگار،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔بادل بھی رب کا محتاج اور زمین بھی مگر بادل زمین کا محتاج الیہ ہے کہ ہر وقت زمین کو بادل کی ضرورت ہے۔

۵؎خطا کے معنی ہیں غلط راستہ پر چلنا بھول کر ہو یا جان بوجھ کر لہٰذا اس میں خطائیں،بھول چوک،عمداً گناہ سب داخل ہیں۔علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن عام بندوں سے ہے معصومین حضرات جیسے فرشتے،انبیاء اس حکم سے خارج ہیں کہ اگرچہ بعض انبیاء سے خطائیں سرزد ہوئیں مگر عمر بھر میں ایک دو نہ کہ دن رات اور ہر وقت،نیز ان کی وہ خطائیں بھی ان کی شان کے لائق ہیں ہماری عبادتوں سے افضل ہیں، سارے عالم کا ظہور حضرت آدم کی ایک خطا کی برکت سے ہے لہٰذا اس عصمت انبیاء پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۶؎اس کی شرح اگلے جملے سے ہورہی ہے کہ تمہاری عبادتوں سے میرا نفع نہیں اور تمہارے گناہوں سے میرا نقصان نہیں بلکہ ان میں نفع نقصان خود تمہارا ہے۔

۷؎یعنی دنیا کے کسی بڑے پرہیز گار کو لے لو پھر سوچو کہ اگر تمام جہان کا دل اس پرہیزگار کا سا ہوجائے اور ساری دنیا اس نیک و صالح کی طرح نیکیاں ہمیشہ کیا کرے۔اس ترجمہ سے یہ جملہ بالکل واضح ہوگیا اس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

۸؎لہٰذا کوئی شخص یہ سمجھ کر عبادت نہ کرے کہ میری عبادت سے رب تعالٰی کے خزانے بڑھ جائیں گے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے اپنے آستانہ پر بلالیا۔

۹؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو پہلے جملہ میں عرض کیا گیا کہ دنیا کے بادشاہوں کا رعایا کے بگڑ جانے سے نقصان ہوتا ہے،آمدنی میں کمی ہو جاتی ہے،خزانہ خالی رہ جاتا ہے مگر رب تعالٰی وہ بے نیاز ہے کہ ساری خلق کی بدکاری سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔خیال رہے کہ یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر رب تعالٰی کے اولاد ہوتی تو پہلے میں ہی اسے پوجتا نہ رب تعالٰی کے اولاد ممکن ہے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے پوجنا ممکن،ایسے ہی تمام بندوں کا

گنہگار ہوجانا غیر ممکن ہے فرشتے،انبیاء معصومین اور اولیاء محفوظین بفضلہٖ تعالٰی گناہ کرتے ہی نہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ"۔غرضکہ اس جملے سے عصمت انبیاء کے خلاف دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

۱۰؎ اس جملے کا یہی ترجمہ درست ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میری یہ عطا میرے خزانوں کی سوئی کی تری کی بقدر کم کردیں گے وہاں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،سورج ہزار ہا سال سے دنیا کو روشنی دے رہا ہے مگر اس کی روشنی میں مطلقًا کمی نہ ہوئی،جب رب تعالٰی کی تجلّیوں کا یہ حال ہے تو اس کے خزانو ں کا کیا حال ہوگا اور یہ نسبت بھی فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ رب تعالٰی کے خزانے غیر محدود ہیں اور اسکی عطائیں محدود کیونکہ لینے والے محدود اور محدود کی غیر محدود سے نسبت کیسی۔

۱۱؎ اس طرح کہ نیک کار کی جزاء میں کمی نہ کروں گا اور بدکار کی سزا میں زیادتی نہ کروں گا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیک کار کو زیادہ نہ دوں اور گنہگار کو معاف نہ کروں۔یہاں عدل کا ذکر ہے عدل فضل کے خلاف نہیں لہذا حدیث واضح ہے نہ آیات قرآنی کے خلاف ہے اور نہ دیگر احادیث کے مخالف۔

۱۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ بندہ نیکیوں کو رب تعالٰی کی توفیق سے سمجھے اور گناہوں کو اپنی شامت نفس سے جانے بلکہ ہر نقص کو اپنی طرف منسوب کرے اور کمال کو رب تعالٰی کی طرف،ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:"وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَھُوَ یَشۡفِیۡنِ"بیمار میں ہوتا ہوں شفاء وہ دیتا ہے ورنہ ہر خیروشر کا خالق و مالک رب تعالٰی ہی ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں"وَالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللہِ تَعَالٰی"۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمی مار ڈالے تھے۱؎ پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک پادری کے پاس پہنچا۲؎ اس سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ ہوسکتی ہے وہ بولا نہیں۳؎ اس نے اسے بھی مار دیا۴؎ اور مسئلہ پوچھتا پھرا اسے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں جا۵؎ اسی حال میں اسے موت آگئی تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کردیا۶؎ اس کے متعلق رحمت و عذاب کے فرشتوں نے جھگڑا کیا۷؎ رب نے اس بستی کی طرف حکم بھیجا کہ قریب آجا اور اس بستی کی طرف کہ دور ہوجا پھر فرمایا ان دونوں بستیوں کے درمیان ناپو پھر وہ اس بستی کی طرف ایک بالشت قریب پایا گیا چنانچہ اس کی مغفرت کردی گئی	

	۸؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ظلمًا ڈکیتی سے یا کسی اور طرح۔
۲؎یعنی جب اس کی موت قریب آئی تو رحمت خداوندی نے دستگیری کی،اپنے کئے پر پشیمان ہوااور اس گناہوں کے شہر سے نکل کھڑا ہوا،مسئلہ پوچھنے عالم وقت کے پاس گیا،راھب رھبٌ سے بنا بمعنی خوف۔اصطلاح میں راہب وہ پادری جوگی کہلاتے تھےجو خوف خدا میں تارک الدنیا ہوجاتے تھے،گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ ہی کرتے تھے،ان میں سے اکثر عالم بھی ہوتے تھے،یہودونصاریٰ کے ہاں ترک دنیا بہترین عبادت تھی ہمارے اسلام میں ممنوع ہے۔
۳؎یا تو وہ راہب توبہ کے مسئلے سے جاہل تھااور یا اس کا مطلب یہ تھا کہ قتل حق العباد ہے،مقتول کے ورثاء سے اس میں معافی مانگنا ضروری ہے،اتنے بہت سے مقتولوں کے وارثوں کے پاس یہ کیسے پہنچے گا اور انہیں کیسے راضی کرے گا بہرحال اس راہب نے مسئلہ غلط بتایا۔
۴؎بخشش سے مایوسی کی وجہ سے وہ گناہ پر دلیر ہوگیا،مایوس بلی کتے پر حملہ کردیتی ہے اسی لیے اسلام نے بڑے سے بڑے مجرم کو بھی بخشش سے مایوس نہ کیا،پھانسی والے ملزم کو تمام قیدیوں سے الگ کال کوٹھڑی میں رکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اور دوچار کو قتل نہ کردے،آریوں کے ہاں توبہ کوئی چیز نہیں ان کے مذہب نے گناہ پر دلیر کیا ہے۔
۵؎پہلا کذا نام بتانے کے لیے ہے اور دوسرا کذا بیان اوصاف کے لیے یعنی فلاں نام کی بستی جو فلاں طرف ہے جس میں اللہ کے بہت نیک بندے رہتے ہیں تو وہاں جا اور فلاں سے مسئلہ پوچھ۔
۶؎یعنی اس طرح گر کر مرا کہ اس کا چہرہ اور سینہ تو اس عالِم کی بستی کی طرف تھا جہاں جارہا تھا اور پیٹھ اس گناہوں کی بستی کی طرف جہاں سے آرہا تھااللہ تعالٰی کو اس کی یہ ادا پسند آگئی۔اس سےمعلوم ہوا کہ مسئلہ پوچھنے کے لیے عالموں کے پاس جانا عبادت ہے،نیز عالم کے شہر کی تعظیم اور اس طرف منہ کرکے سونا یا مرنا بھی رب تعالٰی کو پسند ہے۔سنت یہ ہے کہ مؤمن کعبہ کو منہ اور سینہ کرکے سوئے،میت کو کعبہ کے رخ دفن کرو،بعض عشاق مدینہ منورہ یا بغداد شریف کی طرف منہ کرکے دعائیں مانگتے ہیں،نماز غوثیہ میں بعد نماز گیارہ قدم بغداد شریف کی طرف منہ کرکے چلتے ہیں اور ادھر ہی منہ کرکے دعا مانگتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث ہے،دیکھواس شہر میں کعبہ یا بیت المقدس نہ تھا صرف ایک عالم کی بستی تھی جس کے ادب کی برکت سے بخشا گیا۔رب تعالٰی نے توبہ کرنے والے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا"ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ"اس نبیوں کے شہر میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں ہم سے معافی مانگو۔
۷؎یعنی یہ شخص بالکل بیچ میں تھا کہ اسے موت آگئی،اس کی روح کو لینے کے لیے رحمت کے فرشتے بھی آگئے اور عذاب کے بھی،عذاب والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے بڑے گناہ کرکے آیا تھا،رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے توبہ کرنے جارہا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کے لیے رب تعالٰی کی طرف سے قانون مقرر کردیا گیاہے،کس قسم کی میت کو عذاب کے فرشتے لیں اور کس کو رحمت کے وہ اسی قانون کے تحت ہر میت تک پہنچ جاتے ہیں لہذا اس

حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو خدا کے حکم سے آتے ہیں یہاں رب تعالٰی نے دونوں قسم کے فرشتے بھیجے ہی کیوں لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ"کیونکہ وہاں امر سے مراد کلی امر ہے جیسے رب تعالٰی نے ہم کو نمازوں وغیرہ کا کلی امر دے رکھا ہے۔

۸؎ یعنی اس کی موت بالکل درمیان میں واقع ہوئی تھی،رب تعالٰی نے ارادۂ توبہ کی وجہ سے اس کا اتنا احترام فرمایا کہ اس کی لاش کو اس بستی کی طرف نہ سرکایا بلکہ دونوں بستیوں کو حرکت دی کہ اس کو پیچھے ہٹایا اس کو آگے بڑھایا۔خیال رہے کہ رب تعالٰی جب بندے سے راضی ہوجائے تو اپنے حقوق تو خود معاف کردیتا ہے اور بندوں کے حقوق حق والوں سے معاف کرادیتا ہے۔اس موقعہ پر بھی رب تعالٰی نے مقتولوں کو کچھ دے کر معاف کرادیا لہٰذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ ظلمًا قتل حق العباد تھے بغیر بندوں کے معاف کئے اس کی بخشش کیسے ہوگئی اور نہ یہ کہ دو بستیوں کو کیوں ہٹایا لاش کو ہی کیوں نہ سرکادیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے اور ایسی قوم لائے جو گناہ کریں پھر معافی مانگیں تو اللہ انہیں بخشے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو گناہ پر دلیر کرنا نہیں بلکہ توبہ کی طرف مائل کرنا ہے یعنی اے انسانو! اگر تم بھی فرشتوں کی طرح سارے ہی معصوم بے گناہ ہوتے تو کوئی قوم ایسی پیدا کی جاتی جو غلطی و خطاء سے گناہ کرلیا کرتی پھر توبہ کرتی اسے رب تعالٰی معاف کرتا کیونکہ خلقت رب تعالٰی کی صفات کا مظہر ہے اور جیسے رب کی صفت رزاق ہے ایسے ہی اس کی صفت غفار بھی ہے۔رزاقیت کا ظہور رزق و مرزوق سے ہوتا ہے غفاریت کی جلوہ گری گناہ اور گنہگار سے ہوتی ہے۔جو یہ حدیث دیکھ کر گناہ پر دلیر ہو اور پھر گناہ کرے تو کافر ہوا اور یہاں ذکر گناہ کا ہے نہ کہ کفر کا۔خلاصہ یہ ہے کہ اے گنہگار رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو بلکہ توبہ کر لے وہ غفور رحیم ہے تجھ سے گناہ کا صدور تقاضائے حکمت الٰہی ہے تم سے کوئی گناہ نہ ہو یہ ناممکن ہے۔یہاں سے جانے سے مراد ہلاک کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں آسمانوں پر پہنچادینا،فرشتوں کے ساتھ رکھنا اور زمین پر دوسری قوم قابلِ گناہ کو بسانا مراد ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اپنا دستِ کرم رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے ۱؎ یہ کرم نوازی اس وقت تک ہوگی جب کہ سورج پچھم سے نکلے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ ہاتھ پھیلانے سے مراد عفووکرم کا وسیع کردیناپھیلا دینا ہے۔مقصد یہ ہے کہ رب کا کرم بہت وسیع ہے،گنہگار کو ہر وقت کرم میں لینے کو تیار ہے کوئی آنے والا ہو۔

۲؎اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجاے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمٰنُهَا" الخ۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس وقت سے ان لوگوں کی توبہ قبول نہ ہوگی جو سورج کو پچھم سے نکلتے دیکھیں لیکن جو لوگ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوں ان کی توبۂ کفر بھی قبول ہوگی اور توبۂ گناہ بھی کہ انہوں نے علامات قیامت دیکھی ہی نہیں۔حضرت استاذومرشد صدرالافاضل مراد آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس وقت کے بعد انسان کی پیدائش ہی بند ہوجائے گی۔غرضکہ آیت وحدیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہلے گناہ کرتے رہے توبہ نہ کی،یہ علامت دیکھ کر توبہ کرنے لگےان کی توبہ قبول نہیں کہ غیب کھل جانے کے بعد توبہ کیسی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب اقرار گناہ کرلیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبول توبہ کی دو شرطیں ہیں:ایک اپنے گناہ کا اقرار۔دوسرے توبہ یعنی آئندہ نہ کرنے کا عہد اور کئے ہوئے گناہ کے بدلہ کی کوشش۔اعتراف اور توبہ میں یہ فرق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سورج کے مغرب کے نکلنے سے پہلے توبہ کرے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول کرے گا ۱؎(مسلم)	

۱؎ شاید یہاں توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی آفتاب کے پچھم سے نکلنے پر سارے کفار ایمان قبول کرلیں گے مگر اس وقت کا ایمان قبول نہ ہوگا کیونکہ ایمان بالغیب نہ رہا،گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہوگی جیسے غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ قبول نہیں گناہوں سے توبہ قبول ہے،بعض کے ہاں حدیث اپنے اطلاق پر ہے کہ اس وقت نہ کفر سے توبہ قبول ہے نہ گناہوں سے،وہ فرماتے ہیں کہ اس وقت کا ایمان قبول نہ ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہےاور توبہ قبول نہ ہونا حدیث سے ثابت،دونوں برحق ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم!(لمعات و مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے ۱؎جس کی سواری چٹیر زمین میں ہو وہ سواری بھاگ جائے اس پر اس کا کھانا پانی ہو یہ اس سواری سے	

	مایوس ہوکر کسی درخت تک پہنچے اپنی سواری سے مایوس ہوکر درخت کے سایہ میں لیٹ رہے وہ اس حال میں ہو کہ ناگاہ اس کی سواری اس کے پاس آکھڑی ہو وہ اس کی مہار پکڑے ۲؎ پھر انتہائی خوشی میں یوں کہہ بیٹھے الٰہی تو میرا بندہ اور میں تیرا رب بہت خوشی سے بندہ خطا کر گیا ۳؎(مسلم)

۱؎ ایسے مقامات پر خوشی سے مراد رضاء ہوتی ہے کیونکہ اصطلاحی فرحت و خوشی سے رب تعالٰی پاک ہے۔خیال رہے کہ رضاء اور ہے امر اور مگر ارادہ کچھ اور اللہ تعالٰی ہر بندے کے ایمان و شکر سے راضی ہے۔فرماتا ہے:"اِنۡ تَشۡكُرُوۡا یَرۡضَهُ لَكُمۡ"اور ہر شخص کو اس نے ایمان کا حکم بھی دیا ہے کہ فرمایا:"اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ"لیکن ہر شخص کے ایمان کا ارادہ نہیں کیا ورنہ دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا،بعض کے کفر کا ارادہ کیا ہے اور بعض کے ایمان کا۔ان ارادوں میں صدہا حکمتیں ہیں جو علم کلام میں مذکور ہیں،دیکھو ذبح اسمٰعیل(علیہ الصلوۃ والسلام)کا حکم تھا ارادہ نہ تھا۔یہاں اس کی رضاء کا ذکر ہے نہ کہ ارادے کا۔

۲؎ یعنی جیسے اس شخص کو یاس کے بعد آس سے انتہائی خوشی ہوتی ہے جو بیان میں نہیں آسکتی کیونکہ اس بندے کو یاس بھی(ناامیدی)جان سے ہوچکی تھی ایسے ہی رب تعالٰی کی یہ رضا ہم بیان نہیں کرسکتے،یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے نہ کہ ہر حال کو ہر حال سے لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رب تعالٰی مایوس بھی ہوا ہو اور بعد میں اسکی آس بندھی ہو۔مقصد یہ ہے کہ رب تعالٰی ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے جتنی خوشی ہم کو اپنی جان بچنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ تعالٰی کو بندے کے ایمان بچنے سے ہوتی ہے۔

۳؎ یہ کلام بھی انتہائی خوشی بیان فرمانے کے لیے ہے نہ کہ تشبیہ کے لیے کیونکہ رب تعالٰی غلطیوں اور خطا سے پاک ہے یعنی بندہ کی خوشی سے مت کٹ گئی وہ کہنا چاہتا تھا یارب میں تیرا بندہ تو میرا رب لیکن الٹا کہہ گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ خطاءً منہ سے کفر نکل جانے پر بندہ کافر نہیں ہوتا نہ اس سے اس خطاکار کی بیوی نکاح سے خارج ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حکم کفر نہ فرمایا مگر یہ جب ہے جب کہ بندے کو اس خطا پر اطلاع نہ ہو،اطلاع ہونے پر فورًا توبہ کرے،طلاق کا یہ حکم نہیں لہذا اس حدیث سے وہ حضرات دلیل نہیں پکڑسکتے جو کلمہ یوں پڑھ لیتے ہیں لا الہ الا اللہ اشرفعلی رسول اللہ اور پھر بے اختیار زبان کا بہانہ کردیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرلیتا ہے پھر کہتا ہے مولیٰ میں نے گناہ کرلیا مجھے معافی دے دے ۱؎ رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی

	لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۲ پھر جتنا رب چاہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے کہتا ہے یارب میں نے گناہ کرلیا بخش دے ۳ رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے جتنا رب چاہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے عرض کرتا ہے یارب میں نے گناہ کر لیا مجھے معافی دے تو رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے کرے ۴ (مسلم،بخاری)

۱ یعنی زبان سے بھی کہتا ہے اور عمل سے بھی کہ گزشتہ پرنادم ہوتا ہے اور آئندہ کے لیے بچنے کا عہد کرتا ہےاور بقدر طاقت گزشتہ گناہ کا کفارہ بھی ادا کردیتا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ لوگوں کے مال مار کر فقط کہہ دو معافی ہوگئی۔

۲ یہ کلام فرشتوں سے ہوتا ہے اظہار کرم کے لیے۔مقصد یہ ہے کہ چونکہ بندے نے اپنے کو گنہگار اور مجھے غفار سمجھا میرے دروازے پر معافی مانگتا ہوا آیامیں نے اسے معاف کردیا۔

۳ یعنی توبہ کے وقت تو اس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ کبھی گناہ نہ کروں گا پھر کر بیٹھالہذا حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں"وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"گناہ پر اصرار اورہے اور باربار گناہ ہوجانا اور توبہ کرتے رہنا کچھ اور۔

۴ یعنی گناہ کرنے کا عادی اور میں بخشنے کا عادی جب توگناہ سے بازنہیں آتا تو میں اپنے بخشنے کی عادت کیوں چھوڑ دوں تو کرتا جا میں بخشتا جاؤں،یہ فرمان گناہوں کی اجازت دینے کے لیے نہیں بلکہ وسعت مغفرت کے اظہار کے لیے ہے یعنی اس طرح بندہ اگر لاکھوں بار گناہ کرے گا میں بخش دوں گا کہ ہر توبہ کے وقت آئندہ گناہ نہ کرنے کا ہی عہد ہو مگر پھر کر بیٹھے لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔توبہ کے ارادے سے گناہ کرنا کفر ہے کہ چلو گناہ میں حرج ہی کیا ہے کل توبہ کرلیں گے یہ توبہ نہیں بلکہ شریعت کا مذاق اڑانا ہےاور خدائے تعالٰی پر امن،یہ دونوں باتیں کفر ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایسے توبہ کرنے والے کو رب تعالٰی اپنی امن میں لے لیتا ہے کہ پھر اس سے گناہ ہوتے ہی نہیں،پھر فرمایا جاتا ہے کہ جو چاہے کرے جیسے پرندے کا پر کاٹ کر اس سے کہو کہ جا اڑتا پھر۔

	روایت ہے حضرت جندب سے ۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا رب کی قسم اللہ تعالٰی فلاں کو نہ بخشے گا ۲ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا وہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھاتا ہے کہ فلاں کو نہ بخشوں

گا۳؎ میں نے فلاں کو توبخش دیا اور تیرے عمل ضبط کرلیے ۴؎یا جیسے حضور انور نے فرمایا ۵؎(مسلم)	

۱؎ جندب حضرت ابوذرغفاری کا نام بھی ہے جو مشہورصحابی ہیں اور دوسرے صحابہ کا بھی،یہاں غالبًا دوسرے کوئی صحابی مراد ہیں کیونکہ محدثین حضرت ابوذر کو جندب کے نام سے بیان نہیں کیا کرتے اور ہوسکتا ہے کہ ابوذر غفاری ہی مراد ہوں،مرقات نے دوسری توجیہ کو ترجیح دی۔

۲؎ اس لیے نہ بخشے گا کہ اس نے گناہ بہت ہی بڑا کیا یا اس لیے کہ اس نے مجھ پر زیادتی کی ہے اور میں بڑا مقبول خدا ہوں،مجھ پر ظلم کرنالائق بخشش نہیں۔پہلی صورت میں یہ کلام صرف غیبت ہے دوسری صورت میں غیبت بھی ہے اور اپنی شیخی بھی۔

۳؎ یَتَاَلّٰی تَاَلِّیْ سے بنا بمعنی قسم کھانااسی سے ایلاء ہے،یہ دونوں شخص مصر کے باشندے تھےپہلا فاسق تھا اور دوسرا متقی مگر اپنے کو گنہگار جانتا تھا اور یہ عابد اپنے زہدوتقویٰ پر نازاں تھا۔(از اشعہ)اس بارگاہ بے نیاز میں کسی کو نازکرنے کا حق ہی نہیں وہاں نیاز دیکھا جاتا ہے۔شعر

او گنہگاریاں عجز وکھاون قرب حضوری پاون   عملاں والیاں نازوکھاون دور نکالیاں جاون

۴؎ یعنی اس شخص کی شیخی کی وجہ سے میری غیرت کا دریا جوش میں آگیااس فاسق کو میں نے نیک بننے کی توفیق دے دی جس سے اس کے سارے گناہ بخشے گئے اور اس متکبر زاہد کی توفیق سلب کرلی جس سے یہ کافر ہو کر مرااور اس کی تمام نیکیاں ضبط ہوگئیں۔اس شرح کی بناء پر حدیث بالکل واضح ہوگئی نہ آیات قرآنیہ کے خلاف رہی نہ دیگر احادیث کے۔ضبطی عمل کفر سے ہوتی ہے نہ کہ معمولی گناہ سے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں زاہد کے عمل ضبط ہونے سے مراد اس کی اس قسم کا جھوٹا کردینا ہے کہ فاسق کو بخش دیازاہد کی قسم کو جھوٹا کردیا اس صورت میں بھی یہ حدیث مذہب اہلسنت کے خلاف نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی کے انجام کے متعلق اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کرسکتا کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی،اللہ تعالٰی انجام بخیر کرے۔آمین!ہر شخص ڈرتا رہے۔شعر

پانی بھریں پنہاڑیاں رنگ برنگے گھڑے   بھریا اس کا جانیئے جس کا توڑ چڑھے

۵؎ یہ شک راوی کی طرف سے ہے یعنی الفاظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہی تھے یا کچھ اور مگر مضمون یہ ہی تھا۔معلوم ہوا روایت بالمعنی جائز ہے۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کا سردار یہ ہے ۱؎ کہ تم کہو الٰہی تو میرا رب ہے،تیرے سواء کوئی معبود نہیں،تو نے مجھے پیدا کیا،میں تیرا بندہ ہوں۲؎اور بقدر طاقت تیرے عہدوپیمان پر قائم ہوں ۳؎میں اپنے کئے کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۴؎تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقراری ہوں مجھے	

	بخش دے، تیرے سواء گناہ کوئی نہیں بخش سکتا۵ حضور نے فرمایا کہ جو یقین قلبی کے ساتھ دن میں یہ کہہ لے پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا اور جو یقین دل کے ساتھ رات میں یہ کہہ لے پھر صبح سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا۶ (بخاری)

۱؎ عربی میں سید وہ ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں رجوع کریں یعنی استغفار کے الفاظ بہت ہیں مگر یہ استغفار ان تمام کی جامع ہے کیونکہ اس میں گزشتہ پر ندامت آئندہ کے لیے عہد، رب تعالٰی کے انعامات، اپنی احسان فراموشی، بے وفائی سب کچھ ہی ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ استغفار توبہ بلکہ تمام دعاؤں میں اللہ تعالٰی کی حمد، اپنی بے کسی بیان کرنا بہتر ہے پھر جیسی دعا ہو ویسی ہی حمد چاہیے۔ دیکھو یہاں توبہ کرنا ہے تو پہلے اللہ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کا اقرار کیا یعنی تو پالنے والا ہم پلنے والے، پلنے والے قصور کیا ہی کرتے ہیں پالنے والے بخشا ہی کرتے ہیں، بچے کپڑے اور بستر گندے کیا ہی کرتے ہیں ماں انہیں پاک و صاف کیا ہی کرتی ہے حالانکہ وہ رب نہیں بلکہ مربی ہے۔

۳؎ یعنی جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا میں وہ عہد پورا کروں گا جو میثاق کے دن تجھ سے کیا ہے یا اسلام لاتے وقت تیرے پیارے حبیب سے کیا یا بیعت ہوتے وقت تیرے کسی ولی سے کیا کیونکہ یہ سارے عہد تجھ سے ہی ہیں۔ بقدر طاقت کی اس لیے قید لگائی کہ طاقت سے زیادہ کی پروردگار بھی تکلیف نہیں دیتا۔

۴؎ شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ کئے سے مراد گناہ بھی ہیں اور نیکیاں بھی۔ گناہ کی شرط یہ ہے کہ اس سے توبہ کی توفیق نہ ملے اور نیکی کی شرط یہ ہے کہ اس پر تکبروغرور نہ ہوجائے۔ خیال رہے کہ وہ گناہ جس کے بعد گریہ وزاری، عجز و نیاز و توبہ نصیب ہو اس نیکی سے بہتر ہے جس کے بعد تکبروغرور ہو۔ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا خطاءً گندم کھالینا شیطان کے سجدوں سے افضل تھا۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری عرض و معروض ہے یعنی میں اقراری ہوں کہ کانٹے میرے پاس ہیں پھول تیرے پاس، خطائیں میری طرف سے، عطائیں تیری طرف سے، بحکم قرآن پاک ظلوم وجھول میں ہوں غفور رحیم تو ہے، جس لائق میں تھا وہ میں نے کرلیا جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر، بدکاری میں نے کرلی ستاری تو کر، گنہگاری میں نے کرلی غفاری تو کر، تیرے ایک چھینٹے سے ہمارا بیڑا پار ہے۔ شعر

ماایم پر گناہ تو دریائے رحمتی — آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما

۶؎ یقین کی قید لگائی تاکہ معلوم ہو کہ بندہ دعا اور توبہ کے وقت اس کے فضل کا یقین رکھے یہ سمجھے کہ مجھے رب تعالٰی نے اپنے دروازے پر بلایا تو آیا ہوں اپنے آپ نہیں آیا اور کریم بھکاری کو بلاکر دیا ہی کرتے ہیں خالی نہیں پھیرتے جسے یہ یقین ہوگا ان شاءاللہ بخشا ہی جائے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے اے اولاد آدم جب تو مجھ سے دعا مانگے اور مجھ سے آس لگائے تو میں تجھے تیرے عیوب کے باوجود بخشتا رہوں گا[1] میں بے پرواہ ہوں اے ابن آدم اگر تیرے گناہ کنارۂ آسمان تک پہنچ جائیں[2] پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا کچھ پرواہ نہ کروں گا اے اولاد آدم اگر تو زمین بھر کر خطاؤں کے ساتھ ملے مگر ایسے ملے کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں زمین بھر بخشش کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا[3] (ترمذی،احمد،دارمی عن ابی ذر) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱؎ علمائے کرام علیٰ ما کے معنے(باوجود)کرتے ہیں یعنی تیرے کیسے ہی گناہ ہوں میں بخش دوں گا،میں آنے والے کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنے دروازے کو دیکھتا ہوں کہ کس دروازے پر آیا۔صوفیائے کرام اس کے معنے کرتے ہیں مطابق یعنی تجھے تیرے گناہ کے مطابق بخشوں گا چھوٹے گناہ کی چھوٹی بخشش،بڑے گناہ کی بڑی بخشش،لاکھوں گناہوں کی لاکھوں بخششیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔شعر

گنہ رضؔا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے کریم تیرے عفو کا نہ حساب نہ شمار ہے

۲؎ عنان عین کے فتح سے بمعنی بادل اور عین کے زیر سے بمعنی ظاہر اور عنان عین کی جمع،بمعنی کنارہ،بعض نسخوں مین اعنان بھی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر تو گناہوں میں ایسا گھر جائے جیسے زمین آسمان سے گھری ہوئی ہے کہ ہر طرف تیرے گناہ ہوں بیچ میں تو ہو پھر مجھ سے معافی مانگے تو میں تیرے سارے گناہ بخش دوں گا،بلکہ آسمان زمین کی چکی سب کو پیس دیتی ہے اس کے سوا جو رب سے لگ جائے۔کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا۔شعر

چکیا چکیا سب کہیں اور کلیا کہے نہ کوئے   جو کلیا سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

۳؎ قراب قاف کے زیر یا پیش سے،بمعنی قریب المقدار۔مشارق میں فرمایا کہ قراب کسرہ سے تلوار کی میان اور سوار کا ہلکا توشہ اور ضمہ سے بمعنی قرب۔مطلب یہ ہے کہ جیسے رازق ہر مرزوق کو بقدر حاجت روٹی دیتا ہے،ہاتھی کو من اور چیونٹی کو کن دیتا ہے،ایسے ہی وہ غفار بقدر گناہ مغفرت عطا فرمائے گا مگر شرط یہ ہے کہ گنہگار ہو غدار نہ ہو اسی لیے شرط لگائی گئی کہ میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو۔خیال رہے کہ ایسے مقامات پر شرک بمعنی کفر ہوتا ہے،رب تعالٰی

فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ"اور نبی یا کتاب یا اسلامی احکام میں سے کسی کا انکار درحقیقت رب تعالٰی کا ہی انکار ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے اور اس میں کفار کی مغفرت کا وعدہ نہیں کفر و مغفرت میں تضاد ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں فرمایا اللہ تعالٰی نے جو جانے کہ میں گناہ بخش دینے پر قادر ہوں تو میں اسے بخش دوں گا کچھ پرواہ نہ کروں گا جب تک کہ وہ میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے [1](شرح سنہ)

[1] سبحان اللہ! بہت امید افزا حدیث ہے یعنی جو مؤمن رب تعالٰی کو عذاب و مغفرت پر قادر مانے،پھر اس سے گناہ سرزد ہوجائے رب تعالٰی اپنے فضل سے اسے بخش دے گا۔مالم یشرك پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جو رب تعالٰی کو نبی کے بتانے سے ہر چیز پر قادر مانے وہ مؤمن ہی ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کی بخشش توبہ پر موقوف نہیں اسی طرح حقوق العباد کی معافی خود حق والے سے معاف کرانے پر موقوف نہیں کہ رب تعالٰی نے اس کے بغیر بخش ہی نہ سکے قانون اور ہے قدرت کچھ اور،قانون کے ہم پابند ہیں رب تعالٰی پابند نہیں۔اس حدیث میں رب تعالٰی کی قدرت کا ذکر ہے اور حقوق العباد والی حدیث میں قانون کا ذکر لہذا احادیث آپس میں متعارض نہیں اور نہ اس میں بندوں کو گناہ پر دلیر کرنا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استغفار کو اپنے پر لازم کرلے [1] تو اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر غم سے نجات دے گا اور وہاں سے اسے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو [2](احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

[1] اس طرح کہ روزانہ استغفار کے کلمے زبان سے ادا کیا کرے گناہ کرے یا نہ کرے۔بہتر یہ ہے کہ نماز فجر کے وقت سنت فجر کے بعد فرض سے پہلے ستر بار پڑھا کرے کہ یہ وقت استغفار کے لیے بہت ہی موزوں ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ"۔

[2] یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔روزی سے مراد مال،اولاد،عزت سب ہی ہے۔استغفار کرنے والے کو رب تعالٰی یہ تمام نعمتیں غیبی خزانہ سے بخشتا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا"۔قرآن کریم میں استغفار پر پانچ نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس حدیث نے تین نعمتوں کا مگر ہماری اس

شرح سے وہ پانچوں نعمتیں ان تین میں آگئیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ"۔یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ معافی مانگ لینے والا گناہ پر اڑیل نہیں اگرچہ دن میں ستر بار گناہ کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی وہ جو قرآن شریف میں فرمایا گیا:"وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"کہ وہ اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے اڑتے نہیں وہاں اڑنے سے مراد یہ ہے کہ گناہ بار بار کرے اور توبہ کبھی نہ کرے،جو توبہ کرتا رہے وہ اڑیل نہیں۔توبہ کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ بوقت توبہ گناہ سے باز رہنے کا پورا ارادہ ہواور اگر توبہ کے وقت ہی یہ خیال ہے کہ گناہ کرتا رہوں گا تو یہ توبہ نہیں بلکہ اسلام کا مذاق ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے تمام انسان خطا کار ہیں ۱؎ بہترین خطا وار رجوع کرلینے والے ہیں ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یہاں کل مجموعی ہے نہ کہ کل افرادی یعنی تمام انسان گنہگار ہیں نہ کہ ہر انسان کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں کہ گناہ کرسکتے ہی نہیں اور بعض اولیاء محفوظ کہ گناہ کرتے نہیں اور اگر یہ کل افرادی ہو تو خطاء میں لغزشیں بھی داخل ہوں گی یا یہ عام مخصوص منہ البعض ہے جس سے وہ پاک حضرات مستثنٰی ہیں لہذا یہ حدیث نہ تو قرآنی آیات کے خلاف ہے نہ ان احادیث کے جن میں ان مقبولوں کی عصمت کا ذکر ہے اور نہ اس حدیث کی بناء پر حضرات انبیاء کو گنہگار کہا جاسکتا ہے۔عصمت انبیاء کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"کے تتمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ یعنی لوٹنے والے گناہ سے نیکی کی طرف،خطاء سے معافی کی طرف،غفلت سے بیداری کی طرف،خلق سے خالق کی طرف،غیوبۃ سے حضور کی طرف،نفس سے رب غفور کی طرف۔غرضکہ جیسی خطا ویسی توبہ،یہ حدیث توبہ کی تمام اقسام کو جامع ہے،رب تعالٰی توبہ کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ داغ لگ جاتا ہے ۱؎ اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل صیقل ہوجاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہوتی ہے حتی کہ دل پر چھاجاتی ہے یہ ہی وہ زنگ ہے جس کا رب تعالٰی نے ذکر فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر	

	زنگ لگادی ۲؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ خیال رہے کہ انسان کا دل صاف شفاف آئینہ کی طرح ہےذرا سے غبار سے دھندلا ہوجاتا ہے،گناہ دل کے غبار ہیں اور کفر دل کا زنگ۔قلب کا قالب سے گہرا تعلق ہے جیسے جڑ کا شاخوں سےاس لیےگناہ جسم کرتا ہے اور سیاہ دل ہوتا ہے،دیکھو غم و فکر دل کو ہوتا ہے اور جسم دبلا و پیلا پڑ جاتا ہے،جسم کو صاف رکھنے،غسل کرانے،اچھی ہوا دینے سے دل کو شفا ہوتی ہے،یہ بھی خیال رہے کہ جیسے گناہ بہت آہستگی سے دل کو میلا کرتے ہیں ایسے ہی توبہ اور نیک اعمال بہت آہستگی سے میلے دل کو صاف کرتے ہیں مگر نبی کی عداوت یکدم شفاف دل کو میلا نہیں بلکہ زنگ آلود کردیتی ہے جیسے شیطان کا حال ہوا کہ لاکھوں سال کی عبادت ایک سیکنڈ میں برباد ہوکر اس کا دل ناقابل علاج،زنگ آلود ہوگیااور مقبول بندے کی نگاہ کرم ایک آن میں زنگ آلوددل کو صاف کرکے اس پر پالش کردیتی ہے،موسیٰ علیہ السلام کی نظر سے برسوں کے مجرم جادوگرمؤمن، صحابی،صابر اور شہید ہوگئے،حضور غوث پاک کی ایک نظر سے چور قطب ہوگئےاسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں۔شعر

یک زمانہ صحبتے با اولیاء	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با انبیاء	بہتر از ہزار سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با مصطفیٰ	بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

۲؎مسلسل گناہ بغیر توبہ کی وجہ سے دل میں زنگ بلکہ کٹھ لگ جاتی ہے جو پھر صرف نیکیوں سے صاف نہیں ہوتی بلکہ نگاہ کامل سے صاف ہوتی ہےاسی لیے رب تعالٰی نے عرب جیسے کٹھ لگے ہوئے ملک میں ایسے شاندار رسول کو بھیجا،اندھے شیشوں میں کوئی خاص چمک والا ہی چمکتا ہے،وہاں چمکنا ہر ایک کاکام نہیں۔ران رین سے بنا بمعنی کٹھ یا بہت موٹی تہہ والا پردہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ سے پہلے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ نزع کی حالت کو جب کہ موت کے فرشتے نظر آجائیں غرغرہ کہتے ہیں۔اس وقت کفر سے توبہ قبول نہیں کیونکہ ایمان کے لیے ایمان بالغیب ضروری ہے اب غیب مشاہدہ میں آگیااسی لیے ڈوبتے وقت فرعون کی توبہ قبول نہ ہوئی مگر گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہےاگر توبہ کا خیال آجائے اور الفاظ توبہ بن پڑیں۔اسی لیے مرقات نے یہاں فرمایا کہ عبدسے مراد بندہ کافر ہے کہ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ" الخ۔بعض علماء نے فرمایا کہ ملک الموت ہر مرنے والے کو نظر آتے ہیں مؤمن ہو یا کافر۔خیال رہے کہ قبض روح پاؤں کی طرف سے شروع ہوتا ہے تاکہ بندہ کی اس حالت میں دل و زبان چلتے رہیں،گنہگار توبہ کرلیں،کہا سنا معاف کرالیں،کوئی وصیت کرنی ہو تو کرلیں۔یہ بھی خیال رہے کہ غرغرہ کے وقت گناہوں

سے توبہ کے معنے ہیں گزشتہ گناہوں پر شرمندہ ہوجانا،اب آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد بیکار ہے کہ اب تو دنیا سے جارہا ہے گناہ کا وقت ہی نہ پاسکے گا مگر یہ توبہ اس وقت کی قبول ہے کہ رب تعالٰی غفار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان نے عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک ان کی جانیں ان کے جسموں میں رہیں ا؎رب عزّوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلالت اور بلندئ درجات کی قسم میں انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں۲؎(احمد)

ا؎ شیطان سے مراد ابلیس ہے اور بہکانے سے مراد اچھے عقیدوں یا اچھے اعمال سے الگ کردینا ہےیعنی میں بندوں کے مرتے وقت تک کوشش کروں گا کہ وہ بدعقیدہ ہوجائیں،اگر یہ نہ کرسکا تو کم از کم ان سے گناہ ہی کرادوں گا،اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو انہیں نیکی سے روک دوں گا،اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو بڑی نیکی سے روک کر چھوٹی نیکی میں مشغول کردوں گا،ابلیس کی یہ کوشش بندے کے مرتے وقت تک رہتی ہےبعد موت یہ کوشش تو ختم ہوجاتی ہے،اب قبر کے سوالات کے جوابات میں بہکاتا ہے اسی لیے بعد دفن میت کو تلقین کرنے کا حکم ہےلہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے خلاف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دفن میت کے لیے شیطان سے حفاظت کی دعا فرمائی اور نہ اس آیت کے خلاف ہے کہ "اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ"۔بہر حال کوئی شخص کسی حال میں اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے اللہ کی پناہ مانگے۔آدم علیہ الصلوۃ والسلام معصوم تھے اور جنت میں تھے جو جگہ محفوظ تھی مگر پھر بھی شیطان نے وہاں اپنا داؤ چلایاتو ہم نہ معصوم ہیں نہ دنیا جگہ محفوظ پھر ہم کس چیز پر شیخی ماریں۔یااللہ تیری پناہ !

۲؎یعنی اگر جان نکلتے نکلتے بندہ توبہ کرے تو معافی ہوجائے گی۔معلوم ہوا کہ غرغرہ کی توبۂ گناہ قبول ہے جیسا پہلے عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت صفوان بن عسال سے ا؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے توبہ کے لیے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے ۲؎وہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۳؎یہ ہی اللہ عزوجل کا فرمان عالی شان ہے جس دن تمہارے رب کی بعض نشانیاں آئیں گی تو کسی ایسے نفس کو ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو۴؎(ترمذی،ابن

	ماجہ)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،کوفہ میں قیام رہا،دس غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،حضرت عبداللہ ابن مسعود نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ یعنی آسمانوں میں بہت دروازے ہیں:بعض دروازے فرشتوں کے اترنے کے لیے،بعض رزق عباد نازل ہونے کے لیے،بعض اعمال عباد چڑھنے کے لیے،ایک دروازہ وہ ہے جس سے بندوں کی توبہ جاتی ہےاور بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتی ہےیہ دروازہ مدینہ منورہ سے جانب مغرب آسمان میں واقع ہےاس کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے تو اس کی لمبائی اور اونچائی کتنی ہوگی یہ رب ہی جانے۔حدیث بالکل اپنے ظاہری معنے پر ہے کسی قسم کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں،آسمان کے دروازے قرآن کریم سے ثابت ہیں"وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوٰبًا"الخ۔

۳؎ یعنی آسمان کے اور دروازے تو بعض اوقات میں بند ہوجاتے ہیں جیسے بندہ کے مرجانے پر اس کی روزی و اعمال کا دروازہ بند ہوجاتا ہے مگر توبہ کا دروازہ قریب قیامت ہی بند ہوگا۔

۴؎ اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ جو شخص پہلے دنیا میں موجود ہو اور ہو کافر اور اب سورج کو پچھم سے نکلتے دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا یہ ایمان قبول نہ ہوگا کیونکہ ایمان میں غیب پر ایمان معتبر ہےاور آج ایمان بالشہادۃ ہوگیاجیسے کہ غرغرہ کی حالت میں،یارب کا ظاہری عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں،جو اس کے بعد پیدا ہوا اس کا ایمان معتبر ہوگا،یوں ہی گنہگار مسلمان کی توبہ قبول ہوگی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں بعض آیات سے مراد آفتاب کا پچھم سے نکلناہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کے بعد گناہوں سے توبہ بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ یہاں فرمایا"اَوْكَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا"مگر یہ قول کچھ کمزور سا ہے"خَیْرَ فِی الْاِیْمَانِ"کچھ اور ہی ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت بند نہ ہوگی۱؎ حتی کہ توبہ بند ہو اور توبہ بند نہ ہوگی حتی کہ سورج اپنے مغرب کی طرف سے نکلے ۲؎(احمد،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ ہجرت کے معنے ہیں چھوڑنا یا منتقل ہونا،یہاں اس سے مراد کفر سے ایمان کی طرف،دار شرک سے دارالسلام کی طرف،گناہوں سے توبہ کی طرف،غفلت سے بیداری کی طرف،کفران سے غفران کی طرف منتقل ہونا ہے،یہ ہجرتیں قریب قیامت تک ہوتی رہیں گی۔مکہ معظّمہ سے ہجرت غلبۂ کفر نہ رہنے کی بنا پر ختم ہوچکی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا"لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْيَوْمِ"اور حضرت عباس کو ختم المہاجرین قرار دیا گیا یعنی مکہ معظّمہ سے آخری مہاجر لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ اور ہجرتوں کا سلسلہ قریب قیامت تک قائم رہے گا۔خیال رہے کہ اسلام میں نہ زمین گھومتی ہے نہ آسمان بلکہ چاندسورج اور تارے آسمان پر تیر رہے ہیں جیسے سمندر میں کشتیاں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ

یَّسْبَحُوْنَ"تو جو رب انہیں ہمیشہ مشرق سے مغرب کی طرف تیرانے پر قادر ہے وہ اس کے برعکس بھی تیرا سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں دو محبت والے دوست تھے[1] جن میں سے ایک تو عبادت میں کوشاں تھا اور دوسرا کہتے ہیں گنہگار تھا[2] عابد کہنے لگا کہ ان کاموں سے باز آجن میں تو پھنسا ہے وہ کہنے لگا مجھے میرے رب پر چھوڑ دے[3] ایک دن عابد نے اسے ایسے گناہ پر پایا جسے اس نے بہت ہی بڑا جانا تو بولا باز آجا وہ بولا مجھے میرے رب پر چھوڑ کیا تو میرا داروغہ مقرر ہوا ہے[4] یہ بولا اللہ کی قسم تجھے رب نہ تو کبھی بخشے اور نہ کبھی جنت میں داخل کرے[5] اللہ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان دونوں کی روحیں قبض کیں[6] یہ دونوں رب کے پاس جمع ہوئے[7] تو رب نے گنہگار سے فرمایا تو میری جنت میں داخل ہوجا[8] اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندے پر میری رحمت روک سکتا ہے عرض کیا نہیں یارب[9] فرمایا لے جاؤ اسے آگ میں[10] (احمد)

[1] جن کی محبت رشتہ داری یا شرکت کاروباری کی وجہ سے تھی نہ کہ دین وتقویٰ کی بنا پر کیونکہ مؤمن،کافر،متقی،فاجر میں یہ محبت نہیں ہوسکتی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ"الخ۔

[2] حق یہ ہے کہ یَقُوْلُ کا فاعل یا تو خود وہ بندہ ہے یعنی وہ بندہ کہتا تھا میں گنہگار ہوں یا اس زمانہ کے لوگ ہیں یعنی کہنے والے کہتے تھے کہ وہ گنہگار ہے،اس کے فاعل حضور نہیں کیونکہ حضور کو تو ان دونوں کے انجام کی خبر تھی کہ گنہگار سعید ہے اور وہ عابد شقی اسی لیے حضور انور نے اس عابد کو صالح نہ فرمایا بلکہ مجتھد فی العبادت فرمایا یعنی عبادت میں کوشاں۔(مرقات)بعض کے خیال میں یَقُوْلُ کا فاعل حضور ہی ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور فرماتے ہیں اس وقت وہ گنہگار تھا۔

[3] یعنی تو میری فکر نہ کر اپنی کر میرا معاملہ میرے رب کے ساتھ ہے اس کا یہ کلام رب تعالٰی سے امید کی بنا پر ہے نہ کہ بے خوفی ہے ورنہ کفر ہو جاتا۔

۴؎ غالبًا عابد نے اسے بہت جھڑکا ہوگا اور ذلیل وخوار اور لوگوں میں بدنام کیا ہوگااس لیے اس نے جل کر یہ کہا۔خیال رہے کہ تبلیغ بہت اچھی چیز ہے مگر دوسرے میں ضد پیدا کردینا اور اسے بدنام کرنا برا کہ اس سے سامنے والا گناہ چھوڑے گا نہیں بلکہ ضد میں آکر زیادہ گناہ کرے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"لہٰذا اس کا یہ جواب بھی کفر نہ ہوگا۔

۵؎ یہ وہ کلام ہے جو اس عابد پر عتاب کا باعث ہوا یعنی کسی گنہگار کے متعلق دائمی جہنمی ہونے کا فیصلہ کیونکہ مغفرت یا عذاب اللہ کے قبضہ میں ہے،نیز کوئی گنہگار دائمی جہنمی نہیں۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تجھے خدا نہ بخشے گا مجھے ضرور بخشے گاکہ میں نیک کار ہوں۔غرضکہ اس کلام میں دو جرم ہوئے۔

۶؎ یہ فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو ہر مرنے والے کے پاس مع اپنے خدام کے پہنچتے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کی بیک وقت روحیں قبض کی گئیں،گنہگار اپنی خطاؤں پر نادم ہوکر مرا اور عابد اس پرانے تکبر پر کہ میں بڑا عابد ہوں میری ضرور بخشش ہوگی۔

۷؎ عرش اعظم کے نیچے۔(مرقات)رب تعالٰی بعض بندوں سے مرتے ہی کلام فرماتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔

۸؎ اس طرح کہ میں نے اپنے فضل سے تجھے زندگی میں توبہ کی توفیق بخشی اور تیری توبہ قبول کی اور اگر بغیر توبہ بھی مرگیا تھاتو تیرے گناہ محض اپنے فضل سے معاف کردیئے۔خیال رہے کہ جنت میں داخلہ بغیر نیک اعمال ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کے بچے،دیوانے جنتی ہیں بغیر عمل مگر دوزخ میں داخلہ بغیر جرم نہ ہوگااسی لیے دیوانے کفار اور کفار کی ناسمجھ اولاد جہنمی نہیں۔

۹؎ یہ اقرار اس وقت کررہا ہے جب اقرارکرنا مفید نہیں ہوتا،اس کی جگہ دنیا تھی اس لیے قبول نہ ہوا اور سزا دی گئی۔

۱۰؎ یعنی اسے کچھ روز کے لیے دوزخ میں لے جاؤ تاکہ یہ اپنے غرورو تکبر کی سزا بھگتے،یہ شخص کافر نہ تھا متکبر تھا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہ گناہ جو انسان میں ندامت عجزوانکسار پیدا کرے اس عبادت سے بہتر ہے جو عابد میں تکبروغرور پیدا کردے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔(مرقات)دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کا خطاءً گندم کھالینا شیطان کی ہزارہا سال کی عبادت سے افضل ہوا کہ اس خطاء سے آپ بہت عرصہ تک توبہ کرتے رہے اور شیطان اس عبادت سے مغرور ہوگیااسی لیے حضرت آدم کے سر پر خلافت کا تاج رکھا گیا اور شیطان کے گلے میں لعنت کا طوق پڑا۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۲؎ اللہ تعالٰی سارے گناہ بخش دے گا اور پرواہ بھی نہ کرے گا ۳؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہےاور شرح سنہ میں پڑھتے تھے کی بجائے فرماتے تھے،ہے۔	

۱؎ آپ مشہور صحابیہ انصاریہ ہیں،یزید ابن سکن کی بیٹی ہیں،بڑی عاقلہ بہادر تھیں،غزوہ تبوک میں حاضر تھیں،چوب خیمہ سے نو کفار کو قتل کیا،آپ کے حالات زندگی پہلی جلد میں بیان ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپناہے اور عباد سے مراد غلام مسلمان ہیں۔(اشعہ)یعنی اے میرے غلام اب تو جنہوں نے گناہ کرلیے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو،رب تمام گناہ بخش دے گا کیونکہ تم مسلمان ہو۔یہاں یُقْرَأُ بمعنی یَقُوْلُ ہے جیساکہ شرح سنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ وہاں یَقُوْلُ ہے کہ آیت کریمہ"قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا"الخ میں بھی محققین علماء کا یہ ہی قول ہے کہ وہاں بھی عبادی سے حضور کے بندے و غلام مراد ہیں کیونکہ کفار کے گناہ ناقابل معافی ہیں اور وہ رحمت الٰہی سے ناامید کردیئے گئے ہیں"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ"۔مولانا فرماتے ہیں شعر

بندہ خود خواند احمد در رشاد جملہ عالم راجواں قل یا عباد

اس سے معلوم ہوا کہ عبدالرسول،عبدالنبی کہہ سکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ"۔

۳؎ لَا یُبَالِیْ سے بھی معلوم ہو رہاہے کہ یہ کلام حدیث ہے قرآنی آیت نہیں،قرآن کریم میں لایبالی نہیں ہے۔(مرقات)یعنی تمام گنہگار مسلمان کو بخش دینے میں رب کو پرواہ بھی نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ و حقوق العباد بھی لائق بخشش ہیں بجز کفر ہر گناہ کی مغفرت ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے اللہ تعالٰی کے اس قول کے متعلق کہ الا اللمم ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی اگر تو بخشے تو بڑے گناہ بخش دے گناہ صغیرہ کس بندے نے نہیں کیئے ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۳؎

۱؎ آیت کریمہ یہ ہے"اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوٰحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ"جو لوگ گناہ کبیرہ اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں بجز چھوٹے گناہوں کے۔علماء فرماتے ہیں کہ جن گناہوں پر حد شرعی مقرر ہے وہ کبیرہ ہیں اور جن پر کوئی وعید نازل ہوئی وہ فاحشہ ہےاور جن پر ان دونوں میں سے کچھ نہیں وارد ہوا صرف ممانعت ہے وہ لمم یعنی گناہ صغیرہ ہے۔

۲؎ یہ شعر امیہ ابن ابی الصلت کا ہے اگرچہ امیہ زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے ہے مگر اس کے اشعار بہت حکمت و معرفت کے ہیں اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اشعار سنتے بھی تھے اور خود پڑھتے بھی تھے۔چنانچہ یہ شعر حضور انور نے بطور دعا پڑھا۔مطلب یہ ہے کہ اے مولٰی تو تو کریم ہے اپنی بخشش میں گناہ صغیرہ کی قید نہ لگا،تو چاہے

تو بڑے بڑے گناہ بھی بخش دے،گناہ صغیرہ تو سارے ہی لوگ کرتے رہتے ہیں مولیٰ صغیرہ بھی بخش اور کبیرہ بھی،بتا کہ گناہ کبیرہ والے کس دروازے پر جائیں،ان کا ٹھکانہ بھی تیرا ہی دروازہ ہے۔

۳؎ یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے جن میں سے بعض اسنادیں صحیح ہیں،بعض غریب لہٰذا متن حدیث صحیح بھی ہیں،حسن بھی اور غریب بھی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعر سنتے اور پسند کرتے بھی تھے اور خود بھی پڑھتے تھے۔رب جو فرماتا ہے:"وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ"وہاں شعر بنانا اور شعر گا کر پڑھنا مراد ہے۔(مرقات)یا شعر سے مراد جھوٹا کلام ہے اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق"میں ملاحظہ فرمائیے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سواء اس کے جسے میں ہدایت دوں لہٰذا مجھ سے ہدایت مانگو تمہیں ہدایت دوں گا۱؎ اور تم سب فقیر ہو سواء اس کے جسے میں غنی کردوں لہٰذا مجھ سے مانگو میں تمہیں روزی دوں گا ۲؎ اور تم سب مجرم ہو سواء اس کے جسے میں سلامت رکھوں تو تم میں سے جو یہ جان لے کہ میں بخش دینے پر قادر ہوں پھر مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے بخش دوں گا۳؎ اور پرواہ بھی نہ کروں گا اور اگر تمہارے اگلے پچھلے،زندے مردے،تر و خشک میرے بندوں میں نیک ترین بندے کے دل پر ہوجائیں۴؎ تو یہ ان کی نیکی میرے ملک میں مچھر کے برابر بڑھائے گی نہیں ۵؎ اور اگر تمہارے اگلے پچھلے،زندے مردے،تروخشک میرے بندوں میں سے بدبخت ترین دل پر متفق ہو جائیں تو ان کے یہ جرم میرے ملک سے مچھر کے پر برابر کم نہ کریں گے ۶؎ اور اگر تمہارے پچھلے زندے مردے،تر و خشک ایک میدان میں جمع ہوں اور پھر تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی تمنا آرزو مجھ سے مانگے ۷؎ پھر میں ہر منگتے کو دے دوں تو یہ میرے ملک کے مقابل ایسا ہی کم و تھوڑا ہوگا جیسے تم میں سے کوئی دریا پر گزرے اس میں سوئی ڈبوئے پھر اسے اٹھائے ۸؎ یہ اس لیے ہے کہ میں داتا ہوں ۹؎ بہت دینے والا جو چاہتا ہوں کرتا ہوں ۱۰؎ میری	

	عطا صرف فرمادینا ہے اور میرا عذاب صرف فرمادینا ہے، میرا حکم کسی شئے کے متعلق یہ ہے کہ جب کچھ چاہتا ہوں فرمادیتا ہوں ہوجا وہ ہوجاتی ہے ۱۱(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث قدسی اس آیت کی شرح ہے "فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ"۔اس حدیث میں بتایا گیا کہ رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہدایت ہے جسے میسر ہو،انسان کو چاہیئے کہ ہدایت کی دعا ضرور مانگے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ انبیاء واولیاء نے بھی رب تعالٰی ہی سے ہدایت لی ہے مگر وہ حضرات بحکم الٰہی ہمیں ہدایت دیتے ہیں سورج نے رب ہی سے نور لیامگر زمین کو نوردیتاہے لہذایہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"اے محبوب تم سیدھے راہ کی ہدایت دیتے ہو۔

۲؎ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی نے بعض بندوں کو غنی فرمایاایسا غنی کہ وہ دوسروں کو بھی بحکم پروردگار غنی کردیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا ہمت افروزامید افزا کلام ہے بندہ اپنے گناہ سے رب کی رحمت کو زیادہ جانے اور اپنے آپ کو اپنے اعمال کو رب کی قدرت میں مانے ان شاءاللہ بخشا جائے گا۔

۴؎ کسی نہایت نیک پرہیزگار متقی بندے کو چن لو پھرغورکرو کہ اگر سارے انسان اس نیک آدمی کی طرح ہوجائیں کہ کوئی شخص کوئی گناہ ہی نہ کرے تو اس سے میرے خزانے بڑھتے نہیں۔

۵؎ یعنی دنیاوی بادشاہوں کے خزانے رعایا کی نیکی سے بھرتے ہیں،اگر رعایا باغی ہوکر ٹیکس دینے سے انکاری ہوجائےتو بادشاہ کے خزانے خالی رہ جائیں،ہمارے خزانوں کا یہ حال نہیں تمام جہان کی نیکیوں سے ہمارے خزانے میں مچھر کے پر برابر زیادتی نہیں ہوتی مخلوق کی نیکی سے خود ان کا اپنا بھلا ہےہم بے پرواہ ہیں۔

۶؎ یعنی تم کسی بدترین شخص کو سوچو جیسے ابلیس اورغور کرو کہ اگر تمام مخلوق اس فاسق ابلیس کی طرح فاسق وفاجروگنہگار ہوجائےتو اس کے گناہوں سے میرا کچھ بگڑتا نہیں خود ان کا اپنا بگڑتا ہے۔خیال رہے کہ یہ تمام فرضی صورتیں ہیں جو سمجھانے کے لیے پیش کی گئی ہیں ورنہ فرشتے،انبیاء اوربعض اولیاء وہ ہیں جن سے گناہ سرزد ہوسکتے ہی نہیں لہذا یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف نہیں جیسے رب تعالٰی نے فرمایا ہے کہ اے محبوب فرمادو اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو پہلے اسے میں پوجتانہ خدا کے بیٹا ہوسکتا ہے نہ حضور اس کی پوجا کرسکتے ہیں۔

۷؎ اُمْنِيَّتَهٗ ہمزہ کے پیش اوری کے شد سے ہے،بمعنی خواہش و آرزو،اس کی جمع منی یا امانی ہے،یہاں ممکن و جائز آرزو مراد ہے،کبھی ناجائز و نفسانی خواہش کو امنیہ کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ"

۸؎ یہاں نقص بمعنی کم ہونا ہے نہ کہ بمعنی کم کرنا یہ ترجمہ نہایت صحیح ہےیعنی اگر تمام مخلوق کی خواہشات پوری کردی جائیں اور ان کی تمنائیں دے دی جائیں تو یہ عطیہ ہمارے خزانوں کے سامنے ایسا ہوگا جیسے بھیگی سوئی کی تری سمندر

کے مقابل،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں ہم اندازے سے ہی اتارتے ہیں،یہ نسبت بھی سمجھانے کے لیے ہے ورنہ محدود متناہی کو غیر محدود لامتناہی سے نسبت ہی کیسی۔

۹؎ خیال رہے کہ سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے مگر جوّاد وہ ہے جو دوسروں کو کھلائے خود نہ کھائے۔سخی کا مقابل بخیل ہے اور جواد کا مقابل ممسک۔**ماجد مجد** سے بنا،بمعنی وسیع العطاء جس کی عطاء مخلوق کی وہم و گمان سے وراء ہو۔

۱۰؎ یعنی جو میں چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں جو مخلوق چاہتی ہے وہ نہیں کرتا کیونکہ مخلوق میرے تابع ہے نہ میں مخلوق کے تابع۔(مرقات)خیال ہے کہ جن بندوں نے اپنی مرضی رب کی مرضی میں گم کردی پھر جو وہ چاہتے ہیں وہ رب کرتا ہے کیونکہ وہ چاہتے ہی وہ ہیں جو رب چاہے اور رب چاہتا وہ ہے جو یہ بندہ چاہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"**وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی**"۔رب تعالٰی حدیث کی فہم صحیح نصیب کرے۔

۱۱؎ یہاں ہوجا فرمانے سے مراد ہے اس کا ارادہ کرلینا یعنی جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہوں وہ ہوجاتی ہے،ارادہ کے سواء کسی اور عمل کی مجھے ضرورت نہیں لہذا اس پر آریوں کا یہ اعتراض نہیں کہ معدوم چیز سے کہنا کہ ہو جا عقل کے خلاف ہے،معدوم چیز سننے کے قابل نہیں پھر ہوجا کس سے فرمایا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا وہ تقویٰ اور بخشش والا ہے حضور نے فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے ۱؎ جو مجھ سے ڈرے گا تو میں اس لائق ہوں کہ اسے بخش دوں ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی تقویٰ مصدر مجہول ہے اور اپنے مفعول کی طرف منسوب۔معنے یہ ہیں کہ میں اس لائق ہوں کہ ساری خلق مجھ سے ڈرے۔خیال رہے کہ ڈر بمعنی ہیبت ساری مخلوق کو ہے،انبیائے کرام،اولیاء اللہ،عام مؤمنین، خاص صالحین کے دل میں رب تعالٰی کی ہیبت بقدر قرب ہے جس قدر رب سے قرب زیادہ اسی قدر اس کی ہیبت زیادہ مگر خوف عذاب صرف گنہگاروں کو ہے اور خوف عقاب کفار کو لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "**لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ**"کہ وہاں خوف عذاب کی نفی ہے اور یہاں ہیبت الٰہی کا ثبوت ہے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا بہت بڑی نیکی ہے جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں:"**اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْہِبْنَ السَّیِّاٰتِ**"لہذا بڑے سے بڑا مجرم بھی میرے خوف کی وجہ سے بخش دیا جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم اس فرمان کو ایک مجلس میں	

	سو بار شمار کرلیتے تھے کہ عرض کرتے تھے یا رب مجھے بخش دے میری توبہ قبول فرما یقینًا تو توبہ قبول فرمانے والا ہے ۱؎(احمد،ترمذی،ابواؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ کام کے لیے تشریف فرما ہوتے تو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یہ کلمات پڑھتے تھے اور اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ اٹھنے سے پہلے سو بار تک فرمالیتے تھے،یہ تو عام مجالس پاک کا ذکر ہے خصوصی عبادات کی مجلسوں کا کیا پوچھنا۔مغفرت و توبہ کا فرق پہلے عرض کیا گیا،نیز یہ بھی کہ یہ کلمات ہماری تعلیم کے لیے ہیں،نیز ان کا پڑھنا عبادت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے عابد ہیں لہذا یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت بلال بن یسار ابن زید سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو یہ پڑھا کرے معافی مانگتا ہوں اس اللہ سے جس کے سواء کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی بخشش کردی جائے گی اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۲؎(ترمذی،ابوداؤد) لیکن ابوداؤد کے نزدیک راوی ہلال ابن یسار ہیں اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۳؎

۱؎ غلام رسول اللہ ہونا حضرت زید کی صفت ہے نہ کہ بلال کی اور یہ زید ابن حارثہ نہیں ہیں بلکہ یہ زید ابن بولی نوبی ہیں جن کی کنیت ابو یسار ہے،زید تو صحابی ہیں مگر ان کے بیٹے یسار اور پوتے بلال وغیرہ تابعی ہیں،ان بلال سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے جیساکہ ابن حجر نے تقریب میں اور ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا۔

۲؎ یعنی جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے بزدلی کی بنا پر بھاگ جانا بدترین گناہ ہے مگر اس استغفار کی برکت سے ان شاءاللہ وہ بھی معاف ہوجائے گا جیسے دواؤں کی جڑیاں بوٹیاں مختلف تاثیریں رکھتی ہیں کوئی معمولی بیماری میں مفید ہوتی ہے،کوئی سخت خطرناک بیماری میں ایسی روحانی بیماریوں کے لیے دعاؤں کے الفاظ مختلف تاثیر رکھتے ہیں یہ استغفار بدترین گناہوں کی بخشش کے لیے مفید ہے مگر وہ تاثیریں طبیب کو معلوم ہوتی ہیں اور یہ تاثیریں حبیب کو معلوم ہیں ہم،ان سے بے خبر ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ توبہ سچے دل سے ہو تب اس کی یہ تاثیریں ہیں کہ توبہ کے وقت آئندہ گناہ سے بچنے کا پورا ارادہ ہو،گناہ پر قائم رہتے ہوئے منہ سے توبہ توبہ بول دینا ایک طرح کا مذاق ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ بعض وقت جہاد سے بھاگ جانا جائز بھی ہوتا ہے جب کہ کفار کی یلغار بہت ہی زیادہ ہوجائے اور اب ٹھہرنا ہلاکت ہی ہو اس صورت میں ڈٹا رہنا جان دے دینا بہت ثواب ہے مگر بھاگ جانا بھی گناہ نہیں اور کبھی بھاگنا جنگی چال ہوتی

ہے کہ یہاں سے ہٹ کر مضبوط مرکز پر پہنچیں پھر وہاں جم کرجنگ کریں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ"یہ بھاگنا ثواب ہے نہ بھاگنا گناہ اور بلاوجہ بزدلی سے چھوڑکر بھاگ جانا سخت گناہ،وہ ہی یہاں مراد ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہےاس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ یعنی بلال کے نام میں اختلاف ہوگیا،بعض محدثین ہلال ہ سےفرماتے ہیں،بعض بلال ب سےمگر ب سے ہی زیادہ مشہور ہے۔حافظ منذری نے فرمایا کہ یہ حدیث بہت جید ہے،اس کی اسناد متصل ہے اوراس میں کوئی راوی ضعیف نہیں اور بہت طرق سے مروی ہے۔واللہ اعلم!

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نیک بندے کے جنت میں درجے بلند فرماتا ہے ۱؎ تو بندہ عرض کرتا ہے الٰہی مجھے یہ بلندی درجہ کہاں سے ملی ۲؎ رب فرماتا ہے تیرے بچے کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے ۳؎ (احمد)

۱؎ اس طرح کی پہلے تو اس کی قبر میں معمولی درجے کی جنت کی کھڑکی کھلتی ہے پھر اعلٰی درجے کی،پھر اس سے اعلٰی کی یا اس طرح کہ اسے خبر دی جاتی ہے کہ تیرا درجہ بلند ہورہا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جنت تو قیامت کے بعد ملے گی درجے قبر میں کیسے بلند ہورہے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں عبدصالح سے مراد گنہگار مسلمان ہے جو بخشش کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے پہلے وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوتا ہےکہ اچانک عذاب موقوف ہوکر جنت کی کھڑکی قبر میں کھل جاتی ہے لہذا یہ حدیث صرف نیکوں سے مخصوص نہیں۔

۲؎ میں تو قبر میں سو رہا ہوں اعمال کرنے کی طاقت نہیں رکھتا،پھر یہ تبدیلئ حال بغیر اعمال کیسے ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ!رب کی عطائیں بندے کے وہم سے وراء ہیں۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نیک اولاد جو ماں باپ کو ان کے مرنے کے بعد دعائے ایصال ثواب استغفار وغیرہ سے یاد رکھے صدقہ جاریہ ہے اور رب تعالٰی کی رحمت ہےجس کے ذریعہ مردہ کو قبر میں فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔دوسرے یہ کہ شفاعت مؤمنین برحق ہےجس کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا کہنا ہی کیا۔تیسرے یہ کہ اولاد کو چاہیئےکہ ماں باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے حتی کہ نماز میں سلام پھیرتے

وقت "رب اغفرلی ولوالدی" پڑھے،ایسا بچہ نیکو کاروں میں شمار ہوگا۔خیال رہے کہ ولد یعنی بچہ میں بیٹا بیٹی اور ان کی اولاد در اولاد سب شامل ہے،کبھی ساتویں پشت کی اولاد ساتویں دادا کو کام آجاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہی ہوتی ہے۱؎ کہ ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر کے پہنچنے کی منتظر رہتی ہے ۲؎ پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیااور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے ۳؎اور اللہ تعالٰی زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے۴؎اور یقینًا زندہ کا مردوں کے لیے تحفہ ان کے لیے دعائے مغفرت ہے ۵؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎عام گنہگار مسلمان تو اپنے گناہوں کی وجہ سے، خاص نیک مسلمان اسی پشیمانی کی وجہ سے کہ ہم نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہ کرلیں، مخصوص محبوبین اپنے چھوٹے ہوئے پیاروں کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں۔تازہ میت برزخ میں ایسی ہوتی ہے جیسے نئی دلہن سسرال میں کہ اگرچہ وہاں اسے ہر طرح کا عیش و آرام ہوتا ہے مگر اس کا دل میکہ میں پڑا رہتا ہے،جب کوئی سوغات یا کوئی آدمی میکے سے پہنچتا ہے تو اس کی خوشی کی حد نہیں رہتی،پھر دل لگتے لگتے لگ جاتا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں میت سے تازہ میت مراد ہے کہ اسے زندوں کے تحفے کا بہت انتظار رہتا ہے اسی لیے نئی میت کو جلد از جلد نیاز،تیجا،دسواں،چالیسواں وغیرہ سے یادکرتے ہیں۔فقیر کی اس شرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ فقط گنہگار کا ہی حال نہیں۔

۲؎ دوست سے مراد خاص دوست بھی ہے اور عام دوست یعنی ہر مسلمان بھی۔زندوں کو چاہیئے کہ مردوں کو اپنی دعاؤں وغیرہ میں یاد رکھیں تاکہ کل انہیں دوسرے مسلمان یاد کریں۔اس حدیث سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو نیاز فاتحہ ایصال ثواب سے لوگوں کو طرح طرح کے بہانوں سے روکتے ہیں کل انہیں بھی مرنا ہے۔شعر

نام نیک رفتگان ضائع مکن　　　　تابماند نام نیکت برقرار

۳؎اس لیے کہ یہ مدد بہت سخت حاجت کے وقت پہنچتی ہے،نیز یہ پرانے وطن کا تحفہ و ہدیہ ہوتا ہے پردیس میں دیس کا خط بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔

۴؎صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیک عمل کا ثواب اسی شکل میں پہاڑ بن کر میت کو پہنچتا ہے اگر روٹی خیرات کی گئی تو وہ روٹی کی شکل میں اس کا ثواب میت کو ملے گااور کپڑے کی خیرات کا ثواب کپڑے کی شکل میں مگر اس میں رب کی طرف سے بہت برکت ہوتی ہے۔

۵؎ خواہ دعائے مغفرت صراحۃً ہو جیسے "رب اغفر لی ولوالدی ولجمیع المسلمین" خواہ ضمنًا جیسے ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کہ یہ چیزیں میت کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔غرضکہ یہ حدیث قولی و عملی دونوں استغفاروں کو شامل ہے۔خیال رہے کہ یہ احادیث ان آیات کے خلاف نہیں "لَّيْسَ لِلْاِنْسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰى" اور "لَهَا مَا كَسَبَتْ" وغیرہ کہ ان آیتوں میں بدنی عمل مراد ہیں یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز روزہ نہیں رکھ سکتا اپنا فرض اپنے ہی کرنے سے ادا ہوگا۔اور یہ احادیث ثواب پہنچانے کے متعلق ہے،ثواب پہنچانا اور ہے ادائے فرض اور یا آیت میں ملکیت کی نفی ہے اور حدیث میں بخشش کا ثبوت یعنی انسان کی ملک صرف اپنے ہی اعمال ہیں دوسروں کا کیا بھروسہ کوئی دے یا نہ دے،بغل میں توشہ منزل کا بھروسہ۔شعر

توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ اجی — کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے — فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بہت خوبیاں ہیں جو اپنے نامہ اعمال میں بہت استغفار پائے ۱؎(ابن ماجہ)اور نسائی نے اس حدیث کو دن رات کے عمل میں روایت کیا۔

۱؎ یعنی اس نے مقبول استغفار بہت کئے ہوں جو اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاچکے ہوں اسی لئے یہاں بہت استغفار کرنے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ نامہ اعمال میں پانے کا ذکر کیا۔مقبول استغفار وہ ہے جو دل کے درد،آنکھوں کے آنسو اور اخلاص سے کی جائے صرف اخلاص بھی کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں عرض کرتے تھے الٰہی مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو نیکیاں کریں اور خوش ہوجائیں اور گناہ کریں تو معافی مانگ لیں ۱؎(ابن ماجہ)اور بیہقی نے دعوات کبیر میں۔

۱؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری دعا ہے یعنی مجھے اس جماعت سے بنا جو اپنی نیکی پر فخر نہیں کرتے بلکہ توفیق خیر ملنے پر تیرا شکر کرتے ہیں اور گناہوں پر لاپرواہی نہیں کرتے بلکہ اس دھبہ کو فورًا توبہ کے پانی سے دھوڈالتے ہیں۔رب تعالٰی حضور کے صدقہ سے یہ صفتیں ہم کو بھی نصیب کرے آمین،فخر کی خوشی گناہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ" اور شکر کی خوشی عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا" یہاں شکر کی خوشی مراد ہے۔

	حضرت حارث ابن سوید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ ابن مسعود نے دو حدیثیں سنائیں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے ۲؎ فرمایا کہ مؤمن اپنے گناہوں کو یوں سمجھتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے ڈر رہا ہے کہ اس پر گرجائے ۳؎ اور بدکار اپنے گناہوں کو اس مکھی طرح

	سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر گذرے تو یوں کر دے یعنی اپنے ہاتھ سے اسے اڑا دے ۴؎ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے ۵؎ جو کسی جانوروں والی ہلاکت کی زمین میں اترے اس کے ساتھ سواری ہے جس پر اس کا کھانا پانی ہے اس نے سر رکھا کچھ سو گیا ۶؎ جاگا تو اس کی سواری جاچکی تھی اسے بہت ڈھونڈ رہا تھا حتی کہ جب اس پر دھوپ یا پیاس یا جو اللہ نے چاہا غالب آگئی ۷؎ تو بولا کہ میں اپنی اس ہی جگہ لوٹ جاؤں جہاں تھا ۸؎ وہاں سو جاؤں حتی کہ مر جاؤں اپنے بازؤں پر مرنے کے لئے سر رکھ دیا ۹؎ پھر جاگا تو اس کی سواری اس کے پاس تھی جس پر اس کا توشہ پانی تھا ۱۰؎ اللہ تعالٰی مؤمن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو یہ سواری سے خوش ہوا ۱۱؎ مسلم نے صرف وہ ہی روایت نقل کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ابن مسعود سے مرفوع ہے اور بخاری نے ابن مسعود پر موقوف حدیث بھی روایت کی ہے ۱۲؎

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں، اہل کوفہ سے ہیں، کسی نے حضرت امام احمد بن حنبل سے آپ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ان کی خوبیاں بیان سے بالا ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی ایک حدیث مرفوع اور دوسری حدیث موقوف بیان فرمائی جو خود ان کا اپنا قول ہے۔

۳؎ یعنی مؤمن کی پہچان یہ ہے کہ وہ گناہِ صغیرہ کو بھی ہلکا نہیں جانتا وہ سمجھتا ہے کہ چھوٹی چنگاری بھی گھر جلا سکتی ہے اس لئے وہ ان کے کرلینے پر بھی جرأت نہیں کرتا اور اگر ہو جائیں تو فورًا توبہ کرلیتا ہے، گناہوں سے خوف کمال ایمان کی علامت ہے۔

۴؎ یعنی چھوٹے کیا بڑے گناہوں کو بھی ہلکا جانتا ہے، کہتا ہے کہ میں نے گناہ کرلیا تو کیا ہوا رب غفور رحیم ہے بخش دے گا۔ یہ خیال امید نہیں بلکہ خدا تعالٰی سے بے خوفی ہے جو کفر تک پہنچا دیتی ہے، انسان پہلے چھوٹے گناہ کو ہلکا جانتا ہے، پھر بڑے گناہوں کو، پھر کفر و شرک کو بھی معمولی چیز سمجھنے لگتا ہے۔

۵؎ یہاں خوشی سے مراد رضا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ حضرت ابن مسعود نے پہلے تو گناہ کو ہلکا جاننے کی برائی بیان فرمائی، پھر یہ حدیث سنائی تاکہ بندہ ہر چھوٹے گناہ پر بھی توبہ کرے اسے حقیر نہ جانے، رب تعالٰی بندہ کی ہر توبہ خواہ گناہ صغیرہ سے ہو یا کبیرہ بہت ہی راضی و خوش ہوتا ہے، رب تعالٰی کو راضی کرنا عبادت ہے تو ہر گناہ سے توبہ کرنا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

۶؎ یعنی بہت معمولی سا سویا، سواری کی بھی فکر تھی اور جنگلی درندوں کا بھی اندیشہ۔ دنیا درندوں والا جنگل ہے، نفس سواری جس پر ہمارا ہر طرح کا روحانی سامان ہے، یہاں غافل ہو کر سونا خطرناک ہے یہ محض تمثیل ہے۔

ے او ماشاء اللہ یاتو راوی کا قول اور او تردد و شک کے لئے ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یاتو گرمی وپیاس کا ذکر فرمایا اور یا ماشاء اللہ فرمایا اور یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اور آو بمعنی بلکہ یعنی صرف بھوک وپیاس ہی غالب نہ آئی بلکہ تمام وہ مصیبتیں،فکریں،خوف وغم بھی غالب آگئے جو رب نے چاہے۔

۸؎ شاید وہاں سواری لوٹ آئی ہو یالوٹ آئے،کیونکہ وہ جگہ اس نے جانی پہچانی ہے،اگر نہ آئی تو موت توآہی جائے گی خلاصہ یہ کہ یاسواری پاؤنگا یامر جاؤنگا۔

۹؎ اب بھی اہل عرب جب ریگستان میں پھنس جائیں،تو زندگی سے ناامید ہو کر اس طرح موت کی انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں ہی جان نکل جاتی ہے یہاں وہ ہی نقشہ کھینچا جارہا ہے۔

۱۰؎ یہاں جاگنے سے مراد سر اٹھا کر دیکھنا ہے،ورنہ ایسی حالت میں نیند کہا آتی ہے اور ممکن ہے کہ جاگنے سے حقیقتًا جاگنا ہی مراد ہو اور اتفاقًا اونگھ آگئی ہو،بہرحال یہ ایک تمثیل ہے جس میں یاس کے بعد آس کا نہایت بہترین نقشہ کھینچ کر پیش کیا گیا۔

۱۱؎ یعنی جیسی خوشی اس مایوس بندے کو اس آس پوری ہونے پر ہوسکتی ہے جس نے جان و مال سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیااس سے زیادہ خوشی رب تعالٰی کو اپنے کھوئے ہوئے بندے کے واپس آنے پر ہوتی ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روح انسان مسافر ہے بدن اس کی سواری جس پر اس کے اعمال کا سامان ہے،دنیا خطرناک جنگل ہے،یہاں کی غفلت اس مسافر کا سوجانا ہے جب روح غافل ہوکر جاگی تو دیکھا کہ بدن نفسانی خواہشات میں گم ہوچکا تھا،روح کے قبضہ سے نکل چکا تھا،روح نے بہت مشقت سے اسے واپس کرنا چاہا مگر وہ نہ لوٹا مایوس ہو کر روح کو اپنی موت کا یقین ہوگیااور اس نے سمجھ لیا کہ اب میں عذاب دائمی میں گرفتار ہوتی ہوں کہ اچانک رحمت الٰہی نے دستگیری کی اور گم شدہ جسم و نفس کی توفیق خداوندی نے دستگیری کی، روح نے اپنا مقصد پالیا،یا اس کے بعد اس کی آس پوری ہوگئی ایسی روح بہت مبارک ہے۔(مرقات)

۱۲؎ غرضکہ اس حدیث کا جزء مرفوع تو متفق علیہ ہے اور جزء موقوف مفردات بخاری سے ہے پوری حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اس مؤمن کو پسند فرماتا ہے جو فتنوں میں گھراہو ا؎ توبہ کرتا ہو۲؎

ا؎ گناہ و غفلتیں اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں،ہمیشہ نیکیاں ہی نہ کرتا ہوکیونکہ ہمیشہ نیکیاں کرنے والا کبھی تکبر و شیخی میں پھنس جاتا ہےاور گناہ میں پھنسا ہوا اکثر شرمندہ رہتا ہے۔اس شرح سے معلوم ہوا کہ اس قاعدے سے زیادہ حضرات انبیاء و خاص اولیاء علیحدہ ہیں کیونکہ ان میں کبھی غرور پیدا ہوتا ہی نہیں لہذا حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گنہگار بندے انبیاءواولیاء سے زیادہ پیارے ہوں،یہاں ان سے مقابلہ ہے جو نیکیوں پر اِترا جائیں،عجز پیدا کرنے والا گناہ فخر پیدا کرنے والی نیکی سے افضل ہے۔

۲؎ ہر طرف کی توبہ گناہ سے اطاعت کی طرف،غفلت سے بیداری کی طرف،غیبت سے حضور کی طرف اور معصیت سے مصیبت کی طرف لوٹنا ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی گناہوں سے ناراض ہے نہ کہ گنہگار سے، گنہگار سے تو توبہ

کرنے پر بہت راضی ہو جاتا ہے۔عشاق کہتے ہیں کہ بمقابلہ نیکوں کے بروں پر زیادہ کرم ہے،ماں بیمار لاچار بچہ پرزیادہ مہربان ہوتی ہے،نکمّے بیٹے کے لیے کماؤ بیٹے سے لیتی رہتی ہے اور کماؤ سے نکمّے کو دلواتی رہتی ہے،ہم نکمّے بندے ہیں ہمارے لیے اپنے حبیب سے فرماتاہے:"وَ اَمَّا السَّآىٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"اے محبوب اپنی کمائی سے ان نکموں کو کچھ دیتے رہوانہیں جھڑکو نہیں۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس آیت کے عوض ساری دنیا مل جاتی ۱؎اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ناامید نہ ہوؤ،الخ ۲؎ایک شخص بولا تو جو شرک کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر فرمایا یقینًا جو شرک کرے تین بار فرمایا(یعنی اس کی توبہ بھی قبول ہوگی۳؎	

۱؎ پھر میں اس دنیا سے لذات و خیرات سب کچھ حاصل کرتا۔

۲؎اس آیت میں عِبَادِی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے غلام ہیں اور زیادتی سے مراد گناہ کرتے رہنا ہے،انہی سے مغفرت کا وعدہ ہے کہ شرک و کفر کی معافی نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ"۔

۳؎یعنی شرک و کفر بھی بخش دیا جائے گابشرطیکہ بندہ اس سے توبہ کرکے مسلمان ہوجائے،تب بھی بخشا جاسکتا ہےلہذا یہ حدیث مذکورہ آیت کے خلاف نہیں۔

حکایت: حضرت وحشی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اسلام میں شرک،قتل،زنا بہت بڑے بڑے گناہ ہیں اور میں نے یہ تینوں کئے ہیں،میری بخشش کیسے ہوگی،تب یہ آیت کریمہ آئی"اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا"وحشی بولے کہ مغفرت کی یہ شرطیں بہت سخت ہیں تو یہ نیک اعمال وغیرہ مجھ سے کیسے ہوں گے تب یہ آیت سنائی گئی"وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"وحشی بولے اب بھی میری تسلی نہیں ہوتی نہ معلوم میری بخشش ہوگی یا نہیں تب یہ آیت نازل ہوئی"قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا"الخ تب وحشی بولے بس بس مجھے کافی ہے کافی ہے،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ بشارتیں صرف وحشی کے لیے ہیں فرمایا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لیے۔(تفسیر معالم التنزیل و مرقات)غرضکہ یہ آیت بہت ہی امید افزاء ہے

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اپنے بندے کو بخشتا ہے	

	جب تک کہ آڑ نہ واقع ہوا لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آڑ کیا ہے فرمایا یہ کہ کوئی شخص شرک کرتے ہوئے مرجائے ۲؎ ان تینوں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے آخری حدیث کتاب البعث والنشور میں روایت کی۔

۱؎ یعنی وہ واقعہ ہوجائے جو بندہ اور رب تعالٰی کی رحمت کے درمیان آڑ ہے دوئی کی آڑ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰـهَیْنِ اثْنَیْنِۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"۔

۲؎ شرک سے مراد کفر ہے کہ کفر پر موت واقع ہوجانا رحمتِ الٰہی سے بڑی مضبوط آڑ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی ہر توبہ موقوف رہتی ہے،اگر ایمان لاکر مرا تمام گزشتہ توبہ قبول ہوگئیں،اگر کفر پر ہی مرگیا تو ساری توبہ بیکار گئیں۔حق یہ ہے کہ کفار کی بعض دعائیں قبول ہوجاتی ہیں،شیطان نے درازئ عمر کی دعا مانگی جو کچھ ترمیم سے قبول ہوگئی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰی سے اس طرح ملے ۱؎ کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ جانتا ہو ۲؎ پھر اس پر گناہوں کے پہاڑ ہوں تو اللہ اسے بخش دے گا ۳؎(بیہقی کتاب البعث و النشور)

۱؎ یعنی اس حال میں مرے۔یہاں اللہ سے ملنے سے مراد دنیا سے جانا ہے نہ کہ قیامت میں اٹھنا کہ مرتے ہی سب ایمان لے آتے ہیں،پھر قیامت میں مشرک کون ہوگا،چونکہ بعد موت دنیا کے سارے تعلقات ختم ہوجاتے ہیں،بندہ کا تعلق صرف رب تعالٰی سے رہ جاتا ہے اسی لیے موت کو اللہ سے ملنا فرمایا گیا۔

۲؎ اس طرح کہ کسی کو خدا کا شریک نہ مانتا ہو،چونکہ عرب میں عام طور پر کفار مشرکین ہی تھے اس لیے شرک کا ذکر فرمایا ورنہ موحد کافر کا بھی یہ ہی حال ہے۔خیال رہے کہ مشرک اپنے معبودوں کو خدا کے برابر ضرور مانتے ہیں کسی کو خدا کی اولاد،کسی کو خدا کا مددگار،کسی کو خدا کے مقابل اپنا کار ساز مانتے ہیں اسی لیے وہ قیامت میں اپنے شرکاء سے کہیں گے"اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"علم القرآن"میں ملاحظہ فرمایئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ"۔

۳؎ اگر چاہے تو بخش دے یا تو بالکل ہی بخش دے یا کچھ تنبیہ فرما کر یا کچھ سزا دے کر،رب تعالٰی فرمایا ہے:"وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"لہذا یہ حدیث نہ تو قرآنی آیات کے مخالف ہے نہ عذاب کی حدیثوں کے اور نہ اس میں مسلمانوں کو گناہ پر دلیر کیا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس کا گناہ تھا ہی نہیں ۱؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)اور بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث میں نہرانی اکیلا ہے اور وہ مجہول الحال ہے ۲؎اور شرح سنہ میں ابن مسعود سے موقوفًا روایت کی آپ نے فرمایا نادم ہونا توبہ ہے اور توبہ والا ایسا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں ۳؎

۱؎ توبہ سے مراد سچی اور مقبول توبہ ہے جس میں تمام شرائط جواز و شرائط قبول جمع ہوں کہ حقوق العباد اور حقوق شریعت ادا کردیئے جائیں،پھر گزشتہ کوتاہی پر ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔اس توبہ سے گناہ پر مطلقًا پکڑ نہ ہوگی بلکہ بعض صورتوں میں تو گناہ نیکیوں سے بدل جائیں گے۔حضرت رابعہ بصریہ سفیان ثوری اور فضیل ابن عیاض سے فرمایا کرتی تھیں کہ میرے گناہ تمہاری نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں،اگر میری توبہ سے یہ گناہ نیکیاں بن گئے تو پھر میری نیکیاں تمہاری نیکیوں سے بہت بڑھ جائیں گی۔(مرقات)خیال رہے کہ یہاں "کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ"سے انبیاء،اولیاء،ملائکہ خارج نہیں ہیں کیونکہ گنہگار توبہ کرکے ان جیسا نہیں ہوجاتا اگر اسے عذاب نہ بھی ہو مگر خجالت و شرمندگی تو ہوگی وہ حضرات ان سے بھی پاک ہیں۔یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو نہ معصوم ہوں نہ محفوظ مگر گناہ نہ کریں جیسے چھوٹے بچے اور دیوانہ مسلمان کہ تائب گنہگار توبہ کی برکت سے ان بے گناہوں کی طرح ہوجاتا ہے بے گناہی میں۔

۲؎ یعنی نہرانی کا پتہ نہ لگا کہ ثقہ تھا یا ضعیف لہذا یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی،امام ابن حجر اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ چونکہ یہ حدیث فضائل دعا و توبہ میں ہے لہذا اگر ضعیف بھی ہو تب بھی قبول ہے۔(مرقات)

۳؎ چونکہ گزشتہ پر ندامت توبہ کا رکن اعلیٰ ہے کہ اس پر باقی سارے ارکان مبنی ہیں اس لیے صرف ندامت کا ذکر فرمایا جو کسی کا حق مارنے پر نادم ہوگا تو حق ادا بھی کردے گا جو بے نمازی ہونے پر شرمندہ ہوگا وہ گزشتہ چھوٹی نمازیں قضا بھی کرلے گا لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کہ یہ بات محض قیاس سے نہیں کہی جاسکتی۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی گزشتہ بابوں کے تتمات ولواحق کاباب جس میں مختلف مضامین کی احادیث ہیں اکثر حدیثیں اللہ کی رحمت اور بندے کے مایوس نہ ہونے کے متعلق ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے مخلوق پیدا فرمانے کا فیصلہ کیا۱تو ایک تحریر لکھی جو رب کے پاس عرش کے اوپر ہے ۲کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور ایک روایت میں غلبت ہے ۳(مسلم،بخاری)

۱اس طرح کہ مخلوق کو پیدا فرمادیا یا پیدا فرمانے کی ابتداء کی یا موجودات کے ظہور کا ارادہ قریب کیا یا جب میثاق کے دن تمام روحوں کو پیدا کیا۔

۲کتاب سے مراد لوح محفوظ ہےاور لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دیناہےفرشتوں کو یا قلم کو۔عرش کے اوپر سے مراد درجہ و مرتبہ میں اوپر ہےنہ کہ جگہ میں کیونکہ لوح محفوظ عرش کے نیچے ہے نہ کہ اس کے اوپر ۔بعض علماء نے فرمایا کہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی ہے کہ اس میں سارے حالات درج ہیں اور حضرت اسرافیل حاملین عرش فرشتوں کے سردار ہیں،اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں۔(مرقات وغیرہ)

۳اس طرح کہ آثار غضب پر آثار رحمت غالب بھی ہیں اور زیادہ بھی ورنہ خود رحمت و غضب رب تعالٰی کی صفتیں ہیں،وہاں زیادتی کمی اور غالبت مغلوبیت ناممکن ہے۔مطلب یہ ہے کہ میری رحمت کا ظہور بمقابلہ غضب بہت زیادہ ہوگا۔چنانچہ رب تعالٰی کی رحمت تمام مخلوق کو پہنچتی ہے اور غضب کسی کسی کو کفار بھی رب کی رحمت ہی سے روزی پاتے ہیں،بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔چنانچہ رحمت کے بارے میں خودفرماتا:"وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ"اور عذاب کے بارے میں فرماتاہے:"عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ"۔(از لمعات مع زیادۃ)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں۱جن میں سے

	ایک رحمت جن انسان، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری جس سے یہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی اور رحم کرتے ہیں۲ اس رحمت سے وحشی جانور اپنے بچے پر مہربان ہوتے ہیں۳ اور ننانوے رحمتیں محفوظ رکھ چھوڑی ہیں جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۴ گا۵ (مسلم، بخاری)

۱ یعنی اللہ تعالٰی کی رحمت سو قسم کی ہے یا سینکڑوں قسم کی جن میں سے ہر قسم کے ماتحت ہزارہا انواع ہیں، ہر نوع کے نیچے ہزاروں صنفیں ہیں اور ہر صنف کے تحت ہزارہا افراد۔ غرضکہ یہ حدیث حد بندی (تحدید) کے لیے بلکہ تکثیر و زیادت کے لیے ہے۔

۲ یعنی ان سینکڑوں اقسام میں سے ایک قسم یا کروڑوں افراد میں سے ایک فرد دنیا میں بندوں میں بانٹ دی گئی ہے جس کے حصے ہوکر ماں باپ، بہن بھائی، قرابت دار دوستوں کو ملے۔

۳ وحشی جانوروں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ ان میں الفت و محبت کم ہے نفرت و غضب زیادہ یعنی وحشی درندے بھی اس رحمت کے حصے سے اپنے بچوں پر مہربان ہیں۔ اگر رب تعالٰی ماں کے دل میں محبت پیدا نہ کرے تو وہ اپنے بچوں پر ہرگز مہربان نہ ہو جیسے ناگن اور مچھلی کہ ناگن تو اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے، مچھلی اپنے بچوں کو پہچانتی بھی نہیں اور اگر رب محبت پیدا فرمادے تو پتھر اور درخت محبت کرنے لگیں، دیکھو احد پہاڑ حضور سے محبت کرتا ہے، درخت گھاس پھوس حضور پر نثار ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۴ بندوں سے مراد مؤمن بندے ہیں اور ننانوے کا عدد تحدید کے لیے بلکہ زیادتی کے لیے ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایک قسم کی رحمت کا ظہور تو دنیا میں ہورہا ہے اور ننانوے قسم کی رحمت کی جلوہ گری آخرت میں ہوگی لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ روزانہ کعبہ معظّمہ پر ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں جن سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں پر۔ (از مرقات)

	اور مسلم کی روایت میں حضرت سلمان سے اسی کی مثل ہے اس کے آخر میں ہے کہ فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالٰی اس رحمت کو اس سے کامل فرمادے گا۱

۱ یعنی قیامت کے دن ان ننانوے رحمتوں کو اس دنیا کی ایک رحمت سے ملا کر پورے سو فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ وہاں دنیوی رحمت بھی ہوگی مگر صرف مسلمانوں میں، کفار تو عذاب دیکھ کر اپنی اولاد، ماں باپ سے بھی بیزار ہوں گے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مؤمن جان لیتا کہ اللہ تعالٰی کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھتا اور اگر کافر جان لیتا کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت

	ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہوتا ۱(مسلم،بخاری)

۱اس میں رب تعالٰی کی انتہائی رحمت و عذاب کا ذکر ہے یعنی اس قدر بیان کرنے کے باوجود اللہ تعالٰی کی وسعت رحمت و عذاب کسی کے خیال میں نہیں آسکتی،اگر ان کی حقیقت معلوم ہوجائے تو عذاب دیکھ کر مومن کی آس ٹوٹ جائے اور اس کی رحمت میں غور کرکے کافر کے پاس جاتی رہے۔خلاصہ یہ ہے کہ نیک کار کو بھولنا نہ چاہیئے کیونکہ اللہ جباروقہار ہے اور گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ ستار و غفار ہے۔حضرت عمر فرماتے ہیں اگر قیامت میں رب اعلان فرمائے کہ صرف ایک ہی بندہ جنتی ہے تو مجھے امید ہوکہ شائد میں ہی ہوں گا اور اگر اعلان ہوجائے کہ صرف ایک ہی بندہ دوزخی ہے تو مجھے خطرہ ہوگا کہ وہ میں ہی ہوں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندہ پر زندگی میں خوف غالب چاہیئےاور مرتے وقت امید۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت تم سے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور آگ بھی ایسی ہی ہے ۱ (بخاری)

۱اس طرح کہ کبھی منہ سےایک بری بات نکل جاتی ہےتو ساری عمر کی نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں اور بندہ دوزخی ہوجاتا ہے اور کبھی منہ سے ایک بات اچھی نکل جاتی ہے جو رب کو پسند ہو اس سے بندہ کے عمر بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ جنتی ہوجاتا ہے۔غرضکہ ایک لفظ میں جنت و دوزخ ہے،چونکہ جنت ودوزخ اپنے عمل سے ملتی ہیں اور ان کے راستے عمل کے قدموں سے طے ہوتے ہیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرب کو جوتے کے تسمے سے تشبیہ دی یعنی ایک قدم میں جنت ہے اور ایک قدم میں دوزخ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے اپنی جان پر زیادتی کی تھی جب اسے موت آئی تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی۱کہ جب وہ مرجائے تو اسے جلادو پھر اس کو آدھا جنگل میں اور آدھا دریا میں اڑادو۲رب کی قسم اگر اللہ نے اس پر تنگی کی تو اسے وہ عذاب دے گا جو جہانوں میں کسی کو نہ دے۳پھر جب وہ مرگیا جو اس نے کہا تھا وہ ان لوگوں نے کیا،اللہ نے دریا کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کردیا اور جنگل کو

	حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا جمع کردیا پھر اس سے فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی وہ بولا یارب تیرے ڈر سے تجھے تو خود خبر ہے اسے رب نے بخش دیا۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ شخص کوئی اسرائیلی تھا کیونکہ بنی اسرائیل نے بار ہا خوف الٰہی میں بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب انبیاءکرام کی تعلیم دنیا سے گم ہوچکی تھی لوگ رب تعالٰی کی صفات سے بے خبر ہوگئے تھے لہذا اگلے واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ اگرچہ اس زمانہ میں دفن کا رواج تھا مگر اس ناسمجھ نے خیال کیا کہ دفن ہونے کی صورت میں میری لاش ایک ہی جگہ ہوگی جسے رب دوبارہ زندگی بخش دے گا اور اگر میری مٹی کے ذرے دریا اور خشکی میں بکھرگئے تو رب اسے جمع نہ کرے گا یا جمع نہ کرسکے گا۔اس کا یہ خیال قدرت الٰہی سے بے خبری کی بنا پر تھااور یہ بے خبری نور نبوت نہ پہنچنے کی وجہ سے تھی لہذا یہ بندہ معذور تھا اور اسے اس بنا پر کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسے زمانہ میں نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی ہوتا ہے۔

۳؎ یہ معنی بہت نفیس ہیں کہ قَدَرَ قَدْرٌ سے بنا نہ کہ قُدْرَۃٌ سے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَمَّآ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَه"اور یونس علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:"فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ"اگر یہ قُدْرَۃٌ سے بنتا تو اس میں خدا کی قدرت کا انکار ہوتا جو کفر ہے،یہی معنے مرقات نے کئے یعنے اگر رب نے مجھ پر تنگی کی اور میرا حساب لیا تو مجھے عذاب دے گا۔خلاصہ یہ ہے کہ تم میری میت کو خود عذاب دے دینا(جلا کر اڑا کر)تاکہ رب تعالٰی مجھ پر عذاب نہ کرے،اگر قُدْرَۃٌ سے ہو جیساکہ بعض شارحین نے فرمایا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ بندہ صفات الٰہی سے خبردار نہ تھا۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مردہ کو جلا ڈالنے اور اس کی مٹی کو اڑا دینے سے مردہ حساب و عذاب سے نہیں بچ سکتا،رب تعالٰی ایک آن میں اس کے تمام ذرے جمع فرماکر حساب بھی لے لیتا ہے اور عذاب و ثواب بھی دے دیتا ہے جیساکہ عذاب قبر کے باب میں عرض کرچکے ہیں۔دوسرے یہ کہ زمانہ فترت کے لوگ صرف عقیدۂ توحید پر بخشے جائیں گے،صفات الٰہی سے غفلت اور گناہوں پر ان کی پکڑ نہ ہوگی سوائے حقوق العباد اور ظلم کے کہ ظلم کی سزا تو جانوروں کو بھی ملے گی۔تیسرے یہ کہ خوف خدا رب تعالٰی کی بڑی ہی نعمت ہے جس سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،دیکھو یہ بندہ عمر بھر کا گنہگار تھا محض غلبۂ خوف الٰہی سے بخشا گیا۔چوتھے یہ کہ عذاب و ثواب کا حکم تو مرتے ہی ہوجاتا ہے اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قیدی آئے تو قیدیوں میں ایک عورت کی چھاتیاں دودھ سے چھلک رہی تھیں۱؎ وہ دوڑ رہی تھی جب قیدیوں میں کوئی بچہ پاتی اسے پکڑتی

	اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلادیتی ۲؎ تب ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال کرسکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے ہم نے عرض کیا اگر وہ پھینکنے پر قادر ہو تو کبھی نہ پھینکے فرمایا اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ اپنے بچے پر۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ اس کا بچہ اس سے جدا ہوچکا تھا اور یہ نئ والدہ تھی۔تحلب حلب سے بنا جس کے معنے ہیں دودھ دوہنا،یہاں دودھ کی وہ کثرت مراد ہے جسے پستان نہ سنبھال سکیں اور دودھ ٹپکنے لگے۔

۲؎ تاکہ دودھ کا جوش کچھ کم ہوجائے،نیز وہ اپنے بچہ کو یادکرکے دوسرے بچوں پرمہربانی کرتی تھی۔(مرقات)

۳؎ جیسے ماں نہیں چاہتی کہ میرا بچہ آگ میں جلےایسے ہی رب تعالٰی نہیں چاہتا کہ میرا بندہ آگ میں جلےوہ تو ماں سے زیادہ مہربان ہے۔خیال رہے کہ یہاں چاہنا بمعنی راضی ہونا ہے نہ کہ بمعنی ارادہ کرنا رب تعالٰی نہ کفر سے راضی ہے نہ فسق سے،دنیا کا ہر کام رب تعالٰی کے ارادے سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے،لوگ اپنی حرکتوں سے دوزخ میں جاتے ہیں رب تعالٰی ان کے اس جانے سے راضی نہیں لہذا حدیث صاف ہے اس پر مسئلۂ تقدیر کے اعتراضات نہیں پڑ سکتے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا۱؎ لوگوں نے عرض کیا نہ آپ کو یارسول اللہ ۲؎ فرمایا نہ مجھے مگر یہ کہ اللہ مجھے مہربانی سے اپنی رحمت میں چھپالے ۳؎ لہذا ٹھیک رہو میانہ رو رہو اور صبح شام اور کچھ اندھیری رات میں نیکیاں کرلیا کرو میانہ رو رہو میانہ رو رہو پہنچ جاؤ ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی نیک اعمال دوزخ سے بچنے،جنت میں داخل ہونے کے اسباب تو ہیں مگر علت تامہ نہیں۔بہت سے لوگ بغیر نیک عمل جنتی ہیں جیسے مسلمانوں کے ناسمجھ بچے یا دیوانے یا وہ جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہوجائیں اور بعض لوگ نیکیوں کے باوجود دوزخی ہیں جیسے نیکیاں کرنے والے کفار یا جن کی نیکیاں مردود ہوگئیں۔ جنت ملنے کی علت تامہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے،محض تخم درخت کی علت تامہ نہیں بہت بار تخم ضائع ہوجاتاہے۔ اس فرمان کا مقصد لوگوں کو نیکیوں سے روکنا نہیں ہے بلکہ نیکوں کو اپنے اعمال پر ناز کرنے سے بچانا ہے کہ اے پرہیزگارو اپنے اعمال پرغرور نہ کرو،رب تعالٰی کا فضل مانگو شیطان کے اعمال سے،اس کے انجام سے سبق لو۔

۲؎ یعنی آپ کی نیکیاں تو قبولیت کی انتہائی منزل پر ہیں کیا یہ بھی حصول جنت کے لیے کافی وافی نہیں،کیا آپ کو بھی اللہ کی رحمت درکار ہے۔صحابہ سمجھے یہ تھے کہ ایسے موقعہ پر متکلم مستثنٰی ہوتا ہے شاید حضور یہ ہمارے لیے فرمارہے ہیں اس لیے یہ سوال کیا۔اس سوال سے معلوم ہوتا کہ صحابہ عمومی احکام پرحضور کو داخل نہ مانتے تھے۔

۳؎ یتغمدنی غمد سے بنا،بمعنی غلاف تلوار جو ہر طرف سے تلوار کو چھپائے ہوتا ہے یعنی میں بھی محض عمل سے بلافضل الٰہی جنت کا حقدار نہیں،ہاں رب تعالٰی کی رحمت ہر طرف سے مجھے گھیرے توجنت میری ہے۔خیال رہے کہ تمام دنیا کے لئے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ"اور رحمت الٰہی جنت ملنے کا ذریعہ ہےتو ہماری جنت کا وسلیہ عظمٰی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر خود رب تعالٰی کا فضل ربانی ہے:"وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا"لہذا ہم اور رحمت سے جنتی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رحمت سے،سورج و چاند دونوں کو نور رب نے دیا مگر چاند کو سورج کے ذریعہ اور سورج کو بلاواسطہ اپنی طرف سے لہذا اس حدیث سے حضور کا ہماری مثل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

۴؎ اس طرح کہ عقائد درست رکھو،عبادات میں درمیانی روش چلو کہ بقدر طاقت نوافل شروع کرو پھر ہمیشہ نبھادو اور صرف فرائض پر کفایت نہ کرو بلکہ نوافل بھی ادا کیا کرو خصوصًا آخری رات میں عبادت کیا کرو کہ یہ چیزیں رحمت الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جنت کا ذریعہ رحمت الٰہی ہے اور رحمت کا ذریعہ نیک اعمال ہیں لہذا اعمال سے غافل نہ ہو منزل قریب ہے۔خیال رہے کہ رات میں سفر زیادہ طے ہوجاتا ہے ایسے مسافر آخر رات کے لیے رات کی عبادت سے جلد منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ تو جنت میں پہنچا سکے گا نہ آگ سے بچا سکے گا اور نہ مجھے مگر اللہ کی رحمت سے ۱؎(مسلم)	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ دخول جنت اللہ کے فضل سے ہے اور وہاں کے درجات کا حصول اعمال کے وسیلہ سے ہے خواہ خود اپنے عمل ہوں یا اپنے ماں باپ یا اولاد کے عمل۔اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہےجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اللہ کے فضل سے جنت کا باعث بنے تو ماشا کس شمار میں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہوا۱؎ تو اللہ تعالٰی اس کے سارے کئے ہوئے گناہ مٹا دیتا ہے ۲؎ اس کے بعد قصاص ہوتا رہتا ہے ۳؎ کہ نیکی تو دس گنے سے لے کرسات سو گنا بلکہ بہت زیادہ گنا تک ہے ۴؎ اور گناہ اس کے برابر مگر یہ کہ اللہ تعالٰی معافی دیدے ۵؎(بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ اخلاص کےساتھ دل سے مسلمان ہو منافقت سے کلمہ نہ پڑھے۔

۲؎زمانۂ کفر کے سارے گناہ اسلام سے ختم ہوجاتے ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لہذا زمانۂ کفر کے قرض، ظلمًا قتل وغیرہ اس کے ذمہ رہیں گے اسی لیے سیئہ فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ زمانۂ کفر کی نیکیاں برباد نہیں ہوتیں بلکہ اسلام کے بعد وہ قبول ہوجاتی ہیں۔

۳؎یعنی مسلمان ہوچکنے کے بعد بدلہ ہوا کرے گا اس بدلے کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۴؎یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے"مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا"اور"مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوٰلَهُمۡ" الخ۔زمانہ کفر کے سارے گناہ اسلام سے ختم ہوجاتے ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

۵؎ یہ رب تعالٰی کا فضل ہے کہ ایک نیکی پر سات سو بلکہ اس سے زیادہ تک جزاء اور ایک گناہ کی جزاء صرف ایک۔مگر خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی جزاء،بعض گناہ وہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں۔غرضکہ گناہ کی سزا مقدار میں نہ بڑھے گی۔رہی کیفیت اس میں فرق ہوگا،پھر رب کی معافی کی دو صورتیں ہیں:یا تو بندوں کو توبہ کی توفیق دے دی جائے یا بغیر توبہ ویسے ہی بخش دیا جائے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرمادیئے ہیں۱؎تو جو نیکی کا ارادہ کرے مگر کرے نہیں تو اسے اللہ اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے ۲؎پھر اگر قصد کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے ہاں دس سے سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ گنا تک لکھ لیتا ہے۳؎اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں اس کے لیے بھی اللہ تعالٰی ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے۴؎پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالٰی ایک گناہ لکھتا ہے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس طرح کہ رب کے حکم سے فرشتوں نے لوح محفوظ میں یا بندے کی تقدیر میں تحریر فرمادیئے یا نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ لکھتا رہتا ہے۔خیال رہے کہ نیکی ہر وہ عمل ہے جو ثواب کا باعث ہو اور گناہ ہر وہ عمل ہے جو عذاب کا سبب ہے لہذا ممنوعہ وقتوں میں نماز پڑھنا گناہ ہے اور حضور پر نمازیں یا جان فدا کردینا ثواب ہے کبھی قضا نیکی ہوجاتی ہے اور ادا گناہ۔

۲؎معلوم ہوا کہ نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اس پر بھی ثواب ہے مگر ثواب اور چیز ہے اداء فرض اور چیز لہذا صرف ارادہ سے فرض ادا نہ ہوگا۔

۳؎یہ ثوابوں کا فرق کہ کسی کو ایک نیکی کا ثواب دس گنا،کسی کو سات سوگنا،کسی کو اس سے بھی زیادہ،عامل کی نیت عمل کے موقع و عمل سے ہے اکیلے نماز کا اور ثواب ہے باجماعت نماز کا کچھ اور۔

۴؎خیال رہے کہ خیال گناہ اور ہے اور گناہ کا پکا ارادہ کچھ اور پختہ ارادہ کرلینے پر انسان گنہگار ہوجاتا ہے۔یہاں خیال گناہ کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جب دو مسلمان لڑیں اور ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی کیونکہ مقتول نے بھی قتل کا ارادہ کیا تھا اگرچہ پورا نہ کرسکا وہاں گناہ کا عزم بالجزم مراد ہے،ایسے ہی جو چوری کرنے کا پورا ارادہ کرے مگر موقعہ نہ پائے وہ بھی گنہگار ہوگیا،جو کفر کا ارادہ کرے وہ کافر ہوگیا لہٰذا حدیث واضح ہے۔خیال گناہ،گناہ نہیں بلکہ بعد میں اس خیال سے توبہ کرلینا نیکی ہے۔

۵؎اس سے معلوم ہورہا ہے کہ بغیر ارادہ گناہ صادر ہوجانا گناہ نہیں گناہ میں قصد و ارادہ عذاب کا باعث ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل اور ارادہ دونوں کا ذکر فرمایا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی مثال جو پہلے گناہ کرتا ہو پھر نیکیاں کرنے لگے۱؎ اس کی سی ہے جس پر تنگ زرہ تھی جو اس کا گلا گھونٹ رہی تھی۲؎ پھر اس نے ایک نیکی کو تو ایک چھلا کھل گیا پھر دوسری نیکی کی تو دوسرا کھل گیا حتی کہ وہ زمین پر گر گئی ۳؎(شرح سنہ)	

۱؎گناہ چھوڑ کر یا گناہ کے ساتھ ساتھ بعض لوگ پہلے صرف گناہ کرتے ہیں بعد میں گناہ چھوڑ کر صرف نیکیاں کرنے لگتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں اور بعض لوگ پھر بعد میں اگرچہ گناہ کرتے رہیں مگر نیکیاں بھی کرنے لگتے ہیں یہ بھی غنیمت ہے۔غالب یہ ہے کہ یہاں پہلی جماعت مراد ہے۔

۲؎یہ بہت نفیس مثال ہے کہ جیسے زرہ سارے جسم کو گھیر لیتی ہے،اور اگر تنگ ہو تو تمام بدن کو تکلیف دیتی ہے ایسے ہی گناہوں میں گھرا ہوا ہر طرح برا ہوتا ہے اللہ کے نزدیک بھی اور بندوں کی نگاہ میں بھی اس کو قلبی کوفت بھی رہتی ہے،نیکی سے دل کو خوشی ہوتی ہے،گناہ سے دل کو رنج اگرچہ کبھی یہ خوشی و غم بعض اوقات محسوس نہ ہوں۔

۳؎اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ نیکیوں کی برکت سے گناہ معاف ہوتے ہیں رب فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"یہ بھی پتہ لگا اولًا انسان بتکلف نیکی کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی بن جاتا ہے،اور قدرتی طور پر گناہوں سے نفرت ہوجاتی ہے قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ"۔رب تعالٰی ایسی نیکیاں نصیب فرمائے۔مطلب یہ کہ نیکیوں کے ذریعہ آخر کار گناہوں کی زرہ بالکل کھل کر زمین پر گر جاتی ہے ہم سے دور ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بر سر منبر وعظ فرماتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں۱ میں نے کہا اگرچہ زنا کرلے اگرچہ چوری کرلے۲ یا رسول اللہ حضور نے پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ اس کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں میں نے دوبارہ کہا یارسول اللہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے حضور نے پھر تبارہ فرمایا کہ اسے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دوجنتیں ہیں تیسری بار عرض کیا گیا کہ اگرچہ زنا و چوری کرے یا رسول اللہ تو فرمایا اگر چہ ابوالدرداء کی ناک رگڑ جائے ۳(احمد)	

۱ یعنی جو کوئی اس خوف سے گناہ چھوڑ دے یا توبہ کرتا رہے کہ کل مجھے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اعمال کا حساب دینا ہے اسے دو جنتیں عطا ہوں گی،ایک جنت خوف خدا کے عوض اور دوسری گناہ چھوڑ دینے کے عوض یا ایک جنت عدل کی،دوسری جنت رب کے فضل کی یا ایک جنت جسمانی،دوسری جنت جنانی و روحانی یا ایک جنت دنیا میں کہ اسے ہمیشہ قربِ الٰہی میسر ہوگا جس سے وہ خوش و خرم رہے گا۔دوسری جنت آخرت میں،ان دو جنتوں کی بہت تفسیریں ہیں مگر صرف زبانی طور پر خوفِ الٰہی کا محض دعویٰ نہ ہو بلکہ عمل بھی ہو،رب تعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف نصیب کرے جو گناہ چھوڑا دے آمین۔یہ وہ گوہر ہے جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتا۔

۲ یعنی اس سے پہلے اگرچہ چوری و زنا کرچکا ہو اگرچہ اس خوف کے بعد زنا و چوری کر بیٹھے تب بھی دو جنتیوں کا مستحق ہے۔

۳ یعنی اے ابوالدرداء اگر تم سوال کرتے کرتے اپنی ناک بھی رگڑ دو تب بھی حکم یہی رہے گا کہ اللہ سے ڈرنے والا دو جنتوں کا مستحق ہے خواہ اس سے قبل کتنے ہی بڑے گناہ کیوں نہ کرچکا ہو اور اگرچہ اس کے بعد بھی غلطی سے گناہ کر بیٹھے۔خوف الٰہی وہ صابن ہے جو دل کے سارے میل دھو ڈالتا ہے یا وہ سورج ہے جس کی کرنیں گندی سے گندی زمین کو خشک کردیتی ہیں حتی کہ اگر مؤمن کو مرتے وقت بھی خوفِ خدا نصیب ہوجائے اور اسی حال میں مرجائے تو ان شاءاللہ وہ بھی اس آیت کے ماتحت داخل ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ خائف سے مراد مؤمن ہے،مطلب یہ ہے کہ مؤمن کتنا ہی بڑا گنہگار کیوں نہ ہو مگر آخر کار دو جنتوں کا مستحق ہوگا،ایک اپنے ایمان کی جنت دوسرے رب کی عطا یا کافر کی میراث کی،معافی پا کر وہاں پہنچے یا سزا پاکر۔

روایت ہے حضرت عامر الرام سے۱ فرماتے ہیں کہ ہم	

	ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ناگہاں ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر کمبل لپیٹا تھا عرض کیا یارسول اللہ میں ایک درخت کی جھاڑی پر گزرا تو میں نے اس جھاڑی میں چڑیا کے چوزوں کی آواز سنی ۲؎ میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا ۳؎ اتنے میں ان کی ماں آگئی وہ میرے سر پر چکر لگانے لگی میں نے اس کے سامنے وہ بچے کھول دیئے وہ ان پر گر پڑی ۴؎ میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا وہ سب یہ میرے ساتھ ہیں فرمایا انہیں رکھ دو ۵؎ میں نے رکھ دیا ان کی ماں انہیں چمٹی رہی ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان چوزوں کی ماں کی اپنے بچوں سے اتنی مامتا پر تعجب کرتے ہو اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی بچوں کی ماں چوزوں ۷؎ پر انہیں واپس لے جاؤ حتی کہ انہیں وہاں ہی رکھ آؤ جہاں سے پکڑا ہے اور ان کی ماں ان کے ساتھ رہی وہ انہیں واپس لے گیا ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ رام اصل میں رامی تھا،بمعنی تیرانداز چونکہ یہ فن تیر اندازی میں یکتا تھے اس لیے ان کا نام عام رام پڑ گیا۔

۲؎ غیضہ وہ جنگل ہے جہاں بہت گھنے درخت ہوں جسے اردو میں جھاڑی کہتے ہیں کبھی اس درخت کو کبھی غیضہ کہہ دیتے ہیں جس کی جڑ ایک ہوتنے اور شاخیں بہت ہوں اور گھنی ہوں جن سے دھوپ نہ چھن سکے۔یہاں دوسرے معنی ظاہر ہیں،یہ حضرت چرواہے تھے جو جانوروں کو چرانے کے لیے دوردور نکل جاتے ہیں ایسے واقعات ان کو زیادہ درپیش آتے ہیں فراخ جمع فرخ کی ہے فرخ چڑیا کا وہ بچہ ہے جو ابھی اڑ نہ سکے اور اس کی ماں اسے دانہ دے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ جنگل کی چڑیاں اور ان کے بچے کسی کی ملک نہیں ہر شخص انہیں پکڑ سکتا ہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر انہیں تنبیہ نہ فرمائی،وہاں ایسے بچوں کو ماں سے جدا نہ کیا جائے بلکہ انہیں مع ماں کے اپنے گھر میں پال لے یا ان کی جگہ پہنچادے،مگر کسی کا پالتو جانور اور اس کے بچے دوسرا آدمی نہیں پکڑ سکتا اگر پکڑے گا تو مجرم ہوگا۔

۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق بے خوفی پیدا کرتا ہے اسی عشق سے دل میں قوت،بدن میں طاقت،طبیعت میں ہمت و جرائت پیدا ہوتی ہے۔دیکھو چڑیا انسان سے ڈرتی ہے مگر بچوں کے عشق نے اس کے دل سے ڈر،نفرت سب نکال

دیا،بلکہ کبھی ایسی چڑیا انسان پر حملہ کردیتی جب دنیا کے عشق کا یہ حال ہے تو جسے اللہ تعالٰی عشق مصطفٰی نصیب کرے اس میں دلیری کیوں نہ پیدا ہوجائے۔کربلا میں حسینی قافلہ بہتر۷۲ آدمیوں پر مشتمل تھا اور مقابلہ میں بائیس ہزار یزیدی مگر،حسینی قافلہ کی ہمت شجاعت دلیری آج تک مشہور ہے یہ دلیری کہاں سے آئی انہی حضرت عشق کی کرشمہ سازی تھی۔

۵؎ یعنی اپنا کمبل زمین پر رکھ کر انہیں کھول دو تاکہ یہ نظارہ ہم سب بھی دیکھیں،معلوم ہوا کہ جانوروں کی حرکات کا تماشا دیکھنا اگر لہوو لعب کی نیت سے نہ ہو بلکہ عبرت حاصل کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔حرکتوں سے مراد ان کا ناچ و کود نہیں،بلکہ وہ تو محض کھیل کود ہے۔

۶؎ یعنی لوگوں کا اتنا مجمع دیکھ کر بھی اپنے بچوں سے نہ بھاگی بلکہ اپنی جان پر کھیل کر انہیں اپنے پروں میں چھپائے رہی۔

۷؎ بندوں سے مراد سارے بندے ہیں مؤمن ہوں یا کافر متقی ہوں یا فاجر پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں گناہوں سے نفرت ہے نہ گنہگار سے اسی رحمت کی بنا پر رب تعالٰی نے بندوں میں انبیاء و اولیاء بھیجے کا فریا مجرم خود اپنے کو مستحق کرلیتے ہیں رب تعالٰی ان کے جہنم میں جانے سے راضی نہیں مولانا عطار فرماتے ہیں۔شعر

خلق ترمبد از تو من تو سم ز خود کر تو نیکی دیدہ ام وزخویش

۸؎ اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں اُمُّھُنَّ کا رفع اور زبر مرقات اور اشعۃ اللمعات نے پہلی قرأت اختیار کی اور اس جملہ کو حال قرار دیا یعنی ان چوزوں کی ماں ان چوزوں کے ساتھ رہی،دوسری قرأت کی بناء پر معنی یہ ہوں گے کہ ان بچوں کے ساتھ ان کی ماں کو بھی رکھ آؤ،اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے چھوٹے بچوں کو ان کی ماں سے الگ نہ کیا جائے اسلام نے جانوروں پر بھی رحم کرنے کا حکم دیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم بعض جہادوں میں نبی کریم کے ساتھ تھے حضور انور ایک قوم پر گزرے پوچھا تم کون قوم ہو۱؎ وہ بولے ہم لوگ مسلمان ہیں ایک عورت ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی ۲؎ جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچہ کو دور ہٹا دیتی ۳؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی بولی کیا آپ رسول اللہ ہیں ۴؎ فرمایا ہاں بولی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اللہ تمام رحم والوں سے بڑھ کر رحیم

	نہیں ۵؎ فرمایا ہاں بولی کیا اللہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچہ سے زیادہ مہربان نہیں ۶؎ فرمایا ہاں ہے ۷؎ تو بولی کہ ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی ۸؎ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکالیا بہت روئے پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ تعالٰی اپنے بندوں میں صرف سرکش متکبر ہی کو عذاب دے گا جو اللہ تعالٰی پر سرکشی کرے اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکاری ہو ۹؎ (ابن ماجہ)

۱؎ مسلمان ہو یا کفار غالبًا ان پر کوئی علامت موجود نہ تھی اسی لیے ان لوگوں نے جواب میں **مسلمون** فرمایا،یہ نہ کہا کہ ہم قریشی یا نضری ہیں۔خیال رہے کہ پوچھنا بے علمی کی دلیل نہیں،اس پوچھنے میں اور بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں،رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔

۲؎ **تحصب** حصب سے بنا،حصب آگ روشن کرنے کو بھی کہتے ہیں اور ان تیلیوں و ایندھن کو بھی جس سے آگ سلگائی جائے، رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ**"تم اور تمہارے جھوٹے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں۔

۳؎ یعنی اس عورت کاایک بچہ جو گھٹنوں چلتا تھا بار بار آگ کو کھلونا سمجھ کر دیگچی کے پاس آجاتا اور آگ کو پکڑنا چاہتا مگر عورت بار بار دور ہٹا آتی۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس سے پہلے کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی تھی اور آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار خوشبو وغیرہ دیکھ کر آپ کو پہچان گئی اسی لیے کسی دوسرے سے اس نے یہ سوال نہ کیا۔

۵؎ یعنی مخلوق میں بہت رحم کرنے والے ہیں ماں باپ،استاد،سلاطین،مگر رب تعالٰی تمام سے زیادہ مہربان ہے یہ عرض آئندہ سوال کی تمہید ہے۔

۶؎ چونکہ ماں سب سے زیادہ مہربان ہے،اسی لیے اس نے ماں کے متعلق خصوصیت سے سوال کیا ورنہ یہ سوال بھی پچھلے سوال میں آگیا تھا اور راحمین میں ماں بھی شامل تھی۔

۷؎ چنانچہ ملاحظہ فرمالیجئے کہ میں بچہ کی وجہ سے بار بار چولہا چھوڑتی ہوں اور بچے کو دور ہٹا آتی ہوں پھر رب تعالٰی اپنے بندوں کو دوزخ میں کیوں بھیجے گا **سبحان اللہ**! کیسا پیار ا سوال ہے۔

۸؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا اس عورت کی مامتا دیکھ کر اور پھر رب کی رحمت یاد فرما کر تھا،رونا کبھی خوف سے ہوتا ہے،کبھی شوق سے ،کبھی ذوق سے،کبھی جوش سے ۔یہ رونا جوش سے تھا جو اللہ کی رحمت یاد آکر پیدا ہوا اور اس یاد کی وجہ عورت کے حال کا ملاحظہ فرمانا تھا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ رونا کیوں تھا۔

۹؎ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب صرف کفار کو ہوگا وہ بھی ان کے اپنے قصور و سرکشی سے جیسے مہربان ماں نالائق و سرکش بیٹے کو عاق کرکے نکال دیتی ہے،رہے گنہگار مسلمان،انہیں دوزخ میں کچھ روز کے لیے ڈالنا تعذیب نہیں بلکہ تہذیب ہے یعنی ان کی صفائی کرکے انہیں جنت کے لائق بنانا،جیسے سونے کو آگ میں تپا کر زیور بنا کر محبوب کے گلے کے لائق بنایا جاتا ہے،تو یہ آگ گویا نالائق کے لیے رحمت ہوگی ماں گندگی میں بھرے ہوئے بچے کو سخت سردی میں نہلاتی دھلاتی ہے جس سے بچے کو تکلیف ہوتی ہے مگر اس سے اسے صفائی میسر ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا کہ بندہ اللہ کی رضا تلاش کرتا رہتا ہے اسی جستجو میں رہتا ہے۱؎ اللہ تعالٰی حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنا چاہتا ہے مطلع رہو کہ اس پر میری رحمت ہے۲؎ تب حضرت جبرائیل کہتے ہیں فلاں پر اللہ کی رحمت ہے،یہ ہی بات حاملین عرش فرشتے کہتے ہیں یہ ہی ان کے اردگرد کے فرشتے کہتے ہیں حتی کہ ساتویں آسمان والے یہ کہنے لگتے ہیں۳؎ پھر یہ رحمت اس کے لیے زمین پر نازل ہوتی ہے۴؎(احمد)	

۱؎ اس طرح کہ اپنے دینی و دنیاوی کاموں سے رب تعالٰی کی رضا چاہتا ہے کہ کھاتا پیتا،سوتا جاگتا بھی ہے تو رضائے الٰہی کیلئے نماز و روزہ تو بہت ہی دور ہے خدا تعالٰی اس کی توفیق نصیب کرے۔

۲؎ یعنی اس پر میری کامل رحمت ہے اس طرح کہ میں اس سے راضی ہوگیا۔خیال رہے کہ اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلی نعمت ہے،جب رب تعالٰی بندے سے راضی ہوگیا تو کونین بندے کے ہوگئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ"پھر بندے پر وہ وقت آتا ہے کہ رب تعالٰی بندے کو راضی کرتا ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق فرماتا ہے"ولسوف یرضی"اللہ تعالٰی صدیق کو اتنا دے گا کہ وہ راضی ہوجائیں گے۔

۳؎ غرضکہ آسمانوں میں اس کے نام کی دھوم مچ جاتی،شور مچ جاتا ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کلمہ دعائیہ ہے،یعنی اللہ تعالٰی اس پر رحمت کرے،یہ دعا یا تو فرشتوں کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے یا خود وہ فرشتے اپنے قرب الٰہی بڑھانے کے لیے یہ دعائیں دیتے ہیں اچھوں کی دعائیں دینا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے جیسے ہمارا درود شریف پڑھنا۔شعر

قلب کی حالت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کردو شگفتہ ۔۔۔ دے دعائیں حافظ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

۴؎ اس طرح کہ قدرتی طور پر انسانوں کے منہ سے اس کے لیے نکلنے لگتا ہے رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں،دلوں کی قدرتی کشش محبوبیت الٰہی کی دلیل ہے۔دیکھئے حضور غوث پاک خواجہ اجمیری جیسے بزرگوں کو ہم لوگوں نے دیکھا نہیں مگر سب کو ان سے دلی محبت ہے۔مسلم شریف میں حضرت

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو،حضرت جبریل آسمانوں میں اعلان کردیتے ہیں کہ فلاں سے اللہ تعالٰی محبت کرتا ہے،آپ سب بھی اس سے محبت کریں،چنانچہ تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت پھیلادی جاتی ہے،یہ حدیث اس کے قریب قریب ہی ہے یہ غیبی وقدرت محبت ہے۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اللہ عزوجل کے اس فرمان کے متعلق کہ بعض لوگ اپنی جانوں پر ظالم ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۱ حضور نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں ۲(بیہقی،کتاب البعث و النشور)

۱ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی تین جماعتوں کا ذکر فرمایا،ظالمین،میانہ رویں،سابقین ظالمین وہ جن کے گناہ نیکیوں پرغالب ہوں،میانہ رو وہ جن کے دونوں عمل برابر ہوں سابقین وہ جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں۔یا نیکیوں نے گناہ مٹادیئے ہوں،ان تین کلمات کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں۔

۲اس طرح کہ سابقین تو بغیر حساب جنتی ہیں اور مقتصدین حساب یسیر کے بعد جنتی،اور ظالمین یا تو صرف سخت حساب کے بعد یا کچھ سزا پا کر جنتی میں بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کی کہ سابق تو سابق ہیں ہی اور مقتصد ناجی ہیں اور ظالم مغفور۔امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی نے ان تینوں فرقوں کو عبادنا فرمایا اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالٰی اپنے سابقین بندوں کے طفیل سے ہم ظالمین پر رحم فرمائے،ہمارے گناہ معاف کرے۔آمین آمین یا رب العلمین !

بجاہ نبی الکریم وصلی اللہ تعالٰی علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم آمین یارب العلمین

الحمدللہ الکریم کہ مرآت شرح مشکوٰۃ جلد سوم ۱۶ جمادی الاوّل ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۵۹ء یوم دوشنبہ کو شروع ہو کر آج ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۶۰ء پنجشنبہ کو ختم ہوئی۔جو اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لیے دعائے مغفرت و قبولیت فرمائے رب تعالٰی اسے جزاء خیر دیگا۔

ناچیز احمد یار خاں نعیمی اشرفی،مقیم گجرات،پاکستان